مصنف کا اظہارِ خیال

میں عرصے سے یہ محسوس کر رہا تھا کہ سیاست کے طلباء اور پارلیمانی نظام زندگی سے دلچسپی
رکھنے والوں اور سیاسی لیڈروں کیلئے سرحد کے آئینی ارتقاء کے متعلق ایک مستند کتاب تصنیف
وں تاکہ انہیں معلوم ہو سکے کہ سرحد کی سرزمین بے آئین کو کس طرح آئینی حیثیت ملی۔ کتاب
ں تصنیف کی غرض و غایت صرف یہ تھی کہ میں عوام کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس صوبے کو آئین دلانے
اور اس صوبے میں سیاسی بیداری پیدا کرنے میں سر صاحبزادہ اور قائد اعظم نے کس قدر عظیم جدوجہد
کی ہے ان کی اس عظیم جدوجہد کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ ان کی ان محنتوں
اور کاوشوں کو احاطہ تحریر میں لایا جائے جو انہوں نے صوبہ سرحد کے لئے سرانجام
دی ہیں۔ سر صاحبزادہ ہندوستان ہی کے نہیں بلکہ ایشیا کے عظیم مدبّر اور سیاستدان
تھے جن کی سیاست اور جن کے تدبر کا لوہا برطانوی حکومت بھی مانتی تھی۔
میں اس عظیم مدبّر اور عظیم شخصیت کے نام پر اپنی اس محنت کو معنون کرتا
ہوں۔

عزیز جاوید

ماخذ

مسلم لیگ اور سرحد۔ تحریک پاکستان اور سرحد۔ قائداعظم اور سرحد
فرنچائز کمیٹی رپورٹ۔ برے کمیٹی رپورٹ۔ سائمن کمیشن رپورٹ، موڈیمن
کمیٹی رپورٹ۔ سرحد ایوولیشن۔ انڈیاونز فریڈم۔ سرحد انکوائری کمیٹی۔ سبجیکٹ
کمیٹی رپورٹ۔ ہفت روزہ اخبار افغان پشاور سنہ ۱۹۱۲ء۔ فرنٹیئر ایڈووکیٹ سنہ ۱۹۲۶-۲۷ء
پشاور ہندو مہاسبھا کانفرنس ۱۹۲۷-۲۸ء۔ پشاور سکھ کانفرنس سنہ ۱۹۳۰ء۔ ڈاکٹر
مونجے کا اعلان تقسیم ہند۔ سرحد آئین ساز کونسل کی رپورٹ ۱۹۳۲ء۔ آئین ساز
اسمبلی کی رپورٹ سنہ ۱۹۳۷ء، سنہ ۱۹۴۶ء۔ سنہ ۱۹۵۱ء۔ مغربی پاکستان اسمبلی کی رپورٹ
سنہ ۱۹۵۶ء۔ سنہ ۱۹۶۲ء، ۱۹۶۵ء۔ سرحد اسمبلی کی رپورٹ سنہ ۱۹۷۰ء، مردم شماری
کی رپورٹ سنہ ۱۹۰۱ء تا سنہ ۱۹۷۰ء۔ ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کی روئیداد
سنہ ۱۹۲۶ء۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس سنہ ۱۹۳۰ء کے لئے وائسرائے کا اعلان، راؤنڈ ٹیبل
کانفرنس کی سب کمیٹیاں۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس سنہ ۱۹۳۱ء اخبار پرتاپ سنہ ۱۹۲۶-۲۷ء
کشمیر ٹائمز ۱۹۴۵ء اخبار ملاپ ۱۹۲۶-۲۷ء۔ برطانوی وائٹ پیپر ۱۹۳۱ء

فہرست مضامین

اظہارِ تشکر

میں اس کتاب کی اشاعت و طباعت کے سلسلے میں پیپلز فنانس کارپوریشن اسلام آباد کا بیحد ممنون ہوں جس کے مالی تعاون سے میں اپنی اس محنت کو عوام کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہوا ہوں۔ کارپوریشن کا یہ احسان صرف مجھ پر نہیں بلکہ ملک کے طلباء، مورخین، سیاستدان اور مستقبل کی نسلوں پر بھی ہے جو اس کتاب سے سرحد کے آئینی ارتقاء کے مختلف مراحل سے واقفیت حاصل کر سکیں گے۔

عزیز جاوید ۱۱ فروری ۱۹۷۵ء

پیش لفظ

از سپیکر صوبائی اسمبلی
شمال مغربی سرحدی صوبہ
محمد حنیف خان

زیرِ نظر کتاب "سرحد کا آئینی ارتقاء" محترمی عزیز جاوید صاحب کی انتھک محنت کا نچوڑ ہے جس سے شمال مغربی سرحدی صوبہ کے آئینی اور سیاسی ارتقاء کے مختلف مراحل سے عوام کو روشناس کرایا گیا ہے۔ مصنّف کی یہ کوشش اس لحاظ سے قابلِ قدر ہے کہ ان کا بنیادی مقصد کسی خاص گروہ یا سیاسی پارٹی کو اہمیت دینے کا نہیں بلکہ ایک غیر جانبدار مورّخ اور محقق کی حیثیت سے انھوں نے یہ کتاب لکھ کر ایک اہم ملکی اور قومی خدمت سرانجام دی ہے۔

یہ کتاب سیاست اور تاریخ کے طلبائ مورّخین اور محققین اور پارلیمانی زندگی سے تعلق رکھنے والوں کے لئے ایک نادر ذخیرہ ہے۔ یہ بات خاص کر قابلِ ذکر ہے کہ :

نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم نے اس صوبے کو آئینی اصلاحات دلانے کے لئے اور ترقی دینے کے لئے جو جدوجہد کی ہے یا بانئ پاکستان حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح نے صوبہ سرحد کو اصلاحات دلانے کے لئے آئینی

طورہ پر جو عظیم جنگ لڑی ہے یہ تمام واقعات پہلی دفعہ اس کتاب کے ذریعے منظرِ عام پر لا کر ایک تاریخی کارنامہ سر انجام دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے جناب عزیز جاوید صاحب کی یہ تصنیف یقیناً امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔

میں اس کتاب کی تصنیف پر مصنف کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں۔

مورخہ ۴ مارچ ۱۹۷۵ء

دستخط

محمد حنیف خان سپیکر صوبائی اسمبلی سرحد

پرنسپل اسلامیہ کالج پشاور

صاحبزادہ محمد زبیر کا پیغام

قابل تحسین ہیں وہ لوگ کہ جن کی وفات کے بعد بھی اُن کے نام زندہ رہتے ہیں اور ان کے کام ایک تحریک کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور لائق ستائش ہیں وہ لوگ جو ایسے نامور اشخاص اور ایسی نادر روزگار شخصیات کی علمی ادبی سیاسی و معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے نقاب کشائی کر کے آنے والی نسلوں کے لئے ایسے چراغ روشن کرتے ہیں جن کی تابندگی ذہنوں میں اجالا اور روحوں میں روشنی پھیلا دیتی ہے۔ میں اپنے آپکو اس اعتبار سے خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ میں اس باکمال فرد کے خاندان کا ایک ادنیٰ سپاہی ہوں جس نے صوبہ سرحد کی سنگلاخ سرزمین میں تعلیمی خدمات سرانجام دینے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی جس کی خواہش تھی کہ اس سرزمین بے آئین کو آئینی

زندگی میسر آئے۔ اور یہاں کے غیور و بہادر نڈر و دلاور افراد کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرکے انہیں زندگی کی نئی قدروں سے روشناس کرایا جائے میں آج اسی کے دارالعلوم میں اس کے ایک ادنےٰ خادم کی حیثیت سے حتی المقدور خدمات انجام دے رہا ہوں۔ میرے نزدیک خواہش قلبی اور فرض منصبی کا اتصال خوش بختی کی دلیل ہے۔ میری ایک دیرینہ تمنّا تھی کہ سر صاحبزادہ عبدالقیوم کی زندگی شخصیت اور اُن کے علمی و سیاسی کارناموں کے بارے میں ایک محققانہ کام کا آغاز ہو۔ اور دنیا کی نظروں کے سامنے ان کی تعلیمی سرگرمیوں، سیاسی دلچسپیوں اور ان کے آئینی کارناموں کے بارے میں تفصیلات پیش کی جائیں۔ تاکہ اہل علم کو معلوم ہو سکے کہ کیسی کیسی نادر روزگار شخصیات اور کیسے کیسے گوہر نایاب اس سنگلاخ وادی میں خوابیدہ ہیں لمحہ بہ لمحہ گذرنے والے اس سلسلہ روز و شب میں اگر کسی کا پرچم در تکریم پر لہرا تا رہے اور رہروان حیات اس کے سامنے سر تسلیم خم کرکے گذرتے رہیں تو یقیناً اس کی عظمت و اہمیت اس مضبوط چٹان کی مانند ہے جس کے ساتھ وقت کی لہریں اپنا سر پھوڑ کر ناکام ہو جاتی ہیں۔

سر صاحبزادہ عبدالقیوم ایسی ہی جاذب توجہ شخصیت تھے۔ وہ دراز قد و قامت مردانہ شکوہ کشادہ پیشانی چمکدار آنکھیں دلچسپ گفتگو اور روشن ضمیر کے مالک تھے۔ وہ گفتار میں فرد اور کردار میں مرد تھے۔ وہ اسلامی دستور حیات اسلامی نظام تعلیم اور اسلامی معاشی نظام کے رائج کرنے کے خواہاں تھے اور اسی کی آرزو انہیں ہمیشہ بے چین رکھتی تھی۔ صوبہ سرحد میں اسلامیہ کالج کی بنیاد اسلامی نظام تعلیم کی ترویج کے لئے خشت اول کے طور پر رکھی گئی۔ ان کی خواہش تھی کہ یہاں سے آدمی نہیں انسان پیدا ہوں۔

ایسے انسان کہ جس کی آرزو مولانا جلال الدین رومی نے کی تھی کہ ؏
گفتار کہ یافت می نشود آنم آرزوست

میرے فرض منصبی کے دوران میری تمنا یوں بار آور ہوئی کہ میرے دوست محترم عزیز جاوید نے اس مشکل کام کا بیڑہ اٹھایا اور سر صاحبزادہ عبدالقیوم مرحوم کی زندگی کے بعض ایسے پہلوؤں کو اجاگر کیا جن کے بارے میں اہل علم و دانش کو بہت کم معلومات ہیں۔ مجھے بے حد مسرت ہوئی کہ ہم میں ایسے افراد بھی موجود ہیں جو پوری توجہ سے ایسے بزرگانِ ملک و ملت کے لئے تحقیق و جستجو کر رہے ہیں جنہیں ہماری نئی نسلیں فراموش کرتی جا رہی ہیں میں سمجھتا ہوں کہ ہم ماضی کی شاندار روایات کو حال سے وابستہ کر کے مستقبل کا تعین کر سکتے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ایسے اہل علم و دانش کو اپنے نوجوانوں سے متعارف کروائیں جن پر گردِ زمانہ کی تہیں آہستہ آہستہ جمتی جا رہی ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم نفسا نفسی کی جنگ سے نکل کر دمکتی ہوئی منزل کی جستجو کریں اور اس جستجو میں ہمیں اپنے پیشروؤں کے کارہائے نمایاں کو ہمیشہ اپنے مدنظر رکھنا چاہیئے۔ ہم اپنی ملت کے جوانوں سے مایوس نہیں۔ کوتاہی ہماری ہے کہ ہم نے ان کو صحیح ذہنی اور روحانی تربیت سے روشناس نہیں کرایا۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم ایک مرتبہ پھر پوری کوشش کر کے اسلامی نشاۃ الثانیہ کا آغاز کریں۔ اور بھرپور طریقے سے اسلامی دستورِ حیات نافذ کرنے میں اپنے فرائض سرانجام دیں۔

چمن میں کونپلیں اسلام کی مرجھائی جاتی ہیں
کہ پامال مظالم سبزۂ نوخیز ہے ساقی

بجائے بادۂ سر جوش شیشوں سے لہو اُبلے
تہِ تیغ اب رگوں میں خون کی گردش تیز ہے ساقی

مجھے یقین کامل ہے کہ عزیز جاوید صاحب کی یہ کوشش یقیناً بار آور ثابت ہوگی۔ ہمارے نوجوان اور خاص طور پہ دارالعلوم اسلامیہ کے طلباء اس کتاب سے کماحقہٗ استفادہ کریں گے۔ اور یہ جاننے کی سعی کرینگے کہ جس باکمال نے اس درسگاہ کی بنیاد رکھی اور جس نے آج سے ۶۵ برس پہلے مستقبل میں جھانک لیا۔ وہ کیسی شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے جسم فانی میں کون سی روح متحرک تھی جس نے اس ادارے کی بنیاد رکھ کر اور یہاں کے باشندوں کو آئینی زندگی سے روشناس کرا کے یہاں کے اندھیروں میں اجالوں کا سا سماں پیدا کر دیا۔

خدا کرے کہ یہ علمی کوشش کامیاب ثابت ہو۔

دستخط: صاحبزادہ ایم زیڈ زبیر پرنسپل اسلامیہ کالج پشاور

بیگم زری سرفراز

انتساب

بنام

خاتونِ سرحد بیگم زری سرفراز

میری یہ کتاب عورتوں کے بین الاقوامی سال کے دوران شائع ہو رہی ہے۔ میں اس سلسلے میں اپنی اس تصنیف کو یادگار کے طور پر تحریک پاکستان کی نامور شخصیت، پاکستان کی ممتاز خاتون پارلیمنٹرین، بے لوث سماجی اور سیاسی کارکن، دکھی انسانیت کی بیحد غمگسار اور مددگار خاتون، خاتونِ سرحد بیگم زری سرفراز کے نام پر منسوب کرتے ہوئے انتہائی فخر محسوس کرتا ہوں۔

عزیز جاوید

(سال ۱۹۷۵ء)

تشکر:

میں اس کتاب کی تصنیف کے سلسلے میں اپنے عزیز رفیق رضا سرحدی کا صمیم دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس کتاب کی ترتیب میں مجھے نہ صرف اہم ریکارڈ مہیا کرنے میں مدد دی بلکہ انگریزی ریکارڈ کو اردو میں منتقل کرنے میں بھی انتھک مدد دی۔

عزیز جاوید

صوبہ سرحد

پاکستان کا یہ صوبہ ۳۲-۳۶ عرض بلد شمال کے درمیان واقع ہے۔ یہی وہ شمالی صوبہ ہے جس کے بہادر اور غیور قبائلی انگریزوں کے مقابلے میں پورے ایک سو سال تک سینہ سپر رہ کر آزادی کے لئے عملی جدوجہد کرتے رہے ہے۔ یہی وہ صوبہ ہے جو انگریزوں اور سکھوں کے خلاف جہاد کا مرکز بنا رہا۔ اس صوبے کے باشندوں نے آزادی کی جدوجہد میں بیمثال مالی اور جانی قربانیاں دی ہیں جن میں سے سینکڑوں شہید ہوئے سینکڑوں جلاوطن ہوئے اور ہزاروں قید وبند کی صعوبتیں جھیلتے ہوئے خندہ پیشانی سے جان بحق ہوئے پورے ہندوستان میں آزادی کی جنگ کے دو محاذ تھے۔ ایک سیاسی محاذ تھا جس میں سیاستدان حصہ لے رہے تھے، دوسرا عملی محاذ تھا جس میں سرحد کے آزادی کے پروانے پورے برصغیر کو غلامی سے نجات دلانے کے لئے اپنی جانوں کی۔ اپنی اولاد کی اور اپنی جائیداد کی قربانیاں دے رہے تھے۔ اس عملی محاذ کا مرکز صوبہ سرحد تھا۔ تاریخ آزادی کے واقعات اور عالات اس بات کے شاہد ہیں کہ سیاسی محاذ کو عملی محاذ نے تقویت پہنچائی اگر عملی محاذ پر مجاہدین آزادی مصروف عمل نہ ہوتے تو انگریز سیاسی محاذ پر جنگ کرنے والوں سے اتنا خوفزدہ اور مرعوب ہو کر ہندوستان سے بوریا بستر سمیٹنے میں کبھی اتنی جلدی نہ کرتا۔

حکومت ہند بجٹ کا بیشتر حصہ اس عملی محاذ پر مجاہدین آزادی کے مقابلے پر خرچ کرتی رہی کیئی انگریز فوجی اس محاذ پر مجاہدین کی گولیوں کا نشانہ بنے اور پورے سو سال تک انگریزوں کو اس سرزمین پر آرام اور اطمینان کا سانس لینا نصیب نہ ہوا۔ یہی مسلمانوں کی وہ عملی جدوجہد تھی جس سے تحریک پاکستان کو تقویت پہنچی اور برطانوی حکومت نے قیام پاکستان کا مطالبہ تسلیم کیا۔

یہ شمالی صوبہ شمال مغربی سرحدی صوبہ کہلاتا ہے۔۔ انگریزوں کے

دورِ اقتدار میں ۱۸۴۹ء سے ۱۹۰۱ء تک قبائلی علاقہ سمیت یہ صوبہ پنجاب کے صوبے کا ایک حصہ تھا۔ ۱۹۰۱ء میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ کرزن نے یہاں کے عوام کو جبر و تشدد کے شکنجے میں جکڑنے کے لئے فارورڈ پالیسی کے تحت پشاور، بنوں کوہاٹ۔ ہزارہ۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان اور قبائلی علاقوں کو پنجاب سے الگ کر کے صوبائی حیثیت دے کر چیف کمشنر کی شخصی حکومت کے تحت کر دیا۔ چیف کمشنر صوبے کے سفید و سیاہ کا مالک تھا۔ نظم و نسق براہ راست مرکز کے ہاتھ میں رہا۔ چیف کمشنر مرکز کے ایماء پر یہاں کے عوام پر جابرانہ ایکٹ کے ذریعے حکومت کرتا رہا۔ صوبے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک حصے میں پانچ انتظامی اضلاع پشاور، کوہاٹ، بنوں۔ ہزارہ اور ڈیرہ اسمٰعیل خان اور ان کے ساتھ ملحقہ قبائلی علاقے تھے، دوسرے حصے میں خیبر، کرم، شمالی وزیرستان۔ جنوبی وزیرستان اور ملاکنڈ پانچ ایجنسیاں بنائی گئیں۔ تمام ایجنسیوں کا انتظام چیف کمشنر کے سپرد کیا گیا۔ ملاکنڈ ایجنسی ابتداء سے ہی براہ راست مرکزی حکومت کی نگرانی میں دے دی گئی۔ درہ ملاکنڈ کے دونوں طرف کے علاقے قصبہ تھانہ تک پوری وادی سوات اور کی طرف پلائی کی پہاڑیاں تھیں ان تمام علاقوں میں کرم ایجنسی کی طرح کا نظام نافذ کیا گیا۔ دیر کے ساتھ انگریزوں نے معاہدہ کر لیا تھا شمال مغرب کی طرف کنڑ سے ملی ہوئی باجوڑ کی وادیاں بھی برائے نام ملاکنڈ ایجنسی میں شامل کی گئیں۔

وزیرستان کو ریذیڈنٹ ایجنٹ کے تحت کر دیا گیا۔ انتظامی اضلاع سے ملحقہ قبائلی علاقوں کے سرکاری معاملات متعلقہ اضلاع کے ڈپٹی کمشنروں کے ذریعے طے کئے جاتے تھے، درہ آدم خیل کے آفریدیوں کے معاملات مشترکہ طور پر ڈپٹی کمشنر پشاور اور ڈپٹی کمشنر کوہاٹ کے سپرد تھے، اس علاقے کے نظم و نسق کا ڈھانچہ ۱۸۹۵ء میں مکمل کر دیا گیا تھا ملاکنڈ ایجنسی جو ۱۸۹۵ء میں قائم ہوئی۔ یہ رسمی طور پر دیر، سوات اور چترال کی ایجنسی کہلاتی رہی۔

دنیا کی آئینی تاریخ میں ۱۹۳۲ء تک یہ صوبہ سرزمین بے آئین کہلاتا رہا صوبے کے عوام انگریزوں کے جابرانہ قوانین کے شکنجے میں جکڑے رہے۔ صوبے کے مظلوم عوام کے لئے انصاف کے حصول کے دروازے بند تھے۔ عوام حکمرانوں کے اشاروں پر زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۲ء تک مسلسل بارہ سال تک کی جدوجہد کے بعد سر صاحبزادہ عبدالقیوم اس صوبے کیلئے آئینی اصلاحات کے نفاذ میں کامیاب ہوئے، ۱۹۳۲ء میں اس صوبے میں آئین ساز کونسل کے انتخابات ہوئے پانچ سال کی آزمائش کے بعد ۱۹۳۷ء میں اس صوبے میں جنرل انتخابات ہوئے تو صوبے کے عوام نے پہلی بار آئینی حقوق حاصل کئے۔ ۱۹۳۷ء میں سر صاحبزادہ کے دور حکومت میں مردان کو ضلع بنایا گیا چنانچہ قیام پاکستان سے پہلے یہ صوبہ چھ اضلاع پشاور، کوہاٹ، بنوں، مردان، ڈیرہ اسمٰعیل خان۔ ہزارہ اور قبائلی علاقوں پر مشتمل تھا۔ اس صوبے میں امب، دیر، سوات، چترال اور پھلڑہ کی ریاستیں بھی تھیں۔ ان تمام ریاستوں میں شخصی حکومتیں تھیں۔ قیام پاکستان کے بعد امب، پھلڑہ کی ریاستوں کے عوام کو شخصی اور جابرانہ نظام کی زنجیروں سے آزاد کیا گیا۔ چترال، امب اور دیر کو صدر ایوب کے دور حکومت میں شخصی حکمرانوں سے نجات دلائی گئی، سوات کو جنرل یحییٰ خان کے دور حکومت میں ضلعی حیثیت دے کر اسے شخصی غلامی سے چھٹکارا دیا گیا۔ ان اقدامات کے بعد اب صوبہ سرحد، پشاور، کوہاٹ۔ بنوں۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان ہزارہ۔ دیر، سوات اور چترال کے اضلاع اور ان سے ملحقہ قبائلی علاقوں پر مشتمل ہے قیام پاکستان کے بعد مہمند ایجنسی قائم کی گئی۔ قائداعظم نے ایک فرمان کے ذریعے قبائلی علاقوں سے فارورڈ پالیسی کا خاتمہ کیا۔ قبائلیوں کی ترقی کی طرف خصوصی توجہ دی جانے لگی۔ قبائلی علاقوں کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے جامع پروگرام شروع کیا گیا سڑکوں کے جال بچھا دیئے گئے ہیں آج یہ قبائلی باشندے نہایت شان وشوکت اور عزت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ملاکنڈ ایجنسی کی جگہ اب باجوڑ ایجنسی بنا دی گئی ہے تیراہ کے

کے آفریدی قبائل کو اورک زئی ایجنسی کے تحت کر دیا گیا۔ رزمک کو سب ایجنسی کا درجہ دیا گیا۔

سرحد کے قبائلیوں کو سرحد اسمبلی میں نمائندگی کا حق نہیں ہے کیونکہ قبائلی علاقے کا نظم و نسق اب بھی براہ راست مرکز کے ہاتھ میں ہے۔

یونٹ کے قیام کے دوران قبائلیوں کے لئے مغربی پاکستان اسمبلی میں نشستیں محفوظ تھیں وحدت مغربی پاکستان کی کابینہ میں بھی قبائلیوں کو معقول نمائندگی حاصل رہی۔ یونٹ کے خاتمے کے بعد مرکزی اسمبلی اور سینٹ میں قبائلیوں کو معقول نمائندگی دی گئی ہے۔ وفاقی کابینہ میں بھی قبائلی کو نمائندگی حاصل ہے۔

اورکزئی ایجنسی کا قیام

نومبر ۱۹۷۳ء میں وزیر اعظم بھٹو قبائلی علاقوں کے دورے پر آئے اور انہوں نے قبائلیوں کی ترقی کے لئے مختلف احکامات جاری کئے ان احکامات میں سب سے اہم اورکزئی ایجنسی کے قیام کا اعلان تھا تاکہ اورکزئی قبیلے کے افراد مقامی طور پر اپنے پولیٹیکل حکام کے ذریعے حکومت پاکستان سے قریبی رابطہ قائم رکھ سکیں اس ایجنسی کے قیام کا یہ مقصد بھی تھا کہ اورک زئی قبیلے کے عوام پاکستان کے باقی حصوں کی طرح ترقی کر سکیں اور وہ اپنے وسائل اور صلاحیتیں پاکستان کے لئے وقف کر سکیں۔

۳ دسمبر ۱۹۷۳ء کو وفاقی وزیر مملکت برائے عوامی امور ریٹائرڈ میجر جنرل جمالدار نے نئی اورکزئی ایجنسی کی رسم افتتاح ادا کی جنرل جمالدار نے وزیر اعظم بھٹو کے اعلان کے مطابق نئی ایجنسی کے قیام کی علامت کے طور پر ہنگو میں پولیٹیکل ایجنٹ کے دفتر کا افتتاح کیا۔

نئی اورک زئی ایجنسی کا رقبہ ۱۸۴۸ مربع میل اور اس کی آبادی ۱۹۶۹ء کی مردم شماری کے مطابق تین لاکھ افراد پر مشتمل ہے اس ایجنسی میں سرحدی پٹھانوں کے علی خیل، ملا خیل، ماموزئی، مشتی، شیخان، یار محمد خیل، مانی خیل اور دوسرے قبائل آباد ہیں۔

سرحد میں بیرونی قبیلوں کی آمد

تاریخ سے شواہد سے اور قدیم تہذیب و تمدن سے اس بات کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صوبہ سرحد کے اصلی قدیم باشندے اپنے اصلی روپ میں اب بھی چترال دروش اور کافرستان میں موجود ہیں ان کے علاوہ صوبہ سرحد کے منتقل قدیم باشندے دلہ زاک یا سواتی گوجر قبیلہ کے لوگ تھے۔ یہ لوگ اب سوات اور ہزارہ کے بالائی اور پہاڑی علاقوں میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ صوبہ سرحد میں جتنے بھی قبیلے اور خاندان ہیں یہ سب باہر سے آکر یہاں آباد ہوئے ہیں۔ البتہ صوبہ سرحد کے قبائلی علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے متعلق گمان غالب یہی ہے کہ یہ قبیلے بھی صوبہ سرحد کی قدیم آبادی سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ قبیلے جو باہر سے آکر صوبہ سرحد میں آباد ہوئے ہیں ان کا تفصیلی خاکہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۳۰۰ء میں یوسف زئی، گگیانی، محمد زئی اور اتمان خیل کابل اور کابل کے ارد گرد کے علاقوں سے ہجرت کر کے صوبہ سرحد میں داخل ہوئے۔ جب یہ قبیلے طاقتور ہو گئے۔ تو انہوں نے یہاں کے قدیم باشندوں یعنی دلہ زاک قوم کو پشاور اور اس کے ارد گرد کے علاقوں سے بے دخل کر دیا اور خود ان کی زمینوں پہ قابض ہو گئے۔ گگیانی قبیلے نے داؤد زئی کا علاقہ قبضے میں کر لیا۔ محمد زئی قبیلے نے ہشت نگر کا علاقہ، یوسف زئی قبیلے نے دریائے کا شمالی حصہ قبضے میں کر لیا۔ اتمان زئی قبیلے نے دریائے سوات کی قریبی پہاڑیوں پہ قبضہ کر لیا۔ یوسف زئی قبیلے نے بعد میں طاقت حاصل کر کے حملہ، پنجتار اور دریائے کابل تک کا علاقہ مندڑ کی اولاد کو دے دیا اور رلوند خوڑ رانی زئی سوات اور بنیر کے علاقے اپنے قبضے میں کر لئے یہ دونوں ایک ہی قبیلے

سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی لئے ان دونوں کے مقبوضہ علاقوں کو یوسف زئی کا علاقہ کہا جاتا ہے۔ یوسفزئی قبیلے نے جب سوات کے علاقوں پر قبضہ کیا تو وہاں کے اصل باشندوں کو باہر نکال دیا یہ قبیلے ہزارہ میں پکھلی کے مقام پر جا کر آباد ہوئے۔

سنہ ۱۳۵۰ء میں سرحد کے جنوب کی طرف سے جاٹ قوم ڈیرہ اسمٰعیل خان میں آکر آباد ہوئی۔

سنہ ۱۴۲۰ء میں بلوچ قوم بھی بلوچستان کے دور دراز کے پہاڑی علاقوں سے نکل کر ڈیرہ اسمٰعیل خان میں آکر آباد ہوئی۔

سنہ ۱۴۸۰ء میں بلوچ قوم کے ایک قبیلے ہوت نے ڈیرہ اسمٰعیل خان کا شہر آباد کیا۔

سنہ ۱۶۰۰ء — میں لوہانی۔ گنڈا پور اور کنڈی خاندان ڈیرہ اسمٰعیل خان میں آکر آباد ہوا۔

ان مذکورہ قبیلوں کے علاوہ جو خاندان بھی ہندوستان کے تخت کا وارث بنا اس خاندان کے لوگ بھی ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی طرح سرحد میں کثرت سے آکر آباد ہوئے مثلاً لودھی۔ مغل۔ درانی۔ خٹک۔ سدوزئی۔ علی زئی۔ سادات بنگش۔ گنڈا پور۔ کیانی۔ یوسف زئی۔

تقسیم ملک کے بعد برصغیر کے مختلف حصوں سے مسلمان پاکستان کے دوسرے حصوں کی طرح سرحد میں بھی آکر آباد ہوئے۔

صوبہ سرحد کے چیف کمشنر

(۱۹۰۱ء سے ۱۹۳۲ء تک)

نام	مدت
لیفٹننٹ کرنل سر ہیرلڈ آرتھر ڈین	۲۵ اکتوبر سنہ ۱۹۰۱ء تا سنہ ۱۹۰۸ء
لیفٹننٹ کرنل سر جارج اولف روس کیپل	سنہ ۱۹۰۸ء تا سنہ ۱۹۱۹ء
سر الفریڈ ہملٹن گرانٹ	سنہ ۱۹۱۹ء تا سنہ ۱۹۲۱ء
لارڈ رگبی سر جان میفی	سنہ ۱۹۲۱ء تا سنہ ۱۹۲۳ء
ہوریشو سر نارمن بولٹن	سنہ ۱۹۲۳ء تا سنہ ۱۹۳۰ء
سر اسٹیوارٹ ایڈمنڈ پییرز	سنہ ۱۹۳۰ء تا سنہ ۱۹۳۱ء
سر رالف ایڈون ہوچکن گرفتھ	سنہ ۱۹۳۱ء تا ۱۷ اپریل سنہ ۱۹۳۲ء

صوبہ سرحد کے گورنر

(۱۹۳۲ء سے ۱۹۷۴ء)

نام	مدت
لیفٹننٹ کرنل سر رالف ایڈون ہوچکن گرفتھ	۱۸ اپریل سنہ ۱۹۳۲ء تا فروری سنہ ۱۹۳۷ء
سر جارج کننگھم	۲ مارچ سنہ ۱۹۳۷ء تا سنہ ۱۹۴۶ء
سر اولف کرک پیٹرک کیرو	سنہ ۱۹۴۶ء تا سنہ ۱۹۴۷ء
سر جارج کننگھم	۱۴ اگست سنہ ۱۹۴۷ء تا سنہ ۱۹۴۸ء
سر ایمبروز ڈنڈاس	سنہ ۱۹۴۸ء تا سنہ ۱۹۴۹ء
صاحبزادہ محمد خورشید	سنہ ۱۹۴۹ء تا ۱۴ جنوری سنہ ۱۹۵۰ء
خان بہادر محمد ابراہیم (قائم مقام گورنر)	جنوری سنہ ۱۹۵۰ء تا فروری سنہ ۱۹۵۰ء
ابراہیم اسمٰعیل چندریگر	فروری سنہ ۱۹۵۰ء تا ۲۵ نومبر سنہ ۱۹۵۱ء

خواجہ شہاب الدین — ۲۶ نومبر ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۴ء

خان قربان علی خان — ۱۹۵۴ء تا ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء

(۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء سے ۳۰ جون ۱۹۷۰ء تک صوبائی خود مختاری معطل رہی)

لیفٹننٹ جنرل کے ایم اظہر خان — یکم جولائی ۱۹۷۰ء تا دسمبر ۱۹۷۱ء

حیات محمد خان شیر پاؤ — ۲۴ دسمبر ۱۹۷۱ء تا ۲۸ اپریل ۱۹۷۲ء

ارباب سکندر خان خلیل — ۲۹ اپریل ۱۹۷۲ء تا ۱۵ فروری ۱۹۷۳ء

خان محمد اسلم خان خٹک — ۱۶ فروری ۱۹۷۳ء تا جولائی ۱۹۷۴ء

جولائی ۱۹۷۴ء سے اس کتاب کی اشاعت تک سید محمد غوث سرحد کے گورنر ہیں۔

صوبہ سرحد کی وزارتیں

ایکٹ ۱۹۱۹ء کے تحت کونسل کے انتخابات کے بعد ٹرانسفرڈ ڈیپارٹمنٹ۔

(۱۸ اپریل ۱۹۳۲ء تا فروری ۱۹۳۷ء)

نگران ریزرو ڈیپارٹمنٹ — سر جارج کننگھم

ایگزیکٹو کونسلر — سی ایچ گڈنی

سیکرٹری ٹرانسفرڈ ڈیپارٹمنٹ — اے جے ہوپکنسن

منتقلہ محکموں کے وزیر — نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم

صدر کونسل — خان بہادر عبدالغفور خان

نائب صدر — خان بہادر عبدالرحیم کنڈی

جائنٹ سیکرٹری ریفارمز — نواب مظفر خان

خان بہادر عبدالغفور کی وفات کے بعد مندرجہ ذیل تبدیلی ہوئی۔

صدر کونسل	خان بہادر عبدالرحیم کنڈی بار ایٹ لاء
نائب صدر کونسل	خان حبیب اللہ خان ایڈووکیٹ
سیکرٹری کونسل	شیخ عبدالحمید ایڈووکیٹ
اسسٹنٹ سیکرٹری	عطاء اللہ جان ایڈووکیٹ
سیکرٹری ٹرانسفرڈ ڈیپارٹمنٹ	جے۔ آر ایل براڈ شیو

ایکٹ ۱۹۳۵ء کے بعد
پہلی وزارت
(فروری ۱۹۳۷ء تا ستمبر ۱۹۳۷ء)

وزیر اعلیٰ	نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم کے سی آئی ای
وزیر خزانہ	رائے بہادر مہر چند کھنہ
وزیر زراعت	خان بہادر سعد اللہ خان

اسمبلی سپیکر	ملک خدا بخش خان ایڈووکیٹ
ڈپٹی سپیکر اسمبلی	محمد سرور خان ایڈووکیٹ
سیکرٹری اسمبلی	شیخ عبدالحمید ایڈووکیٹ

نوٹ:۔ ۱۹۳۸ء میں ہدایت اللہ خان سیکرٹری بنے۔

دوسری وزارت
(ستمبر ۱۹۳۷ء تا ۱۹۳۹ء)

وزیر اعلیٰ	ڈاکٹر خان صاحب

وزیر خزانہ	بھنجو رام ایڈووکیٹ
وزیر تعلیم	قاضی عطاء اللہ
وزیر صنعت	محمد عباس خان

اسمبلی سپیکر	ملک خدا بخش ایڈووکیٹ
ڈپٹی سپیکر	محمد سرور خان ایڈووکیٹ

تیسری وزارت

(۲۵ مئی ۱۹۴۳ء تا ۱۳ مارچ ۱۹۴۵ء)

وزیر اعلیٰ	سردار اورنگزیب خان
وزیر خزانہ	سردار عبدالرب نشتر
وزیر تعلیم	ثمین جان خان
وزیر صحت	سردار اجیت سنگھ
وزیر اطلاعات	راجہ عبدالرحمٰن
سپیکر اسمبلی	سردار بہادر خان ایڈووکیٹ
سیکرٹری اسمبلی	علی حیدر شاہ

چوتھی وزارت

(۱۴ مارچ ۱۹۴۵ء تا ۱۲ مارچ ۱۹۴۶ء)

وزیر اعلیٰ	ڈاکٹر خان صاحب
وزیر خزانہ	بھنجو رام گاندھی

وزیر تعلیم	قاضی عطاء اللہ
وزیر مال	عباس خان

سپیکر اسمبلی	سردار بہادر خان
سیکرٹری اسمبلی	علی حیدر شاہ

پانچویں وزارت

(۱ مارچ ۱۹۴۶ء سے ۲۲ اگست ۱۹۴۷ء)

وزیر اعلیٰ	ڈاکٹر خان صاحب
وزیر مال	قاضی عطاء اللہ
وزیر خزانہ	رائے بہادر مہر چند کھنہ
وزیر تعلیم	یحییٰ جان

سپیکر اسمبلی	اللہ نواز خان بار ایٹ لاء
ڈپٹی سپیکر اسمبلی	گردھاری لال
سیکرٹری اسمبلی	خان سعد اللہ خان سکنہ مردان

چھٹی وزارت

(۲۲ اگست ۱۹۴۷ء تا ۱۷ دسمبر ۱۹۵۱ء)

وزیر اعلیٰ	خان عبد القیوم خان
وزیر مال	خان محمد عباس خان ۲۲ اگست تا ۲۰ جنوری ۱۹۴۹ء

محمد فرید خان جنوری ۱۹۴۹ء تا ۱۷ر دسمبر ۱۹۵۱ء

وزیر تعلیم	میاں جعفر شاہ

سپیکر اسمبلی	اللہ نواز خان بار ایٹ لاء
ڈپٹی سپیکر	محمد فرید خان

نوٹ :- ۲۰ جنوری ۱۹۴۹ء کو انتخابی عذر داری کے فیصلے کے نتیجے میں خان محمد عباس خان کو اسمبلی کی رکنیت سے محروم کر دیا گیا اور ان کی جگہ محمد فرید خان کو کابینہ میں شامل کیا گیا۔

ساتویں وزارت

(۱۷ر دسمبر ۱۹۵۱ء تا ۲۲ر اپریل ۱۹۵۳ء)

وزیر اعلیٰ	خان عبد القیوم خان
وزیر تعلیم	میاں جعفر شاہ
وزیر تعمیرات	ملک الرحمٰن کیانی
وزیر مال	سالار محمد ایوب خان
وزیر بلدیات	محمد جلال الدین خان

پارلیمانی سیکرٹری

محمد اسلم خان	چیف پارلیمانی سیکرٹری برائے وزیر تعلیم
محمد یعقوب خان	برائے وزیر بلدیات
نواب قطب الدین	برائے وزیر مال
مرزا شمس الحق	برائے وزیر اعلیٰ
راجہ سردار خان	برائے وزیر صحت

سپیکر اسمبلی	نوابزادہ اللہ نواز خان بار ایٹ لاء
ڈپٹی سپیکر	محمد فرید خان

آٹھویں وزارت

(۲۳ اپریل ۱۹۵۳ء تا ۱۸ جولائی ۱۹۵۵ء)

وزیر اعلیٰ	سردار عبدالرشید خان
وزیر تعلیم	میاں جعفر شاہ
وزیر صحت	مرزا شمس الحق
وزیر تعمیرات	ملک الرحمان کیانی
وزیر مال	سالار محمد ایوب خان
وزیر بلدیات	محمد فرید خان

نوٹ:۔ مرزا شمس الحق تقریباً ڈھائی ماہ کے بعد وزارت سے مستعفی ہو گئے تھے

پارلیمانی سیکرٹری

چیف پارلیمانی سیکرٹری	خان محمد اسلم خان
پارلیمانی سیکرٹری برائے وزیر تعلیم	محمد زمان خان
پارلیمانی سیکرٹری برائے وزیر تعمیرات	راجہ سردار خان
پارلیمانی سیکرٹری برائے وزیر بلدیات	سالار محمد یعقوب خان
پارلیمانی سیکرٹری برائے وزیر صحت	صفی اللہ خان
پارلیمانی سیکرٹری برائے وزیر مال	نواب قطب الدین

نوٹ:۔ بعد میں ارباب نور محمد خان کو وزیر اعلیٰ کا پارلیمانی سیکرٹری مقرر کیا گیا۔

سپیکر اسمبلی — اللہ نواز خان بار ایٹ لاء

ڈپٹی سپیکر — ملک امیر عالم اعوان

نویں وزارت

(۲۹ر جولائی ۱۹۵۵ء تا ۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۵ء)

وزیر اعلیٰ	سردار بہادر خان
وزیر تعمیرات	ملک الرحمان کیانی
وزیر مال	سالار محمد ایوب
وزیر بلدیات	خان محمد فرید خان
وزیر تعلیم	ارباب نور محمد خان
وزیر ترقیات	پیر معصوم شاہ

۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو ایک آرڈی ننس کے ذریعے صوبہ سرحد کو مغربی پاکستان میں ضم کر دیا گیا اور صوبہ سرحد کی صوبائی حیثیت ختم کر دی گئی

دسویں وزارت

یکم مئی ۱۹۷۲ء تا ۱۵ر فروری ۱۹۷۳ء

وزیر اعلیٰ	مولانا مفتی محمود
وزیر مال	سردار عنایت اللہ خان گنڈا پور
وزیر خزانہ	غلام فاروق خان
وزیر اطلاعات	محمد افضل خان
وزیر اوقاف	مولانا عبدالباقی
وزیر تعلیم	امیر زادہ خان

اس وزارت میں پارلیمانی سیکرٹریوں کی بجائے وزراء کے شیر لئے گئے جو مندرجہ ذیل تھے۔

ارباب محمد جہانگیر۔ بابو محمد اکرم خان۔ مولانا عبدالصمد۔ ولی محمد خان نوابزادہ عظمت علی خان۔ محمد اکرم خان۔ مولانا حبیب گل۔

سپیکر اسمبلی	خان محمد اسلم خان خٹک بارایٹ لاء
ڈپٹی سپیکر	ارباب سیف الرحمان ایڈووکیٹ

گیارہویں وزارت

(۲۹ مئی ۱۹۷۴ء سے ۱۷ فروری ۱۹۷۵ء تک)

وزیر اعلیٰ	سردار عنایت اللہ خان گنڈاپور
وزیر جنگلات	نوابزادہ عظمت علی خان
وزیر تعمیرات	ہمایوں سیف اللہ
وزیر قانون و سیاحت	حق نواز خان
وزیر بلدیات و سپورٹس	قادر نواز خان
وزیر ایکسائز و ٹیکسیشن	حاجی عبدالمستعان
وزیر محنت	عبدالصمد خان
وزیر اطلاعات	سید مزمل شاہ
وزیر دیہی ترقی و خاندانی منصوبہ بندی	سردار گل زمان خان
وزیر تعلیم	راجہ جارج سکندر زمان خان
وزیر زراعت و حیوانات	ہارون بادشاہ
وزیر جیل خانہ جات و امداد باہمی	امان اللہ خان

وزیر خوراک	حاجی محمد رحمان
وزیر خزانہ	اقبال خان جدون
وزیر داخلہ	حیات محمد خان شیرپاؤ

نوٹ :- اس وزارت میں چونکہ وزیر زیادہ لئے گئے اس لئے پارلیمانی سیکرٹری یا مشیر مقرر نہیں کئے گئے، البتہ اگست ۱۹۷۴ء میں نواب محسن علی خان کو وزیر اعلیٰ کا پارلیمانی سیکرٹری مقرر کیا گیا۔

سپیکر	محمد حنیف خان
ڈپٹی سپیکر	ارباب سیف الرحمان ایڈووکیٹ

گورنری راج (۱۶ر فروری ۱۹۷۵ء تا مئی ۱۹۷۵ء)

گورنر کے مشیر

۱۔ خان فدا محمد خان (۲) جی ایم خان (۳) سید افتخار گیلانی۔

بارہویں وزارت

از مئی ۱۹۷۵ء

وزیر اعلیٰ	خان نصر اللہ خان خٹک

امور داخلہ، جنرل نظم و نسق، منصوبہ بندی، جنگلات، خزانہ، ترقیات اور اطلاعات۔

وزیر قانون و پارلیمانی امور	سردار عنایت اللہ خان گنڈاپور
وزیر صحت و خاندانی منصوبہ بندی و سماجی بہبود و حسنیات	ہمایوں سیف اللہ خان
وزیر تعلیم و سپورٹس	راجہ جالج سکندر زمان خان
وزیر مال، ایکسائز و ٹیکسیشن	اقبال خان جدون
وزیر اوقاف و جیل خانہ جات	مولانا عبد الباقی
وزیر صنعت، خوراک، زراعت اور بلدیات	عبد الرزاق خان

پشاور کی زبانیں

قدیم زمانے میں پشاور کافی عرصہ گندھارا سلطنت کا مرکز اور کچھ عرصہ سلطنت باختریہ کا ایک صوبہ رہا ہے۔ قدیم ماخذوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے کئی ہزار سال پہلے افغانستان کو باختر۔ بدخشان کو تخارستان، بخارا اور سمرقند کو سغد، خوارزم کو خوارزمیش، ہرات کو ہریانہ، خراسان کو اپارتیا، کرمان کو کارامانیا، سیستان کو سکاستین یا سجستان، قندہار کو اراکوسیا اور زابلستان۔ بلوچستان کو اوریشیا، سندھ کو انڈس، پنجاب کو زت گوش، کشمیر کو بلورستان یا بولر، چترال کو نورستان، پشاور، سوات اور کابل کو پاکتیا یا پاختیا اور ہزارہ جات کو غورست کہتے تھے۔

پاکتیا اور پاختیا کے لوگ نسلاً آریہ قبائل میں سے تھے، جن کے مشہور قبیلے پشتون باختری، تخاری، دادیک یا تاجک، پارتھی، اسکائی، سغدی اور ملوچ تھے۔ زمانہ کے گذرنے کے ساتھ ساتھ یونانی، سامی اور قدیم ہندی قبیلے بھی ان مذکورہ قبیلوں کے ساتھ خلط ملط ہوتے چلے گئے۔

باختریہ کے لوگوں کا لب و لہجہ حقیقی طور پر آریا قوم کی طرح تھا۔ باختری، تخاری تاجکی، پشتو، ہروی۔ زابلی، سکزی۔ بلوری اور سغدی زبانیں ان لوگوں کی قدیم زبانیں تھیں جو ایک ہی شاخ سے تعلق رکھتی ہیں۔ مختلف اقوام کی مختلف زبانوں کا اثر بھی ان زبانوں نے قبول کیا جن میں پراکرت، پنجابی، سندھی، کشمیری اور شینا زبانیں خاص کر قابل ذکر ہیں۔

باختری علاقوں کے لوگوں کا مذہب مختلف زبانوں میں مختلف رہا ہے۔ ان مذہبی رجحانات میں عناصر پرستی، زردشتی، بودھ اور برہمنی مذہب خاص کر قابل ذکر ہیں۔

گندھارا اور باختریہ کی مدنیت کا شمار ایشیا کی قدیم ترین مدنیت میں ہوتا ہے۔ یہ تمدن باختری اور بودھ تمدن کے نام سے اقوام عالم کی تاریخ میں خاص مقام رکھتا ہے

آج کل سرحد پشاور میں اور ارد گرد کے علاقوں میں ہندکو۔ بنوں میں خاص بنوچی۔ وزیرستان میں ارمڑ اور وزیری ہزارہ میں ہندکو۔ سوات میں سواتی اور چترال میں چترالی اور کافرستان میں قدیم کافرستانی زبان بولی جاتی ہے تقسیم ملک کے بعد مہاجرین کی آمد کی وجہ سے یہاں اردو خاص و عام بولی جا رہی ہے۔

حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی پیدائش سے پہلے گندھارا کا علاقہ سلطنت باختریہ کا ایک اہم صوبہ تھا۔ سلطنت باختریہ کو آریانہ اور آریا ورت بھی کہتے تھے اسلام کے ظہور کے بعد اس سلطنت باختریہ کو خراسان کہتے تھے۔ قدیم سلطنت باختریہ میں قطغن۔ بدخشاں۔ میمنہ و مزار۔ بخارا اور سمرقند۔ خوارزم۔ ہرات خراسان۔ کرمان۔ سیستان۔ قندھار۔ بلوچستان۔ سندھ۔ پنجاب۔ کشمیر چترال۔ سوات۔ پشاور۔ کابل اور غور کے علاقے شامل تھے جنہیں قدیم زمانے میں بالترتیب تخارستان۔ باختر۔ سغد۔ خوارزمیش۔ اریانا۔ اپارتیا۔ کارامینا سکاستین یا سجستان۔ زابلستان یا اراکوسیا۔ اورشیا۔ راندس۔ زرت گوش بلورستان۔ یا بولر۔ پاکتیا۔ یا پاختیا اور غور کہتے تھے۔

سلطنت باختریہ کے قدیم باشندے آریا تھے جن کے مختلف قبیلوں کے نام پشتون، باختری۔ دادیک۔ یا تاجک، پارتھی، اسکائی، سغدی اور بلوچی تھے۔ زمانے کی گردش اور سلطنت باختریہ کے عروج و زوال کے ساتھ ساتھ ان علاقوں میں یونانی، سامی، عربی، ایرانی، اور چینی باشندوں نے بھی آ کر سکونت اختیار کر لی جو قدیم باشندوں کے ساتھ خلط ملط ہو کر یہاں کے ہی باشندے شمار ہونے لگے۔

گندھارا کی زبان اور لہجے کے متعلق عام طور پر تحقیق کی گئی ہے کہ یہ زبان اور لہجہ آریا زبان اور آریا لہجے سے مشتق ہے۔ گندھارا کی زبان باختری، تخاری، تاجکی، پشتو، ہردی، زابلی، سکزی، بلوری اور سغدی تھی۔

بعد میں بیرونی قوموں کے اختلاط کی وجہ سے یونانی، عربی اور فارسی نے بھی اس علاقے کی زبان پر اپنا کافی اثر ڈالا مذکورہ زبانوں کے الفاظ کے علاوہ کئی دوسری یورپین زبانوں کے الفاظ نے بھی جگہ لی جس کا اثر یہ ہوا کہ اس زبان نے کافی ترقی کر لی اور پھر رفتہ رفتہ اس زبان میں کتابیں تصنیف ہوئیں۔ اخبارات اور رسالے جاری ہوئے اور دوسری زبانوں کے علمی ذخیروں کو اس زبان میں منتقل کیا جانے لگا ہے۔

سرحد میں پشتو زبان مختلف حصوں میں مختلف لب و لہجے کے ساتھ بولی جاتی ہے، مثلاً بنوں میں بنوسی اور پشاور میں پشاوری پشتو بولی جاتی ہے۔ کانی گرم کے قبائلی علاقے میں ارمڑ، سوات میں گوجری اور سواتی، چترال میں چترالی، کوہستان میں کوہستانی۔ ہزارہ میں ہزارے وال ہندکو اور پشتو۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان میں مخصوص ڈیرہ وال ہندکو اور پشتو لور کوہاٹ میں کوہاٹی زبان بولی جاتی ہے۔

قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کے آنے کی وجہ سے اور پھر صوبائی سطح پر اردو زبان کو اہمیت دینے کی وجہ سے اس علاقے میں اردو زبان کو فروغ حاصل ہو چکا ہے۔
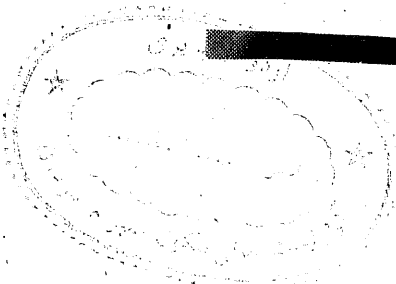
سرحد کی آبادی

(بحوالہ مردم شماری)

جن کی بنیاد پر سرحدی اضلاع کو اسمبلی میں نمائندگی دی جاتی رہی۔

	۱۹۰۱	۱۹۱۱	۱۹۲۱	۱۹۳۱	۱۹۴۱	۱۹۵۱	۱۹۶۱	۱۹۷۲
پشاور	۷۸۸۷۰۷	۵۵۶۶۱۱	۵۷۶۴۸۳	۶۱۷۳۴۹	۸۵۱۸۳۳	۹۰۳۲۳۰	۱۱۷۰۱۸۳	۱۷۱۱۳۰۰
مردان	—	۳۰۸۲۹۳	۳۳۰۸۸۴	۳۵۶۹۷۲	۵۰۶۵۳۹	۶۲۹۲۷۳	۸۱۳۸۴۴	۱۲۲۲۳۰۰
کوہاٹ	۲۱۷۸۶۵	۲۲۲۶۹۰	۲۱۴۱۲۳	۲۳۶۲۷۳	۲۸۰۴۰۴	۳۰۰۶۸۲	۳۷۴۴۰۴	۵۸۹۳۰۰
بنوں	۲۲۶۸۰۱	۲۵۰۰۸۶	۲۴۶۷۳۴	۲۷۰۳۰۱	۲۹۵۹۳۰	۳۰۷۳۹۳	۳۷۵۲۹۹	۵۹۸۳۰۰
ڈیرہ اسمٰعیل خان	۲۴۷۸۷۳	۲۵۶۱۲۰	۲۶۰۷۶۷	۲۷۴۰۴۴	۲۹۸۱۳۱	۲۹۰۹۹۶	۳۵۳۲۴۷	۴۷۵۳۰۰
ہزارہ	۵۶۰۲۸۸	۶۰۳۰۲۸	۶۲۲۳۴۹	۶۷۰۱۱۷	۷۹۶۲۳۰	۸۰۷۵۱۷	۱۳۸۵۰۰۰	۳۰۲۵۰۰۰
پشاور کا ملحقہ قبائلی علاقہ							۴۳۰۰۰	۶۰۰۰۰
کوہاٹ کا ملحقہ قبائلی علاقہ							۲۵۰۰۰	۳۲۸۰۰۰
ڈیرہ کا ملحقہ قبائلی علاقہ							۳۱۰۰۰	۹۰۰۰۰
بنوں کا ملحقہ قبائلی علاقہ							۵۳۰۰۰	۶۴۰۰۰
باجوڑ ملاکنڈ ایجنسی							۲۸۰۰۰۰	۳۶۴۰۰۰
مہمند ایجنسی							۲۹۴۰۰۰	۳۸۳۰۰۰
خیبر ایجنسی							۳۰۱۰۰۰	۳۹۷۰۰۰
کرم ایجنسی							۲۰۱۰۰۰	۲۸۱۰۰۰
نارتھ وزیرستان							۱۵۹۰۰۰	۲۵۲۰۰۰
ساؤتھ وزیرستان							۲۳۵۰۰۰	۳۰۸۰۰۰

سکھ اور سرحد

۱۸۲۳ء: سمند خان کی قیادت میں سرحد کے غیور پٹھانوں نے نوشہرہ میں موضع پیر سباق کے مقام پر سکھوں کی ایک بھاری فوج کا مقابلہ کیا۔ اس جنگ میں سکھوں کا مشہور سپہ سالار پھولا سنگھ میدان جنگ میں مارا گیا۔ سرداران پشاور کی درپردہ سازش کی وجہ سے رنجیت سنگھ کی فوج کامران اور کامیاب ہوکر پشاور میں داخل ہوئی۔ آفریدی مجاہدین نے اللہ اکبر کے نعروں کی گونج میں سکھوں کے ساتھ مقابلے کی تیاری شروع کی۔ پہلے مجاہد آفریدیوں نے دریائے باڑہ کا بند توڑ دیا جس سے سکھ فوج سراسیمہ ہوگئی پھر آفریدیوں نے چاروں طرف سے حملے شروع کر دیئے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بہادر آفریدیوں کے حملے کے خوف سے پشاور کا علاقہ سرداران پشاور کے حوالے کر دیا تاکہ وہ سکھ دربار کے باجگزار کی حیثیت سے سرحدی علاقوں پر حکومت کریں۔ یہ چاروں سردار سکھ دربار کے نائب نیکہ سرحدی علاقوں پر حکومت کرنے لگے اور سالانہ روپیہ لاہور دربار میں بطور خراج کے ادا کرنے پر راضی ہوگئے اب سرحد میں سکھ دربار لاہور کا حکم چلتا تھا اور اس کی نمائندگی کرنے والے بارکزئی سردار اور سکھوں کے مددگار بعض سرحدی اکابر تھے۔ سکھوں نے سرحد کو اپنے زیر اثر کرنے کے بعد یہاں طرح طرح کے ظلم وستم کرنا شروع کر دیئے۔

۱۸۲۶ء میں سید احمد شہید مجاہدین اسلام کی ایک جماعت لیکر سرحدی علاقوں کو سکھوں سے نجات دلانے کے لیئے پشاور پہنچے۔ مجاہدین اسلام نے سرحدی مجاہدوں کو ساتھ لے کر نوشہرہ کے مقام پر سکھوں کی فوج کا مقابلہ کیا۔ سرداران پشاور کی مدد خفیہ طور پر سکھوں کے ساتھ تھی۔ باوجود اس کے مجاہدین اسلام کامیاب

ہوئے اور ۱۸۳۰ء میں پشاور میں اسلامی حکومت قائم ہوئی جو ۱۸۳۱ء تک رہی۔

مجاہدین کی کامیابی کی وجہ سے اور پشاور میں اسلامی حکومت کے قیام سے ایسٹ انڈیا کمپنی اور سکھ دربار دونوں خائف ہو گئے۔ ان دونوں نے مسلمانوں کی اس مذہبی جنگ یعنی جہاد کی تحریک کو ختم کرنے کے لئے گٹھ جوڑ کیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور سکھ دربار کے گٹھ جوڑ نے چند ہندوستانی علماً کی خدمات حاصل کر کے سید احمد شہید اور مجاہدین اسلام کے خلاف کفر کے فتوے لکھوا کر سرحدی علاقوں اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں تقسیم کئے۔ سرداران پشاور نے بھی چند سرحدی علماً کو اپنا حامی بنا کر جہاد کی اس تحریک کو ختم کرنے کیلئے سید احمد شہید اور مجاہدین اسلام کے خلاف کفر کے فتوے لکھوا کر سرحد کے تمام علاقوں میں تقسیم کئے تاکہ سرحد کے پٹھان جہاد کے جذبے سے سرشار تھے۔ لالچی اور حریص لوگ تو سکھوں کی در پردہ سازش میں شریک ہو گئے۔ سرحد کے پٹھانوں کو علاقائی رسم ورواج میں مداخلت کی غیرت دلا کر مردان کے تمام اضلاع میں پشاور کے علماء کے فتوے خفیہ طور پر تقسیم کرائے جس میں یہ لکھا تھا کہ سید احمد شہید اور ان کے پیروکاروں کو قتل کرنا ثواب ہے۔ آخر ان تمام سازشوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ مجاہدین کو مسجدوں میں نمازیں پڑھتے ہوئے حجروں میں سوئے ہوئے تہجد پڑھتے ہوئے بے دردی سے شہید کیا گیا۔ مسجدیں حجرے اور مجاہدین اسلام کی قیام گاہیں خون سے لالہ زار بن گئیں۔

مجاہدین اسلام کو تہ تیغ کرنے کی تمام سازش کی ذمہ داری افغان قوم کی محمد زئی شاخ کے سرداروں پہ عائد ہوتی ہے جنہوں نے سکھوں کو سرحد پر قبضہ کرنے کی دعوت دی اور پھر سکھوں سے ساز باز کر کے مجاہدین اسلام کے خلاف کفر کے فتوے لکھوا کر شائع کرائے اور مجاہدین اسلام کو تہ تیغ کرایا۔ سرحد میں سکھوں اور انگریزوں کے قدم جمانے میں کابل کی محمد زئی شاخ کے سرداروں نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔

افغان کون ہیں؟

افغان یا پٹھان ایک ہی قوم کے دو مختلف نام ہیں۔ اس جفاکش، غیور اور بہادر قوم کے لئے مختلف دور میں مختلف رائیں قائم کی گئی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آریہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ بنی اسرائیل ہیں مگر محققین کی اکثریت نے مدلل انداز میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ آریہ نہیں بلکہ بنی اسرائیل ہیں۔ محققین کی تحقیق کا نچوڑ درج ذیل ہے۔

تحقیق	حوالہ
افغان سامی النسل اور ساؤل کے پوتے افغانہ کی اولاد میں سے ہیں جو کہ حضرت سلیمان کی فوج کا کمانڈر انچیف تھا قیس ساؤل کی اٹھارویں پشت میں تھا جس نے ۹ھ مطابق ۶۳۰ء پیغمبر خدا کے سامنے اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلعم نے اسے "بطان" کا خطاب دیا یہی بطان بعد میں پٹھان کے نام سے مشہور ہوا اور اس کی نسل پٹھان کہلائی۔	کتاب "افغانستان" مصنفہ لفٹننٹ جنرل سر جارج میک مونن مصنف نیرنگ افغانی ص ۱۲۱، ۱۲۲
قیس غور کے ایک گاؤں پشت کا رہنے والا تھا اس نے ۹ سنہ کے ساتھ اسلام قبول کیا۔	حیات افغانی
افغان بنی اسرائیل ہیں	تاریخ گزیدہ مصنفہ حمید اللہ مستوفی
افغان بنی اسرائیل ہیں	شیخ ملی کی کتاب پشتو جو ۱۴۹۴ میں لکھی گئی

تحقیق	حوالہ
افغانوں کا قومی نام بنی اسرائیل ہے	تذکرۃ الابرار مصنفہ اخون درویزہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے حضرت عیسیٰؑ تک مصر اور بابل کے بادشاہ ان کو ایذا دیتے رہے جس کی وجہ سے انہوں نے اپنا نام پہشت رکھ لیا تاکہ بابلیوں اور مصریوں کے ایذا سے بچ سکیں یہی پہشت بگڑتے بگڑتے پشتون بن گیا۔	ہندوستانی زبانوں کی تحقیق جلد ۱۰ ص ۳۰۵
جب نادر شاہ ہندوستان کو جاتے ہوئے پشاور پہنچا تو پشاور میں یوسفزئیوں نے نادر شاہ کو عبرانی زبان میں لکھی ہوئی اور کچھ کاغذات پیش کئے یہ چیزیں ان کے پاس محفوظ تھیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ افغان بنی اسرائیل ہیں۔	ریویو آف ریلیجنز قادیان جون ۱۹۰۴
ماننا پڑتا ہے کہ افغان بنی اسرائیل ہیں۔	سفرنامہ برن ص ۳۹
افغان بنی اسرائیل ہیں	ڈاکٹر بیلو
مخصوص رسم و رواج کی بنا پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ افغان بنی اسرائیل ہیں	ڈاکٹر بینل
یہودی دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ سنہ ۶۳ ق م میں باختر اور ہرات میں مسکن پذیر ہوئے اور ان کے ڈھائی قبیلے ہرات میں رہ گئے تھے یہی وہ افغان ہیں	فارلانگ کی کتاب مذہب کی سائنس ص ۳۱

تحقیق	حوالہ
افغان قوم بنی اسرائیل کے دس گم شدہ قبیلوں میں سے ہیں۔	فیریر بحوالہ مالیسن
شنسبانی خاندان کے دورِ حکومت میں بنی اسرائیل قوم وہاں موجود تھی جو اردگرد کے علاقوں سے تجارت کرتی تھی اور غور میں مسکن پذیر تھی یہی بنی اسرائیل افغان ہیں۔	طبقات ناصری
بنی اسرائیل کے جو بڑے قبیلے قیدی بنا لئے گئے تھے وہ بھاگ کر غور میں آ گئے یہی لوگ افغان ہیں	ایشیائی تحقیق ص ۷۶
افغان بنی اسرائیل ہیں	مرآۃ الافغانی بحوالہ راورٹی ص ۳۴۴
افغان بنی اسرائیل ہیں	کتاب مرآۃ الافغانی
افغان بہت پرانا نام ہے اس کا ذکر ۳۵۵ھ کی تصنیف تاریخ میں ملتا ہے۔	اسلامک کلچر حیدرآباد دکن جلد ۲۳ ص۱ ص۲

ان مسلّم تحقیقات کی روشنی میں یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ افغان دراصل بنی اسرائیل ہیں
افغان قوم کو آنحضرت نے بطان کا نام دیا۔ ہندوستان کے لوگوں نے پٹھان کا نام دیا۔
قدیم تاریخ نے اسرائیلی نام دیا۔ افغان قوم نے اپنے آپ کو پشتون یا پختون نام دیا۔
تاتاریوں اور ایرانیوں نے افغان یا اوغان نام دیا عربوں نے ان کا نام سلیمانی رکھا۔

سرحد اور اس کے قدیم حکمران

پانچ سو سال قبل مسیح سے پہلے سرحد کے کچھ غیر مسلسل تاریخی حالات اور اشارات
پرانی کتابوں راج ترنگنی، ہرش چرتر، چندر ایشار امائن مہابھارت اور ژند اور اوستا میں ملتے ہیں
کچھ جزوی حالات جو معلوم بھی ہوئے ہیں ان کے ماخذ سرحد کے آثار قدیمہ، کتبے، سکے اور
پرانے قصّے کہانیاں ہیں۔ آثار قدیمہ سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ صوبہ سرحد بودھ مذہب کے
زمانے میں بودھوں کا بہت بڑا مرکز تھا اور اس کے باشندے زیادہ تر بودھ مذہب کے
پیرو کار تھے۔ بودھ مذہب کے زمانے میں گندھارا کا علاقہ شرقاً غرباً ۱۴۶ میل اور
شمالاً جنوباً ۱۳۳ میل کے رقبے پر مشتمل تھا۔ وادی سوات، کرم کی پہاڑیاں، خیبر کی پہاڑیاں
اور ہزارہ کا علاقہ بودھ تہذیب اور تمدن سے پوری طرح متاثر تھا۔ پشاور گندھارا کا
سب سے بڑا شہر تھا۔ شتنگر گندھارا کا دارالخلافہ تھا جہاں بدھ مت کا بہت بڑا مندر
تھا جس کا نام ٹیسکلواتی تھا۔ یہ مندر چارسدہ اور پڑانگ کے درمیان دریائے سوات
کے مشرقی کنارے پہ واقع تھا۔ یہی وہ مشہور مندر تھا جہاں مہاتما بدھ نے اپنی آنکھیں
نذر کی تھیں۔

بدھ مت کے دور کی تاریخی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں بنوں کا نام
پونا، ضلع ہزارہ کا نام صلاش اور اس کے دارالخلافے کا نام مانگلی، پشاور کا نام پراشوار
یا پرشاور اور سلطنت کے دارالخلافے کا نام گندھارا تھا۔ مندرجہ ذیل مؤرخ اور سیاحوں
نے صوبہ سرحد کی قدیم تاریخ پر روشنی ڈالی ہے۔ فاہیان، سونگ یگ، ہیون سانگ
ٹالمی، کلیانہ، علامہ ابوریحان البیرونی، علامہ مسعودی۔

فاہیان پانچویں صدی عیسوی میں چین سے کابل کے راستے کرم اور بنوں سے ہوتا

ہوا گندھارا پہنچا تھا۔

سون نیگ۔ چھٹی صدی عیسوی میں چین سے کابل کے راستے گندھارا پہنچا تھا۔

ھیون سانگ چینی سیاح تھا جو کابل اور ترکستان سے ہوتا ہوا ۶۳۰ء میں بنوں کے راستے گندھارا پہنچا تھا۔

ٹالمی مشہور جغرافیہ دان تھا جو ۶۴۶ء میں چین سے کابل کے راستے گندھارا پہنچا تھا۔

کلیانہ۔ دسویں صدی عیسوی میں ہزارہ میں آیا اس نے ہزارہ کا نام ورش لکھا ہے وہ اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے کہ میں جب ہزارہ میں پہنچا تو اس وقت کلاہ شاہ والی کشمیر اس علاقے پر حکمران تھا جس کی حکومت ۱۰۶۳ء سے ۱۰۸۹ء تک اس علاقے پر رہی۔

علامہ ابوریحان۔ مسلمان سیاح اور جغرافیہ دان تھا وہ بھیس بدل کر دسویں صدی عیسوی میں کابل کے راستے پشاور پہنچا۔ اس نے اپنی تحریروں میں پشاور کا نام پرشاور لکھا ہے۔ ایک دوسرا مسلمان سیاح علامہ مسودی تھا جو بارہویں صدی عیسوی میں پشاور آیا۔ اس نے بھی اپنے سفر نامے میں پشاور کا نام پرشاور لکھا ہے۔

گندھارا کے تاریخی دور کے مطابق اس علاقے پر جن جن خاندانوں کی حکومت رہی ان کا نام اور دور اقتدار ذیل کے تاریخی لحاظ سے یوں بیان کیا جاتا ہے۔

۵۵۰ قبل مسیح سے ۳۳۱ قبل مسیح تک صوبہ سرحد ایران کا ایک صوبہ رہا یہ دور ہنجی منشی دور کہلاتا ہے۔ اس دور میں پشاور کا نام پشکا پورس اور گندھارا کا دارالخلافہ پشکلاوتی یعنی چارسدہ تھا۔ کسریٰ۔ دارائے اعظم کیخسرو۔ دارائے ثانی اور ان کے جانشینوں کا اس دور میں اس صوبے پر اقتدار رہا۔

۳۳۱ ق م سے ۳۰۶ ق م تک صوبہ سرحد پر مقدونوی خاندان حکمران رہا اس خاندان کا پہلا حکمران سکندر اعظم تھا اس خاندان کے دور میں گندھارا کا دارالخلافہ پشکلاوتی یعنی

چارسدہ تھا۔

۳۰۰ ق م سے ۲۶۴ ق م تک بدامنی اور افراتفری کا دور رہا

۲۶۴ ق م سے ۱۸۵ ق م تک موریہ خاندان اس علاقے پر حکمران رہا۔ اس خاندان میں اشوک بہت ہی مشہور بادشاہ گذرا ہے۔ جس نے صوبہ سرحد میں بدھ مذہب کی توسیع اور اشاعت کے لئے بہت زیادہ کام کیا۔

۱۸۵ ق م سے ۹۷ ق م تک اس علاقے پر یونان کے باختری خاندان نے حکومت کی۔

۹۷ ق م سے ۷ء تک ایران کی ساکا قوم نے اس علاقے پر اقتدار قائم رکھا۔

۷ء سے ۶۰ء تک اس علاقے پر ایران کی پارتھی قوم کا اقتدار رہا۔

۶۰ء سے ۲۳۰ء تک یہاں کشان خاندان برسر اقتدار رہا۔ اس خاندان میں کنشک بہت مشہور بادشاہ گذرا ہے اس کے زمانے میں بھی سرحد میں بدھ مذہب کو بہت عروج حاصل ہوا۔ مگر اس خاندان کے آخری حکمرانوں نے برہمن مت اختیار کر لیا تھا۔ اس خاندان کے دور حکومت میں پشاور سلطنت کا دارالخلافہ تھا جس کا نام پرشاپور تھا۔

۲۳۰ء سے ۳۶۵ء تک اس علاقے پر ایران کے مشہور ساسانی خاندان کا اقتدار رہا۔ ساسانی زبان کے اثر کی وجہ سے اس کے دارالخلافے پشاور کا نام پشکیپورہ تھا۔

۳۶۵ء سے ۴۵۵ء تک اس علاقے پر ایران کے کداری خاندان کا اقتدار قائم رہا

۴۵۵ء سے ۵۶۸ء تک یہ علاقہ وسط ایشیا کی ترک قوم کی ایک شاخ سفید ہن کی تاخت و تاراج کا مرکز رہا۔ یہ قوم باختر میں ۵۶۸ء تک برسر اقتدار رہی۔

۵۶۸ء سے ۶۵۰ء تک اس علاقے پر ایران کی ساسانی قوم کا اقتدار قائم رہا

۶۵۰ء سے ۸۷۰ء تک اس علاقے پر کابل شاہی۔ رتبیل یا زنبیل خاندان برسر اقتدار رہا۔ یہ خاندان کشان اور ہیتال خاندان کا میل تھا۔

۸۷۰ء سے ۹۶۰ء تک اس علاقے پہ ہندو شاہیہ نے حکومت کی یہ پہلا خاندان تھا جس کے دورِ حکومت میں ہنڈ کو سلطنت کا دارالخلافہ بنایا گیا۔ ہنڈ ضلع مردان میں واقع ہے جہاں قدیم آثار پائے جاتے ہیں۔

۹۶۰ء سے ۱۱۵۹ء تک اس علاقے پر غزنوی خاندان کی حکومت رہی۔ یہ سب سے پہلا مسلمان خاندان تھا جس نے ۹۶۰ء میں گندھارا پہ قبضہ کر کے یہاں اسلامی پرچم سربلند کیا۔

۱۱۵۷ء سے ۱۲۰۶ء تک صوبہ سرحد پہ غوری خاندان برسرِ اقتدار رہا اس دور میں دہلی دارالخلافہ بنا اور لاہور سے غزنی کا الحاق ختم ہو جانے کی وجہ سے

۱۲۰۶ء سے ۱۲۱۶ء تک سرحد میں طوائف الملوکی قائم رہی اس دور میں افغانستان خراسان، ایران، تاتار، غزنی اور قندھار کے پٹھان علاقے کے سرکردہ خوانین کی طوائف الملوکی سے تنگ آکر ہندوستان کے مختلف حصوں میں جا کر آباد ہوئے۔

اس دور میں پٹھانوں کے مشہور قبیلے یوسف زئی، محمد زئی، گگیانی اور اتمان خیل کابل اور اس کے گرد و نواح کے پہاڑوں سے نکل کر صوبہ سرحد میں داخل ہوتے یہاں ان دنوں دلہ زاک قوم آباد تھی جس نے مہمان قبیلوں کی آؤ بھگت کی اور رہنے سہنے کیلئے زمینیں وغیرہ بھی دیں مگر کافی عرصے کے بعد جب ان قبیلوں نے طاقت حاصل کر لی تو انھوں نے دلہ زاک قوم کو لڑ جھگڑ کر ہزارے کی طرف دھکیل دیا اور خود بنیر اور سوات کی وادیوں تک قابض اور مالک ہو گئے۔ جب دلہ زاک قوم سے انھوں نے یہ علاقے خالی کرا دیئے تو پھر ان قبیلوں نے اپنے متفقہ رہنما شیخ ملی کے تصفیئے کے مطابق اپنے اپنے علاقے تقسیم کر دیئے اور یہیں مستقل طور پہ رہنے سہنے لگے۔ ۱۲۰۶ء سے ۱۲۲۰ء تک اس علاقے میں افراتفری رہی۔

۱۲۲۰ء میں چنگیز خان نے حملہ کر کے علاقے کو تاخت و تاراج کیا۔

اس کے حملے کے بعد اس کے جانشینوں کے زمانے میں بھی یہاں پر ۱۳۸۰ء تک طوائف الملوکی رہی۔

۱۳۸۰ء میں تیمور نے ایران فتح کرنے کے بعد سمرقند، کابل، قندھار اور ہرات فتح کئے۔ تیمور اور اس کے جانشینوں کے دور میں بھی صوبہ سرحد میں ۱۵۲۶ء تک طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔ ۱۵۲۶ء سے ۱۷۳۹ء تک اس علاقے پر مغلوں کا اقتدار رہا۔ مغلوں کے دور میں پشاور کا علاقہ ۱۵۸۱ء تک بطور جاگیر رہا۔ ۱۷۳۹ء سے ۱۷۴۷ء تک اس علاقے پر نادر شاہ افشار اور اس کے جانشینوں نے حکومت کی۔

۱۷۴۷ء میں احمد شاہ درانی نے اس علاقے کو پہلی افغان حکومت کے زیر اثر کیا جس کا مرکز قندھار اور کابل تھے۔ پشاور درانی دور حکومت میں درانی حکومت کا ایک صوبہ تھا احمد شاہ کے بعد ۱۷۷۶ء سے ۱۷۹۳ء تک اس کا بیٹا تیمور شاہ حکمران رہا۔ تیمور شاہ کے بعد اس کے بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ سرحد بدامنی اور طوائف الملوکی کا شکار ہو گیا۔ شاہ زمان نے کابل پر قبضہ کر لیا۔ اس کے سوتیلے بھائی محمود نے قبائلیوں کو ساتھ ملا کر فتح خان وزیر اور دوست محمد خان کی مدد سے کابل پر قبضہ کر لیا۔ شاہ زمان مجبور ہو کر ہندوستان کی طرف چلا گیا۔ کابل میں محمود اور شاہ شجاع کی خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ شاہ شجاع اور محمود کے درمیان پشاور کے نزدیک تہکال گاؤں کے مقام پر زبردست لڑائی ہوئی۔ شاہ شجاع ناکام ہو گیا۔ اس زمانے میں پنجاب پر سکھوں کا اقتدار تھا۔ شجاع نے اپنے بھائی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے پنجاب کے سکھ دربار سے مدد مانگی۔ سکھوں کو سرحد پر حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے کافی کوشش کی۔ پشاور پر کئی حملے کئے مگر وہ شاہ شجاع کو تخت نہ دلا سکے آخر کار شاہ شجاع نے لدھیانہ میں انگریزوں سے سیاسی پناہ مانگی۔ اب انگریز اور سکھ دونوں نے شاہ شجاع کی مدد کی آڑ میں صوبہ سرحد کو اپنی حوس کا

بنانا چاہا، سازشیں شروع ہوئیں۔ محمود کا وزیر فتح خان کے ساتھ گٹھ جوڑ ہوا۔ فتح خان کے بھائیوں نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی۔ بادشاہ نے فتح خان کو قتل کرا دیا۔ فتح خان کے بھائیوں نے انگریزی طاقت اور سکھوں کی امداد اور بھروسے پر محمود اور اس کے بیٹے کو تخت سے معزول کر کے اپنے بھائی دوست محمد خان کو تخت پر بٹھا دیا۔ اب صوبہ سرحد اور کابل کی حکومت سدوزئی اور درانی قوم کے ہاتھوں سے نکل کر بارک زئی سرداروں کے ہاتھ میں چلی گئی۔

۱۸۲۱ء میں کابل پر بارک زئی سردار دوست محمد خان برسر اقتدار آیا بارک زئی قبیلے کے فتح خان وزیر کے بھائیوں نے اپنے لئے الگ الگ علاقے تقسیم کر لئے اپنے بھائی دوست محمد خان کو تو انہوں نے کابل کا خود مختار بادشاہ بنا دیا۔ اور صوبہ سرحد کو باقی بھائیوں نے بطور جاگیر اپنے قبضے میں کر لیا۔ صوبہ سرحد کے ان جاگیرداروں کے نام یار محمد خان۔ سلطان محمد خان۔ سید محمد خان۔ اور پیر محمد خان تھے۔

ان چاروں سرداروں نے صوبہ سرحد کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ان پر حکمرانی شروع کر دی بعد میں ان سرداروں میں بھی باہمی خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ یہ چاروں سرداران پشاور کے نام سے تاریخ میں مشہور ہیں۔ ان چاروں کی باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پنجاب کے سکھ حکمران مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۸۲۳ء میں سرحد کا علاقہ فتح کیا۔ سکھوں نے اس علاقے کو قبضے میں کرنے کے بعد یہاں کے باشندوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھانے شروع کر دیئے نماز اور اذان پر پابندی لگا دی گئی۔ سکھ حاکموں نے اتنی لوٹ مار مچائی کہ لوگوں کے گھروں کے دروازے تک اکھاڑ لئے۔ جسے چاہتے اس کی سر کی کھال اتارنے کا حکم دیتے۔ سکھوں کے اس ظلم اور بربریت سے اہل سرحد کو نجات دلانے کیلئے سید احمد شہید ۱۸۲۵ء میں علم جہاد بلند کرتے ہوئے کابل اور قندھار کے راستے سرحد میں داخل ہوتے یہیں سے سرحد کی تحریک آزادی کے پہلے دور کی ابتدا ہوتی ہے۔

۱۸۲۵ء سے ۱۸۳۱ء تک اس علاقے میں اسلامی حکومت رہی۔ اس کے بعد بعض مقامی لوگوں کی غداریوں، انگریزوں اور سکھوں کی سازشوں سے اس علاقے پر سکھوں نے دوبارہ قبضہ کر لیا۔ محمودزئی قبیلے کی سازش سے آخر سکھوں نے سرحد پر اقتدار حاصل کیا۔

سرحد پر قبضہ کرنے کے بعد سکھوں نے ایک معاہدے کے تحت ان علاقوں پر انگریز افسر نگران مقرر کئے۔ اب انگریزوں کیلئے فضا سازگار ہو چکی تھی انہوں نے سکھوں کا حامی اور معاون بن کر سرحد میں انگریز حکومت کے اقتدار کے لئے درپردہ کوششیں شروع کر دیں۔ سکھوں کی طرف سے مقرر کئے ہوئے سرحد کے نگران انگریز حاکموں نے اپنی مخصوص پالیسی پر عمل پیرا ہو کر یہاں کے باشندوں کو سکھوں کے خلاف ابھارا۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے خزانے کے منہ کھول کر یہاں کے لوگوں کی حمایت اپنے لئے حاصل کرنا شروع کر دی۔ یہاں کے بہادر قبیلوں کی اجتماعی طاقت کو ختم کرنے کے لئے ان میں باہمی دشمنی پیدا کر دی گئی۔ جب انگریزوں نے اپنے لئے تمام فضا ہموار ہو گئی تو مختلف حیلوں بہانوں کی آڑ میں سکھوں کے خلاف جنگ شروع کر دی گئی آخر ۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے سکھوں کے اقتدار کا مکمل طور پر خاتمہ کرنے کے بعد اپنے اقتدار کا پرچم لہراتے ہوئے اس علاقے کو پنجاب کے ساتھ شامل کر دیا۔ مجاہدین سرحد نے انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کی جب جدوجہد شروع کی تو انگریزوں نے مجاہدین آزادی کو جابرانہ قوانین کے شکنجے میں جکڑنے کیلئے اور انہیں نیست و نابود کرنے کیلئے ۱۹۰۱ء میں اس علاقے کو پنجاب سے الگ کر کے اس کا نام شمال مغربی سرحدی صوبہ رکھا۔ ۱۹۱۲ء میں سرحدی صوبے کے عوام نے سیاسی جنگ کا آغاز کیا۔ پشاور کے مشہور مجاہد غازی علی عباس بخاری نے مسلم لیگ کی پشاور میں بنیاد ڈالی۔ یہ سرحد میں سب سے پہلی سیاسی جماعت کا قیام تھا۔ اس کے بعد سیاسی تحریکوں کا احیاء ہوا جس میں تحریک رولٹ ایکٹ تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون میں صوبہ سرحد کے لوگوں نے سیاسی اعتبار

سے نمایاں حصہ لیا۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، جلاوطن ہوئے کڑی سے کڑی سزائیں بھگتیں۔ انگریزوں نے سرحد کے باشندوں کی سیاسی بیداری کو ختم کرنے کے لئے ۱۹۳۰ء میں پشاور کے شہریوں اور سرحدی عوام کی خون کی ندیاں بہائیں، خلافت مسلم لیگ۔ خاکسار۔ کانگرس جمعیت العلماء۔ احرار، خدائی خدمتگار، جماعت اسلامی نوجوان بھارت سبھا اور تحریک حزب اللہ نے آزادی کی جدوجہد میں ہندوستان کے دوسرے حصوں سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۴۷ء میں تحریک پاکستان کی جدوجہد کے نتیجے میں پاکستان قائم ہوا۔ سرحد کے باشندوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا انگریز اپنا بستہ بوریا سمیٹ کر جہاں سے آیا تھا وہیں چلا گیا۔

سرحد کے قدیم حکمران خاندان

نام خاندان	زمانہ				مقامی صدر مقام
اخامنشی ایرانی	۵۵۰ قبل مسیح	تا	۳۳۱ قبل مسیح		پشاور، چارسدہ
مقدونی یورپی	۳۲۷	"	۳۰۶	"	پشکلاوتی چارسدہ
موریہ ہندوستانی	۳۲۲	"	۱۹۰	"	پاٹلی پتر
یونانی باختری ایرانی نسل	۱۸۵	"	۹۷	"	ٹیکسلا
ساکا ایرانی	۹۷	"	۷۵	"	ٹیکسلا
ہندی پارتھی ایرانی	سنہ	"	۷۵ سنہ	"	ٹیکسلا
کشان ایرانی نسل	۶۰ سنہ	"	۲۲۵ سنہ	"	پرش پورا پشاور
ساسانی ایرانی	۲۳۰ سنہ	"	۳۶۵ سنہ	"	ٹیکسپورہ پشاور
کداری ایرانی	۳۶۵ سنہ	"	۴۵۵ سنہ	"	

سفید ہن ہفتالی ترک	۴۵۵ء	سے	۵۵۰ء	تک	سکالا سیالکوٹ
ساسانی ایرانی	۵۶۸ء	"	۶۴۴ء	"	
کابل شاہی زنبیل	۶۵۰ء	"	۸۷۰ء	"	کابل
صفاری ایرانی مسلمان	۸۶۱ء	"	۹۰۰ء	"	سیستان
ہند شاہیہ ترک ایرانی	۸۷۰ء	"	۱۰۲۱ء	"	ہنڈ مردان
غزنوی ترک	۹۶۰ء	"	۱۱۵۰ء	"	غزنی
غوری تاجک ایرانی	۱۱۸۱ء	"	۱۲۰۶ء	"	غزنی۔ دہلی
خوارزم شاہی سلجوق ترک	۱۲۱۰ء	"	۱۲۲۰ء	"	ار فنیج طوائف الملوکی
چنگیزی منگول	۱۲۲۰ء	تا	۱۳۶۹ء		الملوکی
تیموری ترک ایرانی	۱۳۸۰ء	"	۱۵۰۱ء		طوائف الملوکی
مغل	۱۵۲۶ء	"	۱۷۳۹ء		پشاور
انتشار ترکستان	۱۷۳۹ء	"	۱۷۴۷ء		پشاور
درانی سدوزئی پوپلزئی	۱۷۴۷ء	"	۱۸۱۸ء		پشاور
سکھ شاہی پنجابی	۱۸۲۳ء	"	۱۸۳۰ء		لاہور
اسلامی ریاست	۱۸۳۰ء	"	۱۸۳۱ء		پشاور
سکھ	۱۸۳۱ء	"	۱۸۴۶ء		لاہور
انگریز	۱۸۴۶ء	"	۱۹۴۷ء		دہلی

سرحد کی تاریخ کا سرسری جائزہ

سنہ ۱۸۱۹ء:- ۱۔ سرحد کے پٹھان سرداروں میں سے سردار یار محمد خان نے اپنے بھائیوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے پنجاب کے سکھ حکمران مہاراجہ رنجیت سنگھ سے مدد کی درخواست کی۔
۲۔ سرحد میں سکھوں کی آمد۔

سنہ ۱۸۲۰ء:- ۱۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پشاور کا پنجاب سے الحاق کر کے سرحد کا کچھ حصہ کابل کے امیر دوست محمد خان کے تین بھائیوں سلطان محمد خان، فتح محمد خان اور یار محمد خان کو بطور جاگیر دیا اور اُن سے سالانہ ٹیکس وصول کرنے لگا۔

سنہ ۱۸۲۲ء:- ہزارے پر سکھوں کا قبضہ۔

سنہ ۱۸۲۳ء:- سکھ فوجیں پشاور میں داخل ہوئیں۔ نوشہرہ کے مقام پر سکھوں کی فوج کا مقابلہ کیا گیا مگر سکھ کامیاب ہو کر پشاور میں داخل ہوئے۔ اور سرداران پشاور کو مجبور کر کے باجگزار بنایا۔

سنہ ۱۸۲۵ء:- سید احمد شہید کی قیادت میں ہندوستان کے مسلم مجاہدین کی سرحد میں آمد اور سکھوں کے خلاف جہاد کا آغاز۔

سنہ ۱۸۳۰ء:- مجاہدین سید احمد شہید کی قیادت میں پشاور میں داخل ہوئے پشاور کے قلعے پر اسلامی پرچم لہرایا گیا۔ سرحد میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ اسلامی سکہ رائج ہُوا۔

سنہ ۱۸۳۱ء:- سیّد احمد شہید سکھوں کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے بالاکوٹ کے مقام پر شہید ہوئے۔

۱۸۳۴ء :۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ فوج لیکر پشاور میں داخل ہوا۔

۱۸۴۶ء :۔ سکھوں اور انگریزوں کا معاہدہ ہوا جس کے تحت سرحد پر انگریز ایجنٹ مقرر کئے گئے۔

۱۸۴۷ء :۔ جان نکلسن اور ہربرٹ ایڈورڈز کو ڈیرہ اور بنوں کا ایجنٹ، جارج لارنس اور رائیل ٹیلر کو پشاور کا اور میجر ایبٹ کو ہزارے کا ایجنٹ مقرر کیا گیا۔

۱۸۴۸ء :۔ انگریزوں نے سکھوں سے اقتدار چھین کر سرحد پر قبضہ کیا۔

۱۸۴۹ء :۔ انگریز فوجیں سر والٹر گلبرٹ کی قیادت میں پشاور میں داخل ہوئیں

۱۸۷۹ء :۔ عہدنامہ گندمک کی رو سے امیر افغانستان نے خیبر کا علاقہ حکومت برطانیہ کے حوالے کیا۔

۱۸۹۴ء :۔ سرحد اور افغانستان کے درمیان حد فاصل ڈیورنڈ لائن کو افغانستان نے تسلیم کیا۔

۱۹۰۱ء :۔ (۱) لارڈ کرزن نے مخصوص فارورڈ پالیسی کے تحت بنوں۔ پشاور۔ ہزارہ ڈیرہ اسمٰعیل خان اور کوہاٹ کو پنجاب سے الگ کر کے ایک مشترکہ صوبہ جس کا نام شمال مغربی سرحدی صوبہ رکھا گیا۔ صوبے کیلئے چیف کمشنر کو سربراہ مقرر کیا گیا۔

(۲) سرحد کا قبائلی علاقہ سرحد کے باقی اضلاع سے الگ کر کے اس کا نظم و نسق وائسرائے ہند کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔

۱۹۰۵ء :۔ (۱) شہزادہ ویلز نے پشاور آکر دربار منعقد کیا۔ جس میں ان لوگوں کو انعامات، جاگیریں اور خطابات دیئے گئے۔ جنہوں نے سرحد میں انگریزوں کے قدم جمانے میں مدد دی۔ (۲) شلمان ریلوے لائن کا افتتاح ہوا۔

۱۹۰۷ء: سرحدی ہندوؤں نے سرحد کے ایک ہندو رام چند کی قیادت میں سرحد کو پنجاب سے الگ کرنے کے خلاف منظم تحریک کا آغاز کیا۔

۱۹۱۰ء: حاجی صاحب ترنگزئی نے آزاد سرحدی مدرسوں کی بنیاد ڈالی۔

۱۹۱۲ء: (۱) اسلامیہ کالج پشاور کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔
(۲) سرحد میں مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی گئی۔

۱۹۱۴ء: مولانا عبیداللہ سندھی نے جمعیۃ الانصار کی تحریک کے سلسلے میں سرحد کا دورہ کیا

۱۹۱۷ء: (۱) سرحد کے قبائلی مجاہدین نے ترکوں کی حمایت میں انگریزوں کے خلاف بھرپور جدوجہد کا آغاز کیا۔
۲۔ ریشمی رومال تحریک کے ذریعے سرحد کو آزادی کے حصول کے لئے مرکزی حیثیت دی گئی۔

۱۹۱۹ء: (۱) سرحدی عوام نے رولٹ ایکٹ کے خلاف زبردست مظاہرے کئے
(۲) سر صاحبزادہ ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔

۱۹۲۱ء: برے کمیٹی سرحد میں اصلاحات کے جائزے کے لئے سرحد آئی۔

۱۹۲۲ء: (۱) سرحد کے عوام نے خلافت تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔
(۲) سر صاحبزادہ کی قیادت میں سرحد میں مسلم ایسوسی ایشن کی بنیاد ڈالی گئی۔ جس کے ذریعے سرحد کے لئے اصلاحات کی جدوجہد کا آغاز کیا گیا۔

۱۹۲۶ء: ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں سرحد کو اصلاحات دلانے کیلئے مسلم لیگ نے تحریک پیش کی۔

۱۹۲۷ء: مولانا محمد علی جوہر، مولانا شفیع داؤدی بہاری، مولانا سید مرتضیٰ بہادر مدراسی اور بیگم مولانا محمد علی جوہر سرحد کے دورے پر آئے۔

۱۹۲۸ء: سرحد کے مشہور مرد مجاہد غازی کاعلی عباس بخاری نے وطن کی آزادی کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے افغانستان میں انتقال کیا۔

۱۹۲۹ء: (۱) سرحد میں نوجوان بھارت سبھا کی شاخ قائم کی گئی۔
(۲) اتمان زئی میں افغان یوتھ لیگ کی بنیاد ڈالی گئی۔
(۳) صوبہ سرحد کو بلدیاتی انتخابات کے حقوق دیئے گئے۔

۱۹۳۰ء: (۱) قصہ خوانی میں نہتے شہریوں کو انگریزوں نے گولیوں کا نشانہ بنایا۔
(۲) پشاور میں مارشل لاء نافذ ہوا۔
(۳) سرحد کو اصلاحات دلانے کے لئے لنڈن میں سر صاحبزادہ نے جدوجہد کی۔

۱۹۳۱ء: (۱) سر صاحبزادہ لنڈن کی گول میز کانفرنس میں سرحد کو اصلاحات دلانے میں کامیاب ہوئے۔
۲۔ سب جیکٹ کمیٹی کی سرحد میں آمد۔

۱۹۳۲ء: (۱) سرحد میں مجلس احرار کی شاخ قائم کی گئی۔
(۲) سرحد کو گورنری صوبے کا درجہ دیا گیا۔
(۳) قانون ساز کونسل کے انتخابات ہوئے۔

۱۹۳۵ء: حکومت برطانیہ نے سرحد کے لئے صوبجاتی آزادی کا اعلان کیا۔ جس کا اطلاق اپریل ۱۹۳۶ء میں ہوا۔

۱۹۳۶ء: قائداعظم مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلے میں سرحد کے دورے پر آئے سات دن منڈی بیری میں سر صاحبزادہ کے مکان پر قیام کیا۔

۱۹۳۷ء: ۱۔ یکم جنوری ہ مردان کو پشاور سے الگ کر کے ضلع بنایا گیا۔
۲۔ سرحد میں ایکٹ ۱۹۳۵ء کا نفاذ ہوا۔ کننگھم کو سرحد کا گورنر مقرر کیا گیا

۳۔ فروری میں سرحد میں پہلی بار ۱۹۳۵ ایکٹ کے تحت سرحد اسمبلی کے لئے جنرل انتخابات ہوئے۔

۴۔ سر صاحبزادہ کی قیادت میں سرحد میں پہلی صوبائی کابینہ بنی۔

۵۔ سر صاحبزادہ وزارت نے قوانین جرائم سرحد کی تنسیخ کا اعلان کیا۔

۶۔ سر صاحبزادہ وزارت کے خلاف کانگرس نے جوڑ توڑ کا آغاز کیا۔

۷۔ ۳ ستمبر کو ایبٹ آباد کے ٹاؤن ہال میں سرحد اسمبلی کے سیشن میں ڈاکٹر خان صاحب نے کانگرس کے ایماء اور ہزارہ کی ڈیموکریٹک پارٹی کے تعاون سے سر صاحبزادہ وزارت کے خلاف عدم تعاون کی تحریک پیش کی۔

۸۔ ۱۰ ستمبر کو ڈاکٹر خان صاحب کی قیادت میں سرحد میں کانگرسی وزارت کا قیام عمل میں آیا۔

۹۔ سرحد کی کانگرس وزارت نے پنجاب کانگرس پارٹی کے صدر ڈاکٹر ستیا پال کی قرارداد اور اپیل کے جواب میں پشاور کے اسلامیہ کالج کی گرانٹ کو بند کر دیا۔

۱۰۔ سرحد کی کانگرسی وزارت نے اسلامیہ کالج کی زرعی کلاسوں کے اجراء میں رکاوٹ پیدا کرنے کے لئے مالی امداد دینے سے انکار کیا۔

۱۱۔ کانگرسی وزارت نے سرحد کے تعلیمی سکولوں سے جامعہ ملیہ دہلی کی اسلامی تعلیمات کی کتابوں کو نصاب سے خارج کرنے کا حکم دیا۔

۱۲۔ کانگرسی وزارت نے سرحد کے ہندو اور سکھ تعلیمی اداروں کی امدادی رقم میں تخفیف کرنے کا حکم دیا۔

۱۳۔ کانگرسی وزارت نے سرحد کے ہندو اور سکھ تعلیمی اداروں کی امدادی رقم میں اضافہ کرنے اور سرحد کے اسلامیہ سکولوں کی مالی امداد میں تخفیف کا اعلان کیا۔

۱۴۔ سرحد کی کانگرسی وزارت کے وزیر خزانہ لالہ بھنجو رام نے اسمبلی میں قرارداد پیش کی۔ کہ

سرحد کے ان افراد کے خلاف سخت کارروائی کی جاتی جو وزیرستان کے مجاہدین آزادی کی تائید اور حمایت کر رہے ہیں۔

۱۵۔ پنڈت جواہر لال نہرو سرحد کی کانگرسی وزارت کی دعوت پر سرحد کے دورے پر آئے۔

۱۶۔ سر صاحبزادہ ۴ دسمبر کو رات ایک بجکر تیس منٹ پر فوت ہوئے۔

۱۹۳۸ء:۔ ۱۔ مولانا شوکت علی اور مولانا عبدالحامد بدایونی نے سرحد میں مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے دورہ کیا۔

۲۔ سرحد اسمبلی میں سردار اورنگ زیب نے مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی بنائی۔

۱۹۳۹ء:۔ سرحد کی کانگرسی وزارت آل انڈیا کانگرس کی ہدایت پر مستعفی ہوئی۔

۱۹۴۰ء:۔ دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے سرحد میں گورنری راج نافذ کر دیا گیا۔ گورنری راج کی وجہ پہلی افغان جنگ کے اثرات بھی تھے جو اسی سال شروع ہوئی تھی۔

۱۹۴۲ء:۔ پہلی افغان جنگ کا خاتمہ ہوا۔

۱۹۴۳ء:۔ سردار اورنگ زیب کی قیادت میں سرحد میں مسلم لیگی وزارت قائم ہوئی۔

۱۹۴۵ء:۔ (۱) ڈاکٹر خان صاحب نے سردار اورنگزیب کی وزارت کے خلاف عدم تعاون کی تحریک پیش کی۔

۲۔ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب کی قیادت میں دوسری بار کانگرسی وزارت قائم ہوئی۔

۳۔ قائد اعظم سرحد کے دورے پہ آئے۔

۴۔ سرحد میں جماعت اسلامی کی شاخ قائم ہوئی۔

۱۹۴۶ء:۔ سرحد میں دوسری بار جنرل انتخابات ہوئے۔ ڈاکٹر خان صاحب کی قیادت میں سرحد میں تیسری بار کانگرسی وزارت قائم ہوئی

۱۹۴۷ء:۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان قائم ہوا۔ سرحد میں کانگرس کے ایماپر ریفرنڈم

ہوا۔ سرحد میں عوام نے پاکستان میں شمولیت کا اعلان کیا۔

۲۲۔ اگست کو کانگریسی وزارت کے خاتمے کے بعد خان عبدالقیوم خان کی قیادت میں مسلم لیگی وزارت قائم ہوئی۔

۱۹۵۱ء:۔ سرحد اسمبلی کے جنرل انتخابات ہوئے اور خان عبدالقیوم خان کی قیادت میں سرحد میں وزارت مرتب ہوئی۔

۱۹۵۳ء:۔ خان عبدالقیوم خان کو مرکزی وزارت میں لے لیا گیا اور سردار عبدالرشید کی قیادت میں سرحد کی کابینہ نے حلف اٹھایا۔

۱۹۵۴ء:۔ سردار بہادر خان کی قیادت میں سرحد کابینہ نے حلف اٹھایا۔

۱۹۵۵ء:۔ سرحد کو مغربی پاکستان کی وحدت میں مدغم کر کے سرحد کی صوبائی حیثیت ختم کر دی گئی۔

۱۹۶۹ء:۔ سوات، چترال اور دیر کو ضلعی حیثیت دی گئی۔

۱۹۷۰ء:۔ سرحد کی صوبائی حیثیت بحال کی گئی۔

سرحد میں جنرل انتخابات ہوئے۔

مفتی محمود کی قیادت میں نیپ اور جمعیت کی وزارت قائم ہوئی۔

۱۹۷۲ء:۔ ۱۔ مفتی محمود کی کابینہ مستعفی ہو گئی۔

۲۔ سردار عنایت اللہ گنڈاپور کی قیادت میں متحدہ محاذ کی کابینہ نے حلف اٹھایا

۱۹۷۳ء:۔ (۱) اورکزئی ایجنسی کا قیام عمل میں آیا۔

(۲) باجوڑ ایجنسی قائم ہوئی۔

(۳) درزمک کو سب ایجنسی کا درجہ دیا گیا۔

سرحد کا قدیم آئینی نظام

قدیم زمانے میں سرحد میں سرداری نظام رائج تھا۔ ہر قبیلے کا اپنا اپنا سردار اپنے اپنے قبیلے کے افراد کے باہمی تنازعات طے کرتا تھا۔ قبیلے کے لوگوں کو اپنے سردار کا فیصلہ ہر صورت میں تسلیم کرنا پڑتا تھا۔ بدھ مت کے دور حکومت میں سرحد کی سرزمین بدھ مت کا گہوارہ تھی۔ آج کل جہاں پشاور یونیورسٹی ہے اس جگہ بدھ مت کے زمانے میں علم و ادب کی بہت بڑی یونیورسٹی تھی۔ راجہ ہرش کے زمانے میں پشاور کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اسی کے نام پر شہر کا نام پہلے ہرش پور تھا بعد میں اس کا نام پرش پور اور پھر زمانے کے تغیر و تبدل کے ساتھ ساتھ بدلتے ہوتے "پشاور" ہوا۔ بدھ مت کے زمانۂ حکومت میں اس سرزمین میں بدھ کے اصول اور قوانین رائج تھے۔

بدھ مت کے بعد ہندو مت کے دور میں اس سرزمین میں ہندوؤں کے رسم و رواج اور ان کی مذہبی کتابوں کے مطابق انصاف کے حصول کا طریقہ تھا۔ پٹھان قبیلوں نے جب سرزمین سرحد پر قدم رکھا تو انہوں نے یہاں کے قدیم باشندوں کو لڑ جھگڑ کر سوات اور ہزارہ کی طرف دھکیل دیا اور خود پشاور، مردان اور بنیر پر قابض ہو گئے۔ یہ پٹھان قبیلے اپنے مذہبی رہنما شیخ ملی کے وضع کئے ہوئے اصولوں اور قوانین کے تحت باہمی تنازعات تقسیم اراضی و دیگر امور طے کرتے تھے۔ یہی اصول اور قوانین آج بھی بعض پٹھان قبیلوں میں موجود ہیں۔ عرصے تک یہ سرزمین بیرونی حملہ آوروں کی گذرگاہ بنی رہی جس کی وجہ سے یہاں کے باشندوں کے رسم و رواج اور معاشرتی اصول بھی متاثر ہوتے رہے ہیں۔

۱۸۱۸ء سے ۱۸۴۶ء تک سرحد میں سکھوں کا دور اقتدار رہا۔ سکھوں نے اپنے دور اقتدار میں سرحد میں ہر طرف لوٹ مار مچا رکھی تھی۔ سکھ گورنر من مانیاں کرتے تھے

جس آدمی کے متعلق شبہ ہوتا کہ وہ سکھ اقتدار کے خلاف ہے تو اسے سرعام پھانسی پر لٹکایا جاتا تھا۔ لاش کو کئی کئی دنوں تک لکڑی کے کھمبوں کے ساتھ لٹکائے رکھا جاتا اور منادی کرا کر لوگوں کو خبردار کیا جاتا تھا کہ لوگ سکھوں کی حکومت کی مخالفت کرنے والے کا حشر آکر دیکھیں سکھ سرحدی باشندوں کے گھروں میں جا کر زبردستی قیمتی سامان لوٹ لیتے تھے۔ نہ تو کوئی قانون تھا اور نہ ہی کسی کی فریاد کوئی سنتا تھا۔ مکانوں کے منقش دروازے اکھاڑ کر لاہور دربار کو بھیجے جاتے تھے۔ سرحد ظلم و ستم کا مکمل نمونہ بنا ہوا تھا۔ اذان پر پابندی لگا دی گئی تھی سرحد کے مسلمان چوری چھپے مذہبی فریضے ادا کرنے پر مجبور تھے مسلمان عورتوں کی بے حرمتی کی جاتی تھی ان حالات اور واقعات سے مجبور ہو کر سرحد کے کئی باشندے ہندوستان کے دور دراز کے علاقوں میں جا کر مقیم ہوتے۔ سکھوں کے ظلم و ستم اس قدر عام تھے کہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو عرصے تک مائیں یہ کہہ کر خاموش کرائیں کہ "سکھ آ گئے" یہ الفاظ سنتے ہی معصوم بچے سہم کر رونا بند کر دیتے تھے۔ سرحد کے مسلمانوں کی اس دردناک کہانی کو سن کر سید احمد شہید اپنے سینکڑوں پیروکاروں کو لیکر افغانستان کے راستے سرحد پہنچے تاکہ سرحد کے مسلمانوں کو سکھوں کے ظلم سے نجات دلائی جاتے۔ یہیں سے سرحد میں تحریک مجاہدین کا آغاز ہوتا ہے۔

تحریک مجاہدین:۔ ۱۸۲۶ء کے آخر میں سید احمد شہید افغانستان کے راستے سرحد میں داخل ہوتے انہوں نے ہشت نگر چارسدہ میں قیام کیا سرحد کے ہزاروں لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور سکھوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے جہاد کا آغاز کیا۔ مسلسل چار سال تک جہاد جاری رہا سکھوں کے ساتھ کئی معرکے ہوئے آخر ۱۸۳۰ء میں پشاور فتح ہوا۔ پشاور کے قلعے پر اسلامی پرچم لہرایا گیا۔ سرحد میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ اسلامی سکہ جاری ہوا جس پر یہ عبارت کندہ تھی۔

"احمد العادل محافظ دین اسلام جس کی شمشیر کی چمک کافروں کیلئے پیغام اجل ہے"

پشاور کو اسلامی ریاست بنانے کے بعد لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی مقرر کیئے گئے۔ تمام قاضی ایک مرکزی قاضی کے ماتحت تھے مرکزی قاضی کو قاضی القضاۃ کا درجہ حاصل تھا اسلامی ریاست میں اسلامی قوانین کے مطابق ہر فرد انصاف حاصل کرتا تھا تمام مقدمات اسلام کے وضع کئے ہوئے قوانین کے مطابق طے کئے جاتے تھے چور کے ہاتھ کاٹے جاتے تھے، زانی کو سنگسار کیا جاتا تھا۔ اسلامی ریاست میں معاشرتی اصلاح کے لئے بھی اسلامی نظام حیات کے مطابق تبدیلی کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں، وہ قدیم رسم و رواج جو اسلامی اصولوں کے سراسر خلاف تھے ان کے خاتمے کے لئے شرعی احکامات جاری ہوئے مگر بعض پٹھان قبیلے اپنے قدیم رسم و رواج کو ترک کرنا اپنے لئے توہین سمجھنے لگے۔

ادھر رنجیت سنگھ کو پشاور کے چھن جانے کا انتہائی افسوس تھا۔ اس نے سرداران پشاور سے خفیہ رابطہ قائم کر کے مقامی لوگوں کو مجاہدین اسلام کے خلاف اکسانا شروع کر دیا۔ رنجیت سنگھ کے آلہ کار سرداران پشاور تھے۔ سرداران پشاور نے رنجیت سنگھ کے ایماء پر علاقے کے سرکردہ لوگوں کو سید احمد اور مجاہدین اسلام کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا اور یہ پروپیگنڈا خفیہ طور پر شروع کر دیا کہ سید احمد وہابی ہیں اور ان کی جماعت کے تمام ارکان وہابی ہیں اس لئے پٹھانوں کے رسم و رواج میں دخل دینے کا انہیں کیا حق حاصل ہے ساتھ ہی سرداران پشاور نے بھاری بھاری رقمیں دے کر پشاور کے چند مولویوں سے ایک فتویٰ بھی لکھوا کر سارے علاقے میں خفیہ طور پر تقسیم کرا دیا جس میں یہاں تک درج تھا کہ سید احمد اور ان کی جماعت کا خون مباح ہے اس فتوے کی تشہیر کے ساتھ ساتھ سکھوں کی سازش اور ایماء سے سرداران پشاور نے بھاری بھاری رقموں اور جاگیروں کا لالچ دیکر علاقے کے لالچی لوگوں کے ضمیروں کو خرید لیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سمہ اور پشاور کے علاقوں میں مجاہدین کو حجروں میں سوتے ہوئے مسجدوں میں تہجد اور نمازیں پڑھتے ہوئے

چھریوں سے ذبح کیا گیا۔ یک بیک حملے کی وجہ سے سید احمد شہید سکھوں کے حامی مسلمانوں کے افعال پر استغفار پڑھتے ہوتے بالاکوٹ کی طرف گئے۔ جہاں سکھوں کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اسطرح انکے نائب شاہ اسمٰعیل اور حضرت سید احمد شہید کی شہادت کے بعد پشاور کی اسلامی ریاست بھی ختم ہو گئی سکھوں نے پشاور دوبارہ اپنے قبضے میں کر لیا اور پھر اسی طرح لوٹ مار مچائے رکھی غرضیکہ سکھوں کے زمانہ حکومت میں سرحد لاقانونیت کے بادل چھائے رہے ۱۸۴۹ میں سکھوں کی جگہ انگریزوں نے سرحد کا اقتدار سنبھالا۔ اور ۱۹۴۷ء تک وہ اس سرزمین پر قابض رہے اس سو سال کے دور حکومت میں انگریزوں نے اس سرزمین کو ظالمانہ اور جابرانہ ایکٹ اور قوانین کے شکنجے میں جکڑے رکھا۔

صوبہ سرحد کا قدیم آئین

جرگہ سسٹم

صوبہ سرحد کے اضلاع اور قبائلی علاقوں میں قدیم روایتی انصاف کا طریقہ رائج تھا جو جرگہ کے ذریعے عمل میں لایا جاتا تھا اس جرگہ نظام کی بنیادیں قبائلی رسم و رواج میں آج بھی موجود ہیں۔ قبائلی عرصہ دراز سے اس نظام کو تسلیم کرتے اور اس پر عمل کرتے چلے آ رہے ہیں حتیٰ کہ حکومت ہند کے پولیٹیکل ایجنٹ بھی اس میں کسی قسم کی مداخلت کی کوشش نہیں کر سکے البتہ اس نظام کو انتہائی منظم طریقے سے حکومت ہند کے زیر نگرانی زیر انتظام ضلعوں میں جاری رکھا گیا تھا۔ اور مخصوص قسم کے تنازعوں میں جہاں پولیٹیکل ایجنٹ مداخلت کر سکتے تھے اس نظام کو قبائلی علاقوں میں بھی استعمال کیا جاتا رہا۔

انگریزوں نے اپنی سیاسی حکمت عملی کے ذریعے جرگہ سسٹم کو باقاعدہ بنانے کے لئے

۱۹۰۱ء میں فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن کا اجراء کیا جو نہ صرف زیر انتظام ضلعوں میں بلکہ ایجنسیوں میں بھی رائج رہا لیکن ایجنسیوں کے علاقوں میں اس پر عمل در آمد کرنے سے پہلے حکومت ہند ہمیشہ یہ واضح کرتی رہی کہ اس کا کوئی ارادہ نہیں کہ وہ قبائلی جرگوں کے اختیار ذمہ داری یا اثر و رسوخ میں مداخلت کرے۔ یا اس طریقہ کار میں مداخلت کرے جس میں معاشرے کے بزرگ ذاتی طور پر قبائلی علاقوں میں وہاں کے باشندوں کے کئے جانے والے جرائم کی تحقیقات کرتے ہیں۔

زیر انتظام اضلاع میں دیوانی نوعیت کے مقدمات میں اگر ڈپٹی کمشنر کو کہیں امن عامہ میں خلل پڑنے کا خطرہ نظر آیا یا کسی ایسے جھگڑے میں جس میں صوبہ سرحد کے قبیلوں میں سے کوئی آدمی ملوث ہوا تو ان صورتوں میں ڈپٹی کمشنر معاملے کو "بزرگوں کی کونسل" کے پاس تحقیقات اور رپورٹ کی غرض سے بھیج دیتا تھا اور جب اس جرگہ کی رپورٹ مل جاتی تو وہ اس کے مطابق فیصلہ اور قانونی ڈگری صادر کر دیتا تھا بشرطیکہ جرگہ کے تین چوتھائی اراکین نے اس فیصلے کی حمایت کی ہو۔ اس طرح مقامی رسم و رواج شادی بیاہ قرضہ جات وغیرہ کے مقدموں کا عام عدالتوں سے باہر ہی تصفیہ ہو جاتا تھا وکیل اور قانونی پیشہ سے تعلق رکھنے والے اکثر افراد اس نظام کو پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ اس میں ان کی خدمات کی ضرورت نہیں آتی تھی اور قانونی پیچیدگیوں کو اس نظام میں نظرانداز کیا جاتا تھا لیکن اس نظام کا سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ اس کی بنیادیں مقامی رسم و رواج میں پائی جاتی تھیں اور اس کے ذریعے مقدمات کا موقع پر تصفیہ ہو جاتا تھا اس تصفیہ میں وہ لوگ شامل ہوتے تھے جنہیں حادثے کی تمام تفصیلات اور مقامی رسم و رواج بخوبی معلوم ہوتے تھے مقدمات زیادہ سہل طور پر فیصلہ ہو جاتے تھے اکثر اوقات جرگہ کے سامنے مجرم اقبال جرم کر لیتے تھے عام عدالتوں میں جہاں وکیلوں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں اقبال جرم کے واقعات بہت کم سننے میں آئے ہیں۔

فرنٹیئر کرائمز ریگولیشنز کی دفعہ ۸ کا تعلق فوجداری حوالوں سے تھا جس کے تحت اگر کمشنر یا ڈپٹی کمشنر کے خیال میں کسی جرم میں ملزم کا ملوث ہونے یا معصوم ہونے کے بارے میں عام عدالت میں تحقیقات موزون نہ ہوں تو وہ ایسے مقدمے کو جرگے کے سپرد کرسکتا تھا۔ ملزم کو حق حاصل ہوتا تھا کہ وہ اپنے بارے میں تحقیقات کرنے والے جرگے کے ارکان پر اعتراض کرے اور جب جرگے کی قطعی تشکیل ہوجاتی تو ڈپٹی کمشنر جرگے کو مخصوص سوالوں کے بارے میں تحقیقات کرنے اور ان پر رپورٹ کرنے کو کہتا جرگے کا فیصلہ عام طور پر ایک سادہ بیان ہوتا تھا جس میں یہ بتایا جاتا تھا۔ کہ جرگے کے خیال میں حقیقت کیا ہے اگر جرگے کا فیصلہ ہو کہ ملزم معصوم ہے تو عام طور پر معاملہ یہیں ختم ہوجاتا لیکن اگر جرگہ ملزم کو قصوروار تصور کرتا تو وہ اپنے فیصلے میں سزا کا تعین بھی کرتا۔ جو زیادہ سے زیادہ چودہ سال قید با مشقت ہوسکتی تھی حتیٰ کہ قتل کے مقدموں میں بھی جب تحقیق جرگے نے کی ہوتی تو اس سے زیادہ سزا نہیں دی جاسکتی تھی جرگے کا فیصلہ عام طور پر متفقہ ہوتا تھا اور اصولی طور پر ڈپٹی کمشنر جرگے کے فیصلے کے مطابق عمل کرتا تھا لیکن ڈپٹی کمشنر کے لئے یہ حق محفوظ رکھا گیا تھا کہ اگر وہ چاہے تو مقدمے کو دوبارہ تحقیقات کے لئے بھجوادے ڈپٹی کمشنر مجوزہ سزا میں تخفیف بھی کرسکتا تھا جب کہ اس کے خیال میں ایسا کرنے کے لئے ٹھوس وجوہات موجود ہوتیں ڈپٹی کمشنر کے فیصلے کے خلاف اعلیٰ عدالت میں کوئی اپیل نہیں کی جاسکتی تھی البتہ چیف کمشنر کو نگرانی کے لئے درخواست دی جاسکتی تھی تاکہ وہ ڈپٹی کمشنر کے فیصلے پر از سر نو غور کرے۔

انگریز اور مسلمان

ہندوستان کے کئی ایسے صوبے بھی تھے جہاں مسلمانوں کی آبادی انتہائی کم تھی مگر ان صوبوں میں انگریزوں نے اصلاحات کا نفاذ کردیا تھا اس کے برعکس صوبہ سرحد کے پانچ فیصدی ہندو آبادی کیلئے لندن کی گول میز کانفرنس تک انگریز اس بات پر زور دیتے رہے کہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ سے قبل سرحد کے مسلمانوں سے سرحد کی ہندو آبادی کے تحفظ کی ضمانت لی جائے اس ضمن میں اگر یہ کہا جائے تو حقیقت پر مبنی ہوگا کہ انگریزوں کو صرف سرحد میں ہی ہندو تحفظ عزیز نہ تھا بلکہ ہندوستان کی ہندو قوم کے انتہائی بہی خواہ اور خیر خواہ تھے مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں کی خاص اہمیت تھی اس کے ثبوت میں مشہور ہندو فاضل میجر بی ڈی باسو، ستمبر ۱۹۲۵ء کے اخبار تیج میں لکھتا ہے۔

"غدر ۱۸۵۷ء کے زمانے میں ہندوستان اور انگلستان کے انگریزوں کی چیخ و پکار یہی تھی کہ اسلام کو فنا کردو"

حقیقت میں لارڈ النبرا گورنر جنرل ہند ۱۸۴۲ء میں اس پالیسی کا آغاز کرچکا تھا اس کا حکم تھا کہ ہلالی مسلمانوں کو ہمیشہ نیچا دکھاؤ۔ انہیں ہرگز ابھرنے نہ دو اور کسی طرح بھی ان کی ہمت افزائی نہ کی جائے۔

لارڈ النبرا کا قول تھا۔ کہ "مجھ پر اچھی طرح ثابت ہوگیا ہے کہ وہ خاص لوگ جن کی گذر ہماری ہی روٹی کے ٹکڑوں پر ہے وہ دل سے ہمارے بدخواہ تھے بخلاف اس کے ہندو ہماری فتح پر اظہار شادمانی کررہے ہیں جب ہمیں ان مسلمانوں کی دشمنی کا یقین کامل ہے جن کی تعداد ہندوستان میں ۱/۱۰ ہے تو پھر کیوں نہ ہم ہندوستان کے ہندوؤں کا ساتھ دیں جن کی تعداد ہندوستان میں ۹/۱۰ ہے اور جو ہماری وفادار قوم ہے"

اس طرح لارڈ النبرا نے ۱۸ جنوری ۱۹۴۳ء کو جب کہ وہ وائسرائے ہند

تھے۔ ڈیوک آف ولنگٹن کو لکھا کہ میں اپنے اس عقیدے کے خلاف کیسے آنکھیں بند کر لوں کہ مسلمانوں کی یہ نسل دیوانہ وار ہماری دشمن ہے اور اس لئے ہماری سچی پالیسی یہ ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ مہربانی کی جائے۔"

خود ہندوؤں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز مسلمانوں کے سخت مخالف تھے۔ چنانچہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۷ء کے اخبار ملاپ میں ایڈیٹر نے لکھا:

"پہلے تو انگریزی حکومت مسلمانوں کے برخلاف تھی اور سمجھتی تھی کہ ان میں سے بہتیرے امن پسند نہیں برخلاف اس کے آج سے نصف صدی پہلے گورنمنٹ کا جھکاؤ ہندوؤں کی طرف تھا لیکن اب وہ صورت نہیں جن لوگوں نے ۱۸۵۷ء کا غدر دیکھا ہے وہ بتلاتے ہیں کہ انگریزی سرکار ہندوؤں کی پوری طرفداری تھی۔"

ہندوؤں کی یہ حالت تھی کہ کام نکالنے کی خاطر وہ انگریزوں کی چاپلوسی اور خوشامد کرتے تھے مگر انگریزوں سے ملنے کے بعد نہاتے اور کپڑے دھوتے تاکہ ان کا جسم اور لباس پاک ہو جائے۔"

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز مسلمانوں کو سخت نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور اس بات کی کوشش کی جاتی تھی کہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو دبا کر رکھا جائے۔ (تیج دہلی ۱۰ جون ۱۹۲۷ء)

"۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی حکومت مسلمانوں سے نالاں تھی اس لئے اس وقت ہندوؤں کی ہی گڈی آسمان پر چڑھی ہوئی تھی اور بہت سے سادہ لوح ہندو سمجھتے تھے کہ انگریزوں کا راجیہ کیا آیا سمجھو کہ ہندوؤں کا راجیہ ستھاپت (قائم) ہو گیا (تیج دہلی ۱۱ مئی ۱۹۲۸ء)

لالہ لاجپت رائے تو مسلمانوں کو ان کے حقوق دلانے کے سخت خلاف تھے ہندوؤں کی یہ کوشش رہی کہ انگریز جو بھی حکومت میں حصہ دیں تو وہ صرف ہندوؤں کو دیا جائے چنانچہ انبالہ میں ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو لالہ لاجپت رائے نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"میں یہ برداشت نہیں کروں گا کہ ہندوؤں کے منہ سے مسلمان ٹکڑا چھین کر لے جائیں۔"

انگریز نے بنگال کے ۵۵ فیصدی مسلمانوں کو کونسل آف بنگال میں ۴۰ فیصدی نشستوں کا حق دیا۔ اور پنجاب کی ۵۶ فیصدی مسلم آبادی کو بھی ۴۰ فیصدی حق دیا اور سندھ کے ۲۵ لاکھ مسلمانوں کو بمبئی کے ماتحت کر کے انہیں ۸۰ فی صدی کی بجائے ۲۲ فیصدی کا حق دیا۔ اسی طرح مدراس، آسام، سی پی وغیرہ میں جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی وہاں تو ان صوبوں کو اصلاحات دے دی گئیں مگر سرحد کے مجاہدین اور اسلام پرست مسلمانوں کو کچلنے کے لئے اصلاحات سے محروم کر کے انہیں پسماندگی کے تاریک گڑھے میں محبوس رکھنے کی مسلسل کوشش کی گئی۔ اسی طرح بلوچستان کو بھی اپنے حقوق سے محروم رکھنے کی کوشش کی گئی اور اس صوبے کو بھی عرصے تک آزادی اور اصلاحات سے محروم رکھا گیا۔ قسم قسم کے جابرانہ ایکٹ نافذ کئے گئے سرحد اور بلوچستان کے بہادر اور غیور افراد کو ہمیشہ کچلنے کی کوشش کی گئی۔

ہندوؤں نے ہمیشہ ہر اس صوبے کی آزادی اور اصلاحات میں روڑے اٹکائے جہاں مسلمان اکثریت میں تھے کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ اگر ان صوبوں کو آزادی دی گئی یا نئی اصلاحات سے ان صوبوں کو نوازا گیا تو ان کی گرفت سے یہ صوبے نکل جائیں گے اور نئے آئین کے تحت ہندوؤں کو وہ تمام ناجائز اختیارات واپس کرنے پڑتے جو مسلمانوں کی غفلت گورنمنٹ کی لاپرواہی اور ان کی فطری چالاکی کی وجہ

سے اس وقت تک ان کو حاصل تھے۔ چنانچہ ان خدشات کے تحت ہندوؤں نے ہمیشہ بنگال، پنجاب، سرحد، بلوچستان اور سندھ جیسے مسلم اکثریت والے علاقوں میں اصلاحات کے نفاذ پر ہمیشہ واویلا کیا۔ اور پھر کرائے کے مسلمانوں کو بھی کانگرس میں شامل کرا کر ان سے اپنا مطلب نکلوانے کے لئے اصلاحات کے بائیکاٹ کی تحریکیں چلائیں۔ جب تک انگریز ہندوؤں کے طرف دار رہے۔ جب تک مسلمانوں کے حقوق پامال کئے جاتے رہے جب تک اہم کلیدی عہدوں پر ہندو بھرتی کئے جاتے رہے جب تک مسلمان تعلیمی اور معاشی میدان میں پیچھے رہے۔ اس وقت تک ہندوؤں نے نہ تو ستیہ گرہ کی تحریک چلائی۔ نہ نمک سازی کی تحریک شروع کی، نہ سول نافرمانی کے حربے اختیار کئے گئے، نہ ہی پکٹنگ سازی اور تعاون کی تحریکیں چلائی گئیں مگر جونہی مسلمان بیدار ہوئے مسلمانوں نے اپنے حقوق کیلئے جدوجہد کا آغاز کیا مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق ان کی جدوجہد کی وجہ سے ملنے لگے اور مسلمانوں کے صوبوں کو پسماندگی سے نکالا جانے لگا تو ہندوؤں نے تمام تحریکوں کا آغاز کیا۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ تمام ہندوانہ تحریکیں ہندو راج کے لئے جاری ہوئیں سیوا، مرہٹہ، مہاراشٹر کے پیشواؤں برہمنوں اور راجپوتوں کی باغیانہ تحریکیں محض اس مقصد سے معرض وجود میں آئی تھیں کہ مسلمانوں کی حکومت کا تختہ الٹ کر ہندوستان میں خالص ہندو راج قائم کیا جائے ۱۸۵۷ء میں ملک صاحب کے ہنگامے۔ بنگالیوں کی شورشیں، سوامی دیانند کی آریہ سماج شدھی، گاؤ رکھشا، باجہ نوازی۔ ہندی پرچار، اچھوت ادھار، ہندو سنگھٹن وغیرہ تحریکوں کی بھی خالص یہی غرض تھی کہ جس طرح بھی ہو انگریز حکومت کی جگہ ہندوستان میں ہندو راج قائم کیا جائے، اسی طرح کانگرس اور ہندو مہاسبھا کے ممبروں کی انفرادی اور اجتماعی در پردہ کوششیں یہی رہیں کہ ملک میں ہندو اکثریت کا راج قائم ہو۔ تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ ہندوؤں نے بدھ اور جینی حکومتوں کا تختہ بھی ہندو

راج کیلئے الٹا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھی ہندوؤں نے اہم کردار ادا کر کے مسلمانوں کی حکومت کا تختہ الٹا اور تمام برصغیر پر انہی کی ریشہ دوانیوں سے انگریز قابض ہوئے۔ اگرچہ یہ ماننے سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انکے ساتھ ہی چند غدار قسم کے مسلمان بھی تھے جن کا ضمیر مردہ تھا اور جو ذاتی ہوس اور لالچ کو مسلمان قوم اور اسلام پر ترجیح دیتے تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی کامیابی کے بعد محض اس خیال سے کہ انگریز مسلمانوں کو ہمیشہ ذلیل و خوار اور قابل عتاب سمجھتے رہیں، ہندوؤں نے لارڈ النبرا وائسرائے ہند کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔ انہی دنوں افغانستان کی جنگ شروع ہو گئی۔ انگریز افغانستان پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ برصغیر کے مسلمان افغانستان کو انگریزوں کے ہاتھوں میں جانے پر کف افسوس مل رہے تھے۔ ہندوؤں نے موقع غنیمت جان کر انگریز حکام سے مل کر ان کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ مسلمان اس جنگ میں افغانستان کی فتح کے لئے دعائیں مانگ رہے ہیں اور ان کی دلی ہمدردیاں افغانستان کے ساتھ ہیں۔ ہندوؤں کی ان کوششوں کا جو نتیجہ برآمد ہوا اسے ایک ہندو فاضل میجر بی ڈی باسو یوں بیان کرتا ہے کہ ہندوؤں کی ان باتوں سے معمولی افسر ہی نہیں خود وائسرائے ہند بھی ان کے داؤ میں آ کر یقین کر بیٹھا کہ برٹش حکومت کی خیر خواہ اگر کوئی قوم ہے تو وہ صرف ہندو قوم ہے نہ کہ مسلمان جو دن رات ہماری شکست کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔ یہی بات وائسرائے نے انگلینڈ کے ذمہ دار کارکنوں کو بھی باور کرانے کی کوشش کی چنانچہ ۱۴ اکتوبر ۱۸۴۲ء کو گورنر جنرل نے ڈیوک آف ولنگٹن کو شملہ سے کابل اور غزنی کی فتح کے موقع پر لکھا کہ:-

مسلمان رات دن یہی دعا مانگ رہے تھے کہ افغانستان میں انگریزوں کو شکست ہو مجھے اچھی طرح ثابت ہو گیا ہے کہ وہ خاص لوگ جن کی گذر ہماری

روٹی کے ٹکڑوں پر ہے وہ دل سے ہمارے بدخواہ تھے بخلاف اس کے ہندو ہماری فتح پر اظہار شادمانی کر رہے ہیں۔ جب ہمیں مسلمانوں کی دشمنی کا یقین کامل ہے جن کی تعداد ۱/۴ ہے تو پھر کیوں نہ ہم اس قوم کا ساتھ دیں جن کی تعداد ۳/۴ ہے اور جو ہماری وفادار ہے۔ ہماری سچی پالیسی یہ ہونی چاہیئے کہ ہندوؤں کے ساتھ مہربانی ہو۔
انگریزوں نے ہندوؤں پر طرح طرح کی مہربانیاں کیں ان دونوں کے گٹھ جوڑ اور ملی بھگت کے بعد ۱۸۵۷ء میں اسلامی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ اس کے باقی مبانی براہمن اور دوسرے ہندو راجے تھے۔ اور یہ انہی کا منصوبہ تھا کہ بعد میں انگریزوں کو ملک سے نکال کر یہاں از سر نو مرہٹہ حکومت قائم کی جائے۔ در پردہ ان کی یہی سازش تھی مگر ظاہراً وہ انگریز کو مسلمانوں کے خلاف کرتے رہے۔ ہندوؤں کی ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندو انگریزوں کے منظور نظر ہو گئے اعلیٰ اعلیٰ عہدوں پر ان کو مقرر کیا جانے لگا۔ تعلیمی میدان میں بھی ہندوؤں کو ہر قسم کی مراعات دی جانے لگیں۔ اور مسلمان انگریزوں کا معتوب ہو کر رہ گیا۔ کیونکہ انگریز نے مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی اس لئے وہ مسلمان کو اب ابھرنے کا موقع نہ دینے کا فیصلہ کر چکا تھا اسلئے مسلمانوں کو ہر لحاظ سے پسماندہ رکھنے کی کوشش کی جانے لگی۔

ہندوؤں نے رفتہ رفتہ اتنا عروج حاصل کر لیا تھا کہ وہ برٹش راج کو ہندوؤں کی ہی حکومت سمجھنے لگ گئے کیونکہ اہم عہدوں پر ہندو ہی متمکن نظر آتے تھے مغلیہ خاندان کے دور میں مسلمانوں کے پاس جو عہدے تھے وہ سب کے سب ہندوؤں کو دے دیئے گئے۔ مسلمانوں کے مدرسوں، سکولوں اور کالجوں سے مسلمان عناصر کو ختم کرنے کی پالیسی خود انگریزوں نے شروع کی۔

چنانچہ ۲۱-۱۹۲۰ء میں سررشتہ تعلیم پنجاب کی رپورٹ جو کپتان فلر صاحب نے مرتب کی اس میں صاف ہدایات جاری کیں کہ "ڈسٹرکٹ آفیسر اس بات کا خیال رکھیں کہ تعلیمی

پیشہ سے مسلمانوں کے عنصر کو ختم کرنا ہے"

اس طرح مسٹر آرنلڈ ۱۸۵۶ - ۵۷ء تعلیمی رپورٹ میں واضح ہدایات جاری کیں کہ پنجاب میں مذہب اسلام کی مسلسل اشاعت تا حدے اس فائدے کے سبب سے ہے جو مسلمان معلموں نے اس اعتماد سے اٹھایا ہے میں یقیناً دیکھتا ہوں کہ معاملات کا قدرتی رجحان اگر ان کو اپنے آپ پر چھوڑا جائے تو یہ ہے کہ گورنمنٹ کا تمام اقتدار تعلیم کے بارے میں مسلمانوں کی جانب چلا جائے گا جس کی بہت روک تھام کرنی چاہیے" ان حالات کے تحت مسلمانوں کو تعلیم سے دور رکھ کر ان کے تمام علمی اور اخلاقی جوہر کو مٹانے کی بھرپور کوشش کی گئی اور ہندوؤں کے لئے ہر قسم کے ترقی کے دروازے کھلے رکھے گئے غرض یہ کہ انگریز اور ہندو کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ مسلمان دوبارہ ابھرنے نہ پائیں اور نہ ہی ملک کا کوئی اہم عہدہ ان کے ہاتھ میں جانے پائے۔

انگریز اور سرحد

انگریزوں کی برصغیر میں کامیابی کا راز ان کا یہ اصول تھا "تقسیم کرو اور حکومت کرو" اسی اصول کے تحت انگریز لگاتار اس کوشش میں مصروف رہے کہ مقامی حاکموں کے خلاف عوام کو اسی طرح ابھارا جائے کہ عوام حاکموں کے خلاف ہو جائیں جنگ و جدال ہوں اور افراتفری پیدا ہو جائے چنانچہ جب انگریزوں کی سازش کامیاب ہو جاتی تو انگریز نہایت معصومانہ انداز میں متعلقہ حاکم کو اپنی طرف سے امداد کی پیشکش کرتے حاکم ان کی امداد کو مخلصانہ جذبہ سمجھ کر قبول کر لیتا اس طرح انگریز کو متعلقہ علاقے میں عمل دخل کا موقع مل جاتا۔ انگریزوں نے اسی اصول کے تحت ہندوستان کی ریاستوں میں سازشوں کے جال بچھائے۔ ریاستوں کے عوام کو ریاستی سربراہوں کے خلاف اکسایا۔ ریاستوں کے حکمرانوں کو ہندوستان کے شہنشاہ کے خلاف ابھارا اور پھر نہایت چالاکی

کے ساتھ آخرکار مغلیہ اقتدار کو ختم کیا یہی اصول انگریزوں نے اختیار کرتے ہوئے سکھوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کیا۔

چونکہ انگریز پنجاب۔ ہزارہ اور پشاور کے علاقوں پر اپنے قدم جمانا چاہتے تھے اس لئے انگریزوں نے نہایت دوراندیشی کے ساتھ سکھوں کی رعیت میں انتشار کا بیج بویا پھر مختلف سکھ حاکموں کو سکھ دربار کے خلاف کیا اور مختلف علاقوں کے لوگوں کو سکھوں کے خلاف جنگ پر ابھارا جب ابتدائی سازشوں میں انگریزوں کو کامیابی نظر آئی تو جھٹ سکھ دربار کو اپنی خدمات پیش کیں کہ ہم اس افراتفری میں لاہور دربار کو ہر ممکن مدد دینے پر تیار ہیں"۔

سکھ دربار بھی انگریزوں کی چالوں کو نہ سمجھ سکا اور آخرکار ایک معاہدے کی رو سے انگریزوں نے سکھوں کے حامی اور مددگار کی حیثیت سے سکھ ریاست میں اثرورسوخ حاصل کر لیا سکھ دربار میں رسائی کے بعد انگریزوں نے اندرونی سازشوں کے ذریعے سکھوں کے اقتدار کے ستارے کو خاک میں ملانے کی کوششیں شروع کیں۔

جب بنوں پر سردار دلیپ سنگھ حکمران تھا تو ان دنوں لاہور میں سکھوں اور انگریزوں کا ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے انگریزوں اور سکھوں دونوں نے مشترکہ طاقت کے ذریعے بنوں کے مجاہدین کو کچلنے کے پروگرام تیار کئے اسی معاہدے کی رو سے سکھوں نے انگریزی افسروں کی خدمات بھی حاصل کیں چنانچہ جنرل کورٹ لینڈ اور جرنیل ایڈورڈ سکھوں کی امداد کے لئے بنوں پہنچے اور سکھوں کے ساتھ مل کر بنوں اور اس سے ملحقہ قبائلی علاقوں کو مستقل طور پر غلام اور مطیع بنانے کے لئے فوجی اقدامات کے منصوبوں پر عمل درآمد کیا۔

۲ جنوری ۱۸۴۸ء کو بنوں کے انگریز ناظم لیفٹننٹ کرنل ایڈورڈ نے لاہور کے انگریز ریذیڈنٹ کے حکم سے بنوں کے شہر کی بنیاد رکھی اور اس شہر کا نام سکھ حکمران دلیپ سنگھ کے نام پر دلیپ نگر رکھا اس کے بعد دسمبر ۱۸۴۸ء میں بنوں کے نزدیک رود کرم کے جنوب کی طرف کچکوٹ نہر سے چھ فرلانگ کے فاصلے پر بنوں میں قلعے کی بنیاد رکھی جس کا نام دلیپ گڑھ رکھا گیا اس کے

قریب بہت بڑی زمین بنجر پڑی ہوئی تھی جو پہلے تو سکھوں کی ملکیت تھی اور بعد میں جب انگریزوں کی ملکیت میں آئی تو یہی زمین انگریزوں نے بنوں کے ان لوگوں کو انعام میں دی جنہوں نے انگریزوں کی ہر ممکن مدد کی تھی۔ بنوں کا سب سے پہلا اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کرنل ہربرٹ اپنی کتاب "پنجاب اور سرحد میں ایک سال" میں اپنے مخصوص اصول کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

بنوں پر ہم نے تلوار اور بندوق سے نہیں کیا بلکہ یہ قبضہ اس طرح ہم نے کیا کہ پٹھانوں کے مختلف قبیلوں میں ہم نے بغض و عناد اور دشمنی کی آگ سلگائی۔ ہم نے بھائی کو بھائی اور قبیلے کو قبیلے کا دشمن بنا کر انہیں آپس میں اس طرح لڑایا کہ ان کی تمام طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ پھر ہم نے اس قسم کے حالات پیدا کئے کہ مختلف قبیلوں کی تباہی کے ہم نے پروگرام بنائے اس صورت میں ہماری مدد قبیلے کے سرداروں نے کی تاکہ دوسرے قبیلے کو جو اس قبیلے کا دشمن بن چکا تھا تباہ کیا جائے۔ ان حالات میں ہم نے تقریباً چار سو قبیلوں کے مضبوط مورچوں کو آسانی کے ساتھ تباہ کر ڈالا ہم نے صرف تین ماہ کے عرصے میں وہ کام کیا جو سکھ ۲۵ سال کے دور حکومت میں نہ کر نے پائے تھے۔"

پہلے تو انگریزوں نے اپنی مخصوص پالیسی کے تحت سکھوں کا امدادی ہونے کی حیثیت سے سرحد کی سرزمین پر قدم رکھنے بعد میں سرحدی عوام کو سکھوں کے خلاف اکسایا اور خود ایسے حربے اختیار کئے کہ سکھوں کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا اور سرحد پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔

انگریزوں نے سکھوں کا مددگار ہونے کی صورت میں ۱۸۰۹ء میں سکھوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے ایک معاہدہ کیا تھا اور اس کے بعد اسی معاہدے کی رو سے سکھ سلطنت میں انگریزوں نے اپنی پالیسی کے تحت کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ انگریز بظاہر تو سکھوں کے حامی رہے مگر درپردہ وہ اس قسم کے حربے اختیار کرتے رہے جو سکھوں کے زوال اور انگریزی اقتدار کا باعث بنیں چنانچہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے فوت ہو جانے کے بعد جب ان کا بیٹا کھڑک سنگھ گدی نشین ہوا تو انگریزوں نے اپنی مخصوص پالیسی کے تحت سکھوں کی طاقت کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے سکھ

ریاست کے مختلف حاکموں اور سرداروں کو آپس میں الجھا کر ایک طرف خانہ جنگی شروع کرادی دوسری طرف اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے سکھ اقتدار کے خاتمے کے لئے کھلم کھلا سکھوں کے خلاف جنگوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں چار بڑی لڑائیاں لڑی گئیں جن میں انگریزوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ سکھوں نے انگریزوں سے جان چھڑانے کے لئے یہ تدبیر کی کہ ۱۸۴۶ء کے ایک معاہدے کے تحت کشمیر اور سرحد کے علاقے انگریزوں کے حوالے کر دیئے اور انگریزوں کے ریذیڈنٹ ان علاقوں میں مقرر کرنے پہ رضامندی ظاہر کر دی۔

اب انگریز اپنی طاقت بڑھا چکا تھا اور وہ ہاتھ دھو کر سکھ اقتدار کو ختم کرنا چاہتا تھا لہذا سکھوں نے ایسے علاقے انگریزوں کے حوالے کر دیئے جہاں کے لوگ سکھوں کے خلاف مسلسل جہاد کر رہے تھے سکھوں کا خیال تھا کہ ایک طرف انگریز خوش ہو جائیںگے اور دوسری طرف ان علاقوں کی مسلسل جنگوں سے سکھ دربار کو نجات مل سکے گی۔

اسی مذکورہ نظریے کے تحت سکھوں نے سرحد کے علاقے انگریزوں کے حوالے کر کے ان سے کہا کہ وہ اپنے حاکم ان علاقوں میں مقرر کریں۔ اس گٹھ جوڑ میں یہ شرط بھی رکھی گئی کہ خالصہ دربار کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے میں انگریز سکھوں کی مدد کریں گے۔

یہ معاہدہ دراصل سرحدی علاقے اور افغانستان میں قدم جمانے کے لئے انگریزوں کی پہلی کامیاب کوشش تھی جس میں وہ کامیاب ہوئے۔

انگریز جاسوسی کے لباس میں

انگریزوں نے سرحدی علاقوں میں بہت پہلے سے سیاحوں اور پیروں اور فقیروں کے بھیس میں اپنے جاسوسوں کو بھیج کر اس علاقے کے نشیب و فراز سے آگاہی حاصل کر لی تھی حتی کہ ۱۸۴۴ء

میں ولیم مورکرافٹ نے وزیرستان تک کے علاقے کی سیاحت کر کے انگریزوں کی کامیابی کے ہر ممکن راز کو حاصل کر لیا تھا۔ ان سیاحوں کی وجہ سے انگریزوں نے سرحدی علاقے میں کئی لوگوں کو بھی اپنا ہم نوا بنا لیا تھا۔ انگریز کے ان ہمنواؤں میں سے بعض نے درپردہ ان انگریزوں کی آمد پہ انہیں خفیہ طور پہ ہر ممکن مدد دی اور بعض نے کھلم کھلا انگریزوں کی مدد کی جن میں علاقہ بنوں سے ملحقہ قبائلی علاقے کا ایک سردار سوہان خان خاص طور پر قابل ذکر ہے جس نے انگریز دوستی کا یہاں تک ثبوت دیا کہ انگریزوں نے جب بنوں میں آکر گمبٹ کے مقام پہ فوجی کیمپ لگایا تو اس کیمپ کے نصب کرنے میں اور انگریزوں کی کامیابی کے لئے سوہان خان نے جشن مسرت منایا اور خود کھلم کھلا مدد دی۔ اور اپنے زیر اثر لوگوں کو انگریزوں کی مدد کرنے پہ آمادہ کیا۔

انگریزوں کے وہ جاسوس جنہوں نے مختلف بھیس بدل کر برصغیر میں مختلف مقامات پر سازشوں کے ذریعے انگریزوں کے لئے اقتدار کی فضا ہموار کی ان میں جان نکلسن ہربرٹ ایڈورڈ۔ فریڈرک میکسن جیمس ایبٹ اور لارنس بہت ہی مشہور ہیں۔ ان میں سے لارنس نے ترکی کی عظیم اسلامی سلطنت کو پارہ پارہ کرنے کے علاوہ صوبہ سرحد میں بھی کچھ عرصہ رہ کر سرحدی علاقوں میں انگریزوں کے اقتدار کے لئے نمایاں کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ انگریزوں کے ان چالاک جانبازوں نے ان علاقوں کی بول چال۔ رسم و رواج اور مذہبؒ اور عقیدوں کو اپنانے میں کافی وقت صرف کیا تھا سرحدی علاقوں میں وہ کہیں شیخ الاسلام کے بھیس میں آئے کہیں مولوی بنے۔ کہیں صوفی بنے۔ کہیں مصلح وقت بنے۔ اور کہیں عابد و زاہد کے روپ میں نمودار ہوئے۔ انہوں نے اس قسم کے کارنامے سرانجام دیئے۔ جن کی وجہ سے انہیں انگریز قوم تاریخی لحاظ سے بہت ہی عزت و حرمت کی نگاہوں سے دیکھتی رہے گی۔ اگرچہ یہ لوگ مر چکے ہیں مگر یہ لوگ اپنی قوم کے لئے ہمیشہ زندہ و تابندہ ہیں۔ نکلسن آئرلینڈ کا رہنے والا تھا وہ سالہا سال تک نپلین اور ولن کے دلیو تاؤں کا منظور نظر سمجھا جاتا رہا۔ اس نے پنجاب میں رہ

کر ایک عرصے تک کام کیا پھر ہزارہ میں بھی کافی عرصہ جنگلوں میں اور دیہاتوں میں بزرگ کے بھیس میں زندگی بسر کرتا رہا۔ پنجاب میں اسے شیر پنجاب کہا جاتا تھا اور ہزارہ میں تو اس نے بزرگی کے وہ جوہر دکھائے کہ لوگ اس کی پوجا کرنے لگے تھے۔ کہتے ہیں ہزارہ میں ایک فرقہ بھی ایسا پیدا ہو گیا تھا جسے نکلسینی فرقہ کہا جاتا تھا اس فرقہ کے لوگ نکلسن کو اپنا گورو سمجھ کر اس کی پوجا کرتے تھے جب یہ فوت ہوا تو اس کے معتقد عرصے تک اس کا ماتم کرتے رہے۔ یہ ایک کرخت چہرے والا انسان تھا اس کی لمبی اور نوک دار داڑھی تھی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے موقع پر یہ شخص بجائے بزرگ کے دہلی میں انگریزی فوج کی کمان کر رہا تھا اسی سال یہ دہلی میں کشمیری گیٹ پر اس حملے کے دوران جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی سخت زخمی ہوا اور ۳۴ سال کی عمر میں فوت ہو گیا اس سے پہلے یہ شخص جب ہزارہ اور پنجاب میں خفیہ کام سرانجام دے چکا تو پھر وہ بزرگی کا بھیس اتار کر اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہوا انگریزوں نے اس کی خدمات کے صلے میں اسے پہلے تو بنوں کا ڈپٹی کمشنر بنایا اور پھر بعد میں پشاور کا ڈپٹی کمشنر رہا۔ بنوں اور پشاور کے قبائلی علاقوں میں بھی یہ پہلے خفیہ کام سرانجام دے چکا تھا معلوم ہوتا ہے کہ جن دنوں پشاور میں سکھوں کی حکومت تھی یہ شخص یہاں خفیہ طریقے سے پہنچا اور وہ یہاں کے نشیب و فراز اور حالات سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو مطلع کرتا رہا اور ساتھ ساتھ قبائلیوں کے ساتھ میل ملاپ کی وجہ سے ان کے تمام رازوں سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو مطلع کیا۔

ہربرٹ ایڈورڈز بھی سکھوں کے دوران حکومت میں سرحد آیا تھا اس نے بھی قبائلیوں میں مختلف بھیسوں میں رہ کر کام کیا۔ یہ ایک دراز قد انسان تھا اس کی لمبی اور گھنی داڑھی تھی یہ ایک موٹا تازہ اور ہٹا کٹا انگریز تھا نکلسن سے پہلے یہ بنوں میں ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر رہا اور پھر پشاور میں کمشنر مقرر ہوا۔

فریڈرک میکسن ۱۸۳۹ء سے پہلے سرحد میں بزرگانہ بھیس میں آیا۔ اس نے آفریدی علاقے

میں بڑا اثر ورسوخ حاصل کیا۔ آفریدیوں میں رہ کر اس نے افغانستان پر قبضہ کرنے کے لئے انگریزوں کے لئے راستہ ہموار کیا۔ آفریدیوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ جنگ افغانستان میں غیر جانبدار رہیں۔ وہ ایک عرصے تک ہزارہ میں بھی کام کر چکا تھا۔

ابیٹ جس کے نام پر ایبٹ آباد کا مقام مشہور ہے بہت زیادہ چالاک تھا اس نے سکھوں کے دور میں جب کہ سکھ ہزارہ میں حکمران تھے ہزارے آکر اپنے کارناموں کا آغاز کیا یہ بھی بزرگوں کے بھیس میں شروع شروع میں نمودار ہؤا۔ اس نے ہزارے کے تمام علاقوں میں اپنا اثر ورسوخ قائم کرنے میں مختلف بہروپ اختیار کئے۔ کبھی یہ فقیروں کے بھیس میں نمودار ہؤا۔ اور کہیں مستانے کی صورت میں اس نے اپنے مشن کی تکمیل کے لئے دن رات کام کیا۔ یہ محض بچوں میں بچہ اور بڑوں میں بڑا بن کر ظاہر ہوتا رہا۔ اس کی جیبیں اکثر مٹھائیوں سے بھری رہتی تھیں یہ گاؤں گاؤں جاکر بچوں کو اکٹھا کر لیتا اور ان میں مٹھائیاں تقسیم کرتا تھا جب سکھوں اور مشوانیوں کا مقابلہ شروع ہؤا تو اس شخص نے مشوانیوں کو کہا کہ قدرت نے مجھے تمہاری مدد کے لئے بھیجا ہے اگر تم چاہو تو میں تمہارے درمیان رہ کر تمہاری مدد کروں۔ ہزارہ کے لوگ اسے اپنا ہمدرد سمجھ کر اس کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ ہزارہ کے لوگ تو یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح سکھوں سے نجات ملے مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ وہ ایبٹ کی کوششوں کے ذریعے سکھوں کے ہاتھوں سے نجات پانے کے بعد ایک ایسی قوم کے غلام بنائے جانے والے ہیں جو سکھوں سے بھی زیادہ ان پر جابرانہ طریقے سے حکومت کریں گے۔ اس کی بھی لمبی داڑھی تھی ہزارہ کے لوگ۔ اسے کشن کا کا کے نام سے پکارتے تھے اور اسے بزرگ سمجھ کر بڑے ادب سے اس کا نام لیتے تھے۔

انگریزی اقتدار ہزارے پر جب چھا چکا تو ایبٹ کی خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے ہزارہ کا پہلا ڈپٹی کمشنر مقرر کیا گیا۔ اس نے اس جنگل میں جہاں اس نے اپنے کارناموں کے دوران کافی دن فقیرانہ بھیس میں صوفی بن کر گذارے تھے۔ ایک بستی کی بنیاد ڈالی جو ایبٹ آباد کہے

نام سے مشہور ہے۔ کیرو اپنی کتاب دی پٹھان کے صفحہ ۴۷۸ میں دبے لفظوں میں اس حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ:۔

"ہمارے ملک سے آئے ہوئے بیشں رو وّں نے سو سال پہلے اس علاقے میں کام کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا جو پیش رو سکھوں کے عہد میں اور کولن کیمبل سے پہلے آئے تھے انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہاں کام محض فوج کے بس کی بات نہیں ہے۔"

مذکورہ حقائق کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ یورپ کی عیسائی سلطنتیں دنیائے اسلام سے مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ کرنے کا مصمم عہد یقیناً صلاح الدین الیوبی کے زمانے سے کر چکی تھی اور انہوں نے مسلمانوں کی حکومت کا تختہ بجائے طاقت سے الٹنے کے اپنے بیشمار جاسوسوں کے ذریعے الٹایا جنہیں اپنے کام پر بھیجنے سے پہلے متعلقہ زبان متعلقہ رسم ورواج اور متعلقہ طرز معاشرت اور آداب ورسوم سکھائے جاتے تھے۔ عیسائی طاقتیں یہ بخوبی سمجھ چکی تھیں کہ مسلمانوں کی متحدہ طاقت کے مقابلے میں انہیں آسانی سے شکست نہیں دی جا سکتی لہذا انہوں نے اپنے ان مخصوص مبلغوں کو اور جاسوسوں کو مسلمانوں ہی کا ایک فرد بنا کر ہر علاقے میں اس علاقے کے باشندوں کے روپ میں بھیجا۔ ان لوگوں نے یقیناً سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مبلغوں اور مولویوں کے بھیس میں مختلف مقامات پر جا کر مسلمانوں کو طرح طرح کے مذہبی مسائل میں الجھا کر مسلمانوں میں تفرقے پیدا کئے اور مسلمان قوم کی متحدہ طاقت کے شیرازے کو بکھیرا اور پھر جہاں جہاں انہیں اپنے مقصد میں کامیابی ہوتی نظر آئی وہاں انگریزوں کا اقتدار قائم کیا۔

وار برٹن جو سرحد کا سب سے پہلا پولیٹیکل ایجنٹ مقرر ہوا اس کا باپ پہلی جنگ افغان میں شاہ شجاع کی فوج کا ایک سپاہی رہ چکا تھا اس نے امیر دوست محمد خان کی بھانجی سے شادی بھی کی تھی معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا مگر در پردہ یہ انگریز قوم کا جانثار تھا۔ وار برٹن پشتو خوب جانتا تھا فارسی بھی روانی سے بولتا تھا دوسری جنگ

افغانستان کے بعد دار برٹن کو خیبر کا علاقہ سونپا گیا اس نے سولہ سال تک خیبر میں مختلف بھیسوں میں کام کیا پھر کارکردگی کے صلے میں آخر کار پولیٹیکل ایجنٹ بنا۔

لارنس ایک عرصے تک پشاور خیبر تیراہ اور وزیرستان میں رہا یہ شخص کبھی مولوی بن جاتا کبھی فقیر بن کر گھومتا اور کبھی عابد و زاہد اور پارسا کے بھیس میں ظاہر ہوتا رہا کہتے ہیں کہ تیراہ کی مہم میں یہ ایک عالم اور واعظ کے بھیس میں تیراہ میں پہنچا اور اس نے تیراہ کے مختلف قبائل میں مذہبی رنگ میں تفرقہ پیدا کر کے آفریدیوں کی طاقت کو تقسیم کرنے کی کوشش کی یہ بھی پشتو خوب جانتا تھا عربی فارسی اور علوم اسلامیہ میں ماہر تھا۔

لارنس ایک عرصے تک وزیرستان میں پیر شامی کے نام سے مشہور رہا۔ اس شخص نے وزیرستان کے کئی لوگوں کو اپنا مرید بنایا۔ یہ وہی پیر شامی ہے جس کے متعلق کیرو اپنی کتاب "دی پٹھان" کے صفحہ ۵۶۹ پر لکھتا ہے۔

" یہ پیر قبائل میں شامی فقیر کے نام سے مشہور تھا کانی گرم میں سکونت کے دوران وہ ایک سید کی عبا پہنتا تھا اس نے داڑھی رکھ چھوڑی تھی اور حلیہ پاکیزہ لوگوں جیسا بنا رکھا تھا وہ عبا اور قبا میں جامعہ ازہر کا فارغ التحصیل عالم دین دکھائی دیتا تھا جس کی داڑھی کافی لمبی تھی۔ اصل چیز داڑھی ہے اور محسود قبائل پر اس داڑھی کا بڑا اثر ہوا تھا"۔

محسود قبائل پر جب یہ راز کھلا کہ یہ شخص انگریز ہے اور قبائل میں مخبری کے فرائض سرانجام دے رہا ہے تو وہ اس کی جان لینے پر آمادہ ہو گئے۔ چالاک لارنس جان بچا کر پوشیدہ طور پر ٹانک پہنچا۔ پولیٹیکل حکام نے اس کی جان بچانے کے بہانے اسے گرفتار کر لیا اور پھر پوشیدہ طور پر اسے انگلستان بھیجدیا۔ گرفتاری کے بعد اس نے مغربی طرز کا بہترین سوٹ پہن لیا جس کا وہ عادی تھا۔

سرحدی باشندے جبری قوانین کے شکنجے میں

انگریزوں نے سرحد کے باشندوں کے جذبہ حریت کو دبانے اور انہیں اپنا مطیع اور فرمانبردار بنانے کیلئے ہر ممکن تدبیر کی مگر سرحد کے باشندے مسلسل انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے رہے سرحدی مجاہد نہ تو انگریزوں کی دولت کے جال میں پھنسنے کے لئے تیار تھے اور نہ ہی انگریزوں کی کوئی چال انہیں بقیہ ہندوستان کے باشندوں کی طرح رام کر سکی۔ چنانچہ اپنے تمام حربوں سے ناکامی کے بعد انگریزوں نے انتہائی سخت گیر اور لرزہ خیز تشدد کا راستہ اختیار کیا۔ تشدد اور بربریت کی اس پالیسی کے تحت وائسرائے ہند لارڈ کرزن نے ۱۹۰۱ء میں سرحد کو پنجاب سے الگ کر کے اس علاقے کا انتظام براہ راست مرکزی حکومت کے ہاتھ میں دیکر اس علاقے میں جابرانہ قوانین نافذ کردیئے ان جابرانہ قوانین کا نام فرنٹیئر کرائمز ریگولیشنز رکھا گیا۔ ان جابرانہ قوانین کے تحت سرحدی باشندوں کو ظلم و تشدد کے آہنی شکنجوں میں جکڑ لیا گیا۔ ان قوانین کے تحت انگریزوں کی طرف سے مقرر کئے گئے سرحدی حکام کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ سرحد کے باشندوں کو کچل کر رکھ دیں دنیا کی آئینی تاریخ میں یہ قوانین کالے قوانین کے نام سے مشہور ہیں ان سیاہ قوانین کے نفاذ کے ساتھ ہی سرحد سرزمین بے آئین بن گئی۔ سرحدی باشندوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ سرحد کی سرزمین ظلم اور بربریت کی تاریکی میں ڈوب گئی کسی انگریز کی طرف انگلی سے اشارہ کرنا بھی سنگین جرم قرار دے دیا گیا۔ پولیس اور فوج جسے چاہتی گولیوں کا نشانہ بنا دیتی۔ حاکم جسے چاہتے اسے کالے پانی کی سزا دیتے ایک آدمی کے جرم میں اس کے تمام رشتہ دار اور قبیلے کے افراد کو سنگین ترین سزائیں دی جاتیں سرحدی عوام کو اپیل اور انصاف کے حق سے محروم کر دیا گیا تھا۔ ان جابرانہ قوانین کے خلاف آواز بلند کرنا بھی سنگین ترین جرم قرار دے دیا گیا تھا

ہر ضلع کے ڈپٹی کمشنر کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنی مرضی سے تاج برطانیہ کے حامی اور وفادار چند آدمیوں پر مشتمل سرداروں کی کونسل قائم کرے جو حکومت کی منشاء کے مطابق کسی مقدمہ کا فیصلہ کریں سرداران کونسل وہی کہتے تھے جو حاکموں کی مرضی ہوتی تھی۔ اس کونسل کے ذریعے عوام کے ساتھ انتہائی بے انصافی کا سلوک کیا جانے لگا۔

انگریزوں نے ان جابرانہ قوانین کے نفاذ کے لئے یہ بہانہ بنایا کہ چونکہ سرحد میں جرائم زیادہ ہوتے ہیں اس لئے ان جرائم کی روک تھام کے لئے یہ قوانین نافذ کئے جاتے ہیں مگر حقیقت یہ تھی کہ ان سیاہ قوانین کے نفاذ کا اصلی مقصد یہ تھا کہ سرحد کے ان باشندوں اور ان قبیلوں کو ان قوانین کے تحت ختم کیا جا سکے جو تاج برطانیہ کے وفادار بننے کے لئے تیار نہیں یا ان مذہبی رہنماؤں اور قبیلوں کے سربراہوں کو ختم کیا جا سکے جن کی رہنمائی میں سرحدی عوام انگریزوں کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ انہی نظریات کے تحت انگریزوں نے سرحد میں کالے قوانین کا نفاذ کیا تھا جن کی رو سے انگریزوں کی طرف سے مقرر کئے گئے سرحدی حکام کو یہ اختیارات دیئے گئے کہ ڈپٹی کمشنر کو کسی جرم میں کسی شخص کو یا اشخاص کو یا اس کے رشتہ داروں کو یا اس کے قبیلے کے تمام افراد کو سات برس قید سے لیکر دس یا ۱۴ برس قید با مشقت اور حسب منشاء کوڑوں کی سزا اور کالا پانی بھیجنے کے اختیارات تھے۔

انہی قوانین کی دفعہ ۲۱ مجریہ ۱۹۰۱ء کے تحت یہ حکم تھا کہ اگر کوئی سرحدی قوم یا کسی سرحدی قوم کا کوئی قبیلہ یا فرقہ یا اس کا کوئی فرد یا افراد برطانوی حکومت کے متعلق یا حکومت برطانیہ کے کسی حاکم یا کسی انگریز فرد کی مخالفت کریں یا مخاصمت کریں یا عداوت رکھیں یا ان سے عداوت رکھنے کا احتمال ہو تو ڈپٹی کمشنر کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ :-

اس قوم کے جملہ افراد یا بعض افراد جہاں کہیں کہ وہ پائے جائیں۔ فوجی

طور پر گرفتار کرے اور ان کی جائیدادوں کو فوری طور پر ضبط کر لیا جائے۔
ڈپٹی کمشنروں کو اس دفعہ کے تحت یہ اختیارات بھی دیئے گئے کہ وہ انگریزوں کی مخالفت کرنے والے فرد یا اس کے تمام قبیلے کو یا اس کی تمام قوم کو برطانوی حدود سے نکال کر اور سرحد کے باقی لوگوں کو اس بات کی سختی سے ممانعت کی جائے کہ انگریز حکومت جس فرد کو یا افراد کو یا قوم کو یا قبیلے کو جسے برطانوی حدود سے نکال دے ان سے کسی قسم کا تعلق خط و کتابت یا میل جول نہ رکھا جائے۔

سرحدی جرائم کی دفعہ ۳۱ کے تحت برٹش انڈیا کی سرحد سے پانچ میل کے اندر کسی مکان بستی یا گاؤں یا پناہ گاہ کے بنانے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ چنانچہ برٹش انڈیا کی سرحد سے پانچ میل کے اندر جو مکانات بستیاں یا گاؤں تھے وہ مسمار کر دیئے گئے۔

جرائم سرحدی کی دفعہ ۳۳ کے تحت سرحد میں یہ سیاہ قانون نافذ کیا گیا کہ :۔
"کوئی عمارت اس قسم کی جو عام طور پر حجرہ یا چوک کے نام سے مشہور ہو یا کوئی عمارت جو حجرہ یا چوک کے طور پر استعمال ہو رہی ہو تعمیر نہیں کی جا سکتی اور کوئی عمارت جو فی الوقت حجرہ یا چوک کے طور پر استعمال میں ہو۔ وہ حجرے کے طور پر استعمال نہ کی جائے اور اگر کسی عمارت کو حجرے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہو یا کسی عمارت میں لوگ مشوروں کے لئے اکٹھے ہوتے ہوں تو اس کو فوری طور پر گرا دیا جائے اور اس عمارت کے منہدم کرنے پر مالک مکان کسی معاوضے کا حقدار نہ ہوگا اس قسم کے جابرانہ قانون کی خلاف ورزی کرنے پر چھ ماہ قید سخت اور بھاری جرمانہ عائد کیا جاتا تھا۔ اس قانون کے نفاذ کا یہ مطلب تھا کہ سرحدی لوگ فارغ وقت میں کسی ایک جگہ مل کر نہ بیٹھیں کیونکہ انگریزوں کا خیال تھا کہ سرحدی لوگ جب ان حجروں میں مل کر بیٹھتے ہیں تو وہ حکومت برطانیہ کے خلاف منصوبے بناتے ہیں

جرائم سرحدی کی دفعہ ۳۶ کے تحت سرحد کے مذہبی رہنماؤں کے متعلق جو حکومت برطانیہ کے فرمانبرداری کی خلاف ورزی کریں ان کے متعلق یہ حکم نافذ کیا گیا کہ جب سرحد کے کسی ضلع کے ڈپٹی کمشنر کی رائے میں کوئی شخص ایک مذہبی متعصب فرد ہو یا کسی سرحدی قوم کا آدمی ہو یا جو اپنا ذریعۂ معاش ظاہر نہ کر سکے یا جو فرانتی تنازعے رکھتا ہو یا کسی ایسے جھگڑے کا باعث ہو جو خونریزی کا سبب بن سکے تو ڈپٹی کمشنر کو اختیار ہو گا کہ اس شخص کو نوٹس دیکر برطانوی حدود سے باہر نکال دے یا پھر اسے کسی جگہ پر پابند مسکن کر دے۔

ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء کے تحت ہندوستان کے باقی صوبوں میں ہائیکورٹ سیشن عدالت اور سیشن جج مقدمات کی سماعت کے مجاز تھے اور عوام کو انصاف کے حصول میں دشواری نہ تھی مگر سرحدی عوام کو اس انصاف سے محروم کرنے کے لئے اس ضابطے میں ترمیم کر دی گئی چنانچہ جرائم سرحدی کے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۴۸ کے تحت ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء کے باب ۸ اور ۴۲ میں ترمیم کر کے سرحدی عوام کو ہائی کورٹ سیشن عدالت او سیشن جج سے انصاف کے حصول کے دروازے بند کر دیئے گئے اور تمام اختیارات کمشنر سرحد کو دے کر سرحد کے عوام کو کمشنر کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ کمشنر انصاف کے تمام تقاضوں کو پس پشت ڈال کر جیسا چاہتا تھا اس ضمن میں سرحدی عوام سے سلوک کرتا تھا۔

جرائم سرحدی کی دفعہ ۴۰ کے تحت حکومت برطانیہ کے خلاف نفرت پھیلنے کے امکانات کو ختم کرنے کے لئے کمشنر اور ڈپٹی کمشنروں کو یہ اختیارات دے دیئے گئے تھے کہ وہ جس شخص یا اشخاص سے چاہیں نیک چلنی کی ضمانتیں حاصل کریں اور انہیں پابند ضمانت کر دیں۔ چنانچہ اس دفعہ کے تحت سینکڑوں سرحدی باشندوں کو تنگ کیا گیا بعض کی ضمانتیں ضبط کی گئیں اور بعض کو کڑی سے کڑی سزائیں دی گئیں ان سزاؤں

میں دتّے لگانا عبور دریائے شورا اور سخت سے سخت ترین قید تھی۔

جرائم سرحدی دفعہ ۵۶ کے تحت ڈپٹی کمشنروں کو اختیارات دیئے گئے کہ سرحد کے کسی شخص پر جو جرمانہ عائد کیا جائے وہ جرمانہ اس شخص کے رشتہ داروں کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد سے بھی وصول کیا جا سکتا ہے۔

اس دفعہ کے تحت انگریز حکمران سرحدی افراد پر شک و شبہ کی بنا پر بھی بھاری بھاری جرمانے عائد کر دیتے اور جرمانوں کی یہ بھاری بھاری رقمیں اس شخص کے تمام رشتہ داروں یا قبیلے کے افراد سے زبردستی وصول کرتے۔ چنانچہ اس طرح سرحد کے کئی لوگوں کی جائیدادیں ضبط ہوئیں اور کئی بیچارے اپنے نجی اثاثوں سے بھی محروم کر دیئے گئے۔

دفعہ ۶۰ جرائم سرحدی کے تحت کسی ڈپٹی کمشنر یا کمشنر کے کسی فیصلے یا ڈگری یا حکم یا فعل کے خلاف کوئی سرحدی مظلوم فرد کسی دیوانی عدالت یا فوجداری عدالت میں نہ کوئی اپیل دائر کر سکتا تھا اور نہ ہی کوئی اعتراض کر سکتا تھا اسی طرح ڈپٹی کمشنر یا کمشنر اگر کسی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ کو ضبط کر لیتے تھے تو کسی سرحدی مظلوم کو ان احکامات کے خلاف آواز تک اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔

غرض یہ کہ انگریز حکمرانوں نے جرائم سرحدی کی آڑ میں سرحد کے عوام کو نیست و نابود کرنے کی بھرپور کوشش کی تاکہ انگریزوں کی مخالفت کرنے والا اس خطے میں کوئی نظر نہ آ سکے اکثر ایسا ہوا کہ انگریز حکمرانوں کو اگر کسی سرحدی کے متعلق دل میں یہ گمان پیدا ہوا کہ اس کے دل میں انگریزوں کے خلاف نفرت ہے یا وہ تاج برطانیہ کا وفادار نہیں ہے تو اس کو اور اس کے تمام رشتہ داروں کو یا اس کے تمام قبیلے کو اجتماعی طور پر قید و بند کا شکار ہونا پڑا۔ انگریزوں کا یہ خیال تھا کہ ان حربوں سے سرحدی عوام کو زیر کیا جا سکے گا مگر ان کا یہ خیال خام نکلا کیونکہ جوں

جوں انگریز ظلم و تشدد کرتے جاتے تھے جس قدر بھی سرحدی عوام کو دبایا جاتا تھا اتنا ہی انگریزوں کے خلاف سرحدی عوام کے دلوں میں نفرت کے جذبات تیز ہوتے گئے، باوجود ان جابرانہ اور سیاہ قوانین کے باوجود مصائب و آلام جھیلنے کے باوجود جائیدادوں اور اثاثوں کے محروم ہونے کے باوجود کالا پانی میں جلاوطنی کی زندگی گزارنے کے سرحد کے مجاہدین آزادی کے دلوں میں انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کی جدوجہد مسلسل جاری رہی۔ انگریز جابرانہ قوانین کے ذریعے سرحدی باشندوں کے جذبۂ آزادی رسم و رواج اور قومی روایات کو ختم کرنا چاہتے تھے انگریزوں نے یہ جابرانہ چالیں سرحد اور بلوچستان میں اس لئے شروع کی تھیں کہ انگریز جب ہندوستان میں اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے ہندوستان کی سرزمین کے جس چپے پر بھی گئے وہاں کے لوگوں نے انگریز کی اطاعت مجبوری سے یا برضا و رغبت تسلیم کر لی تھی مگر سرحد کے پٹھان اور بلوچستان کے بلوچیوں نے انگریزی راج کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا اور نہ ہی وہ اپنی عظیم قومی روایات کو ختم کرنا چاہتے تھے، چنانچہ بلوچیوں کی طرح سرحد کے باشندے بھی انگریزوں کے آغاز اقتدار سے انگریزی اقتدار کے زوال یعنی ۱۹۴۷ء تک انگریزوں کے خلاف دو محاذوں پر برسر پیکار رہے ان دو محاذوں میں ایک عملی جدوجہد اور دوسری سیاسی جدوجہد تھی۔

سرحد کے باشندوں کی عملی جدوجہد

سرحد کے باشندوں نے انگریزوں کے خلاف عملی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔ اس سلسلے میں حضرت بڈے صاحب اور حضرت حاجی ترنگزئی کا انگریزوں کے خلاف منظم اور عملی جہاد خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ مہمند، آفریدی، اورکزئی محسود

وزیر، شنواری اور یوسفزئی قبائل کے بہادر اور غیور افراد اسلام کی عظمت برقرار رکھنے اور بہادر پٹھانوں کے بہادرانہ کارناموں کو زندہ اور تابندہ رکھنے کیلئے حکومت کے خلاف مسلسل جہاد میں مصروف رہے ان بہادر قبائلی افراد نے انگریزوں کو پورے سو سال تک آرام اور اطمینان کا سانس نہیں لینے دیا ان بہادروں کو نہ تو انگریزوں کے جابرانہ قوانین پست ہمت کر سکے اور نہ ہی ان کے بہادرانہ جذبات کو انگریز فوجیوں کی توپیں اور ہوائی جہازوں کے بم ختم کر سکے۔

سیاسی محاذ پر پہلے خفیہ تحریکیں شروع ہوئیں پھر بڑی سے بڑی سزا کے خوف کو دل سے نکالتے ہوئے سرحدی عوام آئینی حق اور انصاف کے حصول کے لئے میدان میں نکلے جس کے نتیجے میں سرحد کے چپے چپے میں انگریز فوجیوں نے اور انگریز حکام نے ظلم اور بربریت کے بھیانک مظاہرے کئے، سینکڑوں سرحدیوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا سینکڑوں کی جائیدادیں لوٹی گئیں سینکڑوں کے گھروں کو آگ لگائی گئی سینکڑوں سرحدیوں کے گھروں میں داخل ہو کر پولیس اور فوج نے بچوں عورتوں اور بوڑھوں کو پیٹا۔ عورتوں کے زیورات انکے ہاتھوں، کانوں اور گلے سے کھینچ کر اتارے گئے، کھڑی فصلوں کو آگ لگائی گئی گھروں میں سٹور کئے ہوئے غلوں کو لوٹ لیا گیا بعض شہروں میں پانی کے رابطے کو ختم کر کے شہریوں اور معصوم بچوں کو پیاس سے تڑپایا گیا مگر باوجود ان بے پناہ مظالم کے سرحد کے مجاہد باشندوں کو انگریز دبا نہ سکے۔ مہمند، آفریدی، شنواری، محسود، وزیر اور سرحد کے دوسرے قبائل عملی جدوجہد میں مصروف رہے اور مقامی اضلاع کے باشندے جو انگریزوں کے جابرانہ قوانین کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے انہوں نے ان آہنی زنجیروں کو توڑنے کے لئے بے پناہ جدوجہد شروع کر دی۔ مقامی اضلاع کے باشندوں نے ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی طرح سرحد میں بھی اصلاحات

کے نفاذ کا مطالبہ شروع کر دیا سرحدی عوام نے جگہ جگہ جرگوں جلسوں اور مسجدوں میں جمع ہو کر سرحد میں انگریزوں کے نافذ کردہ جابرانہ اور غیر انسانی قوانین کے خلاف آواز بلند کی اور سرحدی عوام کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کا مطالبہ کیا۔ مگر انگریز حکمران ان جابرانہ قوانین کو منسوخ کرنے پہ آمادہ نہ ہوئے۔

سر صاحبزادہ نے سرحدی عوام میں سیاسی بیداری کی لہر پیدا کی اور پھر خود عملی سیاست میں داخل ہو کر سرحدی عوام کو جابرانہ قوانین سے نجات دلانے کی جدوجہد کی۔ یہ سر صاحبزادہ ہی تھے جن کی مسلسل کوششوں سے سرحد کی سرزمین بے آئین کو آئینی اصلاحات ملیں جس کے بعد سرحد کے لوگوں نے انگریزوں کے جابرانہ قوانین سے نجات حاصل کی۔

سرحد کی اصلاحی اور سیاسی بیداری

سرحد میں تعلیم کی کمی اور انگریزوں کے جبر و تشدد اور جابرانہ اور ظالمانہ قوانین کی وجہ سے انتظامی اضلاع کے باشندوں کی سماجی حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی تھی، سرحد کو پسماندہ رکھنے کی پالیسی خود انگریزوں کی ایک خاص چال تھی۔ اس چال کے ذریعے انگریز سرحدی باشندوں کو اخلاقی، مادی، سماجی اور معاشی اور تعلیمی پستی کا شکار کرنا چاہتے تھے تاکہ سرحدی باشندے اس پالیسی کے تحت اپنی فطری صلاحیتوں سے اور اپنی قومی روایات سے بالکل عاری ہو جائیں اور انگریزی حکومت کے لئے سرحد میں کسی قسم کا خطرہ باقی نہ رہے، انگریزوں کی اس چال کا انتظامی اضلاع میں انگریزوں کے نافذ کردہ جابرانہ قوانین کی وجہ سے طاقت کے ذریعے یا سیاسی ذرائع سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس پالیسی کا مقابلہ کرنے کے لئے سر صاحبزادہ نے سرحدی باشندوں کو مروجہ تعلیم کے زیور سے آراستہ کر کے انہیں دنیا کی قوموں کا ہم پلہ بنانے کے لئے یہ جدوجہد کی کہ سرحد میں پہلے تو اسلامی سکولوں کی سرپرستی شروع کی پھر

انہوں نے اسلامیہ کالج پشاور کی بنیاد ڈالی انہوں نے اس مقصد کے حصول کے لئے سرحد کے
با اثر افراد کے گھروں پر خود جا کر دامن پھیلا کر چندہ اکٹھا کیا۔ اپنی تنخواہ اور اپنی جائیداد کی
آمدنی کا زیادہ حصہ اس مقصد کے حصول کے لئے وقف کیا صرف سرحد ہی میں نہیں بلکہ وہ
ہندوستان کے مختلف مقامات پر چندہ اکٹھا کرنے پہنچے۔ سر صاحبزادہ انگریزی حکومت
کے ملازم تھے انہوں نے سرحدی باشندوں کے مفاد کی خاطر انگریزوں کو پہلے تو اعتماد
میں لیا اور پھر اس اعتماد سے سرحدی باشندوں کے لئے بے شمار فائدے حاصل کئے۔ ان
فائدوں میں سے سب سے بڑا فائدہ اسلامیہ کالج پشاور کا قیام تھا جس کے لئے سر صاحبزادہ
نے انگریز حکومت سے اسلامیہ کالج پشاور کے لئے بھاری امداد بھی حاصل کی۔

سر صاحبزادہ انگریزوں کو یہ بات ذہن نشین کرانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ کہ سرحد اور
قبائلی علاقوں میں تعلیمی ترقی ہی دراصل انگریز حکومت کے اقتدار میں ممد ہو سکتی ہے۔

تعلیمی میدان میں کامیابی کے ساتھ ساتھ سرحدی عوام مادی اخلاقی اور معاشرتی زندگی
میں انقلاب پیدا کر کے سرحدی عوام میں سیاسی شعور بیدار کرنے کے لئے سر صاحبزادہ لگاتار
مصروف تھے۔ چنانچہ سر صاحبزادہ نے اس مقصد میں کامیابی کے لئے اپنے معتقد ساتھیوں
سے کام لیا۔ سرحد کے ہر ضلع میں اصلاحی انجمنیں قائم ہوئیں ان انجمنوں کو قائم کرنے والے
اکثر وہ لوگ تھے جو سر صاحبزادہ کے گروپ کے ممبر تھے۔ اور با اثر سرکاری ملازم تھے۔
ان لوگوں نے سرکاری ملازمتوں میں رہتے ہوئے معاشرتی اصلاح کے لئے انتھک
جدوجہد کی اس سلسلے میں کوٹ نجیب اللہ ضلع ہزارہ کے سردار میر عالم افسر مال سردار احمد خان
ساکن پکھلی، مفتی فدا محمد خان پشاور اور شیخ محمد اکبر خان وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں یہ سب
سر صاحبزادہ کے ایماء سے اور ان کے مشوروں سے سرحدی عوام کی معاشرتی، اخلاقی، تعلیمی
اور سیاسی بیداری کے لئے سرگرم عمل رہے ان کی کوششوں اور تعاون سے صوبہ سرحد کے
ہر ضلع میں مسلمانوں کی اصلاحی انجمنیں، تعلیمی کلب اور اسلامی کلب قائم ہوئے ان اداروں

کے ذریعے مسلمان بچوں کے لئے سکول قائم کئے گئے، سرحدی مسلمانوں کو اجتماعی زندگی
کے مواقع میسر آئے اور انہوں نے آہستہ آہستہ سیاسی بیداری کا شعور حاصل کیا صوبہ
سرحد ۱۹۰۱ء میں پنجاب سے الگ کیا گیا چھ سات سال تک تو سرحدی مسلمانوں انگریزوں
کے جابرانہ قوانین کے خوف سے دبکے بیٹھے رہے سرصاحبزادہ کی کوششوں سے سرحد کے
سرکردہ سرکاری ملازموں اور انگریزوں کے معاونوں کی طرف سے مذکورہ سکیم پر ۱۹۱۲ء ہی
سے عمل درآمد شروع ہو گیا تھا۔ ضلع ہزارہ نے اس سلسلے میں پہل کی۔ سب سے پہلے پکھلی میں ضلع ہزارہ
کے سرکردہ افراد نے انجمن اسلامیہ کی بنیاد سرصاحبزادہ کی مالی اعانت پر رکھی۔ اس انجمن کی غرض وغایت
علاقے کے مسلمانوں میں تعلیمی ترقی تھی۔ اس انجمن کے تحت پہلے پکھلی میں اسلامیہ سکول
قائم کیا گیا۔ طلباء کے لئے بورڈنگ ہاؤس بنایا گیا پھر بفہ میں ایک دوسرا سکول قائم کیا گیا
اس سکول کے لئے بھی بورڈنگ ہاؤس بنایا گیا۔

۱۹۱۲ء میں کوٹ نجیب اللہ کے سردار میر عالم خان نے ضلعی سطح پر ایک انجمن بنائی اُس
انجمن کا نام انجمن اصلاح مسلمانان ہزارہ تھا۔ ممبروں میں سرکردہ لوگ تھے۔ انجمن کے اغراض
ومقاصد میں ضلع کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے زیادہ زور دیا گیا تھا اسی
طرح پشاور کوہاٹ، ڈیرہ اسمٰعیل خان، ایبٹ آباد اور نوشہرہ میں اسلامیہ سکولوں کی
بنیادیں پڑیں۔

سکولوں کے ساتھ ساتھ نوشہرہ، ایبٹ آباد، پشاور، کوہاٹ اور ڈیرہ اسمٰعیل خان
میں مسلمانوں کو سوسائٹی کے مواقع میسر کرنے کے لئے اسلامیہ کلب قائم کئے گئے۔ یہ طریقہ
اسلامیہ کلب اور اسلامی سوسائٹیاں سرصاحبزادہ کی ملازمت سے ریٹائرمنٹ تک رہا

سرحد مسلم ایسوسی ایشن

سرصاحبزادہ نے ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد مئی ۱۹۲۲ء
میں سرحد کے سرکردہ اور اتر وسوخ رکھنے والے مسلمانوں کو
اپنے مکان واقع منڈی بیری میں بلایا اور ان کے سامنے سرحد کو اصلاحات دلانے کی جدوجہد

کرنے اور سرحد کے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے تعلیمی، صنعتی، زرعی اور معاشرتی
اصلاح کے لئے ایک جامع پروگرام پیش کیا۔ ان پروگراموں پر عمل درآمد کرانے کے لئے
سرحد کے چیدہ چیدہ افراد کو ایک ایسوسی ایشن کی بنیاد اور ضرورت کا احساس دلایا۔ سرحد
کے سرکردہ افراد نے سر صاحبزادہ کے پروگراموں کو قومی نقطہ نگاہ سے انتہائی اہم قرار
دیتے ہوئے سر صاحبزادہ سے اتفاق کیا کہ اجتماعی لحاظ سے تمام صوبے کے عوام کو ایک
مرکز کے تحت کام کرنے کے لئے ایسوسی ایشن کا ہونا ضروری ہے تاکہ ایسوسی ایشن کے ذریعے
ایک طرف تو صوبے کے مسلمانوں کو متحد اور منظم کیا جا سکے اور دوسری طرف سرحدی مسلمان
اپنے جائز حقوق کے جدوجہد کر سکیں چنانچہ سب کے متفقہ فیصلے کے بعد سرحد مسلم ایسوسی ایشن
کی بنیاد ڈالی گئی اس ایسوسی ایشن کے سرپرست اور صدر سر صاحبزادہ عبدالقیوم۔ جنرل
سیکرٹری خان بہادر سعدالدین خان اور سیکرٹری قاضی محمد اسلم تھے۔ اس ایسوسی ایشن کی
شاخیں تمام صوبے میں قائم کی گئیں۔ ہر ضلع میں ایسوسی ایشن کی ایک ذیلی ایسوسی ایشن سرحد ینگ
مسلم ایسوسی ایشن قائم کی گئی یہ ایسوسی ایشن سرحد کے نوجوان طلباء نے قائم کی تھی اور اس کا
الحاق مسلم ایسوسی ایشن سے تھا۔

مسلم ایسوسی ایشن نے سرحد کو آئینی اصلاحات دلانے کے لئے جدوجہد کا آغاز
کیا جگہ جگہ جلسے منعقد کئے گئے۔ ان جلسوں میں سرحد کے کونے کونے سے قراردادیں پاس کر کے حکومت
ہند اور برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ سرحد کو اصلاحات دی جائیں۔ سرحد میں
ہندو اور سکھ ملازمتوں پر چھائے ہوئے تھے۔ سر صاحبزادہ کے ایماء پر مسلم ایسوسی
ایشن کے ممبروں کے وفد نے مختلف محکموں کے سربراہوں کے پاس جا کر ۹۵ فیصدی
مسلم اکثریت رائے اس صوبے کے مسلمانوں کے لئے مختلف محکموں میں ملازمتوں کے حصول
کے لئے جدوجہد کی ۱۹۲۴ء میں کوہاٹ میں ہندو مسلم فسادات ہوئے تو مسلم ایسوسی ایشن
میں شامل ممبر وکلاء نے کوہاٹ میں متاثرہ مسلمانوں کے مقدمات کی مفت پیروی کر کے

مسلمانوں کا دفاع کیا۔ اس ایسوسی ایشن کے پروگراموں میں سرحدی مسلمانوں کی اصلاح معاشرتی ترقی اور سیاسی اور آئینی حقوق کا حصول تھا جس کے لئے ایسوسی ایشن نے سرصاحبزادہ کی قیادت میں سرحدی مسلمانوں کے لئے زبردست جدوجہد کی۔ جس کے نتیجے میں سرحد نے آخر کار سب کچھ حاصل کیا۔

یہ ایسوسی ایشن ۱۹۲۲ء میں قائم ہوئی۔ ایسوسی ایشن میں سرحد کے تمام اضلاع کے سرکردہ افراد شامل تھے۔ ایسوسی ایشن کا منتہائے نظریہ تھا کہ سرحد کے مسلمان اپنے جائز حقوق حاصل کرسکیں انگریزوں پر اجتماعی لحاظ سے دباؤ ڈالا جاسکے کہ ہندوستان کے باقی صوبوں کی طرح اس صوبے کو بھی اصلاحات دی جائیں۔ مسلم ایسوسی ایشن کی یہ کوشش بھی تھی کہ سرحد کے مسلمانوں کو بھی اعلیٰ ملازمتوں میں نمائندگی دی جائے۔ چنانچہ، چنانچہ ایسوسی ایشن کا ایک وفد پشاور کے جنرل آفیسر کمانڈنگ کے پاس گیا اور یہ مطالبہ کیا کہ اعلیٰ ملازمتوں میں سرحد کے مسلمانوں کو نظرانداز نہ کیا جائے جس کے جواب میں ۱۵ مئی ۱۹۲۵ء کو ڈپٹی اسسٹنٹ ایڈجوٹنٹ جنرل ضلع پشاور نے اپنے ایک خط کے ذریعے جواب دیا کہ حکومت مسلمانوں کے ان مطالبات کو مسترد کرتی ہے۔ ایرفورس میں ملازمتوں کے لئے سرحد کو نمائندگی دلانے کے لئے ایسوسی ایشن کا ایک وفد شملہ میں رائل ایرفورس کے ہیڈ کوارٹر گیا اور مطالبہ کیا کہ سرحد کے مسلمانوں کو رائل ایرفورس میں نمائندگی دی جائے مگر رائل ایرفورس کے ہیڈکوارٹر سے بھی مسلمانوں کو اطمینان بخش جواب نہ ملا۔

سرحد کا سیاسی ارتقاء

مسلم لیگ کا قیام

۱۹۱۲ء میں پشاور کے ایک سرگرم اسلام پسند کارکن سید علی عباس بخاری نے سب سے پہلی دفعہ پشاور میں مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی۔ سید علی عباس بخاری انگلینڈ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ وہ

وہاں مشہور مسلم لیگی لیڈر سید امیر علی کے گروپ میں شامل ہو گئے۔ وہ انتہائی جوشیلے اور انگریزوں
کے سخت ترین مخالفوں میں سے تھے وہ انگریزوں سے ملک کو نجات دلانے کے لئے اپنی
تعلیم چھوڑ کر پشاور چلے آئے اور یہاں چند کارکنوں کو اپنا ہم نوا بنا کر مسلم لیگ کی بنیاد
ڈالی جن میں صدر قاضی عبدالولی، نائب صدر قاضی میر احمد تھے۔ سیکرٹری وہ خود تھے۔
انگریز یہ برداشت نہ کر سکتے تھے کہ سرحدی صوبے میں کوئی سیاسی تحریک پھلے پھولے چنانچہ
حکومت سرحد کی طرف سے قاضی میر احمد کو نوٹس دیا گیا کہ وہ سیاسی پارٹی سے الگ ہو جائیں
ورنہ ان کی وکالت کا لائسنس منسوخ کر دیا جائے گا۔ چنانچہ قاضی میر احمد الگ ہو گئے قاضی
عبدالولی پر طرح طرح کی سختیاں کی گئیں رولٹ ایکٹ تحریک میں وہ پشاور میں تحریک کے
روح رواں تھے ان کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوئے۔ جگہ جگہ پولیس نے چھاپے مارے
مگر وہ بھیس بدل کر افغانستان چلے گئے تاکہ وہاں ہندوستان کی آزادی کے لئے قائم ہونے
والی عارضی حکومت میں شامل ہو کر ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد کر سکیں۔ علی عباس بخاری
پر انگریزوں کی پٹائی کے ضمن میں مختلف مقدمات قائم کئے گئے آخر وہ بھی بھیس بدل کر
افغانستان چلے گئے اور زندگی کے آخری لمحے تک ملک کی آزادی کے لئے سرگرم عمل رہے
اس طرح پشاور میں قائم ہونے والی مسلم لیگ کا بھی ۱۹۱۴ء میں خاتمہ ہو گیا۔

انجمن ہلال احمر :- ۱۹۱۳ء میں ترکوں کو مٹانے کے لئے جب عیسائی طاقتوں نے اتحاد
کر لیا تو ترکوں کی حمایت کے لئے پشاور میں انجمن ہلال احمر قائم کی گئی
اس انجمن کے قیام کی وجہ سے سرحدی عوام نے ترک مجروحین کی مدد کے لئے دل کھول کر
چندہ دیا اور یہی در اصل وہ تحریک تھی جس کے قیام سے سرحدی عوام میں سیاسی بیداری کا
انتہائی جوش وخروش پیدا ہوا۔ سرحدی عوام برملا ترکوں کی مدد کے لئے جلسے کرنے اور
جلوس نکالنے لگے، اخبار افغان پشاور میں ترکوں کی حمایت میں اداریئے اور مضامین شائع
کئے گئے جس کے نتیجے میں لاکھوں روپے کا چندہ ترکوں کے امدادی فنڈ میں جمع ہوا۔ یہاں

تک کہ پشاور کے خواجہ محمد کی اہلیہ نے ۱۰ نومبر ۱۹۱۲ء کو پشاور کے قیصر یہ ہال میں انجمن ہلال احمر کے تحت منعقد ہونے والے جلسے میں اپنا چار ماہ کا بچہ نیلامی کے لئے پیش کیا تاکہ اس بچے کی نیلامی سے وصول ہونے والی رقم ترکوں کے امدادی فنڈ میں دی جائے۔ چنانچہ خان بہادر میاں حاجی سیٹھی کریم بخش نے اس بچے کی نیلامی کی رقم ترکوں کے امدادی فنڈ میں دینے کے علاوہ اس بچے کے دودھ کے لئے بھی دو روپے ماہوار مقرر کئے۔ ماں نے مجمع میں اعلان کیا کہ یہ دودھ کے پیسے بھی ترکوں کے امدادی فنڈ میں ہر ماہ دیئے جائیں۔ ترکوں کی حمایت اور انگریزوں کے خلاف نفرت کے جذبات کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۲ فروری ۱۹۱۳ء کو ہفت روزہ افغان پشاور کے ذریعے لاچی کے ۲۰ سالہ نوجوان منشی دین محمد اور گلاب دین نے مالدار لوگوں سے اپیل کی کہ ہم دونوں کو کوئی امیر آدمی اپنی غلامی میں لے لے ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم عمر بھر اس آدمی کی غلامی کریں گے دن رات اس کی خدمت گزاری کرتے رہیں گے۔ جو ہماری غلامی کے عوض رقم ترکوں کے امدادی فنڈ میں دے۔

تحریک رولٹ ایکٹ: حکومت ہند نے جب برصغیر میں رولٹ ایکٹ کا نفاذ کیا تو پورے برصغیر میں اس ایکٹ کے خلاف مظاہرے شروع ہوئے صوبہ سرحد میں اس ایکٹ کے خلاف ایک منظم تحریک شروع ہوئی۔ اس ایکٹ کے خلاف سرحد میں سب سے پہلے جس مجاہد نے آواز اٹھائی وہ مجاہد سرحد قاضی عبدالولی تھے۔ قاضی عبدالولی نے پشاور کے عوام کو رولٹ ایکٹ کے مضر اثرات اور نتائج سے آگاہ کیا۔ جلسے شروع ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے سرحدی باشندے سیاسی کروٹ لے کر میدان میں آدھمکے۔ ہر طرف ہائے رولٹ ایکٹ ہائے رولٹ ایکٹ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ قاضی عبدالولی کی اپیل پر عوام نے عدالتوں کا بائیکاٹ کرنا شروع کر دیا۔ شہروں سے یہ ہنگامے دیہاتوں میں پہنچے تو دیہاتیوں نے بھی کھلم کھلا حکومت کے خلاف مظاہرے شروع کر دیئے۔ سرحد میں

عوام کی سیاسی بیداری کا یہ پہلا متحدہ مظاہرہ تھا جس میں عوام نے انگریزی طاقت کی پرواہ کئے بغیر حکومت کے خلاف بھرپور مظاہرے شروع کئے۔

تحریک ہجرت ۱۹۲۰ء:۔ ہندوستان میں ہجرت کی تحریک کی ابتداء ہوئی تو سرحد کے عوام نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا رولٹ ایکٹ کی تحریک نے سرحد کے عوام کی حوصلہ افزائی کی اگرچہ قاضی عبدالولی بھیس بدل کر افغانستان چلے گئے تاکہ وہاں ہندوستان کی عارضی حکومت میں شامل ہو کر ہندوستان کی آزادی کے لئے جدوجہد کریں۔ مگر یہ مجاہد سرحدی عوام میں وہ اثرات پیدا کر چکا تھا جو سرحدیوں کی سیاسی بیداری کا باعث بن چکے تھے۔ تحریک ہجرت میں ہندوستان سے آنے والے قافلوں کی خدمت اور خاطر مدارات میں سرحدی عوام نے تندہی سے کام کیا۔ کئی سرحدی افراد نے اس تحریک میں عملی حصہ لیا۔

تحریک خلافت ۱۹۲۰ء:۔ تحریک ہجرت کے بعد تحریک خلافت کی ایک شاخ پشاور میں قائم کی گئی مرکزی تحریک خلافت کے ایما پہ سرحد میں تحریک کی شاخیں قائم کی گئیں اس تحریک کے ذریعے سرحدی باشندوں نے خلافت عثمانیہ کو بچانے کے لئے اور ترکی کی حکومت کے تحفظ کے لئے مالی اور عملی حصہ لیا۔

سرحدی باشندوں نے جلسوں، جلوسوں اور مظاہروں کے ذریعے حکومت ہند کے ذریعے برطانوی حکام پر واضح کیا کہ وہ اسلامی سلطنت کو مٹانے کے ارادوں سے باز رہیں

کانگرس:۔ سرحد میں کانگرس جماعت کی بنیاد تحریک خلافت کے دنوں میں ۱۹۲۱ء میں پڑی جس کے جنرل سیکرٹری صوبہ سرحد کے ایک ہندو ایڈوکیٹ پنڈت امیر چند بموال مقرر ہوئے اس جماعت کا ابتدائی دفتر کریم پورہ میں کوچہ آقا شفیع میں قائم کیا گیا۔ شروع شروع میں کانگرس

کی متوازی حکومت کا جج قاضی میر احمد کے والد کو مقرر کیا گیا جن کا کام یہ تھا کہ وہ پشاور شہر کے لوگوں کو مقدمہ بازی کی لعنت سے نجات دیں۔ کانگرس کا صرف اتنا ہی کام تھا۔ باقی کام یعنی سیاسی طور پہ جدوجہد کا کام تحریک خلافت کے سپرد تھا۔ تحریک پاکستان کی جدوجہد میں سرحد کے بعض مسلمانوں نے کانگرس کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہو کر قیام پاکستان کے لئے نمایاں کام کیا۔ مگر سرحد کے بعض مسلمان لیڈر قیام پاکستان کے دن تک نظریہ پاکستان کے مخالف رہے اور وہ کانگرس کو ہی غلامی سے نجات دہندہ جماعت سمجھتے رہے۔ سرحد کے یہ مسلمان ہندوستان کے بعض دوسرے سوشلسٹ مسلمان لیڈروں کی تقلید میں کانگرس کے ساتھ قیام پاکستان کے دن تک منسلک رہے اور پاکستان کے قیام کے بعد بھی سرحد کے بعض لیڈروں کے خیالات میں تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ ان میں بعض ایسے بھی تھے جو قیام پاکستان کے بعد سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئے۔

ڈاکٹر سی سی گھوش سرحد کے وہ ہندو لیڈر تھے جنہوں نے سرحد میں کانگرس کی بنیاد کو مضبوط کیا۔ آپ کا پورا نام ڈاکٹر چارو چندر گھوش تھا۔ آپ بنگال کے رہنے والے تھے اور برہمن سماج سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے ایک عرصے تک صوبہ سرحد میں اسسٹنٹ سرجن کے فرائض سرانجام دینے کے بعد سرکاری ملازمت ترک کر کے پشاور شہر میں اپنا مطب جاری کیا تھا۔ آپ صوبہ سرحد میں "سودیشی" تحریک کے بانیوں میں سے تھے طبی مشاغل کے ساتھ ساتھ آپ نے کریم پورے میں ایک کپڑے کی دکان بھی کھول رکھی تھی بہت سیدھے سادے اور غیر متعصب تھے۔ پشاور میں وہ عرصے تک سودیشی کا پرچار کرتے رہے اور جب تحریک مخالفت رولٹ ایکٹ شروع ہوئی تو اس میں شامل ہو گئے پنچایت کے جج مقرر کئے گئے۔ جب سرحد میں گرفتاریاں شروع ہوئیں تو ان کا نام سرفہرست تھا۔ جب صوبہ سرحد میں کانگرس پارٹی کا قیام عمل میں آیا تو آپ اس کے سب سے پہلے صوبائی صدر منتخب ہوئے۔ سرحد کی کانگرس کمیٹی کے آخری صدر خان علی گل خان تھے سرحد کانگرس

کے سب سے پہلے نائب صدر آغا سید قاسم جان تھے۔

آغا سید لال بادشاہ سرحد کانگریس کے چیف رہنما کی حیثیت رکھتے تھے، خان عبدالغفار خان اگست ۱۹۳۱ء سے جون ۱۹۴۷ء تک سرحد کانگریس کے خود مختار انچارج رہے جون ۱۹۴۷ء میں سرحد کانگریس زلمے پختون میں تبدیل کر دی گئی خان عبدالغفار خان سرحد میں خدائی خدمتگار تحریک کے بانیوں میں سے ہیں، یہ خدائی خدمتگار تحریک بعد میں کانگریس کی منتقل رضاکار تنظیم قرار پائی دہلی میں خدائی خدمتگار تحریک کے انچارج مسٹر جوالا داس دھاوان تھے۔

کانگریس کی بنیاد ڈالنے سے پہلے ہندو لیڈروں نے سب سے پہلے ہندو مسلم اتحاد کا حربہ اختیار کیا، اس حربے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان ہندوؤں سے خلط ملط ہو جائیں اور ان میں یہ احساس پیدا ہو جاتے۔ کہ کانگریس جتنی ہندوؤں کی خیر خواہ ہے۔ اتنا ہی مسلمانوں کی ہمدرد ہے۔ کانگریس یہ حربہ اختیار کر کے سرحد میں کانگریس کی جڑوں کو مضبوط کر کے اپنا مطلب نکالنا چاہتی تھی۔ چنانچہ سرحد میں جن دنوں تحریک خلافت زوروں پر تھی ان دنوں کانگریسی زعماء کے اشارے سے یہاں ایسی فضا پیدا کی گئی کہ سرحد کے لوگ ہندو مسلم اتحاد کے نعرے بلند کرنے لگے۔

ہندوؤں نے بڑی دور اندیش نگاہوں سے کام لیکر خلافت تحریک میں مسلمانوں کا ساتھ دینا شروع کر دیا تھا اس اتحاد کی نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ جب خلافت کمیٹی کی بنیاد ڈالی گئی تو اس کا پہلا جنرل سیکرٹری سردار گور بخش سنگھ کو مقرر کیا گیا، مسلمان سادہ لوح اور دل کے مخلص واقع ہوئے ہیں۔ اس اخلاص کا نتیجہ یہ تھا کہ سرحد کی خلافت کمیٹی کے رضاکاروں نے ہندوؤں اور سکھوں کو اپنا ہمدرد سمجھتے ہوئے اور خلافت کی تحریک میں انہیں اپنا ساتھی سمجھتے ہوئے ان پر اعتماد کیا۔ اس اعتماد کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں اور سکھوں کو کھل کر سرحد میں اپنے سیاسی داؤ پیچ کھیلنے کا موقع مل گیا۔ اگر ہندو یہ اعتماد

حاصل نہ کرتے تو کسی صورت بھی وہ سرحد میں سیاسی سٹیج پر نمودار نہ ہو سکتے کیونکہ یہاں پٹھانوں کی اکثریت تھی اور اس اکثریت میں ہندوؤں اور سکھوں کو کھلم کھلا سیاسی سٹیج پر نمودار ہونا مشکل تھا۔ ہندوؤں نے اس اعتماد سے سب سے بڑا یہ فائدہ اٹھایا کہ وہ آہستہ آہستہ کانگرس اور دوسری ہندو جماعتوں کی تنظیم میں اس قدر منہمک ہوئے کہ یہاں کی اکثریت کو کانگرس کا ہمنوا بنا دیا۔ اور کئی مسلمان اس طرح کانگرس سے منسلک ہو گئے کہ وہ قیام پاکستان کے بعد تک بھی اس جماعت کے فدائی رہے ہیں قیام پاکستان کے وقت صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کا ڈھونگ بھی اسی جماعت یعنی کانگرس کے اثر و نفوذ کا نتیجہ تھا۔

انجمن نوجوانان سرحد:۔ سرحد میں یہ تحریک ۱۹۲۹ء میں شروع ہوئی۔ اس تحریک میں انتہا پسند افراد شامل تھے جو تشدد کے ذریعے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد پر عمل پیرا تھے۔ اس جماعت کی پہلی میٹنگ عبدالعزیز خوش باش کے گھر میں ہوئی۔ انتخاب ہوا جس میں ہوسی زئی کے سید امیر بادشاہ کو اس تحریک کا آرگنائزر۔ صنوبر حسین مہمند صدر، ماسٹر شیر علی نائب صدر، عبدالرحمٰن ریا سیکرٹری اور چونی لال نائب سیکرٹری اور عبدالعزیز خوش باش کو خزانچی مقرر کیا گیا۔ مجلس عاملہ کے ممبروں میں فضل محمود، حاجی عبداللہ اور فضل الٰہی مقرر ہوئے۔ اس تحریک کی شاخیں تمام صوبہ سرحد میں قائم کی گئیں اور ہزاروں نوجوان بطور رضا کار اس تحریک میں شامل ہوئے۔ آل انڈیا نوجوان بھارت سبھا سے اس کا الحاق کیا گیا۔ تحریک نے جب ترقی حاصل کی تو صوبائی سطح پر اس کی تنظیم کی گئی جس کے جنرل سیکرٹری روشن لال مقرر ہوئے۔ عبدالرحمٰن ریا کو ڈسٹرکٹ صدر اور قطب الدین کو اس کا نائب صدر اور بہاری لال کو سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ مجلس عاملہ کے ممبروں میں عبدالغفور آتش بخشی، نقیر چند، اللہ بخش برقی، رحیم بخش غزنوی شامل تھے۔ یہ تحریک خفیہ طور پر سبھاش چندر بوس کی قیادت میں تھی۔

خاکسار تحریک:- علامہ عنایت اللہ المشرقی نے ملازمت کا زیادہ حصّہ صوبہ سرحد میں گزارا تھا وہ انگریزی سیاست کے داؤ پیچ کا مشاہدہ کرتے رہے آخر سرکاری ملازمت ترک کر کے میدان عمل میں نکلے انہوں نے ۱۹۳۲ء میں ایک عسکری تنظیم کی بنیاد ڈالی جس کا نام خاکسار تحریک تھا۔ ۱۹۳۳ء میں انہوں نے سرحد میں خاکسار تحریک کی تنظیم شروع کی میاں احمد شاہ بیرسٹر، خان حبیب اللہ، پیر بخش خان اور دوسرے کئی تعلیم یافتہ افراد اس تحریک میں شامل ہو گئے ۱۹۳۸ء میں ۱۳۱۳ رضا کاروں کا جو جیش لاہور پہنچا تھا اس میں اکثر رضا کار سرحد کے تھے، جن میں کریم بخش ہٹلر کا نام خاص کر قابل ذکر ہے انگریزوں نے اس تحریک کو کچلنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جس کے نتیجے میں یہ تحریک اپنے عظیم مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اس تحریک کی ناکامی کی دوسری سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ۱۹۴۳ء میں بمبئی میں قائد اعظم پر ایک خاکسار نے قاتلانہ حملہ کیا جس کے بعد مسلم لیگ کی تمام ہمدردیوں سے یہ تحریک محروم ہو گئی۔

اصلاح افاغنہ:- ۱۹۲۹ء میں آل انڈیا نیشنل کانگرس کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔ تو خان عبدالغفار خان اور کانگرسی رضا کار لاہور پہنچے ان رضا کاروں میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جو خلافت تحریک کے سرگرم کارکن تھے۔ اجلاس کے اختتام پر پنڈت جواہر لال نہرو نے سرحدی رضا کاروں سے مل کر خٹک ڈانس کیا۔

خان عبدالغفار خان کو نیشنل کانگرس کے اجلاس سے واپس آنے کے بعد رضا کار تنظیم کے قیام کے لئے بنیادی طور پر انہیں اس سلسلے میں چند ایسے ساتھیوں کی ضرورت تھی جو مقرر ہوں تعلیم یافتہ ہوں اور عوامی حلقوں میں جانے پہچانے ہوں اور ساتھ ہی کچھ ایسے آدمیوں کی ضرورت پڑی جو مالدار بھی ہوں تاکہ رضا کار تنظیم کے سلسلے میں وہ بنیادی طور پر ہر ممکن مدد دے سکیں، چنانچہ خان عبدالغفار خان نے میاں احمد شاہ بیرسٹر، میاں جعفر شاہ، قاضی عطاء اللہ، خوشحال خان، میاں عبداللہ شاہ، خادم محمد اکبر، صنوبر حسین مہمند،

وغیرہ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ افغانوں کی اصلاح اور کسانوں اور مزدور طبقہ پٹھانوں کی بہبودی کے لئے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی جائے جس کے ممبر رضا کارانہ طور پر بھرتی کئے جائیں جن کا مخصوص لباس ہو اور مخصوص نعرہ ہو اور مخصوص لائحہ عمل ہو۔ مذکورہ حضرات نے پٹھان قوم کی بہبودی کی خاطر اور سرحدی عوام کی اصلاح اور بیداری کی خاطر خان عبدالغفار خان کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے اس تحریک کے لئے ابتدائی کوششیں شروع کر دیں۔ جب تمام بنیادی انتظامات مکمل ہو گئے تو انجمن اصلاح الافاغنہ یا افغان جرگہ کے نام سے ایک جماعت کا قیام معرض وجود میں آیا جس کے صدر عبدالاکبر خان اور سیکرٹری میاں احمد شاہ بار ایٹ لاء مقرر ہوئے۔

اس تنظیم کے قیام کے بعد سرحد کے لوگوں کو یہی احساس دلایا جاتا رہا کہ یہ تنظیم صرف افغانوں کی فلاح و بہبود اور اصلاح رسوم کے لئے معرض وجود میں آئی ہے۔ خادم محمد اکبر خان اور صنوبر حسین مہمند نے اپنے جادو بیان شعروں سے اس تنظیم کو سرحد کے کونے کونے میں پھیلایا۔ میاں احمد شاہ بیرسٹر نے اسے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقوں سے روشناس کرایا۔ میاں جعفر شاہ اور دوسرے متمول لوگوں نے اس کی مالی مدد کی۔ آخر اس تنظیم کے رضا کاروں کے لئے خادم محمد اکبر نے مخصوص وردی منتخب کی جس کے بعد یہ تنظیم سرخپوش تحریک سے مشہور ہوئی۔ قاضی عطاء اللہ کی تجویز پر اس کا نام خدائی خدمتگار رکھا گیا۔ جب یہ تنظیم سرحد کے مخلص اور قوم پرست مسلمانوں کی وجہ سے کافی مضبوط اور منظم ہو گئی تو خان عبدالغفار خان نے اپنے آپ کو اس تحریک کا کرتا دھرتا ظاہر کر کے اسے کانگرس کے حوالے کر دیا۔ کانگرس سے باقاعدہ معاہدہ ہو چکا تھا کہ کانگرس اپنے رضاکار بھرتی نہیں کرے گی بلکہ رضا کار یہی سرحدی رضا کار ہوں گے اور ان کی تنظیم پر جو خرچ ہو گا وہ کانگرس برداشت کرتی رہے گی۔ اس معاہدے کے تحت کانگرس نے لاکھوں روپیہ سرخپوش تحریک کی تنظیم کے لئے دیا۔ اس تحریک کا مرکز دہلی میں تھا جس کے نگران مسٹر جوالا داس دھاوان تھے۔

یہ تحریک جب کانگرس میں مدغم ہو گئی تو خادم محمد اکبر، میاں احمد شاہ اور دوسرے کئی مخلص قومی کارکن اس تحریک سے الگ ہو گئے۔ خان ثمین جان خان نے تو عبدالغفار خان کو یہاں تک کہا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ یہ تحریک کانگرس کے ایما سے ہم سے منظم کرائی گئی تو ہم کبھی نہ تو اس تحریک کو پھلنے پھولنے دیتے اور نہ ہی اس تحریک میں شامل ہوتے۔ اور نہ ہی اس کی بنیادوں کو ہم مضبوط کرتے۔ خادم محمد اکبر نے خان عبدالغفار خان کو کہا آپ نے قوم کی ہمدردی کے پردے میں کانگرس کی بنیادوں کو مضبوط کیا ہے ہم نے تو اس تحریک کا اقتدار آپ کے حوالے اس لئے کیا تھا کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ آپ قومی معاملوں میں مخلص ہیں اب جب کہ آپ گاندھی کو اپنا رہنما سمجھ کر اس کی تقلید میں مرنے اور جینے کا عہد کر چکے ہیں تو ہمارا آپ سے کوئی واسطہ نہیں۔ اگرچہ بہت سے لوگ اس تحریک سے الگ ہو گئے تھے مگر ان کی علیحدگی کا تحریک پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اس کی وجوہات یہ تھیں کہ تحریک کی تنظیم کے لئے روپے کی ضرورت کو کانگرس نے پورا کر دیا تھا دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ نے اپنے آپ کو افغان قوم کا مخلص فرد ثابت کر کے تحریک پر پورا قبضہ کر لیا تھا۔

خدائی خدمتگار یہ افغان جرگے یا سرخ پوش تحریک کے رضاکاروں کی عسکری تنظیم کا نام تھا۔ جونہی اس تنظیم کا کانگرس سے الحاق کیا گیا تو یہ تنظیم کانگرس کی ایک ذیلی عسکری تنظیم کی حیثیت سے پروان چڑھی گو ایک خاص حکمت عملی کے تحت اسکی حیثیت ظاہری طور پر جداگانہ رکھی گئی تھی۔ اس تنظیم کا نصب العین عدم تشدد کے ذریعے اپنے حقوق کے حصول کیلئے جدوجہد تھی جس کی آخری منزل آزادی کا حصول تھا۔ تاریخ کانگرس مرتبہ ورکنگ کمیٹی کے صفحہ ۸۴۹ پر اس تنظیم کے متعلق یوں درج ہے :-

یہ خدائی خدمتگار اگست ۱۹۳۱ء تک کانگرس سے ملحق نہ تھے گاندھی جی عرصے سے سرحد جا کر خدائی خدمتگار تحریک کے حیرتناک نظام کو بچشم

خود دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے مگر لارڈ ارون نے انہیں سرحد جانے کی اجازت نہ دی۔ ایک بڑا کارنامہ عمل میں آیا جب خدائی خدمتگاروں کا الحاق کانگرس کے ساتھ کر دیا گیا۔ کسی کو کیا معلوم تھا کہ اس سیدھے سادھے سنیاگرہ کی نظریں رکھنے والے سپاہی خان عبد الغفار خان کے اندر اتنی طاقت تھی کہ وہ سرحد پہ ایک خود مختار سرحدی ریاست قائم کر سکتا ہے ہر امیر سے معاہدہ کر سکتا تھا۔ سرحد کے آزاد قبائل سے دوستی کر سکتا تھا اور خود ہندوستان تک پہ حملہ کر سکتا تھا۔ ایک لاکھ باوردی فوج اور سب کے سب پٹھان!

مجلس احرار:۔ ۱۹۳۲ء میں پشاور میں مجلس احرار کی شاخ قائم کی گئی اس کے صدر مولانا عبد القیوم پوپلزئی اور سیکرٹری حکیم عبد العزیز چغتائی مقرر ہوئے پشاور میں شاخ قائم ہونے کے بعد پورے سرحد میں اس کی شاخیں قائم کی گئیں ہزارہ میں مولانا غلام غوث کی کوششوں سے اس جماعت نے کافی ترقی حاصل کی۔

یہ جماعت آزادی کے حصول کے سلسلے میں کانگرسی نظریے سے متفق تھی اور قیام پاکستان تک اسی نظریے پہ قائم رہی البتہ جماعت کا نصب العین حکومت الٰہیہ کا قیام تھا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے جماعت کے نصب العین کے لئے انتہائی جدوجہد کی آپ ایک بلند پایہ مقرر تھے۔ تحریک آزادی کے دوران آپ نے اپنی شعلہ نوا تقریروں کے ذریعے سرحدی عوام کو بیدار کرنے کے لئے انتھک جدوجہد کی، سرحد کے بڑے بڑے شہروں میں احرار کانفرنسیں ہوئیں جن میں ہندوستان کے چوٹی کے علمائے نے شرکت کی اور ہزاروں لوگوں کو اپنی تقریروں سے مستفید کیا۔

جمعیت العلمائے ہند:۔ کانگرس نے جب دیکھا کہ مسلمان متحد ہو رہے ہیں تو انکے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کیلئے علماء کو خرید کر انہیں آلہ کار بنا کر مسلمانوں کے شیرازے کو بکھیرنے

کی ہر ممکن کوشش کی۔

ہندؤوں کو اچھی طرح علم تھا کہ انگریزوں نے مسلمانوں سے حکومت چھینی ہے اور مسلمان صدیوں تک ہندوستان میں حکومت کرچکے ہیں لہٰذا ہندؤوں کے دماغوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ ہندوستان میں باوجود ہندؤوں کے غلبے کے مٹھی بھر مسلمانوں نے جذبۂ جہاد کے تحت ہندوستان کو فتح کر کے ہندؤوں اور سکھوں اور راجپوتوں کے دلوں میں اسلام کی عظمت کا سکہ بٹھایا ہے لہٰذا ہندؤوں نے کانگرس کے ذریعے تحریک آزادی کے آغاز کے ساتھ ساتھ یہ کوشش شروع کر دی تھی کہ مسلمان دوبارہ اپنا کھویا ہوا مقام نہ حاصل کر سکیں اس مقصد کی تکمیل کے لئے کانگرس نے عجیب داؤ پیچ کھیلے ایک طرف تو مسلمانوں کے ضمیروں کو خریدا گیا دوسری طرف سب سے بڑا داؤ یہ کھیلا کہ جہاد کا فتویٰ صادر کرنے والوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے کانگرس کے روپے سے ہندوستان کے چوٹی کے علمأ کو اس طرح اپنے دائرے میں کھینچ لیا کہ انہیں کانگرس کے ساتھ اشتراک عمل کرتے وقت کفر اور اسلام کی تمیز کا بھی احساس نہ رہا۔ حالانکہ وہ قرآن میں بار بار پڑھ چکے تھے۔

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِہٖ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا ط

(ترجمہ) مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں جو شخص مسلمانوں کے بغیر کسی شیطان کو اپنا دوست بنائے گا وہ سراسر گھاٹے میں رہے گا" دوسری طرف ان علمأ نے یہ بھی پڑھا ہوا تھا

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا ط

خدا کی رسی کو سب مل کر اکٹھے ہو کر مضبوطی سے پکڑو۔

بہر حال کانگرس کا ان علمأ پر ایسا داؤ چلا کہ وہ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً یعنی تمام مل کر سلامتی کے دائرے میں داخل ہو جاؤ کے درس کو بھی بھول کر کانگرس کی سٹیج پہ دھواں دھار تقریریں

کرنے لگے اور مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ کے علاوہ مسلمانوں کی دوسری تنظیموں کو بھی نشانہ بنانے لگے، مسلم تنظیموں کے سربراہوں پر کفر کے فتوے صادر ہونے لگے اور کانگرس کے ہندو نیتاؤں کی تعریف میں زمین اور آسمان کے قلابے ملانے لگے۔ کانگرس کی دولت کے زور پر ان علماء نے ایک تنظیم قائم کی جس کا نام جمعیت العلمائے ہند رکھا گیا اس کی شاخیں پورے ملک میں قائم کر کے پورا زور اس پر صرف ہونے لگا کہ مسلم لیگ کو ناکام بنایا جائے سرحد میں بھی کانگرسی خیال کے علماء نے جمعیت العلمائے ہند کی شاخ قائم کی۔ اور اس کے ذریعے مسلم لیگ کی بھرپور مخالفت کی جانے لگی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کانگرس ان قوم پرست علماء یا قوم پرست لیڈروں کو محض آلۂ کار بنانا چاہتی تھی اور ان کے ذریعے ایک طرف مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا جا رہا تھا۔ اور دوسری طرف کانگرس ہندوستان میں دوبارہ ہندوؤں کے خلاف جہاد کی تحریک سے مطمئن ہو چکی تھی قوم پرست مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے کا سب سے بڑا مقصد کانگرس کا صرف ایک یہی تھا کہ مسلمان ہندوستان پر دوبارہ حکومت کرنے کے لئے جہاد کا آغاز نہ کر سکیں اور وہ ہندوستان میں ماضی کی تاریخ کو دوبارہ زندہ نہ کر سکیں۔

پیپلز پارٹی

۱۹۴۵ء میں سرحد میں قائم ہوئی۔ اس کا پہلا اجلاس شاہی مہمان خانے میں ہوا۔ اس کے اہم ممبروں میں پیر اکبر شاہ ایم اے بنوں۔ لالہ ہنس راج گولاٹی سابق ایم ایل اے سرحد اسمبلی۔ عمر فاروق ملک پورہ مانسہرہ۔ ثمر گل مردان، میر عبدالصمد تھے۔ دراصل اس پارٹی کے بیشتر بانی کارکنوں کا تعلق۔ ایم این رائے کی ریڈیکل ڈیموکریٹک پارٹی سے تھا۔ اس جماعت نے دوسرا سرحد کے نام سے پشاور سے ایک ہفت روزہ اخبار نکالا جس کے ایڈیٹر میر عبدالصمد تھے۔ یہ اخبار آل انڈیا ریڈیکل ڈیموکریٹک پارٹی کا اردو آرگن تھا۔ اس جماعت نے صوبہ سرحد میں کو اپریٹو تحریک کے سلسلے میں بہت کام کیا۔ بیبی کے قیمت شاہ اس پارٹی کے معاونوں میں سے تھے خان عبدالرؤف خان مرحوم آف زیدہ بھی اس پارٹی کے ہمدرد تھے۔ جماعت کا پروگرام سوشلزم

تھا جس کی فلاسفی امداد باہمی کے نظریے پہ قائم تھی۔ اگرچہ یہ جماعت غیر فرقہ وارانہ جماعت تھی لیکن کانگرس کے نظریے کی اس لئے مخالفت تھی کہ وہ اسے سرمایہ داروں کی نمائندہ اور رجعت پسند جماعت خیال کرتے تھے۔ اسی لئے سرحد میں اس کی ہمدردیاں نسبتاً مسلم لیگ کے ساتھ تھیں کیونکہ ان دنوں مسلم لیگ اپوزیشن میں تھی اور کانگرس کی مخالفت میں ان دونوں جماعتوں کا اتحاد تھا۔ اس جماعت کا پروگرام ایجی ٹیشنوں اور تحریکوں سے نہ تھا یہی وجہ ہے کہ یہ جماعت ترقی نہ کر سکی۔

جمعیت العلمائے اسلام

تحریک آزادی کے دوران جب ہندوستان کے کانگرسی نظریات رکھنے والے علما نے کانگرسی نظریات کی تبلیغ شروع کر دی تو اسلام پرست علما نے کانگرسی نظریات رکھنے والے علماء کے مقابلے میں جمعیت العلمائے اسلام کی بنیاد رکھی۔ اس جماعت میں ہندوستان کے وہ علما شامل تھے جو ہندو اور مسلم دو قومی نظریوں پہ یقین رکھتے تھے۔ برعکس اس کے جمعیت العلمائے ہند میں وہ علما شامل تھے جن کا یہ عقیدہ تھا کہ ہندو اور مسلمان دو قومیں نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں ایک قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے علماء میں جمعیت العلمائے اسلام ہی علما کی وہ واحد جماعت تھی جس نے تحریک آزادی کے دوران حصول پاکستان کے لئے عملی جدوجہد کی۔

صوبہ سرحد میں اس تحریک کے بانی مولانا فضل صمدانی پشاور، مولانا شاکر اللہ نوشہرہ، ماسٹر سلطان شاہ پشاور، مولانا محمد اسحٰق ایبٹ آباد، مولانا عبدالغنی اویسی ایبٹ آباد اور مولانا سید احمد شاہ کوہاٹ تھے۔

مولانا شاکر اللہ اور ماسٹر سلطان شاہ نے تمام صوبے کا دورہ کر کے اس تحریک کو منظم کیا۔ جلسے جلوسوں اور مظاہروں کے ذریعے سرحدی عوام کو بتایا کہ ہندو اور مسلمان کسی بھی نقطۂ نگاہ سے کبھی بھی ایک قوم نہیں ہو سکتے۔

اس تحریک کے لیڈروں نے اور کارکنوں نے حصول پاکستان کی جدوجہد میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

افغان سوشلسٹ لیگ

ضلع پشاور کی تحصیل نوشہرہ کے گاؤں زیارت کاکا صاحب کے رہنے والے ایک شخص حمید گل کاکاخیل نے پہلی جنگ عظیم میں برطانوی فوج میں بھرتی ہو کر بہادری کے شاندار جوہر دکھائے۔ لڑائی کے خاتمے کے بعد ۱۹۱۸ء میں حکومت ہند نے حمید گل کاکاخیل کے لئے بہادری کا تمغہ اور دوسرے انعامات دینے کا اعلان کیا۔ حمید گل کاکاخیل اس وقت شملہ میں تھے۔ انہوں نے انگریزوں کے انعامات اور تمغوں کو ٹھکراتے ہوئے اعلان کیا کہ "میں نہ تو برطانوی حکومت کا کوئی تمغہ یا انعام لینا پسند کرتا ہوں اور نہ ہی آئندہ کے لئے برطانوی فوج میں شامل رہ کر برطانوی راج کے لئے خدمات سرانجام دینے کے لئے تیار ہوں۔" اس اعلان کے ساتھ ہی حکومت ہند نے حمید گل کاکاخیل کا کورٹ مارشل کیا اور کافی عرصے تک اسے قید رکھا گیا۔ کافی دباؤ ڈالا گیا کہ وہ برطانوی فوج میں ملازمت سے انکار نہ کرے۔ اس مجاہد نے ہر قسم کی سختی برداشت کی مگر اپنے ارادے پر ڈٹا رہا کیونکہ حمید گل انگریزوں کی اس پالیسی سے سخت متنفر تھا جس کے تحت انگریز سرحدی باشندوں کو جبری قوانین کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔

کورٹ مارشل کی سختیاں برداشت کرنے کے بعد جب وہ رہا ہوا تو پشاور آ کر میاں احمد شاہ بار ایٹ لاء میاں جعفر شاہ اور چند دوسرے سیاسی شعور رکھنے والے افراد کو ملا کر ایک پارٹی قائم کی اس پارٹی کا نام افغان نیشنل سوشلسٹ لیگ تھا۔ اس پارٹی کی ایک ذیلی تنظیم افغان یوتھ لیگ تھی۔ اسی افغان یوتھ لیگ میں خان عبدالغفار خان ایک کارکن کی حیثیت سے شامل ہوئے افغان نیشنل سوشلسٹ لیگ ایک سوشلسٹ تنظیم تھی اس تنظیم کے ذریعے سرحد کے پٹھانوں کو سیاسی طور پر بیدار کرنے کی کوشش کا آغاز کیا گیا اور یہ کوشش کی گئی کہ پٹھان متحد ہو جائیں اور آپس کے باہمی تنازعات ختم کر کے انگریز کی سیاست اور سازش سے نجات

حاصل کرسکیں۔ اس تنظیم کی ذیلی تنظیم افغان یوتھ لیگ کے رضاکار مریضوں کو گھروں میں دوائیں پہنچاتے اور بے کس اور بے سہارا عوام کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے ان علاقوں میں جہاں عوام کو طبی سہولیات میسر نہ تھیں۔ ڈسپنسریاں قائم کی گئیں جہاں رضاکار مفت خدمات سرانجام دیتے تھے میاں حمید گل کاکاخیل کو ان قومی خدمات کے پیش نظر سرحدی عوام نے فخر قوم کا خطاب عطا کیا تھا۔

صاحبزادہ عبدالقیوم اور سرحدی اصلاحات

۱۶ فروری ۱۹۲۶ء کو ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے سید مرتضیٰ بہادر نے ایک قرارداد پیش کی اس قرارداد کا متن یہ تھا۔

" یہ اسمبلی گورنر جنرل ان کونسل سے یہ سفارش کرتی ہے کہ وہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی ان دفعات کو جو قانون ساز ادارے کی کونسل کابینہ کی تشکیل اور اقلیتوں کے تحفظ کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں ان کا دائرہ کار شمال مغربی سرحدی صوبے تک بڑھا دیا جائے۔"

اس قرارداد کے حق میں تقریر کرتے ہوئے سر صاحبزادہ عبدالقیوم نے کہا

جناب عالی! میں بہت کم ایوان میں مختلف تحریکوں کے بارے میں تقریر کرنے کیلئے کھڑا ہوا کرتا ہوں لیکن آج ایک سوال ایسا ہے جس کا تعلق میرے صوبے کے ساتھ ہے مجھے امید ہے کہ مجھے کرسئی صدارت کی طرف سے تعاون حاصل ہو گا۔ ایوان سے مجھے امید ہے کہ میرے خیالات کو ضمنی سوالات کی طرح عام مقرر کی تقریر کی طرح نہیں سمجھا جائے گا بلکہ اس پر تہ دل سے غور کیا جائیگا

جناب عالی! صوبہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کا مطالبہ کافی عرصے سے کیا جا رہا

ہے۔ سوالوں پر سوالات ایوان کے معزز ارکان اٹھائے ہیں لیکن حکومت کی جانب سے صرف یہی جواب ملتا ہے کہ یہ معاملہ زیرِ غور ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ آخر" زیرِ غور" کب ختم ہوگا (اس موقع پر رانگا سوامی آئنگر نے کہا کہ غور جاری ہے) صاحبزادہ صاحب نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ چند دن ہوئے مسٹر جناح نے اصلاحات کے نفاذ کے بارے میں کسی مقررہ تاریخ کی ضرورت پر زور دیا تھا جس کے جواب کا ابھی سرکاری بنچوں کی طرف سے انتظار ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ ہمیں سرکاری بنچوں کی طرف سے جواب دے دیا جائے گا۔ (رانگا سوامی آئنگر نے اس موقع پر کہا کہ ابھی وقت نہیں) صاحبزادہ صاحب نے کہا ایوان میں اس وقت اس مسئلے پر غور ہو رہا ہے اس کے بارے میں میرا اپنا یہ خیال ہے کہ ہم سرکاری بنچوں کی طرف سے کوئی امید افزا جواب حاصل کرلیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ جواب کل تک ہمیں مل جائے۔ جناب عالی! اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے موجودہ انتظامیہ پر عدم اعتماد کا اظہار کر رہا ہوں کیونکہ ہماری موجودہ انتظامیہ میں وہی خوبیاں یا خرابیاں ہیں جو کہ ہندوستان کی کسی دوسری انتظامیہ میں ہیں ہمارے افسر با صلاحیت ہیں وہ دوسرے افسروں سے بالکل مطابق ہیں وہ انصاف پسند ہیں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور ہندوستان کے کسی حصے کی طرح ان میں بھی احساس انصاف زندہ ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آج اصلاحات کے بارے میں مطالبہ کرنے والی آواز کسی غیر مطمئن یا مایوس آدمی کی آواز ہے میں خود بھی بہت بار سوخ آدمی رہ چکا ہوں اور مجھے مقامی حکام یعنی چیف کمشنر سے لیکر اسسٹنٹ کمشنر کے دفتروں تک رسائی حاصل رہی ہے یہ آواز کسی مایوس اور ناامید آدمی کی نہیں اور نہ ہی کسی احتجاج پسند یا ہنگامہ خیز آدمی کی آواز ہے بلکہ یہ ایک وفادار اور مخلص فرد کی آواز ہے (اس موقع پر ایک معزز رکن نے تائید کرتے ہوئے کہا بیشک انتہائی وفادار) سر صاحبزادہ نے تقریر جاری

رکھتے ہوئے کہا۔ جی ہاں ایک ایسے انتہائی وفادار آدمی کی آواز ہے جس کے بارے
میں سرکاری حکام ہمیشہ یہ سمجھتے رہے ہیں کہ اس نے اپنی طویل زندگی کے دوران صوبہ
سرحد کے بارے میں اپنا کردار صحیح طور پر ادا کیا ہے میں اس بات کی شکایت نہیں
کر رہا کہ مجھے اپنے صوبے کے سربراہ تک رسائی حاصل نہیں یا میں اپنے عوام کی تکالیف
ان کے سامنے پیش نہیں کر سکتا مجھے اور میرے ہموطنوں کو اس قسم کی رسائی کا موقع
حاصل ہے اعلیٰ حکام کے دروازے ہم سب کیلئے کھلے ہیں لیکن جو کچھ میں محسوس کر رہا ہوں
وہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ کافی نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ہر فرد انفرادی طور پر حکام سے
ملے اور ان کے سامنے عوامی امور کے بارے میں اپنی رائے پیش کرے کیونکہ اگر ہر
آدمی مل کر اپنے خیالات حکام تک پہنچائے تو اس طرح لوگ ایک دوسرے کیخلاف
باتیں کرنا شروع کر دیں گے جو نہ صرف افغانوں کی بلکہ ہندوستانیوں اور عام طور پر تمام شرقی
افراد کی عادت ہے۔ ایک آدمی اپنے خیالات ایک طرف سے پیش کرتا ہے تو دوسرا قطعی
اس کے برعکس اور اس طرح حکام کے نقطہ نظر کو غیر ذمہ دارانہ طور پر متاثر کر دیا جاتا
ہے جو اچھا طریقہ نہیں ہے۔ میں جو کچھ چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ سرحد میں ایک قسم
کی کونسل ہونا چاہیئے جسے مشاورتی کونسل بھی کہا جا سکتا ہے اگرچہ اس اصطلاح میں
وہ وسعت نہیں ہے جو قانون ساز کونسل میں ہو سکتی ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ بہر حال
کسی قسم کی کونسل کا ہونا ضروری ہے ایک ایسی کونسل جہاں ہم اپنے صوبے کے ساتھ
تعلق رکھنے کے علاوہ اہم مسائل پر بحث کر سکیں اور اپنے متفقہ فیصلوں کو یا کم از کم اکثریتی
فیصلوں کو انتظامیہ کے سامنے رکھ سکیں تاکہ وہ صحیح فیصلے کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس
قرارداد کی حمایت کر رہا ہوں۔ جناب عالی! میں اس ایوان کے سامنے یہ بات واضح کر دینا
چاہتا ہوں کہ میں اس قسم کی اصلاحات یا کونسلوں میں بہت زیادہ یقین نہیں رکھتا۔
میں نے شمال مغربی سرحدی صوبے کے لئے قائم ہونے والی انکوائری کمیٹی میں بھی یہی

کہا تھا اور میں نے اس کمیٹی کے سامنے پہلے گواہ کی حیثیت سے یہ بات واضح کر دی تھی میں نے کہا تھا کہ مجھے یقین نہیں ہے کہ ملک میں قائم ہونے والی دوسرے صوبوں کی کونسلوں نے ملک کی بھلائی کے لئے کوئی خاطر خواہ کام کیا ہو البتہ میں یہ کہوں گا کہ اس قسم کی کونسل تنازعات کا منبع بن جاتی ہے اور عوام کو ایک دوسرے سے ٹکراتی ہے۔

جناب عالی! یہی وجہ ہے کہ مجھے اصلاحات پر زیادہ یقین نہیں ہے کیونکہ اصلاحات کے ذریعے کوئی اصلاح ممکن نہیں ہو سکتی ہیں اس ایوان میں اپنے اڑھائی سالہ تجربے کی بنیاد پر اراکان کی اکثریت کی ذہنیت کو بھانپ چکا ہوں اگر آپ ان تمام اصلاحات کے باوجود ایک ایسی قرارداد تک پاس نہ کر سکیں جس کے ذریعے بھیک مانگنے پر پابندی لگائی جاسکے تو آپ ان اصلاحات سے اور کیا توقع رکھ سکتے ہیں؟ (اس موقع پر ایک رکن نے کہا کہ ہم نے اسے منظور کر لیا ہے) (رانگا سوامی آئنگر نے کہا کہ حکومت کا بہت بہت شکریہ!) صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے کہا کہ آپ یہ نہیں جانتے کہ اس ایوان میں کسی بل کی منظوری کے لئے کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ رائے شماری کے بعد بل کو نامنظور کر دیا جاتا ہے میں نہیں جانتا کہ اس کا کیا مطلب ہے کیونکہ اس طرح بعض اوقات مضحکہ خیز قسم کی باتیں سامنے آجاتی ہیں ہندوستان میں بیشمار فرقے، قومیتیں، ذاتیں، نسلیں اور مذاہب ہیں اگر کوئی شخصیت ہندوستان کو اصلاحات دے سکتی ہے تو وہ یا تو لینن کی طرح کا آدمی ہو سکتا ہے جو ہندوستان کے عوام کو یا تو جہنم میں پہنچا دے یا پھر مصطفیٰ کمال کی طرح کا آدمی ہونا چاہیئے۔ جو عوام کو جذباتی جنت کی سیر کرا سکے۔ موجودہ وقت میں ایسے مصلح کم نظر آتے ہیں جب تک آپ ایسا آدمی تلاش نہیں کر سکتے تو آپ ملک میں اصلاحات بھی نہیں لاسکتے۔ کچھ لوگ شاید یہ کہیں کہ شادی کرنا اچھا ہے اور کچھ یہ کہیں کہ کنوارہ رہنا زیادہ بہتر ہے۔ کچھ لوگ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کو برا سمجھتے ہیں اور کچھ لوگ ایک شادی کے خلاف ہیں۔ اس قسم کے فرقہ وارانہ

تکالیف اور اختلافات کا اس ایوان میں بحث کے ذریعے حل تلاش کرنا مشکل ہے اس کے لئے مضبوط اور پرعزم شخصیت کی ضرورت ہے جس کے خیالات کمزور نہ ہوں آپ کے عظیم مصلح مہاتما گاندھی نے کیا کیا؟ وہ بیچارے ٹوپی میں بھی یکسانیت پیدا نہیں کر سکے۔ وہ مجھے اس بات پر قائل نہیں کر سکے کہ میں اپنی پگڑی اتار دوں اور میرے سامنے بیٹھے ہوئے دوستوں کو آمادہ نہیں کر سکے کہ وہ اپنی ٹوپیاں اتار کر میری طرح پگڑی استعمال کرنا شروع کر دیں۔ وہ بیچارے مکمل طور پر ناکام رہے اگر مہاتما گاندھی جیسا آدمی ناکام ہو سکتا ہے تو کوئی بھی شخص روحانیت، تقاریر اور درس و تدریس کے ذریعے کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ لینن یا مصطفےٰ کمال جیسے آدمی ہی ہندوستانیوں کو جہنم یا جنت تک پہنچا سکتے ہیں (اس موقع پر صدر نے کہا معزز رکن کو اصل قرارداد پر بولنا چاہیئے) اس پر سر صاحبزادہ عبدالقیوم نے کہا۔

جناب عالی! میں قرارداد کی طرف آرہا ہوں میں کہتا ہوں کہ یہ اصلاحات میری خواہشات کو پورا نہیں کرتیں لیکن آخر میں کر کیا سکتا ہوں؟ ہندوستان کے لئے ایک طریقۂ کار تجویز کیا جا چکا ہے جس پر ہمیں چل کر منزل تک پہنچنا ہے اس لمحے جمنا داس مہتا نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "آپ کو چاہیئے کہ آپ اس طریقے کو بدل دیں" سر صاحبزادہ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا "یہی تو مشکل بات ہے جو مجھے قراردادوں کی حمایت کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ آخر یہ طریقۂ کار ہے کیا۔ یہ طریقہ کار آئینی ارتقاء کا طریقہ ہے

ایم جوشی نے اس موقع پر صاحبزادہ سے پوچھا "کیا آپ کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ آپ اس طریق کار کو مان لیں" سر صاحبزادہ نے کہا "ہاں! مجھے مجبور کیا جا رہا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ہمیں مجبور کیا جا رہا ہے اگر یہ ممکن ہوتا کہ ہم لاقانونیت اور جاگیرداری کے پرانے نظام کی طرف رجوع کر سکیں میں تو کہتا ہوں کہ موجودہ وقت میں ہمارے حالات ایسے نہیں ہیں ہمیں صرف یہی ایک طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ جس کے ذریعے ہم منزل مقصود تک پہنچ سکتے

ہیں۔ جناب عالی! ہم سب ہندوستان کے ایک سکول کے طالب علموں کی حیثیت رکھتے ہیں کسی زمانے میں ہم پنجاب میں ایک ہی کلاس میں پڑھ رہے تھے یعنی ہم اپنے پنجابی بھائیوں کے ساتھ اکٹھے پانچویں جماعت میں پڑھ رہے تھے ہمارے پنجابی دوستوں کو اب ترقی دے دی گئی لیکن کلاس بہت زیادہ نالائق تھی اسے دو سیکشنوں میں تقسیم کر دیا گیا ایک سیکشن دریائے سندھ کے ایک طرف اور دوسرا دریائے سندھ کے دوسری طرف واقع تھا تھا اب ان میں سے ایک سیکشن کو ترقی دی گئی ہے لیکن دوسرے سیکشن کو وہیں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جناب عالی کیا آپ ہمارے احساسات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ فرض کیجئے ۱۹۲۹ء کے بعد ایک شاہی کمیشن آئے گا۔ جس کے بارے میں مجھے امید ہے کہ وہ نہیں آئے گا (ایوان قہقہوں سے گونج اٹھا) ہاں جب تک ہم اپنی حالت بہتر نہ کریں شاہی کمیشن کے آنے کیلئے وقت مناسب نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ہم اس طریقے سے اس ایوان میں اسے مسائل پر بحثیں کرتے رہیں گے تو اس صورت میں کسی بھی کامیابی کی امید نہیں کی جا سکتی لیکن میرے لئے مشکل یہ ہے کہ اگر بالفرض شاہی کمیشن آ بھی جائے اور مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ ہو بھی جائے تو اس وقت ہماری کیا حالت ہو گی۔ آپ شاید یہ کہیں کہ "آپ نے تیسرے درجے کی طاقت کو استعمال نہیں کیا اس لئے ہم آپکو دوسرے درجے کی طاقت نہیں دے سکتے"۔ کیا یہ کمیشن اپنی رپورٹ میں یہ باتیں نہیں کہے گا؟ میرے لئے یہی مشکل ہے ہم یقیناً ایک بری حالت میں پھنس جائیں گے جو ہماری پیدا کردہ نہ ہوگی۔ ہم نے پنجاب سے علیحدگی کی کوئی خواہش ظاہر نہیں کی تھی نہ ہی دوبارہ صوبہ سرحد کو پنجاب کے ساتھ ادغام کرنے کے حق میں ہوں۔ الگ صوبے کا قیام وقت کی ایک ضرورت تھی جسے حکومت برطانیہ کی مقرر کردہ تحقیقاتی کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں تجویز کیا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کا موثر دفاع کیا جا سکے اور اس ایوان کے ارکان کا دفاع کیا جا سکے۔ ہماری عادت ہو گئی ہے کہ ہم ان طریقوں سے اپنا دفاع کرنے

ہیں اسی دفاع کے لئے ہم سرحدیوں کو استعمال کیا گیا ہے۔ اب ہم سرحدی باشندوں کے ساتھ اس قسم کا سلوک کیوں کیا جارہا ہے؟ میں نہیں سمجھ سکتا۔ ہم سرحد کے باشندے صرف اصلاحات ہی کے معاملے میں خسارے میں نہیں ہیں بلکہ نہری زمینوں کے معاملے میں بھی ہم خسارے میں ہیں کیا آپ نے کبھی اس بارے میں سوچا ہے کہ محض قلم کی ایک جنبش سے یہ اعلان کر دیا گیا کہ سرحد کے باشندے ان نہری زمینوں میں حصے کے حقدار نہیں ہیں جو پنجاب میں زیر کاشت ہیں۔ یہ محض اس وجہ سے کہ ہم سرحدی لوگ الگ صوبے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ایک عظیم نقصان ہے جس سے ہم سرحدی باشندوں کو دوچار ہونا پڑا۔

یہی میری مشکل ہے۔ سرحد کے عظیم عوام اپنی روایات کے ساتھ تاریخی روایات غدر کی روایات جنگ کابل کی روایات اور مختلف لوگ جن کی نمایاں فوجی خدمات ریکارڈ پر موجود ہیں ان تمام خوبیوں اور روایات کو ایک چھوٹے سے ڈبے میں مچھلیوں کی طرح ٹھونسا جارہا ہے۔ ہر آدمی اس وقت تک اپنے مقصد کو حاصل کرنے کیلئے جدوجہد کرتا رہتا ہے جب تک اسے مقصد میں کامیابی نہ ہو۔ سرحد کے ایک چھوٹے سے علاقے میں جہاں عوام کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں ان کے مطالبے بیجا نہیں ہیں جہاں تک باقی ہندوستان کا تعلق ہے اس ضمن میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سرحد کے لوگوں کی کارکردگی کا دائرہ بھی کافی وسیع ہے۔ میں یوں بھی کہہ سکتا ہوں کہ ہم سرحدی باشندے تقریباً یورپ والوں کے ہم پلہ ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ہم سرحد کے باشندوں کو تھوڑی سی تعلیم کی ضرورت ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے بہت سے ہم درس طلباء نے محض اس لئے سکول چھوڑ دیا تھا کہ ان کے پاس تعلیم حاصل کرنے کیلئے روپیہ نہ تھا یہ طلباء صرف انٹرنس کے امتحان تک پہنچ سکے مگر جناب عالی! اس معمولی سی تعلیم کے باوجود ہم میں سے بہت سے آدمی جج بنے اور انہوں نے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا ان

میں سے کئی سیاستدان بنے۔ وہ بھی کامیاب بنے۔ میں ان لوگوں کی تعریف نہیں
کرنا چاہتا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ انہوں نے محدود تعلیم کے باوجود اعلیٰ کارکردگی
دکھائی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرحد کے ان لوگوں میں قابلیت موجود تھی میں یہ نہیں
کہوں گا کہ وہ بہت ذہین تھے لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ ان کی ذاتی صلاحیتیں بہتر تھیں
یہی وجہ ہے کہ ہم سرحدی اپنے آپ کو دبا ہوا محسوس کرتے ہیں میں اس ایوان کو چیلنج
کرتا ہوں کہ آپ ہمارے ان افسروں کے کام کا معائنہ کریں ان کے عدالتی اور انتظامی
کام کے ریکارڈ کو دیکھیں اور دیکھیں کہ وہ ہندوستان کے بقیہ حصے کے افسروں کے
مقابلے میں کیسے ہیں۔ اس تجزئے میں صرف یہ ظاہر ہو گا کہ ان سرحدی افسروں کی
کارکردگی کا ریکارڈ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے افسروں سے کسی طرح بھی کم
نہیں ہم سرحدی باشندے اپنا ریکارڈ بڑی احتیاط سے رکھتے ہیں ہمارے ہاں بھی
وہی قانون استعمال میں لایا جائے جو ہندوستان کے باقی حصوں میں رائج ہے
لیکن یہ میری سب سے اہم دلیل نہیں ہے۔ میری اہم دلیل یہ ہے کہ ہم سرحدی باشندوں
کو مادی طور پر انتہائی خسارے میں رکھا گیا ہے۔ میں نے ابھی آپ کو نہری زمینوں
اور سرحدی عوام کیلئے ملازمت کے محدود مواقع کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جناب
عالی! اصلاحات کے حق میں یہی کچھ کہا جا سکتا تھا۔ میں اس سلسلے میں مزید کچھ نہیں
کہوں گا کیونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کو بھی موقع دیا جائے جو صوبہ سرحد کے
باہر کے ارکان ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میرے خیالات کو جانبداری پر محمول کیا جائے
اس لئے میں زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا۔ میں ایوان کے دوسرے اراکین کو موقع دینا
چاہتا ہوں کہ وہ اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ اپنی جانب سے اس مسئلے کے
بارے میں میں یہی کہتا ہوں کہ کچھ عرصہ پہلے مخالف بنچوں کی طرف سے ایک تحریک چلائی
گئی تھی جو سامنے والے کونے سے میرے معزز دوست سر سیوا سوامی آئر نے شروع

کی تھی اس سلسلے میں ایوان میں متعدد قراردادیں بھی پیش کی گئیں۔ اس وقت میں نے اس
سلسلے میں خاموشی اختیار کی۔ موجودہ ارکان میں سے بہت سے ارکان اس وقت موجود
نہ تھے البتہ دیوان بہادر رانگاچاریہ ایوان میں موجود تھے ان لوگوں کا یہ خیال تھا
کہ صوبہ سرحد میں کچھ خرابیاں موجود ہیں جس کے لئے انہوں نے مختلف تحریکیں شروع کیں
جن میں عدالتی ادغام اور متعدد دوسرے طریقے شامل تھے حتیٰ کہ حکومت نے یہ فیصلہ
کر لیا کہ وہ صوبہ سرحد میں ایک کمیٹی بھیجے جو یہ معلوم کرے کہ سرحد میں کیا کیا خرابیاں ہیں
اور ان کا ازالہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جناب عالی! اس کمیٹی کے ارکان نے موقع پر جا کر تحقیقات
کیں وہ جس نتیجے پر پہنچے انہوں نے اپنی رپورٹ گورنمنٹ آف انڈیا کو پیش کر دی۔ مگر
یہ رپورٹ گورنمنٹ آف انڈیا کے سامنے ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۶ء کے آغاز تک کے زیر
غور رہی۔ لیکن حکومت کی طرف سے ان سفارشات کے بارے میں کوئی واضح اعلان
نہیں کیا گیا کہ حکومت نے اس سلسلے میں کیا اقدامات کرنے پر غور کیا ہے۔ میرے دوست
جناب احمد علی خان نے اس رپورٹ کے کچھ حصے پڑھ کر سنائے اور اگر چاہتے ہیں
کہ میں بھی اس رپورٹ میں سے کچھ پڑھ کر سناؤں تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔ میں اس
کے لئے جواب دعویٰ پیش کرنے کو بھی تیار ہوں۔ لیکن میں نے سوچا کہ جواب دعویٰ پیش
کرنے کا اس ایوان پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ ورنہ میں آپ کے سامنے تمام حقائق پیش کر دیتا
نہ مجھے یہ یقین ہے کہ ان حقائق کے ذریعے ایوان کی کوئی خاص مدد کی جاسکے گی اس موقع
پر ایک معزز رکن نے کہا کہ آپ غلطی پر ہیں سر صاحبزادہ نے کہا "تو پھر میں جواب دعویٰ
اور حقائق کو اب زیادہ اہمیت دینا چاہتا ہوں۔

جناب عالی! رپورٹ کے پیراگراف ۸۳ میں کہا گیا ہے کہ صوبہ سرحد کے عوام وہ
سب کچھ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے عوام رکھتے
ہیں پھر اس رپورٹ کے پیراگراف ۲۸ میں اس انجام کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے

جس کا ظاہر ہونا اس صورت میں ناگزیر ہو جاتے گا جب عوام کے جائز جذبات اور احساسات کا احترام نہ کیا گیا ہو۔ جناب عالی! چونکہ یہ باتیں تفصیل سے موجود ہیں اسلئے میں انہیں دہرانا نہیں چاہتا۔ رپورٹ سے یہ نتائج اخذ کئے گئے ہیں کہ اصلاحات کی صورت میں سرحد کے عوام ایسی صورت حال میں دوسرے مغربی ممالک کی طرف نظر اٹھائیں گے یا یہ کہ وہاں انقلاب آجائے گا میں اس قسم کے نتائج سے اتفاق نہیں رکھتا میں اس لئے متفق نہیں ہوں کہ اگر ہمیں مغربی ممالک کی طرف دیکھنا ہوتا تو اس سے پہلے لاکھوں بہترین مواقع پر ہمیں ایسا کرنے سے کون روک سکتا تھا؟

اس ایوان کے معزز اراکین کو حیرت ہو گی جب وہ ایک افغان اور پٹھان میں فرق محسوس کریں گے افغانوں نے اپنے آپکو ایرانیوں کے قالب میں ڈھال لیا ہے وہ ایرانی زبان بولتے ہیں ایرانی رسم و رواج اختیار کر چکے ہیں اس لئے وہ لوگ پٹھانوں سے بالکل مختلف ہیں۔ جناب عالی! کیا حزب اختلاف کے معزز اراکین یہ کہہ سکتے ہیں کہ پٹھان ہندوستانی نہیں ہیں؟ کیا سرحد ہندوستان کا ایک لازمی حصہ نہیں ہے کیا ہم سرحدی باشندوں کی ہمدردیاں افغانوں کے ساتھ زیادہ ہیں یا ہندوستان کے باشندوں کے ساتھ؟ کیا سرحدی پٹھان عربوں کے خلاف نہیں لڑے؟ کیا سرحد کے لوگ کئی بار خود افغانوں کے ساتھ نہیں لڑے؟ ۱۹۱۹ء میں ہندوستان کی سرحدوں کا دفاع کس نے کیا اور اس کا اعزاز کسے حاصل ہوا؟ ان تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر میں کسی مسئلے پر آپ سے اختلاف بھی کروں تو کیا آپ مجھے ہندوستانی کہنا بھی چھوڑ دیں گے؟ ہم سرحدیوں نے کتنی ہی انسانی جانوں کی قربانیاں صرف اس لئے دی ہیں کہ ہم ہندوستان کی سرحدات کا دفاع کر سکیں۔ کیا میرے آباؤ اجداد کی ہڈیاں دہلی میں مدفون نہیں ہیں؟ کیا ہزاروں پٹھانوں اور ان کے دوسرے قبیلوں کے افراد کی ہڈیاں دہلی میں مدفون نہیں ہیں؟ کیا لودھی، شیر شاہی

شیرانی اور دوسرے اس قسم کے بے اشمار قبیلے ہندوستان میں مستقل طور پر آباد نہیں ہوتے اگر ان تمام لوگوں کو ہندوستانی کہا جا سکتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ پشاور سے اس ایوان میں آنے والے ایک آدمی کو ہندوستان کا باشندہ نہ کہا جاتے۔ جناب عالی! مجھے دعویٰ ہے کہ میں ہندوستانی ہوں اور مجھے دعویٰ ہے کہ میرا صوبہ ہندوستان کا ایک حصہ ہے۔ میں آپ کے بنائے ہوئے تمام قوانین کو تسلیم کرتا ہوں کہ حتیٰ کہ تعزیرات ہند کا بھی پابند ہوں تو میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ اگر صوبہ سرحد میں تعزیرات ہند جیسا ایک قانون نافذ ہو سکتا ہے تو اسی ایوان کا منظور کیا ہوا دوسرا قانون یعنی گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کو صوبہ سرحد میں کیوں نافذ نہیں کیا جا سکتا؟ وہ کون سی بات ہے جو اصلاحات کے ایکٹ کو صوبہ سرحد میں نفاذ سے روک رہی ہے۔ جناب عالی! اب میں واضح الفاظ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اگر آپ ہمیں ہندوستانی نہیں سمجھتے یا پھر ہمارے صوبے کو ہندوستان کا لازمی حصہ نہیں سمجھتے تو آپ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ آپ اپنے بنائے ہوئے قوانین کو صوبہ سرحد میں نافذ کریں ہم سرحدی عوام نے اپنے آپ کو صدیوں سے آپ کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے جس طرح فارسی کے ایک شعر میں کہا گیا ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

آپ نے ہمیں سمندر میں پھینک دیا ہے چاہے اسی میں ہماری اچھائی ہے یا برائی مگر اب آپ اپنا دامن بچانا چاہتے ہیں اور یہ بھی کہہ رہے ہیں۔ اپنے کپڑوں کو ہندوستان کے سمندر میں بھیگ جانے سے بچالو۔ یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے۔ جناب عالی! میں اس ایوان کو یہ حقیقت یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہم صوبہ سرحد کے لوگوں نے سرحد کے اس پار بھی لڑائیاں لڑی ہیں اور اس کے شہر میں بھی ہم

آپ کی خاطر لڑ چکے ہیں نکلسن ہمارا لیڈر تھا آپ نہیں رہ وہ یوسف زئیوں کے ساتھ یہاں آیا تھا اور گیلری میں بہت سے یوسف زئی ایسے بھی آج بیٹھے ہوتے ہیں جن کے رشتہ دار دہلی آئے تھے اور دہلی کے دفاع میں انہوں نے نکلسن کی امداد کی تھی۔

(اس موقع پر سردار بہادر کیپٹن ہیرا سنگھ برار نے پوچھا کیا پنجابی نہیں لڑے تھے ؟

سر صاحبزادہ نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ جی ہاں! پنجاب کے لوگ بھی لڑے لیکن پنجاب والوں کو اپنی محنت کا ثمر مل رہا ہے جبکہ سرحد کے لوگ اس سے محروم ہیں یہی میری سب سے بڑی دلیل ہے۔ جناب عالی! میں ایوان سے اپیل کروں گا کہ وہ صوبہ سرحد کے لوگوں کو اس ملک میں دشمن یا غیر کی حیثیت سے نہ دیکھیں۔ اگر ہم بُرے ہیں یا ناپسندیدہ ہیں تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہمیں اکیلا چھوڑ دیا جائے لیکن ہم نہیں چاہتے کہ آپ کو چھوڑ کر ہم الگ ہو جائیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں بھائیوں کی حیثیت سے دیکھیں بدقسمتی سے آپ محض ہمیں چوکیدار سمجھ رہے ہیں جس طرح آپ بمبئی یا دوسرے شہروں میں پٹھانوں کو چوکیدار مقرر کرتے ہیں میرا خیال ہے کہ پٹھان مسٹر چیٹی کے پاس بھی چوکیدار ہیں اور کچھ پٹھان شاید پنڈت جی کے پاس بھی ہیں (اس موقع پہ صاحب صدر نے کہا کہ معزز رکن کو جاننا چاہیئے کہ اسے پہلے ہی دگنا وقت دیا جا چکا ہے اور اسے چاہیئے کہ "اپنی تقریر ختم کرنے کی کوشش کرے") تو اب سر صاحبزادہ عبدالقیوم نے کہا جناب عالی شکریہ ! میں ابھی اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں اپنے موضوع سے ہٹ گیا تھا لیکن میں اب اسے ختم کر رہا ہوں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ ہم سرحدی باشندے یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں اپنا بھائی تصور کریں۔ ہم سرحدی باشندوں کو تعلیم دیں۔ ہمیں مساوی قانون دیں اور ہمیں مساوی تربیت دیں جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ ہمارے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کر رہے ہیں۔ ہمارے ساتھ سوتیلے بھائیوں کا سا سلوک نہ کیا جائے۔ اگر آپ ہم سرحدیوں پہ ڈنڈے کی حکومت

کرنا چاہتے ہیں تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ پشتو کا ایک محاورہ ہے جس کا مطلب کچھ یوں ہے کہ غیر مطمئن بیوی بھی آپ کے لئے گھر کو جہنم بنا سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ آپ کے لئے سالن اچھی طرح سے تیار نہ کرے ، یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب آپ گھر میں داخل ہوں تو وہ آپکو دیکھ کر نہ مسکرائے جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ براہ کرم ہمارے ساتھ نرمی اور انصاف کا سلوک کیا جائے۔

جناب عالی! اس قرارداد کے متعلق بہت سی ترمیمیں پیش کی گئی ہیں میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان ترامیم کے بارے میں اپنی پوزیشن کی بھی وضاحت کرلوں۔ صوبہ سرحد کے عوام کی خواہشات کو ایک الگ کونسل کے قیام کے علاوہ کوئی اور چیز مطمئن نہیں کر سکتی جہاں تک اقلیتوں کا تعلق ہے ہم آپکو سادہ چیک پر دستخط کر دیتے ہیں یعنی ہم آپ کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ آپ ان کی حفاظت کے بارے میں جو کچھ ضروری سمجھتے ہوں عمل میں لائیں۔ پھر دوسری طرف دیکھا جائے تو آخر جنوبی ہندوستان میں بھی کچھ قومیں اقلیتوں میں ہیں اگر آپ ہمارے بارے میں جنوبی ہندوستان کی پالیسی سے مختلف طریقہ اپنائیں گے تو یہ انصاف نہیں ہوگا۔ البتہ یہ بات انصاف کے برعکس نہیں ہے کہ آپ قوانین میں کچھ تبدیلیاں کریں لیکن میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ ہمیں مختلف بہانوں سے نہ ٹالا جائے کہ "ہم آپکے لئے آسمان سے چاند لے آئینگے جو ناممکن ہے" "یا یہ کہ ہم آپکو مکمل خود اختیاری یا سوراج دیں گے" کیونکہ آپ خود ابھی تک یہ کچھ حاصل نہیں کر سکے ہیں یہ نہ کہا جائے کہ "آپ ہمیں پنجاب کے ساتھ دوبارہ مدغم کردیں گے" کیونکہ یہ بات ناممکن ہے یہ ادغام نہ صرف حکومت کے نقطہ نظر سے بلکہ مقامی حالات کے نقطۂ نظر سے بھی محال ہے کیونکہ آپ ہمیں محض ایک رکاوٹ سمجھ رہے ہیں آپ ہمیں محض اپنے اور سرحد کے پار یعنی افغانستان کے درمیان ایک باڑ کی حیثیت دے رہے ہیں اور اسی طرح ہم آپ کا مقصد پورا کر سکتے ہیں۔ اگر یہ بات میرے دائرہ انتخاب

میں ہوتی تو مجھے اس ترمیم سے مکمل ہمدردی ہوتی اور مجھے اس بات پر کافی خوشی ہوتی کہ میں پنجاب کے کسی پہاڑی مقام پر جا کر بسیرا کر لوں لیکن یہ ممکن بھی نہیں اور آسان بھی نہیں کیونکہ اس طرح صوبائی سرحد کے دوسری طرف ہمارے رشتہ دار موجود ہوں گے اور اگر آپ دریائے سندھ کی قدرتی سرحد کی بجائے کسی اور جگہ سرحد قائم کرنا چاہیں۔ تو آپکو شاید اس مقصد کے لئے ملک کی تقسیم کے لئے ایسے مقام کا انتخاب کرنا ہوگا۔ جہاں دیوارِ چین تعمیر کی جا سکے۔ لیکن میں ایوان کو بتانا چاہتا ہوں کہ دیوارِ چین کا بھی ان تمسلات سے بچاؤ نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ کو ایک رکاوٹ کی ضرورت ہے تو یہ رکاوٹ آپکو صرف اس صورت میں مل سکتی ہے کہ آپ ہمیں اپنا بھائی سمجھتے ہوئے ہماری تعلیم اور ہماری اپنی تہذیب اور ثقافت کی طرف توجہ دیں۔ ابھی تک آپ کیا کرتے رہے ہیں ہندو مہاسبھا کی طرف سے کچھ خدشات کا اظہار کیا جا رہا ہے لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ خدشات کیا ہیں؟ ایک بات جس سے مجھے دکھ پہنچتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اکثر کہا جاتا ہے کہ سرحد کے مسلمانوں میں کچھ خفیہ سوسائٹیاں موجود ہیں میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہ سوسائٹیاں ہیں بھی تو ان کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟

کیا ان کا یہ مقصد ہو سکتا ہے کہ وہ عظیم سلطنت برطانیہ کا تختہ الٹ دیں یا ان کا یہ مقصد ہے کہ وہ مٹھی بھر غیر مسلموں کو سرحد سے نکال دیں اگر ہمیں اس عظیم سلطنت کا تختہ الٹنا ہوتا تو ہمارے لئے صرف اتنا کرنا کافی تھا کہ ہم سرحد پار کر کے محسودوں اور آفریدیوں سے مل جائیں اور انکے ساتھ مل کر حکومت کے خلاف لڑیں۔ لیکن اس کے برعکس ہم حکومت کے حق میں انہی محسودوں اور دوسرے لوگوں کیخلاف لڑ رہے ہیں۔ میں ایوان کے معزز اراکین سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان کا دفاع کرنے میں کتنی انسانی جانیں ضائع ہوئیں؟ جنابِ عالی! اس عظیم سلطنت برطانیہ کا تختہ الٹ دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوگا۔ اور اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ ہم سرحدی لوگ مٹھی بھر غیر مسلموں کو دبانا چاہتے ہیں اور اس لئے خفیہ سوسائٹیاں بنائی گئی ہیں تو یہ بات انتہائی مضحکہ خیز ہے کیونکہ غیر آئینی ہتھکنڈے استعمال کرنا اقلیت کا کام ہوتا ہے۔ اکثریت کا نہیں ہوا کرتا ہم اقلیت کیساتھ آئینی طور پر برسرپیکار

ہی تو ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے۔ کہ ہم خفیہ تنظیمیں قائم کریں۔ سرحد کے اس پار ہم انکے ساتھ انتہائی پرامن حالت میں رہتے آئے ہیں جی ہاں! کافی عرصے سے انتہائی پرامن حالات میں میرے اپنے گاؤں میں میرے بہت سے ہندو بھائیوں کی ایک ٹولی موجود ہے اگر آپ صرف ان سے پوچھیں کہ میں ان کیساتھ کیسا سلوک کر رہا ہوں یا وہ میرے ساتھ کیسا وقت گزارتے ہیں تو آپ تمام حقیقت سے آشنا ہو جائیں گے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ہمارا ان کے بغیر گذارا نہیں ہوتا کیونکہ وہ ہمارے بینکار ہیں اور وہی ہمارے ٹرسٹی ہیں اگر مجھے کچھ رقم جمع کرنا ہے تو میں یہ رقم وہ کلکری میں بیٹھے ہوئے اپنے دوستوں کے پاس جمع نہیں کروں گا بلکہ یہ رقم میں اپنے ساہوکار کے پاس جمع کراؤں گا اپنے ہندوستانی بھائیوں کے ساتھ میرا لین دین جاری رہتا ہے۔ میرا ذاتی حکیم یا خاندانی ڈاکٹر ایک ہندو بھائی ہے کسی زمانے میں میرا ایک چھوٹا سا ہندوؤں کا بڑا منا تھا اور ہندوؤں ہی کے ذریعے میں نے سرحد کے اس پار اپنا مقصد حاصل کیا۔ محض اس وجہ سے کہ سرحد پار کے قبائل ہندوؤں کی خاطر بدکردار لوگوں کے خلاف کارروائی کرنے میں اکٹھے ہوتے تھے۔ اس لئے ہندوؤں کو سرحد سے نکال دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر ہم انہیں سرحد سے نکال بھی دیں تو پھر ہم کیا کریں گے۔ پھر یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ سرحد میں تعصب پایا جاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرحد کے لوگ کس کے خلاف تعصب کرتے ہیں؟ انگریزوں کے خلاف قدیم تعصب اب ختم ہو چکا ہے اور کافی عرصے سے کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا اور تعصب باقی کیسے رہ گیا ہے۔ جب جداگانہ طریقہ انتخاب اور جداگانہ نمائندگی ہے۔ ہندوؤں کا مقابلہ کون کر رہا ہے ان کی الگ نمائندگی ہوگی اور ہماری الگ۔ اگر ہم آپس میں ہی انتخاب لڑیں گے تو انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی وہ بالکل محفوظ رہیں گے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس صورت میں بھی ایک فریق ہندوؤں ہی کا حمایتی ہوگا لہٰذا اس مسئلے پہ خدشات اور مشکلات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جناب عالی! رپورٹ کی تیاری سے اب تک حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی
ہم سرحد کے باشندے تعلیمی حالت میں پسماندہ نہیں رہے ہیں۔ ہماری تہذیب میں
کوئی فرق نہیں آیا اور آج بھی ہم اس حد سے زیادہ تکلیف دہ نہیں ہیں جس طرح
ہم ۱۹۲۲ء میں تھے آپ سرحد کی انتظامی رپورٹوں کا معائنہ کرسکتے ہیں کہ ۱۹۲۲ء
سے اب تک جرائم میں کس قدر کمی واقع ہوئی ہے .... سرحد میں صرف ایک یا دو
جناب صدر نے ایک مرتبہ پھر مداخلت کی اور کہا کہ معزز رکن کو دس منٹ سے
زیادہ وقت دیا جا چکا ہے لیکن اس نے کرسی صدارت کی طرف سے دیئے جانے والے
اشارے کی پرواہ نہیں کی۔ صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے کہا جناب عالی میرا خیال
ہے کہ مجھے آپ کے حکم کی تعمیل کرنا چاہیئے میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اس
معاملے میں ہم متفق ہیں۔ ہم ایک الگ صوبہ چاہتے ہیں اور ہم میں کوئی بھی مخالفت
کرنے والا نہیں ہے اگر آپ ایسی کوئی مثال پیش کرسکتے ہیں تو میں بھی خطوط،
تاروں قرار دادوں وغیرہ (جو مجھے حال ہی میں سرحد سے موصول ہوئی ہیں) سے
یہ ثابت کرسکتا ہوں کہ صوبہ سرحد کے مسلمانوں میں اصلاحات کے مسئلے پر کسی
بھی مخالفانہ آواز کا وجود نہیں ہے اس کے ساتھ ہی میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں

مسلم لیگ کی طرف سے سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کی قرارداد

۱۶ مارچ ۱۹۲۶ء کو مولوی سید مرتضیٰ صاحب بہادر نے شمال مغربی سرحدی صوبے
تک اصلاحات کا دائرہ وسیع کرنے کے سلسلے میں ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں قرارداد پیش
کی اور قرارداد پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔

جناب عالی۔ میں وہ قرارداد پیش کرنا چاہتا ہوں جس کے لئے میں نے پہلے درخواست

کی تھی اور اب اس کی اجازت دی گئی ہے۔ قرارداد کا متن یہ ہے کہ :-

"یہ اسمبلی گورنر جنرل ان کونسل سے سفارش کرتی ہے کہ وہ براہ کرم شمال مغربی سرحدی صوبے تک بھی گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی ان دفعات کا دائرہ کار وسیع کر دیں جن کا تعلق قانون ساز کونسلوں اور وزیروں کے تقرر وغیرہ کے ساتھ ہے اور جس میں اقلیتوں کے تحفظ کا ذکر بھی موجود ہے۔"

جناب عالی! موضوع پر مزید کچھ کہنے سے پہلے میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس سے پہلے بھی تقریباً نصف درجن موقعوں پر میں نے مختلف قسم کی تحریکیں پیش کرنا چاہیں۔ لیکن یہ پہلا موقع ہے کہ قرعہ قسمت میرے نام پڑا۔ جناب عالی! موضوع پر بحث شروع کرنے سے پہلے میں آپ کے سامنے اس قرارداد کے سلسلے میں اپنی پوزیشن واضح کر دینا چاہتا ہوں جہاں تک ذاتی طور پر میرا تعلق ہے میں اُس پارٹی سے تعلق رکھتا ہوں جسے سوراج پارٹی کہا جاتا ہے جس کے سامنے رہنمائی کی خاطر بڑھتے ہوئے جذبے کا ایک واضح نصب العین موجود ہے کہ مادر وطن کو بلند تر بنایا جائے اور اسے مکمل طور پر آزادی سے ہمکنار کیا جائے۔ لیکن جناب عالی! اس کے ساتھ میں بیک وقت آل انڈیا مسلم لیگ کا بھی رکن ہوں اور اس کا ایک معمولی رکن بھی نہیں بلکہ کونسل کا رکن بھی ہوں اور کونسل میں اپنی پریذیڈنسی کی نمائندگی کر رہا ہوں اور اس لئے جناب عالی! مجھے ایک اصول کے مطابق کام کرنا پڑتا ہے جو اسلام نے ہمیں دیا ہے کہ "خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرَ" کہ جب کسی چیز میں تمہیں کچھ چیز اچھی نظر آئے تو اُسے لے لو۔ اور جو چیز قابل استرداد ہو تمہارے لئے بہتر ہے کہ اسے دور پھینک دو۔ تو اس لئے موجودہ قرارداد کی بنیاد وہ قرارداد ہے جسے منظور کیا جا چکا ہے اس قرارداد کو آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک اجلاس میں نہیں بلکہ لاہور، بمبئی اور علیگڑھ کے متعدد اجلاسوں میں مسلسل منظور کیا جاتا رہا ہے، جن میں سے تمام اجلاسوں میں شرکت کرنے پر مجھے فخر ہے۔

جناب عالی! مزید برآں میں یہ عرض کردں کہ اس قرارداد کی ایک الگ تاریخ ہے کچھ دو سال کا عرصہ ہوا مجھے شمال مغربی سرحدی صوبہ کے بعض علاقوں کا دورہ کرنے کا موقع ملا جس کے دوران مسلمانوں کے صف اوّل کے کچھ حضرات سے میری ملاقات ہوئی جناب عالی! صوبہ سرحد میں قیام کے دوران میں اپنے محترم دوست حکیم اجمل خان صاحب کے ہاں مہمان تھا اور یہیں میری ملاقات کچھ اہم مسلمان حضرات سے ہوئی۔ انہوں نے اپنی مشکلات اور شکایات میرے سامنے رکھیں۔ اور میں نے اپنی مشکلات سے ان کو آگاہ کیا کہ بحیثیت سوراج پارٹی کے رکن کے میں اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ لیکن انہوں نے مجھے بتایا کہ جو چیز میرے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی اُن کے لئے بہت معنی رکھتی ہے اور انہوں نے مجھ پر زور دیا کہ میں اس سلسلے میں تھوڑا بہت ضرور کچھ نہ کچھ کروں انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے مقابلے میں انہیں کچھ بھی حاصل نہیں حتیٰ کہ انہیں شہریت کے بنیادی حق سے بھی محروم رکھا گیا ہے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ میرا فرض منصبی ہے کہ چونکہ میں ایک منتخب رکن ہوں تو چاہے میرا تعلق کسی بھی صوبے سے ہو مجھے اُن کے مسائل کو اس ایوان میں ضرور پیش کرنا چاہیئے کیونکہ بقول انکے میرا انتخاب اس لئے عمل میں آیا تھا کہ میں مظلوموں کی آواز کو بلند کروں اور اُن کی حمایت کروں چاہے وہ مظلوم ہندو ہوں، مسلمان ہوں۔ عیسائی ہوں۔ پارسی ہوں یا سکھ ہوں۔

جناب عالی! میں اس ایوان میں ایک نکتہ واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ میں یہ قرارداد اس بنیاد پر نہیں پیش کر رہا کہ صوبہ سرحد کی آبادی کی اکثریت کا تعلق مسلمانوں سے ہے اگر وہاں مسلمانوں کی بجائے ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں، پارسیوں یا اینگلو انڈین باشندوں کی بھی اکثریت ہوتی تو بھی میں اس ایوان میں منظوری کے لئے یہ قرارداد ضرور پیش کرتا۔ یہ ہے میری حالت۔ جناب عالی! جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں۔ ذاتی طور پر میں ان موجودہ اصلاحات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا یہ میرا ذاتی خیال ہے اور یہی میری

پارٹی کا نقطۂ نظر بھی ہے۔ لیکن اس کے باوجود جناب عالی آپ جانتے ہیں کہ آخر ہم کن مقاصد کیساتھ کونسلوں میں شامل ہوتے ہیں۔ جناب عالی! میں ایک شدید قسم کا غیر مقلد تھا لیکن جناب عالی! پھر میں اس نئے رنگ میں رنگ گیا۔ نئے رنگ سے میری مراد سوراج پارٹی ہے۔ یہ کچھ اس طرح واقع ہوا کہ مدراس میں ایک جلسہ ہو رہا تھا جس کی صدارت میں کر رہا تھا اور جس میں سوراج پارٹی کے عالمی شہرت یافتہ بانی یعنی مسٹر سی۔ آر۔ داس نے سوراج کے موضوع پر تقریر کی۔ اسی جلسے میں میں نے سوراج کے حق میں اس کی پیش کردہ دلیلیں سنیں اور پھر میں بھی اس رنگ میں رنگ گیا لیکن کونسل میں شامل ہونے سے پہلے میں رسمی طور پر پارٹی میں داخل نہیں ہوا تھا لیکن دہلی آنے کے بعد جب میں نے دیکھا کہ نئی اور ترقی پذیر پارٹی ملک کی مکمل آزادی کے لئے برسرپیکار ہے تو میں نے برضا و رغبت اور بخوشی پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی۔ لیکن جناب عالی! میں یہ قرارداد اس پارٹی کے رکن کی حیثیت سے نہیں بلکہ آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک کارکن کی حیثیت سے پیش کر رہا ہوں۔

جناب عالی! اب اصل قرارداد کی طرف آتے ہوئے میں اپنا موقف صوبہ سرحد کی اکثریتی رپورٹ پر اختیار کرتا ہوں اور اس طرح میرا کام بہت آسان ہو جاتا ہے یہ معزز ایوان جانتا ہے کہ اسمبلی نے ایک قرارداد کی منظوری دی تھی جسے میرے محترم دوست جناب سرسیوا سوامی آئر نے پیش کیا تھا اس قرارداد کے تحت صوبہ سرحد کے حالات کی تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی اس کمیٹی میں آٹھ اراکین شامل تھے، جن میں سے تین یورپی اور سرکاری ارکان تھے، اور پانچ غیر سرکاری ارکان تھے۔ ان پانچ غیر سرکاری ارکان میں سے تین مسلمان تھے اور دو ہندو تھے۔ کمیٹی کے ان اراکین نے صوبہ شمال مغربی سرحد کے اہم مقامات کا دورہ کیا۔ انہوں نے معاملے کی مکمل تحقیق و تفتیش کی۔ ان کی معلومات اس قدر پر مغز تھیں کہ کمیٹی کی قلمبند کی ہوئی

شہادتیں سترہ سو صفحات پر مشتمل ہیں اور کمیٹی اپنی تحقیقات کے بعد جس نتیجہ پر پہنچی وہ نتیجہ بھی میری قرارداد کی حمایت کرتا ہے۔

جناب عالی! قبل اس کے کہ میں اس کمیٹی کی سفارشات کے بارے میں کچھ کہوں۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ شمال مغربی سرحدی صوبے کی تاریخ پر مختصراً روشنی ڈالی جائے جناب عالی! یہ صوبہ سرحد پانچ منتظم اضلاع جنہیں زیرانتظام اضلاع کہا جاتا ہے اور پانچ غیر منتظم اضلاع یعنی قبائلی علاقوں پر مشتمل ہے۔ میری قرارداد کا تعلق صرف منتظم اضلاع سے ہے۔ یہ اضلاع پشاور، ہزارہ، کوہاٹ، بنوں اور ڈیرہ اسمٰعیل خان ہیں۔ جہاں تک ان مذکورہ پانچ اضلاع کا تعلق ان کے بارے میں کمیٹی کی اکثریت نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے کہ انہیں اصلاحات دیجائیں اور میرے خیال میں اب بھی وقت ہے کہ ان ضلعوں میں اصلاحات نافذ کردیجائیں ورنہ بقول کمیٹی نتائج انتہائی تباہ کن بھی ہوسکتے ہیں۔ میں کمیٹی کے استعمال کردہ الفاظ کا اقتباس تھوڑی دیر بعد پیش کروں گا میرے کمیٹی کی اکثریت نے اس مسئلے کے مالی، عدالتی اور دوسرے متعلقہ پہلوؤں پر بھی مکمل غور کیا ہے۔ جناب عالی! جیسا میں پہلے عرض کرچکا ہوں اس قرارداد کو پیش کرنے میں میرا کام اور بھی آسان ہوجاتا ہے۔

جب میں دیکھتا ہوں کہ اس کمیٹی کے صدر اس معزز ایوان میں تشریف رکھتے ہیں اور جناب عالی! مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی ہی زیر صدارت تیار کی جانے والی اکثریتی رپورٹ کے مطابق اپنی ذمہ داری پوری کرنے سے پہلو نہیں بچائیں گے۔ اگر میرے اس محترم دوست نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو میں یہ کہنے پر مجبور ہوں گا کہ کمیٹیاں تشکیل دیکر انہیں ملک کے کونے کونے میں عوام کی شہادتیں اکٹھا کرنے اور ان پر فضول عوام کی رقم خرچ کرنا محض ایک ڈھونگ ہے۔ اور جناب عالی! میں آپ سے سوال کرتا ہوں۔ کہ اس کمیٹی کا سیکرٹری کون تھا؟ وہی صاحب جو اس وقت اس صوبے کے چیف کمشنر

ہیں اور دوسرا ممبر کون تھا؟ وہ صوبہ پنجاب کا ایک ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج تھا۔ ان تین حضرات نے اسمبلی کے چار اراکین اور کونسل آف سٹیٹ کے ایک رکن کے ساتھ مل کر تحقیقات مکمل کیں۔ کونسل آف سٹیٹ سے صوبہ سرحد کی انکوائری کمیٹی کی نمائندگی آنریبل سید رضا علی صاحب فرما رہے تھے۔ اور پھر یہاں میرے ایک دوست ہیں جن کا تعلق اس صوبے سے ہے جس کا میں رہنے والا ہوں۔ میں انہیں محض دوست نہیں کہہ سکتا بلکہ وہ ہمارے خاندانی دوست ہیں کیونکہ نہ صرف ہم دونوں کافی عرصے سے دوست رہے بلکہ میرے آباؤ اجداد اور ان کے آباؤ اجداد میں بھی گہری دوستی تھی میرا اشارہ جناب دیوان بہادر اچاریہ سے ہے۔ اب اگر میں یہ کہوں کہ تمام مشکل کی جڑ یہ ہے کہ کمیٹی کی رپورٹ میں کچھ گڑبڑ ہے۔ بلاشبہ میں غیر پارلیمانی الفاظ استعمال نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن جناب عالی! میرے اسی خاندانی دوست اور ایک دوسرے دوست جو اس وقت انڈیا کونسل کے عہدے پر فائز ہیں یعنی مسٹر سمارتھ، ان دونوں حضرات نے کمیٹی کی رپورٹ سے اختلاف کیا اور ان کا اختلافی نوٹ ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے جبکہ اکثریتی رپورٹ صرف تیس صفحوں پر مشتمل ہے۔ لیکن حضور والا۔ مجھے کہنے دیجئے کہ اکثریتی رپورٹ میں حاشیئے موجود ہیں اگرچہ اس کی ضخامت تیس صفحے ہیں لیکن اختلافی نوٹ صرف مقدار اور ضخامت ہی ہے۔ اس میں نہ تو کوئی مواد ہے اور نہ کوئی خاصیت (اس پر ایوان میں ایک فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا) لیکن اس کے باوجود مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اس کمیٹی کا صدر میری حمایت کرنے سے کیوں ہچکچاہٹ محسوس کرے گا میرے پاس یہ کہنے کا کوئی جواز نہیں کہ وہ میری حمایت نہیں کرے گا بلکہ اس کے برعکس میرا تو خیال ہے کہ وہ حکومت کے دوسرے اراکین کو بھی مجبور کرے گا۔ کہ وہ بھی اس کی حمایت کرتے ہوئے اور اس کے نقطۂ نظر کا آخری دم تک ساتھ دے کر اس کی کمیٹی کی عزت افزائی کا باعث بنیں گے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میری قرارداد حکومت کے خلوص کو جانچنے کے لئے کسوٹی کا

کام دیگی (اس موقع پر ایوان کے کسی معزز رکن نے طنزیہ طور پر بآواز بلند کہا کہ کیا اب تک حکومت کے خلوص کو کبھی نہیں جانچا گیا؟) مولوی سید مرتضیٰ صاحب بہادر نے اس تبصرے سے محظوظ ہوتے ہوئے اسے دہرایا کہ میرے دوست کا کہنا ہے کہ کیا اب تک کئی بار حکومت برطانیہ کے قول و عمل کو نہیں آزمایا گیا (اس موقع پر جناب ایم۔ کے اچاریہ نے کہا اور ہر مرتبہ اس آزمائش میں ناکامی نہیں ہوئی؟) مولوی سید مرتضیٰ صاحب بہادر نے پھر دہراتے ہوتے کہا کہ "اور ہر مرتبہ آزمائش کا نتیجہ ناکامی ہی نکلا؟ اور کیا ضروری ہے کہ اس موقع پر بھی حکومت کے خلوص کو آزمایا جاتے۔ میں اپنے ان دوستوں کو جواب کے طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ حکومت کے مختلف افراد پٹھانوں اور افغانوں کے بارے میں اس قدر زیادہ باتیں کیا کرتے ہیں۔ وہ پٹھانوں کو آسمانوں کی بلندیوں تک اونچا اٹھا دیتے ہیں وہ کہا کرتے ہیں کہ یہ لوگ ہندوستان کے دروازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ وہ اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ اگر ان پٹھانوں کی مدد ان کے ساتھ شامل نہ ہوتی تو عظیم ہندوستانی غدر کا نتیجہ قطعاً مختلف ہوتا۔ وہ کہا کرتے ہیں کہ یہ پٹھان ہی تھے جنہوں نے نازک ترین لمحات سے گذر نے کے لئے ان کی مدد کی۔ اور اس سلسلے میں میرے اس دوست کی کیا رائے ہے جس کے دستخط اکثریتی رپورٹ پر سر فہرست ہیں؟ یعنی کمیٹی کے سربراہ کی رائے کیا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ اگر "ان پٹھانوں کو اصلاحات نہ دی گئیں اور ان کے جذبات اور احساسات کی قدر نہ کی گئی تو نتائج انتہائی بھیانک ہوں گے" جناب عالی! میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ کہ نتائج کس کے لئے تباہ کن ہوں گے؟ نتائج نہ صرف ہندوستان کے لئے تباہ کن ہونگے بلکہ وہ پوری مملکت کے لئے تباہ کن ہوں گے۔ جب انہوں نے یہ سب کچھ کہہ دیا ہے تو وہ اب اپنے اقوال سے پھر نہیں سکتے۔ یہی وہ موقف ہے جو میری قرارداد کی بنیاد ہے اس سلسلے میں مجھے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے ایک دوست جناب بیپن چندرا پال کی بات یاد آتی ہے چند دن پہلے انہوں نے کہا تھا کہ بنگال اور ایک دوسری جگہ (کسی معزز رکن

نے اس جگہ کا نام آئرلینڈ بنایا) ہاں بنگال اور آئرلینڈ ان دونوں مقامات نے مقررین کو پیدا کیا۔ میں مدراس کے حقیر صوبے سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں ایک خاموش کارکن رہا ہوں میں لمبی چوڑی تقاریر پر ایمان نہیں رکھتا۔ آپ نے ایک شاعر حضرت سعدی کا نام سنا ہو گا۔ سعدیؒ اور حافظؒ ایسے نام ہیں جن سے ہر ایک واقف ہے چاہے وہ مسلمان ہو غیر مسلم ہو یا یورپین ہو۔ حضرت سعدیؒ نے فرمایا ہے ؎

دو چیز تیرۂ عقل است دم فرو بستن
بوقتِ گفتن، و گفتن بوقت خاموشی

دو چیزیں ایسی ہیں کہ وہ عقل کو سب سے زیادہ نقصان دیتی ہیں جب ہمیں بولنا ہو اور ہم خاموشی اختیار کئے رہیں اور جب بولنے کی ضرورت نہ ہو تو غیر ضروری طور پر بولتے رہیں۔ اگر مدراسی اچھے مقرر نہیں ہیں تو انہیں اچھا مقرر نہ ہونے کا کوئی دکھ نہیں (اس پر قہقہہ پڑا) ہمیں اس پر فخر ہے کہ ہم نے اس قدر زیادہ تعداد میں یہاں مدراسیوں کو پیدا کیا ہے (یہ بات کرتے ہوئے انہوں نے ایوان میں موجود مدراس سے تعلق رکھنے والے اراکین کی طرف اشارہ کیا) لیکن میرے دوست نے مدراس کا کوئی ذکر نہ کیا اور محض بنگال اور آئرلینڈ پر ہی اکتفا کیا۔

اب میں اصل موضوع پر آتا ہوں۔

(اس موقع پر جناب صدر نے پوچھا کہ کیا آپ طویل تقریر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ نے کہا کہ نہیں لیکن اس دوران ایوان کے ارکان نے "کھانے کے بعد" "کھانے کے بعد" کے نعرے لگانا شروع کر دیئے تو اجلاس دوپہر کے کھانے کے لئے ملتوی ہو گیا دوبارہ اجلاس اسی دن یعنی ۱۶ فروری ۱۹۲۶ء کو دن کے ۲ بجکر ۳۵ منٹ پر شروع ہوا) مولوی سید مرتضیٰ صاحب بہادر نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا جناب عالی! میں نے ایوان سے وعدہ کیا تھا کہ میں ان کے سامنے شمال مغربی سرحدی صوبے

کے بارے میں کچھ اعداد و شمار پیش کروں گا۔ جناب عالی اس صوبے کی آبادی تقریباً ۲۲ لاکھ افراد پر مشتمل ہے جن میں سے ۹۱ یا ۹۲ فیصد مسلمان ہیں، اور بقیہ آٹھ یا نو فیصد ہندو یا سکھ ہیں۔ اب اس سلسلے میں میں آپ کے سامنے ایک حقیقت پیش کرنا چاہتا ہوں میں ایک ایسے صوبے سے تعلق رکھتا ہوں جہاں ہم یعنی مسلمان صرف سات فیصد ہیں اور بقیہ ۹۳ % غیر مسلم بھائی آباد ہیں اور پھر بھی دونوں قومیں وہاں خوشی خوشی زندگی بسر کر رہی ہیں وہاں ہندو مسلم قسم کا کوئی مسئلہ موجود نہیں ہم اپنے ہندو بھائیوں کے جذبات کا احترام کرتے ہیں اور وہ اسی طرح ہم سے پیش آتے ہیں لیکن یہاں میرا خیال ہے کہ اصلاحات کے مسئلے میں کوئی ہندو مسلم سوال موجود نہیں لیکن اس کے باوجود یہ سوال کافی حساس صورت میں موجود ہے۔ اخبارات میں مضامین پر مضامین چھاپے جا رہے ہیں جلسوں پر جلسے ہوتے ہیں اور پھر جوابی جلسے ہوتے ہیں اور اس طرح یہ سلسلہ لامتناہی صورت اختیار کر رہا ہے۔ باہر سے تار کے ذریعے مسلسل پیغامات آ رہے ہیں اور جناب عالی آج ہی جب میں اسمبلی کی طرف آ رہا تھا تو مجھے ایک رجسٹری خط ملا۔ میرا خیال تھا کہ اس میں کوئی کام کی چیز ہے (ایک ممبر نے ہنس کر کہا اس میں کرنسی نوٹ ہوں گے) مولوی سید مرتضٰی صاحب بہادر نے بھی اسی روانی سے جواب دیتے ہوئے کہا ہاں اس خط میں کرنسی نوٹ تھے (اس پر قہقہہ بلند ہوا) انہوں نے کہا دراصل اس رجسٹری خط میں ایک انتہائی جذباتی اپیل کی گئی تھی جس میں مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں ان بدقسمت اور بدحال لوگوں کی حالت زار کے بارے میں سوال اٹھاؤں جن کے متعلق میری محترم بہن کانگرس کی صدر نے ملک کے قابل احترام ایوان یعنی نیشنل اسمبلی میں اشارہ کیا تھا۔ اگرچہ یہ ایک معمولی سا اشارہ تھا لیکن اس کا مفہوم بہت ہی گہرا اور بامعنی تھا اس نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر دیا تھا۔

اس موقع پر راجشاہی ڈویژن سے تعلق رکھنے والے جناب ایم۔ کے احمد نے جناب مولوی مرتضٰی بہادر کی تحریک میں زور ڈالنے کی غرض سے کہا کہ کیا آپ اخبارات کے

کچھ اقتباسات پیش کریں گے، لیکن مولوی سید مرتضیٰ صاحب بہادر نے تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے اور اپنی تقریر اور دلیلوں کی روانی کو برقرار رکھنے کی خاطر کہا میرے محترم دوست اخباروں کا اس قدر گہرا مطالعہ رکھنے کے باوجود اس بات کو بھول گئے ؟ تو جناب عالی! میں بھی اپنے ہندو بھائیوں سے ایک جذباتی اپیل کروں گا کہ جس طرح ہم مدراس میں کسی قسم کے ہندو مسلم مسائل نہیں اٹھاتے اسی طرح آپ بھی بے فکر رہیں اور آپکو صوبہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ سے کسی قسم کی مشکلات یا خطرات کا شک و شبہ ذہن سے نکال دینا چاہیئے۔ ہاں اگر آپ یہ ثابت کر سکیں کہ آپ کے خدشات محض جذباتی یا فرضی نہیں بلکہ حقیقی ہیں تو میں پہلا شخص ہوں گا جو کل ہی شمال مغربی سرحدی صوبے کے دورے پر روانہ ہو جاؤں گا۔ تاکہ ہم مسلمان اور ہندو رہنماؤں کی ایک گول میز کانفرنس بلا کر حقیقت حال کا علم حاصل کر سکیں۔ آپ اس قسم کے غیر ضروری اور غیر حقیقی خطرات کو کیوں ذہن میں جگہ دیتے ہیں ؟ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے ملک ہندوستان کو آزاد دیکھیں اور پٹھان اور افغان بھی آزادی پسند باشندے ہیں وہ بھی ملک کو آزاد کرانا چاہتے ہیں۔ آپ ان کی راہوں میں رکاوٹیں ڈالنے میں کہاں تک حق بجانب ہیں کیا آپ نہیں جانتے کہ اُن کے بنیادی حقوق شہریت کے راستے میں رکاوٹیں ڈالنے سے آپ خود اپنے مفادات کو کمزور کر رہے ہیں اگر آپ بھارت ماتا کے سچے فرزند ہیں تو ہمارے سامنے اس کا ثبوت پیش کیجئے۔ جناب عالی! یہ ثبوت خاص طور پر اس وقت ہم چاہیئے جب ہمارے قومی امور کی صدارت میری محترم بہن کر رہی ہیں ہمیں صوبہ سرحد کے لوگوں کے دل جلانے کے لئے کوئی موقع نہیں فراہم کرنا چاہیئے میں کانگرس کی صدر بہن سے درخواست کروں گا کہ وہ ہمارے ساتھ صوبہ سرحد میں جائے اور اپنے ساتھ دوسرے ہندو رہنماؤں کو بھی لے جائے ان تمام سوالات کا نہایت پر امن طور پر فیصلہ ہو سکتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ایک نیشلسٹ اخبار جو

واحد نیشلسٹ اخبار ہے وہ مسلسل اس موضوع پر غیر ضروری مضامین شائع کر رہا ہے
ہے۔ کچھ دن ہوتے میں نے بذات خود لالہ جی سے بات کی انہوں نے مجھ سے پوچھا
"کیا آپ اسے ہندو مسلمان مسئلہ نہیں بنا رہے ہیں؟...." اس موقع پر جناب صدر
نے ان کو یاد دلایا کہ وہ ایوان میں تقریر کرتے ہوتے ذاتی بات چیت کا حوالہ نہیں دے
سکتے، تو مولوی سید مرتضیٰ صاحب بہادر نے کہا کہ میں بھی آپ کو یہی نصیحت کرنا چاہتا
ہوں مجھے امید ہے کہ ایوان میری نصیحت کو پسند کرتے ہوتے اس مسئلے کو اس کی
خوبیوں ہی کے مطابق پرکھنے کی کوشش کریگا۔ میں خود بھی صرف چند اقتباسات
تک اپنے آپ کو محدود رکھوں گا۔ میں آپکا مزید کچھ زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا
میں پہلے ہی غیر ضروری طور پر لمبی تقریر کر چکا ہوں۔ ہمارے کچھ دوستوں کا خیال ہے
کہ اگر صوبہ سرحد کو اصلاحات دیدی جائیں تو یہاں سیاسی خطرہ پیدا ہو سکتا ہے اس نکتے
پر کمیٹی کی اکثریتی رپورٹ میں تفصیلی بحث کی گئی ہے مجھے حیرت ہے کہ اگر آپ کے پاس
ایک اس قسم کی قوم موجود ہو جو ہندوستان کے مفادات کے تحفظ کے لئے اپنی جانیں تک
قربان کر سکتی ہے نہیں بلکہ ہندوستان کے دفاع کے لئے یا بلکہ یوں کہا جاتے کہ پوری
مملکت کے دفاع کے لئے تو یہ قوم سیاسی خطرہ کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟ آپ اُن
کی وفاداری کو ایک سے زیادہ موقعوں پر آزما چکے ہیں۔ اور آپ ہندوستان کے مفاد کی
خاطر اُن کی لگن اور محنت کی تصدیق بھی کر چکے ہیں اور وہ ان تمام مراحل میں مکمل طور پر وفادار
ثابت ہو گئے ہیں میں یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے حکومت کے ساتھ اپنے خالق
حقیقی سے بھی زیادہ وفاداری کا ثبوت دیا ہے میرا خیال ہے کہ شمال مغربی سرحدی صوبے
کے میرے دوست میرے اس تبصرے پر ناراض ہوں گے میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ
پٹھان اس برطانوی حکومت کی خاطر تو ترکوں سے بھی لڑے ہیں ترکوں کی وہ مملکت اسلامیہ
جس کی خوشحالی کے لئے وہ ہر جمعے کے دن نماز میں دعائیں مانگتے تھے۔ جناب عالی! یہ لوگ

اس قوم کے خلاف بھی لڑتے ہیں اور پھر بھی آپ نے ان لوگوں کو اصلاحات نہیں دیں۔ (اس موقع پر جناب کے۔ احمد جو اس سے پہلے بھی ایوان کو مرتضیٰ صاحب بہادر کی تقریر توجہ سے سننے کا بار بار احساس دلا چکے تھے انہوں نے ایک مرتبہ پھر زور سے کہا" کس قدر شرم کی بات ہے" مولوی سید مرتضیٰ صاحب بہادر نے کہا" بے شک شرم کی بات ہے بلکہ جناب عالی! میں تو اسے بے عزتی کی بات سمجھتا ہوں" جناب کے احمد نے پھر کہا کہ یہ عظیم شرم کی بات ہے اور اس پر مولوی سید مرتضیٰ صاحب بہادر نے تقریر جاری رکھتے ہوتے کہا لیکن ہمیں ابھی سے نتائج کی طرف چھلانگ نہیں لگانی چاہیئے اور ہمیں یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ ہمیں حکومت کا تعاون حاصل نہیں ہوگا میں نے اپنے موقف کو خوب مضبوط کر کے اپنے مطلب کو خوب واضح کر دیا ہے تاکہ سرکاری بنچوں پر بیٹھنے والے لازمی طور پر میری حمایت کریں۔ جناب عالی! چند دن پہلے ۵۵ سرکردہ مسلمانوں کا ایک وفد جن کا تعلق پانچوں منتظم اضلاع سے تھا صوبہ سرحد کے چیف کمشنر سے ملا دوسرے مطالبات کے علاوہ سب سے پہلا اور اہم ترین مطالبہ صوبہ میں اصلاحات کے نفاذ سے متعلق تھا مجھے اس وفد کے پیش کردہ سپاسنامہ کے اقتباس پڑھ کر سنانے کی ضرورت نہیں جو کافی طویل اور ہندوستانی زبان میں ہے لیکن میں اس کے جواب میں کی گئی تقریر سے ایک حصہ سنانا چاہتا ہوں۔ جو اس میں کہا گیا۔

" پہلا مسئلہ جو آپ نے پیش کیا ہے وہ اصلاحات کا مسئلہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے صوبہ سرحد کے بارے میں مقرر کی گئی کمیٹی کی اکثریتی رپورٹ پر دستخط کئے ہیں اور جن خیالات کا اظہار میں نے اس وقت کیا تھا میں آج بھی اسی موقف پر سختی سے قائم ہوں"

اور مجھے امید ہے کہ کمیٹی کے سیکرٹری کی طرح کمیٹی کے صدر بھی انہی خیالات اور احساسات کا اظہار کریں گے۔

(سرڈنلیس برے جو ابھی تک مسلسل اشارات کے باوجود خاموش تھے جو اس وقت زیر خارجہ تھے۔ اور وہی صوبہ سرحد کے متعلق تحقیقاتی برے کمیٹی کے صدر بھی تھے ان کی طرف تو سید مرتضیٰ صاحب بہادر نے مسلسل اشارے کئے لیکن وہ خاموش رہے۔ لیکن اس بات پر خاموش نہ رہ سکے اور پوچھ بیٹھے کہ ۔)

" جناب عالی! آپکا کیا مطلب ہے کہ میں کن خیالات کا اظہار کروں ؟"

مولوی سید مرتضیٰ صاحب بہادر نے کہا میرا مطلب ان خیالات سے ہے جو کمیٹی کے سیکرٹری کے خیالات ہیں کیونکہ وہ بھی کمیٹی کا ایک رکن تھا انکا پورا جواب یہ ہے۔

" اس رپورٹ پر حکومت کے احکامات کا ابھی تک انتظار ہے لیکن یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ اس صوبے کو مقامی حکومت خود اختیاری دینے میں جو مشکلات حائل ہیں ان میں سب سے بڑی وجہ مالی مشکلات ہیں"

" جناب عالی! اس مشکل کا حل انہوں نے خود ہی تلاش بھی کر لیا ہے کمیٹی کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اگر صوبہ شمال مغربی سرحد میں اصلاحات نافذ کی گئیں تو اس صورت میں حقیقی اخراجات ایک لاکھ تیرہ ہزار روپے ہوں گے اور یہ اخراجات کسی بھی حالت میں ایک لاکھ پچیس ہزار روپے سے زیادہ نہیں ہوں گے۔

اس موقع پر سرہری سنگھ گور نے کہا کہ اس صوبے کی وجہ سے تو اب بھی سالانہ دو کروڑ روپے کا خسارہ ہوتا ہے۔ لیکن نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان صاحب نے اس کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ خسارہ اور یہ سارے اخراجات اضافی اخراجات کی فہرست میں آتے ہیں۔

مولوی سید مرتضیٰ صاحب بہادر نے اس تبصرے سے مزید تقویت حاصل کرتے ہوئے کہا صوبہ سرحد پر کروڑوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں۔ پبلک اکاونٹس کمیٹی کا رکن ہونے کی حیثیت سے میں نے کل ہی ایک سوال پوچھنا چاہا۔ البتہ میں نے ایسا نہ کیا

کیونکہ کچھ دن پہلے میرے ایسے ہی ایک سوال پر میرے وہ دوست جو سامنے بیٹھے ہیں۔
متذبذب ہو گئے تھے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کی مشکلات میں مزید اضافہ کیا جائے
(اس پر پھر ایک بار قہقہہ بلند ہوا) انہوں نے چیف کمشنر کا جواب آگے پڑھ کر سنایا۔

"حتیٰ کہ صوبہ سرحد کے قبائلی علاقوں کی وجہ سے ہونے والے اخراجات
اور سرحدوں کے دفاع کے اخراجات کو منہا کرنے کے باوجود اس
صوبے کی آمدنی اور خرچ متوازن نہیں ہو سکتے اور جو آئینی شکل درپیش
ہے اس کے حل کا بھی کوئی طریقہ ابھی تک نہیں تلاش کیا جا سکا۔ میں اس
موضوع کی طرف بعد میں رجوع کروں گا"

میں آپنے محترم جناب وزیر داخلہ سے درخواست کرنا چاہتا ہوں جن کی ایوان
سے عدم موجودگی مجھے آج شدت سے محسوس ہو رہی ہے میں اُن سے پوچھنا چاہتا
ہوں کہ وہ اس ایوان کو بتائیں کہ صوبہ سرحد کے عوام کی طرف سے بے شمار ٹیلیگرام بھی
وصول ہوتے ہیں جن میں سے ایک تار کو میں اس ایوان میں پڑھ کر سناؤں گا، اور آپ
دیکھیں گے کہ یہ تار کس قدر ملتجیانہ ہے اور اس میں کس قدر دکھ بھرا ہوا ہے کیا ہندوستان
کا کوئی فرزند اس قسم کے ٹیلیگرام سے واقف ہونے کے بعد اپنے ملک کے لئے فرائض
ادا کرنے سے غفلت برت سکتا ہے۔ اس ٹیلیگرام میں کہا گیا ہے۔

"مادر وطن ہندوستان کے بارے میں سوچئے۔ ہمیں اپنے جائز حقوق
سے محروم نہ کیجئے۔ پورا صوبہ سرحد چاہتا ہے کہ آپ اپنے اندر کے ناپسندیدہ
اثرات کو اپنے سے دور پھینکیں۔"

چونکہ ٹیلیگرام کا متن خوب زوردار تھا اس لئے بنگال کے رکن جناب ایس سی گھوش
نے اس پر تنقید کرنے کے انداز میں پوچھا۔ یہ ٹیلیگرام کہاں سے آیا ہے" جب مولوی
مرتضیٰ صاحب بہادر نے کہا کہ یہ تار چارسدہ سے آیا ہے تو اس پر انہوں نے پھر سوال

کیا کہ یہ کلکتے سے تو نہیں آیا۔ تو مولوی سید مرتضیٰ صاحب بہادر نے زوردار الفاظ میں کہا نہیں یہ چارسدہ سے آیا ہے۔ اگر آپ کو شک ہے تو آپ اسے خود اپنی نظر دل سے دیکھ کر اپنے آپ کو مطمئن کر سکتے ہیں۔ شاید میرے محترم دوست چاہتے تھے کہ وہ میری بات کو کمزور کرنے کیلئے ایوان کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ میں کسی دوسرے تار کے الفاظ پڑھ رہا ہوں جس کا موضوع زیر بحث سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے جناب ایس سی گھوز نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ میرا یہ مطلب نہیں تھا آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس پہ جناب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے کہا اگر معزز رکن اس موضوع پہ بہت کچھ پڑھنے کی خواہش رکھتے ہیں تو میں اُن کی خدمت میں تاروں کے وہ بنڈل پیش کر سکتا ہوں جو مجھے ملے ہیں۔

مولوی سید مرتضیٰ صاحب بہادر نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی! میں جانتا ہوں کہ بعض لوگ غیر ضروری خدشات کا اظہار کر رہے ہیں لیکن اگرچہ میں وکیل نہیں ہوں لیکن جناب عالی مجھے امید ہے کہ میں نے اپنی بات کو نہایت مناسب طور پر ایوان میں پیش کر دیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں ایوان کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ تو اس لئے میں توقع کرتا ہوں کہ اس ایوان کے تمام معزز اراکین مجھے اپنے ٹھوس تعاون سے نوازیں گے۔ میری یہ قرارداد جب منظور ہو جائے گی اور اس پر عمل درآمد کر لیا جائے گا۔ تو اس سے نہ صرف صوبہ سرحد کے عوام کی حالت بہتر ہو جائے گی بلکہ اس طرح پورے ہندوستان کے عوام کی قومی بہتری کی راہیں نکل آئیں گی۔ اگر صوبہ سرحد کو موجودہ اصلاحات ہی نہیں مل سکتیں تو پھر آپ کیسے توقع رکھ سکتے ہیں کہ آپکو مستقبل میں اصلاحات کی دوسری قسط بھی حاصل ہو جائے گی حکومت کے ذمہ دار افراد خود کہتے ہیں کہ صوبہ سرحد کے عوام ہندوستان کی سرحدوں کے محافظ ہیں اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ صوبہ سرحد کے عوام نے وقتاً فوقتاً اپنی وفاداری کے ثبوت

بھی فراہم کئے ہیں اور اس کے باوجود اس صوبے کے لئے کچھ بھی نہیں کیا جا رہا۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ آپ سب مکمل طور پر اور دلی طور پر میرے ساتھ تعاون کریں گے۔ ان چند الفاظ کے ساتھ میں ایوان کے سامنے اپنی قرارداد پیش کرتا ہوں تاکہ ایوان اس قرارداد کو منظور کر سکے۔

سردار بہادر کیپٹن ہیرا سنگھ برار نے قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے مختلف پہلو بدلے لیکن مسلمان قائدین نے انہیں جمنے نہ دیا۔ پہلے تو انہوں نے آزادی ہند کا علمبردار بنتے ہوئے اس امر پر زور دیا کہ ان اصلاحات سے صرف شہری اور تعلیم یافتہ طبقے کو فائدہ مل سکتا ہے چونکہ صوبے کی آبادی کی اکثریت دیہاتی علاقوں سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا اصلاحات سے فائدہ نہیں پہنچے گا۔ لیکن اس بے سروپا دلیل کا سر توڑ جواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے دیا کہ اگر یہ اصلاحات ہندوستان کے باقی علاقوں کو مل سکتی ہیں تو چاہے وہ مفید ہوں یا نہ ہوں صوبہ سرحد کو بھی حق حاصل ہے کہ اسے بھی یہی اصلاحات دی جائیں کیونکہ یہی آئینی ارتقاء کا راستہ ہے۔ اس پر سردار صاحب نے یہ موقف اختیار کیا۔ کہ اس وقت ملک میں فرقہ وارانہ فسادات اس قدر ہیں کہ کوئی بھی شخص اپنے آپ کو ہندوستانی سمجھنے کی بجائے اپنے آپ کو فرقوں سے منسلک کرنا ضروری سمجھتا ہے مگر ان کے اس غیر ضروری تبصرے پر انہیں جناب کے۔ احمد نے ٹوکا کہ وہ خود پہلے تعصبات سے الگ ہو کر ثابت کریں۔ الغرض مختلف غیر متعلقہ اور بے سروپا دلائل کے ذریعے وقت ضائع کرنے کی ناکام کوشش اور اندھیرے میں ہاتھ ٹوئیاں مارنے سے جب انہیں ہر طرف سے منہ کی کھانی پڑی۔ تو مجبور ہو کر انہوں نے آخری موقف اختیار کیا کہ بہتر ہے کہ اگر صوبہ سرحد وزیروں اور دوسرے حکام کی اعلیٰ تنخواہوں کا بوجھ برداشت کر سکتا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں سرحد کو اصلاحات دے دی جائیں لیکن جب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان اور جناب کے احمد نے انہیں بتایا کہ اس

صوبے کے وزیر زیادہ تنخواہیں نہیں لیں گے۔ اور اخراجات کا انتظام ہو جائے گا۔ تو سردار بہادر صاحب نے میدان چھوڑ کر بھاگتے ہوئے لا یعنی قسم کے الفاظ میں قرارداد کی مخالفت کی کہ موجودہ حالات میں اصلاحات کے دائرہ کار کو وسیع کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا۔ یعنی کہ خوئے بد را بہانہ بسیار۔ جس پر جناب کے احمد نے نہایت رقیق طنز کرتے ہوئے فرمایا "کس قدر شاندار چال ہے؟"

جناب سردار بہادر کیپٹن ہیرا سنگھ برار کے میدان چھوڑ جانے کے بعد بمبئی سے تعلق رکھنے والے جناب ڈاکٹر کے جی لوہوکار نے قرارداد میں ترمیم پیش کی بلکہ یوں کہا جائے تو بہتر ہوگا کہ انہوں نے ایک سراسر نئی قرارداد پیش کی جس میں کوشش کی گئی تھی کہ صوبہ سرحد کو ۲۵ سال کے بعد ایک مرتبہ پھر صوبہ پنجاب میں مدغم کر دیا جائے "تا کہ یہ صوبہ بھی اصلاحات سے فائدہ اٹھا سکے" اپنی ترمیمی قرارداد کے سلسلے میں ڈاکٹر موصوف نے ربع صدی پہلے کے حوالے دینا چاہے جنہیں مسلمان رہنماؤں نے نئے دور اور ترقی کے ساتھ بدلتے ہوئے حالات اور تقاضوں کے تحت سختی سے رد کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے پھر بھی کوشش کی کہ منتظم اضلاع اور قبائلی علاقوں یا پھر صوبے میں امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورت حال یا پھر مالی مشکلات کا سہارا لیں لیکن چونکہ ان کا مؤقف غلط تھا لہٰذا ان کے پاؤں کسی بھی زمین پر نہ جم سکے۔ اور آخر کار سر ڈینس برے نے اس قرارداد کے جسم کے تابوت میں آخری کیل پیوست کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر کے جی۔ لوہوکار اپنے طور پر سمجھتے ہوں گے کہ وہ دور کی کوڑی لاتے ہیں لیکن مجھے یوں لگتا ہے کہ وہ اپ وین ونکل کی طرح سالہا سال تک سونے کے بعد اب جاگے ہیں اور اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ حالات ویسے ہی ہوں گے۔ جیسا وہ سمجھتے ہیں حالانکہ حالات کافی بدل چکے ہیں جناب برے نے زور دیکر کہا کہ صوبہ سرحد اور صوبہ پنجاب کے ادغام کا تجربہ ناکام ہو چکا ہے اور اب دبے ہوئے مردے اکھاڑنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا

الہ آباد کی نمائندگی کرنے والے پنڈت مدن موہن مالویہ نے اپنی پارٹی پر تقریر کرتے ہوئے روایتی تعصب سے کام لیتے ہوئے ایک بار پھر قرارداد کی مخالفت کی۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنا موقف اس بے سروپا نام نہاد حقیقت پر رکھا کہ صوبہ سرحد سے کچھ دوست وہاں اُن سے ملنے آئے ہیں اور وہ اب بھی گیلری میں موجود ہیں جنہوں نے صوبے میں امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورتحال کا ذکر کیا ہے (بلا ثبوت کسی محض زبانی گفتگو کو قرارداد کی مخالفت کا سبب بنانا محض ہندو قوم پرستی کی ایک چال تھی) پنڈت صاحب نے اپنی تقریر میں جن نکات پر زور دیا وہ یہ تھے کہ صوبہ سرحد جب سے صوبہ پنجاب سے الگ ہوا ہے وہاں جرائم کی تعداد اور اسلحہ سازی کی صنعت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ اور یہ کہ مختلف اوقات کے دوران فرقہ وارانہ فسادات نے سر ابھارا جن میں بیرونی حملہ آوروں اور شرپسندوں کے ساتھ مسلمانوں نے مل کر بار بار ہندوؤں پر حملے کئے اور متعدد لوٹ مار کے واقعات عمل میں آئے ہیں۔ اس قسم کے تمام بے سروپا دلائل کو مسلمان رہنماؤں مثلاً سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے ٹھوس دلیلوں سے فوراً ہی رد کر دیا سر صاحبزادہ نے پہلے تو بغیر ٹھوس ثبوت کے ایسے واقعات کا ایوان میں پیش کرنے پر اعتراض کیا اور دوسرا اعتراض ان کا یہ تھا کہ اگر بعض مقامات پر تشدد کے واقعات ہوئے بھی ہیں تو ان کی ابتداء ہندوؤں کی طرف سے پھیلائے جانے والے پمفلٹ ہیں۔ یا مسلمان بچوں پر گولی چلانے کے واقعات سے ان تشدد کے واقعات کی ابتدا ہوئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ ذمہ داری ہندوؤں پر ہی عائد ہوتی رہی اور اس کے علاوہ اکثر ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی تو فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں جن کے ذمہ دار واضح طور پر ہندو رہے ہیں لیکن کیا اس قسم کے واقعات سے اُن صوبوں کو اصلاحات سے محروم کر دیا گیا ہے۔

جب پنڈت صاحب کو اس سلسلے میں اپنا موقف گرتا ہوا نظر آیا، تو انہوں نے

صوبہ سرحد اور ہندوستان کے دفاع کے باہمی تعلق کو واضح کرنے اور اس کی اہمیت کا احساس دلانے کا بوسیدہ موقف اختیار کیا۔ لیکن جب پنڈت صاحب کو اپنی دال گلتی نظر نہ آئی تو انہوں نے ایک عجیب و غریب کروٹ لیتے ہوئے کہا کہ انہیں بذات خود صوبہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ سے کسی قسم کا اختلاف نہیں لیکن اس سلسلے میں بہتر ہوگا کہ چونکہ یہ مسئلہ انتہائی اہم نوعیت کا حامل ہے اور انتہائی نازک اور پیچیدہ ہے اس لئے اس کے نفاذ سے پہلے صوبے سے تعلق رکھنے والے مسلمان اور ہندو رہنما باہم سر جوڑ کر بیٹھیں اور اس مسئلے کا کوئی قابل عمل حل تلاش کریں تب ہی اصلاحات کے بارے میں ہم اس قرارداد کی حمایت کر سکتے ہیں مگر فوری طور پر میں اسکی مخالفت کرتا ہوں۔

یہ صاحبزادہ صاحب ہی تھے جن کے ایما پر آغا لال بادشاہ نے ملازمت سے برطرف ہونے کے بعد تحریک خلافت کو صوبہ سرحد میں پروان چڑھایا۔ کوہاٹ کے مولانا احمد گل، بنوں کے محمد جان خان عباسی، بکی کے حبیب اللہ خان، ہزارے کے مولانا محمد اسحاق مانسہروی نے صاحبزادہ صاحب ہی کے ایما پر مسلمانوں کے مفاد کی خاطر سیاست میں قدم رکھا۔ اگر صاحبزادہ صاحب کی خفیہ طور پر ان لیڈروں کیساتھ اعانت نہ ہوتی تو وہ یقیناً صاحبزادہ صاحب کے خلاف کوئی نہ کوئی لفظ زبان سے نکالتے مگر اس سلسلے میں اس وقت کے اخبارات اور دوسرے ذرائع صاف شہادت دیتے ہیں کہ ہر ایک کے دل میں قائد سرحد کی انتہائی قدر تھی اور سرحد کے حقیقی رہنما صرف صاحبزادہ عبدالقیوم ہی تھے۔ خاکسار تحریک کے مشہور رہنما اور دنیائے اسلام کے عظیم مفکر، مبلغ اور عظیم مجاہد حضرت علامہ مشرقی نے صاحبزادہ صاحب کی وفات پر جو اخباروں کو تعزیتی پیغام بھیجا اس سے میرے اس دعوے کی تصدیق ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کی ہر سیاسی تحریک کے ساتھ صاحبزادہ صاحب کا خاص لگاؤ رہا ہے ورنہ علامہ مشرقی کبھی بھی ان خیالات کا اظہار نہ کرتے کہ سر صاحبزادہ جیسی شخصیت قدرت جلد جلد دنیا میں پیدا نہیں کرتی۔

سرحدی اصلاحات کیلئے قائداعظم کی جدوجہد

آل انڈیا کانگرس ہندوستان کے ان صوبوں کے لئے اصلاحات اور مراعات کے لئے سرتوڑ کوشش کر رہی تھی جن صوبوں میں ہندوؤں اور سکھوں کی آبادی مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ تھی مگر جن صوبوں میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی ان صوبوں میں اصلاحات اور آئینی

مراعات کی سخت ترین مخالفت کر رہی تھی۔ کانگرس یہ مخالفت اس لئے کر رہی تھی کہ ہندوؤں اور سکھوں کو ڈر تھا کہ اگر مسلم اکثریت والے صوبوں میں آئینی اصلاحات کا نفاذ ہو جاتے یا ان صوبوں کو آئینی مراعات مل گئیں تو پھر ان صوبوں سے ہندوؤں کی اجارہ داری کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے عوام آئینی مراعات سے فائدہ اٹھا رہے تھے مگر صوبہ سرحد آئینی مراعات سے محروم تھا۔ ۱۹۳۰ء تک قائداعظم ہندو مسلم اتحاد کے لئے سرگرم عمل رہے تاکہ ہندو قوم مسلمانوں کے مفاد کی مخالفت نہ کرنے پائے قائداعظم باوجود اس کے کہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں سوراجیہ پارٹی میں شامل تھے مگر قدم قدم پہ مسلمان قوم کے مفاد کے لئے کوشش کرتے رہے اس سلسلے میں صوبہ سرحد کو اصلاحات دلانے کے لئے قائداعظم نے مرکزی اسمبلی کے ممبر ہونے کی حیثیت سے اسمبلی کے اندر اور مسلم مفاد کا علمبردار ہونے کی حیثیت سے اسمبلی سے باہر جو جدوجہد کی ہے وہ یقیناً ایک تاریخی حقیقت رکھتی۔

۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو دہلی میں ہندوستان بھر کے مسلم لیڈروں کا قائداعظم کی زیر صدارت اجتماع ہوا جس میں قائداعظم نے مسلم تجاویز کے نام سے برطانوی حکومت کو یادداشت پیش کی کہ :۔

> "شمال مغربی سرحدی صوبے اور بلوچستان میں ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی طرح اصلاحات کا نفاذ کیا جاتے تاکہ یہ صوبے بھی ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی طرح آئینی مراعات سے فائدہ اٹھا سکیں۔"

مارچ ۱۹۲۷ء کو قائداعظم نے اپنے مشہور چودہ نکات کا اعلان کرتے ہوئے حکومت برطانیہ اور حکومت ہند سے پر زور مطالبہ کیا کہ ایسی سرحدی پالیسی جس سے مسلمانوں کی اکثریت والے صوبے پنجاب سرحد اور بنگال متاثر ہوتے ہوں عمل میں نہ لائی جائے اور سرحد اور بلوچستان میں ہندوستان کے باقی صوبوں کی طرح اصلاحات نافذ کی جائیں۔

یکم جنوری ۱۹۲۹ء کو دہلی میں کل ہند مسلم کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے متفقہ طور پر انگریزوں سے مطالبہ کیا گیا کہ :-

"شمال مغربی سرحدی صوبے اور بلوچستان میں ہندوستان کے باقی صوبوں کی طرح دستوری اصلاحات مروج کرنا نہ صرف ان صوبوں کے عوام کے مفاد کے لئے ضروری ہیں بلکہ کل ہندوستان کی دستوری ترقی کے لئے بھی عین ضروری ہے"

لندن کی گول میز کانفرنس کے انعقاد سے پہلے لکھنؤ میں سر علی امام کی صدارت میں قائد اعظم کی ہدایت پر ہندوستان کے قوم پرست مسلمانوں کا سر علی امام کی صدارت میں ایک بھاری اجتماع ہوا جس میں برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ :-

"سرحد اور بلوچستان میں ہندوستان کے باقی صوبوں کی طرح اصلاحات نافذ کی جائیں"

ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کی سوراجیہ پارلیمانی پارٹی سرحد میں اصلاحات کی مخالف تھی مگر ۲۴ ... ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں سرحد کو اصلاحات دلانے کیلئے تحریک پر بحث ہو رہی تھی تو قائد اعظم نے فرمایا۔

"انگریز سرحد کے باشندوں کے ساتھ جو سلوک کر رہے ہیں تاریخی لحاظ سے زمانہ جاہلیت میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی"

مارچ ۱۹۲۶ء میں مدراس کے ایک ممبر مولوی مرتضیٰ بہادر نے مسلم لیگ کی طرف سے سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کے لئے جب تحریک پیش کی تو قائد اعظم نے باوجود سوراجیہ پارٹی کے ممبر ہونے کے مسلمان قوم کے مفاد کو عزیز سمجھتے ہوئے اور سرحدی باشندوں کو آئینی حقوق دلانے کے لئے جو تقریر کی اس سے یہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قائد اعظم نے سرحد کے پٹھانوں کے لئے جو آئینی جدوجہد کی ہے وہ یقیناً ایک لاثانی کارنامہ ہے قائد اعظم نے سرحد کے لئے جو آئینی جدوجہد کی ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

آپ نے ۲۵ نومبر ۱۹۴۵ء کو شاہی باغ پشاور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔"
"میرے پٹھان بھائیو! جب میں آپکے صوبے کے لئے اصلاحات کی خاطر لڑ رہا تھا۔ اور آپکے صوبے کو آئینی مراعات دلانے کے لئے کوشاں تھا تو کانگرس اور ہندوؤں نے قدم قدم پر مخالفت کی دوسری گول میز کانفرنس میں کانگرس اور ہندوؤں نے کوشش کی کہ آپکا یہ صوبہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی طرح نہ بنے لیکن ناکامی ان کی قسمت میں لکھی تھی اب آپ بتائیے کہ آپکے صوبے کو آج جو صوبائی درجہ حاصل ہے یہ کس کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔"

قائد اعظم ہندوستان کی فیڈرل اسمبلی میں سوراجیہ پارلیمانی پارٹی کے اہم رکن تھے۔ اس پارلیمانی پارٹی میں ہندوستان کے وہ منتخب ممبر شامل تھے جو ہندوستان کی مکمل آزادی اور خود مختاری کے علاوہ ہندوستانی باشندوں کے آئینی حقوق کے لئے فیڈرل اسمبلی میں جدوجہد کر رہے تھے۔ اس پارٹی پر کانگرس چھائی ہوئی تھی۔ کانگرسی ممبروں میں ان ممبروں کی تعداد زیادہ تھی جو صوبہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کے اس لئے مخالف تھے کہ مسلم اکثریت والے اس صوبے میں مسلمانوں کو اگر آئینی حقوق دے دیئے گئے تو صوبہ سرحد سے ہندوؤں کی اجارہ داری کا خاتمہ ہو جائیگا یہی وجہ تھی کہ ہندوستان کی فیڈرل اسمبلی میں ہندوستان میں ہندو راج کے خواب دیکھنے والوں نے سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کی شدت سے مخالفت کی۔

ہندوستان کی مرکزی آئین ساز اسمبلی میں مسلم لیگ کی طرف سے پیش کی جانے والی قرارداد کی مخالفت میں پنڈت موتی لال نہرو، پنڈت مدن موہن مالویہ، راما سوامی آئنگر، ہری سنگھ گوڑ اور انگریز ممبروں نے جب سرحد کو اصلاحات سے محروم رکھنے کے لئے کوہاٹ کے ہندو مسلم فساد کا بہانہ بنایا اور سرحد کے پٹھانوں کو اصلاحات کے لئے نااہل قرار دینے کیلئے مختلف بہانے تراشے تو قائد اعظم نے اس قرارداد کے حق میں ایوان میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"جناب عالی! اسمبلی کے سامنے آئینی قرارداد ہے۔ اس بحث کو شروع کرنا آسان نہیں۔

کیونکہ اس میں غیر دانشمندانہ طور پر کوئی اِدھر اُدھر کی بات ایک دوسرے فریق کو مخالف بنا دے گی۔

میں اس سوال پر فرقہ وارانہ طور پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے ۱۹۰۶ء سے پنڈت مدن موہن مالویہ کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے اسی دوست نے مجھے مجبور کیا تھا کہ میں انڈین نیشنل کانگریس کے پلیٹ فارم سے اپنی پہلی تقریر کروں۔ اس وقت سے لیکر میں اُن کے ساتھ کام کرتا رہا ہوں۔ اور اُن کے لئے بہت عزت و احترام کے جذبات رکھتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہندوستانی قومیت کے وہی جذبات رکھتے ہیں جیسا کہ کوئی دوسرا ہندوستانی یہ جذبات رکھتا ہے۔ اس موقع پر ایوان میں تالیوں کی گونج پیدا ہوئی۔ لیکن بعض اوقات ہم حوصلہ ہار دیتے ہیں۔ کبھی کبھی ہم متعصب بھی ہو جاتے ہیں۔ ایک مخلصانہ قسم کا تعصب ہے۔ میں اُن الفاظ میں بات نہیں کر سکتا جیسا کہ میرے دوست نے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ نہ صرف کوہاٹ میں خوفناک قسم کے فسادات ہوئے ہیں بلکہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی ایسے ہی فسادات ہوتے ہیں۔ یہ ایک مشترکہ معاملہ ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے لیکن میں اپنے معزز دوست سے عرض کرتا ہوں کہ ہم اس معاملے میں کم ہمتی کا ثبوت دے رہے ہیں

کیا ہم اس اصول سے انحراف کر رہے ہیں کہ ہم پورے ہندوستان کے لئے آزادی حاصل کر رہے ہیں اگر ہمارا یہ اصول ہے تو ہم صوبہ سرحد کیلئے اسی جذبے کے تحت کام کیوں نہیں کرتے جس طرح ہم کسی دوسرے صوبے کیلئے کام کر رہے ہیں۔ ہندوستان وہ واحد ملک نہیں ہے جس میں اس قسم کے حالات پیش آتے ہیں میں لارڈ ڈرھم کی رپورٹ کے کچھ فقرے بیان کرتا ہوں جو کنیڈا کے بارے میں انہوں نے بیان کئے ہیں۔ باوجود اس کے لارڈ ڈرھم نے اپنی رپورٹ میں یہ سفارش کی ہے کہ دنیا کے اس حصے میں ذمہ دار حکومت قائم کی جائے۔ لارڈ ڈرہم نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے :-

"پہلا مسئلہ جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلاؤں گا جو دوسروں کے ساتھ کسی حد تک منسلک ہے۔ وہ یہ ہے کہ کنیڈا اور برطانیہ کے درمیان شدید قسم کی دشمنی موجود ہے۔ یہ ایسی دشمنی نہیں جو دو مختلف الخیال پارٹیوں کے درمیان ہوتی ہے بلکہ یہ ایسی دشمنی ہے کہ جو قومی مفاد کی دوڑ میں مصروف ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے میرے خیال میں اس کی حقیقت یہ ہے کہ حالات کو مشاہدے کے تحت صحیح رُخ پر ڈھالا نہیں جاتا۔ بلکہ مخالف سمت دے دی جاتی۔ اگر دو طبقوں کے درمیان پارٹی اصولوں کی بنیاد پر مخالفت ہو تو ہم اس کا حل دونوں اصولوں کو یکجا کرنے سے تلاش کر سکتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی حکمرانی کو ثابت کرنے کے لئے تمام برطانوی ایک طرف ہیں، اور کنیڈین دوسری طرف ہیں۔ بحث کیلئے موجودہ موضوع غیر ضروری دکھائی دیتا ہے لیکن جب ایک عنوان پر اختلاف ہو تو کنیڈا اور برطانیہ ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار نظر آتے ہیں۔ دوسری صورت میں دو طبقوں کے درمیان باہمی نفرت جو باہمی اور معاشی زندگی پر چھائی ہوئی ہو۔ وہ زیادہ حد تک ایک ہی قسم کے لوگوں سے پیدا ہوتی ہے مختلف نسلوں سے پیدا ہونے والے باشعور لوگ کبھی بھی اپنے مخصوص معاشرے میں نہیں ملتے۔ حتیٰ کہ جب بچے آپس میں ملتے ہیں تو وہ بھی اپنے والدین کی طرح اپنے آپ کو فرانسیسی اور برطانوی طبقوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔"

یہ تو تھی لارڈ ڈرہم کی کنیڈا کے متعلق رپورٹ،

میرے خیال میں کینیڈا سے بھی زیادہ بدترین اور زیادہ قابل نفرت حالات آج کل ہندوستان میں موجود ہیں۔ ان حالات میں یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ کیا ہندو اور مسلمان معاشی طور پر آپس میں نہیں ملتے؟ کیا ان کے بچے سکولوں میں اپنے آپ کو ہندو اور مسلمان گروہوں میں تقسیم کر دیتے ہیں؟ پھر ہمیں حوصلہ ہارنے یا مایوس ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ایک مسئلہ ہے جسے ہم نے حل کرنا ہے بشرطیکہ ہم مل جل کر کام کریں کم از کم اس ایوان کے

معزز اراکین جو ہندوستان کے مختلف حصوں کے نمائندے ہیں ان سے ضرور یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ ہندوستان کے باقی علاقوں کو بھی ترقی کے مختلف راستوں پر چلائیں۔

جناب عالی! ہمارے سامنے اس وقت یہ سوال ہے کہ ہندوستان میں ایک صوبہ ہے جو شمال مغربی سرحدی صوبہ کہلاتا ہے جس کے باشندوں کے متعلق برطانوی حکومت کی مقرر کردہ اکثریتی اور اقلیتی کمیٹی کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ان میں تمام خوبیاں موجود ہیں میرے معزز دوست سر راما سوامی آئنگر نے اپنی تقریر میں بیان کیا ہے کہ اصلاحات سے فائدہ اٹھانے کے لئے کسی صوبے کے عوام میں اوصاف بھی ہونے چاہئیں۔ ان کے اس بات کے کہنے سے مجھے یہ اندازہ ہوا ہے کہ وہ بہت جذبے میں تھے اور ایسے جذبے میں میں نے انہیں پہلے اس ایوان میں تقریر کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا انہوں نے کہا کہ کسی صوبے کو حکومت خود اختیاری دینے کے لئے یہ لازمی ہے کہ اس صوبے کے باشندے کچھ خوبیوں کے مالک ہوں میں پوچھتا ہوں کہ ان کے نزدیک وہ خوبیاں کونسی ہیں وہ کہتے ہیں کہ سر ڈینز برے نے جو اپنی رپورٹ میں یہ کہا ہے کہ سرحد کے لوگ بہادر اور جراٴت مند قوم سے تعلق رکھتے ہیں یہ کافی نہیں ہے میں پوچھتا ہوں کہ جناب عالی! کیا حکومت کی مقرر کردہ مجارٹی رپورٹ میں یہ واضح کر دیا گیا ہے۔ کہ وہ کیا ہیں اور میں وہ پیراگراف پڑھ کر سنانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔

"صوبہ سرحد کے باشندے یقیناً ہندوستان کے باقی حصوں سے کسی لحاظ سے ذہنی طور سے اپنے معاملات کا انتظامات کرنے کی اہلیت کی بنا پر پسماندہ نہیں ہیں ان میں اصلاحات حاصل کرنے کا جذبہ پورے جوش و خروش کے ساتھ بیدار ہو چکا ہے اور یہ جذبہ ایسی ضروری اصلاحات کے بغیر جو ہندوستان کے دوسرے حصوں کو دی گئی ہیں ٹھنڈا نہیں ہوگا" اس موقع پر سر راما سوامی آئنگر نے دخل دیتے ہوئے کہا "اس بات کو لوگوں کی شہادتوں کے ساتھ ثابت نہیں کیا گیا"

قائداعظم نے کہا "معزز رکن کہتا ہے کہ کمیٹی نے اس بات کو شہادتوں کے ساتھ ثابت نہیں کیا۔ میں یہ نہیں جانتا کہ میرے دوست کو یہ ثبوت کیسے ملا ہے میں نے کوشش کی تھی کہ اس رپورٹ کی ایک نقل حاصل کرسکوں مگر وہ مجھے نہیں مل سکی یہ رپورٹ نہ تو شائع کی گئی اور نہ ہی دستیاب ہے میں نہیں جانتا کہ کس نے میرے دوست کو یہ شہادت بہم پہنچائی ہے۔ اس موقع پر سر راما سوامی آئنگر نے فوراً کھڑے ہو کر کہا "یہ شہادت اس برے کمیٹی کی رپورٹ میں موجود ہے۔" اس کے جواب میں قائداعظم نے کہا" "کہ وہ شہادت یقیناً اس خیال کی حمایت نہیں کرتی کہ یہ لوگ ذہنی لحاظ سے کمزور ہیں یا ان میں اہلیت نہیں یا ان میں مردانگی کی کمی ہے۔ اقلیتی کمیٹی کے ایک رکن جناب رنگاچاریہ نے ان کی خوبیوں کی دل اور دماغ سے تعریف کی ہے۔ اگر یہ شہادت آپ کو چاہیئے تو وہ موجود ہے اگر میرے معزز دوست یہ چاہتے ہیں کہ وہ نسلی بنیاد پر اپنا موقف حاصل کریں۔ تو میں ان کے جذبات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں اگر آپ کہنا چاہتے ہیں کہ سرحد میں ہندوؤں کی اقلیت ہے اور آپ کو یہ خوف ہو کہ یہ اقلیت مکمل طور پر مسلمان اکثریت کے رحم و کرم پر ہوگی اور اس لئے شمال مغربی سرحدی صوبے کو پنجاب کے ساتھ مدغم کر دیا جائے تو میں آپ کی اس دلیل کو بخوبی جانتا ہوں کہ میں جانتا ہوں کہ آپ سوچتے ہوں گے کہ صوبہ سرحد کے ہندو جو اب صرف پانچ فیصد ہیں۔ وہ پنجاب میں اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ مل کر آبادی کا تناسب بہتر کر دیں گے۔ اگر انہیں پنجاب کے ساتھ مدغم کر دیا گیا تو وہ اکثریت کے ظلم و تشدد کا مقابلہ کر سکیں گے۔ جو مدغم ہونے کے بعد بھی مسلمانوں کی ہی رہے گی۔ میں آپکے اس خیال کو جانتا ہوں لیکن میں اپنے معزز دوست سر راما سوامی آئنگر اور پنڈت مالویہ سے یہ کہتا ہوں کہ میں نے اس سوال کو اپنے ذہن میں خوب گھمایا ہے اور اس کا جواب بالکل واضح ہے ان اعتراضات کے باوجود جن کی سرحد کی اکثریتی رپورٹ میں نشاندہی کی گئی ہے

شمال مغربی سرحدی صوبہ کے لوگ زبان، نسلی، جغرافیائی اور ہر دوسرے طریقے سے
پنجاب کے لوگوں سے مختلف ہیں اور آپ ان لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف اور خود
پنجاب کی مرضی کے خلاف کیوں مجبور کرنا چاہتے ہیں کہ انہیں پنجاب میں مدغم کیا جائے جناب
عالی! یہ ایک چھوٹا سا صوبہ نہیں ہے اس کی آبادی بیس لاکھ کے قریب ہے مجھے یقین
ہے کہ پورے آسٹریلیا کی آبادی چالیس لاکھ ہے جس طرح کہ میرے دوست ڈاکٹر حیدر
نے اشارہ کیا ہے کہ یورپ میں بعض آزاد ریاستیں ایسی بھی ہیں جن کی آبادی بیس لاکھ سے
زیادہ نہیں ہے تو پھر آپ سرحد کے لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف کیسے مجبور کر سکتے
ہیں۔ جناب عالی! میں یہ کہتا ہوں کہ سرحد کا پنجاب کے ساتھ الحاق ہو یا نہ ہو مگر اس
صوبے کو اصلاحات ضرور دی جائیں۔ اگر آپ اس صوبے کو اصلاحات نہ دیں گے
تو آپ کو کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ مجھے یہ بتایا جائے کہ ہندوؤں کو اس صوبے کو اصلاحات
ملنے کی وجہ سے کونسا نقصان ہوگا۔ کیا آپکا یہ خیال ہے کہ نظم و نسق فوراً ہی وزیر کے حوالے
کر دیا جائے گا" اس موقع پر دیوان بہادر رنگا چاریہ نے کہا "کیوں نہیں؟"

قائد اعظم نے پوچھا کہ "آپ سوچتے ہیں کہ ایسا ہوگا" رنگا چاریہ نے الٹا سوال کرتے
ہوئے کہا "کیا آپ سوچتے ہیں کہ ایسا وقت آسکتا ہے" قائد اعظم نے جواب دیا "ہاں
ہاں اس وقت میرا خیال ہے کہ میرا معزز دوست بھی اپنے خیالات کو تبدیل کر لے گا
آخر ایسا کیوں نہ ہو؟" میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ لوگ کس فوری خطرے
سے خوفزدہ ہیں جس کی بنا پر آپ صوبہ سرحد کو اصلاحات ملنے سے گھبرا رہے ہیں۔" رنگا
چاریہ نے کہا "آپ اس صوبے کو فوری طور پر کسی وزیر کے حوالے کرنا چاہتے ہیں؟" قائد اعظم
نے جواب دیا۔ "ہاں آپ نے مدراس کے لئے اسی طرح اصلاحات کا مطالبہ نہیں کیا تھا؟" رنگا
چاریہ نے تسلیم کرتے ہوئے کہا "یقیناً" قائد اعظم نے کہا تو پھر سرحد کے لوگ کیوں نہ
اصلاحات حاصل کریں؟ کیا ہندوستان کیلئے الگ اصول ہے اور شمال مغربی سرحدی

صوبے کے لوگوں کیلئے الگ اصول ہے کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ سرحد کے لوگ اصلاحات کے قابل ہی نہیں کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ سرحد کے لوگ اصلاحات کیلئے غیر موزوں ہیں؟ آپ کا یہ خیال ہے کہ باقی ہندوستان صوبہ سرحد کو اپنی ایڑیوں کے نیچے رکھ کر جبر کا نشانہ بنائیگا اس موقع پر اسمبلی کے ایک مسلمان رکن نے بلند آواز سے کہا " ایسا نہیں کر سکتے " قائد اعظم نے کہا اس معاملے میں دلیلیں دینے کی کیا ضرورت ہے کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ سرحد کے لوگ کبھی بھی حکومت خود اختیاری حاصل نہیں کریں گے آپ بھی اپنے صوبوں کے لئے یہی چاہتے ہیں اور سرحد کے لوگ بھی یہی چاہتے ہیں ۔ اگر وہ ان اصلاحات کیلئے موزوں ہیں تو پھر کیوں انہیں اصلاحات سے محروم رکھا جائے ۔ مجارٹی رپورٹ میں یہ تسلیم کیا جا چکا ہے کہ پنجاب کے ساتھ سرحد کا الحاق ایک منصفانہ قدم نہیں ہوگا کیونکہ اس طرح بہت سی مشکلات حائل ہو جائیں گی ۔ اس رپورٹ میں لاتعداد مشکلات بتائی جا چکی ہیں ۔ میں اس ایوان کو تھکانا نہیں چاہتا ۔ کیونکہ اس پر مکمل طور پر بحث ہو چکی ہے میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ بیس لاکھ عوام کے اس مطالبے کا کیا جواب دیتے ہیں ۔ جو اصلاحات مانگ رہے ہیں ۔ ؟ رنگا چاریر نے اس موقع پر کہا " سرحد کے لوگوں نے کب یہ کہا ہے ؟ قائد اعظم نے فرمایا " میرے پاس ثبوت موجود ہیں مجھے سرحد کے مختلف قصبوں سے شہروں سے ، گاؤں سے تار اور خطوط ملے ہیں ' رنگا چاریر نے پوچھا کہ " سرحد کے لوگوں نے برے کمیٹی کے سامنے کیا کہا تھا ؟ " قائد اعظم نے جواب دیا مجھے یہی بات کہی تھی کہ ہم پنجاب میں شامل نہیں ہونا چاہتے ہم اصلاحات چاہتے ہیں ۔ ان جلسوں کی کارروائی شائع ہو چکی ہے جو کئی ہفتوں تک سرحد میں ہوتے رہے اور میں معزز رکن سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ مجھے سرحد کے کسی ایک مسلمان کے جلسے کا حوالہ دیں جس میں میری رائے کو جھٹلایا جا سکے میں جانتا ہوں کہ ہندو نہیں چاہتے کہ سرحد کو اصلاحات ملیں مجھے بتایا جائے کہ سرحد میں کوئی ایک مسلمان بھی ایسا ہے جو اصلاحات کے مخالف

ہو حتیٰ کہ ہوتی کے نواب اکبر خان کے خیالات بھی صوبہ سرحد میں واپس جانے کے بعد تبدیل ہو چکے ہیں اس لئے اگر میں اپنے دوست کو قائل نہیں کر سکا تو مجھے کم از کم یہ یقین ضرور ہے کہ حکومت ان حقائق کے متعلق کافی علم رکھتی ہے اور حکومت میرے معزز دوست کی معلومات سے زیادہ سرحد کے لوگوں کے جذبات کے متعلق واقف ہے۔ سرحد کے لوگ در حقیقت کیا چاہتے ہیں ؟ وہ آج کل ایک ایسی انتظامیہ کے زیر اثر رہ رہے ہیں جسے اخبار ٹائمز آف انڈیا نے یوں بیان فرمایا ہے۔

"سرحدی مجاہدین کی روزانہ آزادی کی جنگ لڑنے کے دوران یہ ہندو تنظیمیں اب یہ محسوس کرنے لگی ہیں کہ وہ اس بات کو آگے بڑھائیں۔ حکومت کے پرانے زمانے کے طریقے نوکر شاہی کا تشدد اور ظلم کی پالیسی ایسی ہے جس کے لئے صوبہ سرحد کی حکومت کو کافی تنقید کا نشانہ بنایا جا چکا ہے "کیا آپ چاہتے ہیں کہ یہ ظلم و تشدد سرحد پر جاری رہے"

جناب عالی! سرحد کو اصلاحات نہ دینے کی دوسری دلیل سرحد کے اخراجات کی دیجاتی ہے کوئی آدمی بھی اکثریتی کمیٹی کے بتائے ہوئے اخراجات کو چیلنج نہیں کر سکتا اور یہاں سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس رپورٹ میں ایک لاکھ تیرہ ہزار ۱۶۲ روپے اضافی خرچ کی سفارش کی گئی ہے جس میں سے ایڈیشنل جوڈیشل کمشنر کی آسامی کی منظوری پہلے ہی دی جا چکی ہے۔ اور آپ کو علم ہے کہ اس میں تین مدیں شامل ہیں وزیر کی تنخواہ اور ارکان اسمبلی کا الاؤنس جو بیالیس ہزار پانچ سو روپے ہو گا۔ ایڈیشنل جوڈیشل کمشنر اور اس کے عملے کے لئے تینتالیس ہزار سات سو بیاسی روپے رکھے گئے ہیں جو پہلے ہی منظور کئے جا چکے ہیں اس لئے اب صرف دو مدیں باقی رہ جاتی ہیں جن میں بیالیس ہزار اور چھبیس ہزار یعنی کل اڑسٹھ ہزار روپے کا خرچ ہو گا۔ جناب عالی! کیا ہم بیس لاکھ روپے کے خسارے کی ادائیگی سے بچاؤ کرنے کے لئے تیار ہیں جو اکثریتی رپورٹ نے بیان کیا ہے جسے اکثریتی رپورٹ بھی صرف اندرونی انتظامیہ کو ذمہ دار قرار نہیں دیتی یہ مشکل ہے کہ وہ یہ جان لیں کہ تاج برطانیہ یا

مرکزی دفاع کے اخراجات کو اندرونی انتظامیہ کے اخراجات سے کیسے الگ کیا جائے اور وہ آگے چل کر یہ کہہ رہے ہیں کہ اسے بہت جلد ہی ختم کر دیا جائے گا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

"اگر اخراجات کو منصفانہ طور پر تقسیم کیا جائے اور برطرفیوں کا سلسلہ مکمل کر لیا جائے تو معمولی اندازے کے مطابق موجودہ خسارہ جو اندرونی انتظامیہ کی وجہ سے ہے یہ ۵۶ لاکھ روپے سالانہ سے گر کر بیس لاکھ روپے تک آ جائے گا اور مزید بھی کامیابی کے امکان نہیں ہے۔" جناب عالی! اس مذکورہ رپورٹ کے بعد کسی دلیل میں بھی کوئی وزن نہیں ہے جو اس صوبے کی خود کفالت کے برعکس پیش کی گئی ہو اور اب میں اپنے اس معزز دوست کی طرف آتا ہوں جو حکومت کی نمائندگی کرتا ہے انہوں نے حکومت کی طرف سے ان خیالات کا اظہار کیا کہ پنجاب سے سرحد کے الحاق کا مسئلہ ختم ہو چکا ہے اور یہ نعرہ مر چکا ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ نہ سوراجیہ پارٹی کے رہنما بھی اس کی مردہ ہڈیوں میں جان ڈال سکتے ہیں لیکن سرحد کو پنجاب سے ملحق کرنے کی مخالفت کے بعد انہوں نے اس موضوع پر کوئی وضاحت نہیں کی وہ خود اس رپورٹ کے حامی نظر آتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر انہیں آج کہا جائے کہ وہ اپنے دستخط کریں تو وہ یہ کریں گے" اختلافات کو کم کر دیا جائے" لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ یہ اختلافات کس طرح کم کئے جا سکتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ شاید اختلافات کے سائے زیادہ تاریک ہوتے جائیں۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ کیسے تاریک ہوں گے۔ انہوں نے آخر میں یہ کہا کہ "خاکہ ویسا ہی برقرار رہے گا" تو جناب عالی! میں ان سے یہی سننے کا منتظر تھا کہ اختلافات اور سایوں کے ساتھ اور کیا کہا جائے گا۔ جناب عالی! ایسا دکھائی دیتا ہے کہ معزز رکن کو خارجہ یا سیاسی محکمے میں تربیت دی گئی۔ اور یہ بیکار نہیں ہے اس محکمے میں ایک آدمی کو دنیا کے دوسرے شعبوں کے مقابلے میں چالیں چلنے کی اچھی تربیت

دیجاتی ہے۔اس نے ایک تقریر کی اور لمبی تقریر کی۔ اور ہم نے اسے بڑے غور سے سنا۔ ہر لمحے ہمیں یہ انتظار تھا کہ وہ کوئی خاص اعلان کریں گے۔ لیکن آخر کار انہوں نے اپنی تقریر کو یہ کہتے ہوئے ختم کیا۔

"یہاں ایک اور مشکل حائل ہے جو میں بتانا چاہتا ہوں یہ مشکل ہمارے لئے آج بھی ہر شام موجود ہے اور وہ مشکل ہے فرقہ پرستی کا سوال جیسا کہ کچھ دن پہلے میں نے اپنے دوست مسٹر جناح کے سوال کا جواب دیتے ہوئے تجویز کیا تھا مجھے یقین ہے کہ حکومت اس بحث کا بڑی دلچسپی اور بڑے غور سے انتظار کر رہی ہے اور حکومت اس بحث کا پریس، صوبہ سرحد اور پورے ہندوستان کے ردِ عمل کا جائزہ لے گی۔"

جناب عالی! کیا انگریز یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس سوال پر مکمل طور پر متفق ہو جائیں۔ سر ڈینیز بریسے نے اس موقع پر کہا نہیں؟" قائد اعظم نے بحث جاری رکھتے ہوئے فرمایا پھر وہ ہم سے کیا توقع رکھتے ہیں کہ ہم اس ایوان میں جھگڑے اور فساد پر اتر آئیں۔ وہ اس ایوان سے اس بحث کے دوران کیا اظہار چاہتے ہیں"۔ جناب عالی! مجھے امید ہے کہ ہم نے حکومت کو بتا دیا ہے اور پوری دنیا کو بتا دیا ہے کہ ہم نے اس مسئلے پر اس کی خوبیوں کے لحاظ سے بحث کی اور ہو سکتا ہے کہ انفرادی جذبات جوش میں آجائیں اور انفرادی طبیعتیں اس اسمبلی یا کسی اور مقننہ میں اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی کوشش کریں اپنی ہی پارلیمنٹ کو دیکھئے گلیڈ سٹون کی ان تقاریر کو سوچئے جو انہوں نے بلغاریہ کے ظلم و ستم کے متعلق کی تھیں۔ وہ ایک عظیم انسان تھے اور وہ میرے معزز دوست پنڈت مدن موہن مالویہ سے زیادہ عظیم تھے کتنی مرتبہ وہ غصے کی حالت میں سخت باتیں کہہ گئے۔ اپنے دوست کو میں یہاں اور کیا الزام دوں وہ خود محسوس کر رہے ہوں گے یہ ان کے جذبات ہیں یہ ان کی طبیعت ہے لیکن جناب آپ کو بعض مقامات پر چونکہ کچھ ایسے افراد مل سکتے ہیں۔ تو کیا یہی آخری آزمائش ہے میں

حکومت سے ایک مرتبہ پھر پوچھتا ہوں کہ کیا وہ اپنی ذمہ داری ترک کردینا چاہتی ہے
آپ نے اس کمیٹی کی تقرری پر رضامندی کا اظہار کیا میرے معزز دوست سر راما
سوامی آئنگر جواب یہاں نہیں ہیں وہ اس کمیٹی کے انعقاد کی وجہ بنے اور کمیٹی نے اپنا
فیصلہ سنا دیا ہے اور اس کے دو ارکان اب بھی اس رائے کے مالک ہیں نہ صرف سر ڈینز
برے بلکہ سرحد کے موجودہ چیف کمشنر کی بھی یہی رائے ہے مجھے یقین ہے کہ وہ سرحد
میں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اب بھی وہاں موجود ہوں میرا اشارہ مسٹر بولٹن کی طرف
ہے ان دونوں حضرات نے اکثریتی رپورٹ پر دستخط کئے۔ اب مسٹر بولٹن اس وفد
کے جواب میں کیا کہہ رہے ہیں جو زیادہ عرصہ نہیں۔ ۲۵ نومبر ۱۹۲۵ء کو ان سے ملا
تھا بولٹن نے اس وفد کو کہا۔ "پہلا سوال جو آپ اٹھاتے ہیں وہ اصلاحات کا ہے
اور آپ جانتے ہیں کہ میں نے فرنٹیر انکوائری کمیٹی کی اکثریتی رپورٹ پر دستخط کئے ہیں
اور میں ان خیالات کا اب بھی پابند ہوں۔" یہ ۲۵۔ نومبر ۱۹۲۵ء کی بات ہے بولٹن
نے اختلافات یا سالوں کا کوئی ذکر نہیں کیا بولٹن محکمہ خارجہ میں چونکہ نہیں رہے میرا
خیال ہے کہ وہ محض انڈین سول سروس کے ایک رکن ہیں۔" اس موقع پر اسمبلی کے ایک
رکن نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ "بولٹن محض ایک مشین ہے۔" قائداعظم نے کہا
"لیکن وہ وہاں ایک حاکم کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہیں
ہیں جو یہاں سرکاری بنچوں پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ یہ بہت بڑا فراق ہے اس لئے
میں چاہتا ہوں کہ برطانوی حکومت سرحد کو اصلاحات دینے کیلئے کوئی واضح فیصلہ
کرنے میں تاخیر نہ کرے کیونکہ تاخیر سے کوئی فائدہ حکومت کو نہ ہوگا بلکہ اس کے
برعکس حکومت کی پوزیشن کے بارے میں سرحد میں زیادہ غلط فہمیاں پیدا ہوں گی جس
کے نتائج ایسے ہوسکتے جو ہم نہیں چاہتے۔ یہ ایک ایسی حالت ہوگی کہ ہندوستان کے مسلمان یہ
محسوس کرنے پر مجبور ہو جائیں گے جس طرح میرے دوست راجہ غضنفر علی خان نے کہا

ہے کہ ہندوستان کے مسلمان یہ محسوس کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ سرحد کو اصلاحات نہ دینے کی وجہ صرف ہندوؤں کی مخالفت ہے۔ جس کی واضح دلیل یہ ہو گی کہ صوبہ سرحد میں ہندو اور مسلمانوں کے درمیان کشمکش زیادہ پیدا ہو گی اور ہندوؤں کو اس سے شہ ملے گی اور وہ یہ سوچیں گے کہ ہماری تحریکوں اور قراردادوں کی وجہ سے حکومت اپنا رویہ بدل رہی ہے اور حکومت ہم سے خوفزدہ ہے اور اس طرح حکومت سرحد کو اصلاحات نہیں دے سکتی یہ ایک ایسا تاثر ہو گا جس میں خطرے کی بو پائی جا سکتی ہے میں حکومت پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ اکثریتی رپورٹ پر کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتی اور نہ ہی کچھ اور کرنے کا فیصلہ کرنا چاہتی ہے تو اس کا بلا تاخیر اعلان کر دے۔ اگر اس کے برعکس حکومت کچھ کرنا چاہتی ہے تو میں نہایت خلوص کے ساتھ حکومت سے یہ التجا کروں گا کہ برطانوی حکومت سرحد کو بلا تاخیر اصلاحات دینے کا اعلان کر دے میں اس سلسلے میں سوراجیہ پارٹی کے ممبر کی حیثیت سے نہیں بلکہ انفرادی طور پر اپنے ضمیر کی آواز کے تحت اس قرارداد کی پرزور حمایت کرتا ہوں۔"

سرحدی اصلاحات اور ہندوؤں کی مخالفت

۱۹۲۶ء میں جب ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں سرحد میں اصلاحات کیلئے آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے قرارداد پیش کی گئی اور سر صاحبزادہ نے مرکزی اسمبلی میں سرحدی اصلاحات کے لئے فضا ہموار کی تو سرحدی ہندوؤں اور سکھوں نے آل انڈیا ہندو مہاسبھا آل انڈیا کانگریس اور سنگھ سبھا کے ایما اور تعاون سے ہندوستان بھر میں یہ تحریک شروع کر دی کہ سرحد کو اصلاحات نہ دی جائیں اس سلسلے میں آل انڈیا کانگرس نے سرحدی ہندوؤں سے حکومت ہند کے ذمہ دار ارکان وائسرائے

ہند اور برطانوی دارالامراء کے اراکین اور برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان کو ٹیلیگرام بھیجے کہ سرحد کو اصلاحات نہ دیجائیں۔ سرحدی ہندؤں اور سکھوں کے وفد وائسرائے ہند کے پاس پہنچے اور ۱۹۲۴ء کے کوہاٹ کے ہندو مسلم فسادات کی آڑ ظاہر کرکے انگریزوں کو یہ تاثر دیا کہ سرحد کے پٹھان جاہل اجڈ وحشی ظالم اور سفاک ہیں اس لئے وہ ہندوستان کے باقی صوبوں کی طرح اصلاحات کے یا حکومت خوداختیاری کے اہل نہیں ہیں۔

اصلاحات کی مخالفت میں ہندؤں اور سکھوں کے دو مقاصد تھے پہلا مقصد تو یہ تھا کہ انگریزوں نے سرحد کے باشندوں کو تعلیمی سہولیات سے محروم کر رکھا تھا۔ ہندو اور سکھ تعلیم حاصل کرکے سرحد کے اہم کلیدی ہندؤں پر فائز تھے۔ تجارت ان کے ہاتھوں میں تھی۔ اقتصادی لحاظ سے بھی سرحد میں ہندؤں کو برتری حاصل تھی۔ سرمایہ دار ہندوؤں نے غریب پٹھانوں کو سود در سود قرضوں کے پھندوں میں جکڑا ہوا تھا۔ ان حالات میں ہندوؤں کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ اگر سرحد میں اصلاحات کا نفاذ ہو گیا اور سرحدیوں کو صوبائی حکومت خود اختیاری کا حق مل گیا تو جمہوری اصولوں کے مطابق مسلمان اپنا حق حاصل کرلیں گے۔ اور اس پچانوے فی صد مسلم اکثریت والے صوبے میں مختلف شعبوں سے ہندوؤں کی اجارہ داری کا خاتمہ ہو جائے گا۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ آل انڈیا کانگرس اور آل انڈیا ہندو مہاسبھا ہندوستان بھر میں صرف سرحدی باشندوں سے خائف تھیں ان کے دل میں یہ ایک خوف بس چکا تھا کہ اگر پٹھان اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے تو ان کا مقابلہ سیاسی شعبدہ بازیوں سے نہیں کیا جا سکے گا۔ یہی دو وجوہات تھیں جن کی بنا پر ہندو اور سکھ اصلاحات کی مخالفت کر رہے تھے اس مخالفت کے لئے انہوں نے اصلاحات کی قسط کے ملنے تک ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ سرحد کو اصلاحات نہ دی جائیں۔ اصلاحات کی مخالفت میں مرکزی اسمبلی کے ہندو اور سکھ ممبروں نے دل

کھول کر مخالفت کی سرحد کے ہندو اور سکھ لیڈروں نے اصلاحات کی مخالفت میں
کئی یادداشتیں وائسرائے ہند کو بھیجیں سرحد کے کونے کونے میں ہندوؤں اور سکھوں
نے جلسے کئے اور اصلاحات کی مخالفت کرتے ہوئے پٹھانوں کو اصلاحات کیلئے
نااہل ظاہر کرنے کیلئے اپنی پوری قوت صرف کی۔ سبجیکٹ کمیٹی کے نامزد ممبروں میں
سے پنڈت ٹھاکر دتہ اور راما سوامی مدلیار دونوں وہ فرد تھے جو سرحد کو اصلاحات
دلانے کے سخت ترین مخالفین میں سے تھے۔ اسی لئے ان دونوں کی نامزدگی کی بنا پر سرحد کے
مشہور سیاسی لیڈر میاں احمد شاہ بارایٹ لاء نے اس کمیٹی کا رکن بننا گوارا نہ کیا کیونکہ
انہیں یہ اعتراض تھا کہ اس کمیٹی میں حکومت نے ایسے افراد کیوں لئے ہیں جو سرحدی
اصلاحات کی مخالفت میں پوری قوت صرف کر چکے ہیں۔ چنانچہ میاں احمد شاہ نے سبجیکٹ
کمیٹی کے چیئرمین کو اس کمیٹی میں شرکت نہ کرنے کی جو وجوہات لکھیں ان میں اہم وجہ یہ
ظاہر کی کہ میں اس کمیٹی میں شرکت کے لئے تیار نہیں ہوں جس میں ایسے افراد ممبر لئے
گئے ہیں جو سرحدی اصلاحات کی شدید ترین مخالفت کر چکے ہیں؟ میاں احمد شاہ نے
ان خدشات کا اظہار کیا کہ ان ممبروں کی اس کمیٹی میں شرکت سرحدی اصلاحات کے لئے
مرکز اور صوبوں کے دائرہ اختیار میں تعین کے لئے بھی موزوں نہیں ہو سکتی۔

جونہی مرکزی اسمبلی میں سرحد کو اصلاحات دلانے کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ کی
طرف سے تحریک پیش ہوئی تو آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے مرکزی اسمبلی کے ممبروں پر زور
دینا شروع کیا کہ وہ اسمبلی میں اس تحریک کی مخالفت کریں۔ ہندوستان کے ہندو پریس نے
اس تحریک کی مخالفت میں لمبے چوڑے اداریئے لکھے سرحد کے ہندو اخبار فرنٹیئر میل
سرحدی سماچار، پنجاب کے ہندو اخبارات اور یوپی، سی پی، دہلی، مدراس اور دوسرے صوبوں کے
ہندو اخبارات نے آل انڈیا کانگرس کے ایما پر اس تحریک کی مخالفت میں اپنا زور
قلم دکھایا۔ اور برطانوی حکومت پر یہی واضح کیا کہ سرحد کے لوگ ہندوستان کے باقی صوبوں

کی طرح اصلاحات کے قطعاً اہل نہیں ہیں اور نہ ہی پٹھان حکومت خود اختیاری کے قابل ہیں
پشاور میں رائے بہادر کرم چند کی صدارت میں ہندوؤں کا ایک بھاری جلسہ ہوا جس میں
ایک قرارداد پاس کی گئی کہ سرحد کو اصلاحات نہ دی جائیں۔ کوہاٹ میں ہندوؤں اور سکھوں
کا ایک مشترکہ بھاری جلسہ منعقد ہوا جس میں برطانوی حکومت سے احتجاج کیا گیا کہ
پٹھانوں کے اس صوبے کو اصلاحات سے محروم رکھا جائے۔ نوشہرہ میں ہندو مہاسبھا کے
زیر اہتمام جلسے میں قرارداد پاس ہوئی اور برطانوی پارلیمنٹ کو اس قرارداد کی کاپیاں
بھیجی گئیں کہ سرحد کے پٹھان اصلاحات کے قطعاً اہل نہیں ہیں۔ اس طرح ڈیرہ اسمٰعیل خان
اور ٹانک میں ہندوؤں اور سکھوں کے مشترکہ اجلاس منعقد ہوئے۔ اور ریزولیوشن
پاس ہوئے کہ سرحد میں اصلاحات کا نفاذ برطانوی حکومت کیلئے انتہائی مضر ثابت
ہوگا پنجاب میں تو — اصلاحات کیلئے اسی وقت مخالفت کی ابتداء شروع ہو
چکی تھی جب کہ مرکزی اسمبلی میں سرحدی اصلاحات کیلئے قرارداد پیش کرنے کا
نوٹس دیا گیا تھا چنانچہ ۵ فروری ۱۹۲۶ء کو لاہور میں پنجاب کی ہندو مہاسبھا نے
ایک احتجاجی جلسہ منعقد کیا اور متفقہ طور پر ایک قرارداد پاس کر کے اس کی کاپیاں ہندوستان
کی مرکزی اسمبلی کے ممبروں، برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان وائسرائے ہند اور حکمران ہند کو
بھیجی گئیں کہ سرحد کے پٹھان اصلاحات کے بالکل قابل نہیں ہیں اس لئے سرحد میں اصلاحات کا
نفاذ برطانوی حکومت کے لئے انتہائی مضر ہوگا۔ ہندو مہاسبھا نے اس قرارداد میں
یہ بھی واضح طور پر کہا کہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ سے ہندوستان کا امن خطرہ میں
پڑ جائے گا۔ اس لئے سرحد کے پٹھانوں کو حکومت خود اختیاری قطعاً نہ دی جائے

آل انڈیا کانگرس کے ایماء پر ہندوؤں کی طرف سے سرحدی اصلاحات کی مخالفت
سرحد میں اصلاحات کے نفاذ تک لگاتار جاری رہی۔ ۲۷ مارچ ۱۹۲۸ء کو سرحد
کی صوبائی ہندو کانفرنس پشاور میں منعقد ہوئی اس کانفرنس میں صوبہ سرحد کے ہر

حصے سے ہندو اور سکھ لیڈر شامل ہوئے جن میں سرحد کے بارہ ہندو میونسپل کمشنر ہندو مہاسبھا کے چار اضلاعی صدر، سنگھ سبھا کے پانچ اضلاعی صدر، ۹ اضلاعی نائب صدر آریہ سماج اور سناتن سبھا کے پانچ اضلاعی سیکرٹری اور سات گریجویٹ تھے اس مشترکہ کانفرنس میں ایک متفقہ قرارداد پاس ہوئی جس کی کاپیاں برطانوی دارالامراء وائسرائے ہند اور ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے ممبروں کو بھیجی گئیں۔ اس قرارداد میں بھی اس بات پر زور دیا گیا کہ اگر انگریزوں نے ہندوستان کے باقی صوبوں کی طرح سرحد میں اصلاحات کا نفاذ کیا یا پٹھانوں کو صوبائی حکومت خود اختیاری دی تو انگریزی حکومت کو سخت نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ۲۸، مارچ ۱۹۲۸ء کو سرحد کے ہندوؤں اور سکھوں کا ایک وفد رائے بہادر روچی رام کی قیادت میں اصلاحات کے نفاذ کا جائزہ لینے کے لئے آنے والے سٹیچوٹری کمیشن کے ممبروں کے سامنے پیش ہوا۔ جو ان دنوں پشاور میں تھے جب یہی سٹیچوٹری کمیشن دوبارہ نومبر ۱۹۲۸ء میں پشاور آیا تو آل انڈیا کانگرس کے ایماء پر سرحد کے ۲۱ سرکردہ ہندو اور سکھ لیڈر کمیٹی کے سامنے پیش ہوئے ان ہندو اور سکھ لیڈروں نے کمیشن کے اراکین کے سامنے ایک یادداشت پیش کی جس میں برطانوی حکومت کو باور کرایا گیا کہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ سے ہندوستان کا امن تباہ ہو جائے گا۔

لندن کی گول میز کانفرنس کے انعقاد سے پہلے ۱۲ مئی ۱۹۳۰ء کو سرحد ہندو مہاسبھا کے آنریری سیکرٹری نے وائسرائے ہند کو ایک احتجاجی یادداشت پیش کی کہ سرحدی پٹھان ہندوستان کے باقی صوبوں کی طرح صوبائی حکومت چلانے کے اہل نہیں ہیں اس لئے سائمن کمیشن کی سفارشات کو سرحد کے لئے منظور نہ کیا جائے۔

۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کو جب قصہ خوانی میں انگریزوں نے قتل عام کیا تو آل انڈیا مسلم لیگ نے انگریز حکمرانوں کی وحشت اور بربریت کے خلاف قراردادیں پاس کیں۔

پنجاب مسلم لیگ نے اپنی قرارداد میں انگریزی ظلم و بربریت کے خلاف قرارداد پاس کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ سرحد کی بے چینی کا واحد سبب یہ ہے کہ انگریزی حکومت نے سرحد کے عوام کو سیاسی حقوق سے محروم کر رکھا ہے اس لئے سرحد میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہندوستان کے باقی صوبوں کی طرح سرحد میں اصلاحات کا نفاذ کیا جائے۔" مسلم لیگ کی یہ قرارداد کانگرس کے سینے میں گولی بن کر لگی چنانچہ کانگرس کے ایما پر سرحد ہندو سبھا کی طرف سے وائسرائے ہند کو اور برطانوی دارالامراء کے اراکین کو تار بھیجے گئے کہ مسلم لیگ کی یہ "قرارداد حقیقت پر مبنی نہیں ہے کہ سرحد میں بدامنی کی وجہ سرحدی عوام کا اصلاحات سے محرومی ہے۔" ہندوؤں نے جب دیکھا کہ سرحد میں اصلاحات کی مخالفت کا چار سالہ کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا تو انہوں نے تشدد کا راستہ اختیار کر کے فرقہ وارانہ فسادات شروع کر دیئے۔

لنڈن کی گول میز کانفرنس کے لئے سرحد سے سر صاحبزادہ کو نامزد کیا گیا تو ہندو سیخ پا ہو گئے۔ ہندو چار سال تک مسلسل اصلاحات کی مخالفت کرتے چلے آ رہے تھے۔ اب انہیں یقین کامل ہو چکا تھا کہ سر صاحبزادہ لنڈن کی گول میز کانفرنس میں سرحد کو اصلاحات دلانے میں کامیاب ہو جائیں گے لہٰذا ہندوؤں اس کوشش میں مصروف ہو گئے کہ سرحدی ہندوؤں کا کوئی نمائندہ گول میز کانفرنس کیلئے نامزد ہو سکے تاکہ وہاں سر صاحبزادہ کی مخالفت کرتے ہوئے سرحد کو اصلاحات سے محروم رکھنے میں کامیابی حاصل کر سکے۔ چنانچہ اس نظرئے کے تحت سرحد ہندو سبھا کی طرف سے یکم جولائی ۱۹۳۰ء کو وائسرائے ہند، برطانوی وزیر اعظم اور دارالامراء کے اہم ارکان اور شہنشاہ معظم کو تار بھیجے گئے کہ لنڈن کی گول میز کانفرنس میں سرحد کے ہندوؤں کو نمائندگی دی جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے سرحد کے ہندوؤں کا ایک وفد سرحد کے ایڈیشنل چیف کمشنر سے بھی ملا اور پر زور مطالبہ کیا کہ لندن

کی گول میز کانفرنس میں سرحدی ہندوؤں کو نمائندگی دی جائے۔

سرحد وتری سبھا کے سیکرٹری لالہ داس رام بگائی بی اے سکنہ ڈیرہ اسمٰعیل خان نے ۱۱ صفحے کا ایک پمفلٹ میمورنڈم کی صورت میں شائع کرا کر اس کی کاپیاں مرکزی اسمبلی کے ممبروں، وائسرائے ہند افسران حکومت ہند برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان دارالامرا کے ارکان اور شہنشاہ معظم کو بھیجیں۔ اس یادداشت میں ہندوؤں نے انگریزوں سے پر زور مطالبہ کیا کہ لندن کی گول میز کانفرنس میں سرحدی ہندوؤں کو نمائندگی دی جائے تاکہ وہ یہ بتا سکیں کہ سرحد میں اصلاحات حکومت ہند کے لئے انتہائی مضر ہوں گی۔ اس یادداشت میں لالہ رام داس بگائی نے سرحدی پٹھانوں کو اصلاحات اور صوبائی خودمختاری کے لئے نااہل قرار دیتے ہوئے لکھا کہ سرحدی پٹھان اس قابل نہیں ہیں کہ ہندوستان کے باقی صوبوں کی طرح صوبائی نظم و نسق چلا سکیں اس لئے انہیں اصلاحات سے محروم رکھا جائے۔

سر صاحبزادہ نے ہندوؤں کی ان تمام سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے نہایت تدبر سے کام لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اصلاحات کی مخالفت میں ہندوؤں کا تعلیم یافتہ طبقہ پیش پیش تھا۔ اس مخالفت میں سرحد کے ہندوؤں کی سرپرستی آل انڈیا کانگرس کے چیدہ چیدہ لیڈروں کے علاوہ آل انڈیا ہندو مہاسبھا کے چوٹی کے لیڈر کر رہے تھے۔ کانگرس کے سرکردہ لیڈر پس پردہ اس مخالفت میں اپنا کردار ادا کر رہے تھے۔ وہ کھل کر مخالفت اس لئے نہیں کر رہے تھے کہ کانگرس میں شامل مسلمان لیڈر کہیں اس مخالفت کو برا نہ منائیں کہ سرحد کی بچانوے فی صد مسلم اکثریت والے صوبے کو اصلاحات سے محروم رکھنے کے لئے کانگرسی رہنما کیوں مخالفت کر رہے ہیں کانگرس اس معاملے میں یہ سوچ رہی تھی کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی بچے یعنی

کسی طرح سرحد کو اصلاحات سے محروم بھی رکھا جائے اور کانگرس بدنام بھی نہ ہو لہٰذا کانگرس رہنما کھل کر مخالفت کرنے سے گریز کرتے رہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اصلاحات کی مخالفت کی ابتداء دراصل کانگرس ہی کے اشارے کا نتیجہ تھی سبجیکٹ کمیٹی کے ممبر ٹھاکر دتہ نے اپنی رپورٹ میں اس بات کا خود اعتراف کیا تھا کہ کانگرس کے کسی لیڈر یا رہنما نے اصلاحات کی حمایت نہیں کی بلکہ اصلاحات کی مخالفت میں ہندوستان بھر کے ہندو ہم آہنگ تھے۔ پنجاب کے ہندو اس سلسلے میں سرحدی ہندوؤں کے دوش بدوش اصلاحات کی مخالفت کر رہے تھے۔ چنانچہ ۹ اور ۱۰ مئی ۱۹۳۱ء کو لاہور میں ہندو کانفرنس منعقد ہوئی جس میں پنجاب سرحد سندھ اور ہندوستان کے دوسرے حصوں کے ہندو نمائندے شریک ہوئے اس کانفرنس میں ہندوؤں نے متفقہ طور پر یہ قرارداد پاس کی۔

"اس حقیقت کے پیش نظر کہ سرحد میں جرائم بے پناہ ہو رہے ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات کی آگ سرحد میں بھڑکتی رہتی ہے۔ مالی حالت اس قابل نہیں ہے کہ سرحد کے داخلی نظم و نسق کو سنبھالنے کیلئے صوبائی حکومت کا قیام عمل میں لایا جاسکے نیز اس صوبے کی خاص سیاسی جغرافیائی اور اقتصادی حالت کے پیش نظر یہ کانفرنس حکومت ہند اور شہنشاہ معظم سے پر زور مطالبہ کرتی ہے کہ لندن کی گول میز کانفرنس کے فیصلوں کے مطابق سرحد میں اصلاحات کا نفاذ نہ کیا جائے۔ کیونکہ اصلاحات کے نفاذ کے بعد سرحد میں ایک اچھی اور بہترین حکومت کا قیام ناممکن ہوگا۔"

سبجیکٹ کمیٹی میں رائے بہادر ٹھاکر دتہ کی شمولیت کی وجہ سے میاں احمد شاہ بارایٹ لاء سکنہ چارسدہ نے کمیٹی میں شمولیت سے انکار کیا تھا اور انھوں نے کمیٹی کے صدر کو اپنے خط کے ذریعے مطلع کیا تھا کہ ایسے لوگ جو سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کے مخالف ہیں ان کی اس کمیٹی میں شمولیت کا انحصار محض اصلاحات کے راستے

میں رو ڑے اٹکانا ہو گا اس لئے وہ ان لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے اس کمیٹی میں شریک ہو کر اختیارات کی تقسیم کے متعلق کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ میاں احمد شاہ بار ایٹ لاء کے خدشات درست ثابت ہوئے۔ کیونکہ رائے بہادر لالہ ٹھاکر دتہ نے اپنی ہندوانہ ذہنیت کا ثبوت دیتے ہوئے کمیٹی کے کام کے آغاز سے انتہا تک پوری کوشش و آزمائی کی کہ سرحدی صوبے میں اصلاحات کا نفاذ ہی نہ کیا جائے۔ رائے بہادر ٹھاکر دتہ نے اپنی رپورٹ میں حکومت برطانیہ اور حکومت ہند کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ صوبہ سرحد کے ہندو باوجود اس کے کہ ان کی آبادی اس صوبے میں صرف پانچ فی صد ہے مگر وہ حکومت ہند کو سرحدی مسلمانوں سے چھ گنا زیادہ انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں، تو پھر ان ہندوؤں کی مرضی کے خلاف سرحد میں اصلاحات کا نفاذ کیوں کیا جا رہا ہے۔" رائے بہادر ٹھاکر دتہ نے اپنی رپورٹ میں سرحدی مسلمانوں کو انگریزوں کی فولادی زنجیروں میں جکڑنے کے لئے مزید سخت اقدامات کرنے پر زور دیا مثلاً انھوں نے حکومت برطانیہ کو مندرجہ ذیل مشورے دیئے

(۱) خیبر اور تیراہ کی طرح وزیرستان میں بھی انگریزی فوجوں کی تعداد میں اضافہ کر کے مضبوط فوجی مرکز قائم کئے جائیں تاکہ وزیرستان کے قبائلیوں کو ابھرنے کا موقع نہ مل سکے۔

(۲) سرحد کا نظم و نسق براہ راست ہندوستان کی مرکزی حکومت کے پاس رکھا جائے۔

(۳) سرحد کی عدلیہ براہ راست مرکز کے تحت رکھی جائے۔

(۴) صوبہ سرحد میں سرکاری ملازموں کی تقرری عام قابلیت کی بنا پر کی جائے۔ فرقہ وارانہ بنیادوں پر ملازمین کی تقرری نہ کی جائے۔

(۵) اگر صوبہ سرحد کو اصلاحات دے دی جائیں تو پھر ہندوؤں کو کونسل میں ۳۰ فیصدی نمائندگی دی جائے لالہ ٹھاکر دتہ کی یہ تمام تجاویز ہندو مفاد پر مشتمل تھیں۔ انھیں معلوم تھا کہ سرحد میں ایک مخصوص پالیسی کے تحت مسلمانوں کو تعلیم کے میدان میں پسماندہ رکھا گیا ہے جس کی وجہ سے سرحد میں تعلیم یافتہ مسلمانوں کی کمی ہے اس لئے انھوں نے حکومت کو یہ تجویز پیش کی تھی۔ کہ ملازمتوں کے معاملے میں تعلیمی قابلیت کو فرقہ وارانہ تناسب پر توقیت دی جائے اسی طرح وہ سرحد کے ہر سرکاری دفتر میں ہندوؤں کو برسر اقتدار دیکھنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔

اپنی رپورٹ کے آخر میں لالہ ٹھاکر دتہ نے حکومت ہند پر اور شہنشاہ برطانیہ پر یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ سرکاری ملازمین میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے اور ہندو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود سرکاری ملازمتوں میں کم لئے گئے ہیں۔ انھوں نے آخر میں حکومت سے اپیل کی کہ اگر سرحدی مسلمانوں کو ہندوستان کے باقی صوبوں کی طرح اصلاحات سے نوازا گیا تو پھر سرحد کے ہندوؤں کو خاص ضمانت دی جائے کہ انہیں سرحد میں مسلمانوں کے مساوی حقوق دیئے جائینگے۔

رائے بہادر ٹھاکر دتہ سرحد کے ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج اور فرنٹیئر بنک کے مینیجنگ ڈائرکٹر ہونے کے علاوہ سرحد کے ہندوؤں میں انتہائی با اثر شخصیت کے مالک تھے۔ وہ بھارتری سبھا ڈیرہ اسماعیل خان ویدک بھارتری کالج کونسل ڈیرہ اسماعیل خان، آریہ ویدک سبھا ڈیرہ اسماعیل خان آریہ مگھ اندر سبھا سیالکوٹ گورکلہ سوسائٹی گوجرانوالہ کے صدر تھے۔ اس لحاظ سے سرحدی ہندوؤں اور پنجاب کے ہندوؤں میں ان کا اہم مقام تھا۔ کانگرس کے وہ معاون خاص تھے۔ انھوں نے سبجیکٹ کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے حکومت برطانیہ کو یہ باور کرانے

کی ہر ممکن کوشش کی کہ سرحد کو ہندوستان کے باقی صوبوں کی طرح اصلاحات نہ دی جائیں۔ اصلاحات کی مخالفت کرتے ہوئے انھوں نے جو ظاہری دلائل حکومت برطانیہ کو پیش کیئے وہ یہ تھے۔

(۱) صوبہ سرحد ہندوستان کے باقی صوبوں سے قطعاً مختلف نوعیّت کا ہے کیونکہ یہ دو حصوں پر مشتمل ہے جن میں سے ایک زیر انتظامی حصّہ ہے۔ اور دوسرا قبائلی حصّہ ہے۔

(۲) اصلاحات کی صورت میں سرحد کے گورنر کو دو فرائض ادا کرنا پڑیں گے جن میں سے ایک تو یہ ہوگا کہ وہ گورنر جنرل کے ایجنٹ کی حیثیت سے قبائلی علاقوں کی نگرانی کا ذمہ دار ہوگا اور دوسرے یہ کہ اسے مقامی انتظامی اضلاع کی نگرانی کا کام بھی کرنا پڑے گا لہٰذا یہ دونوں ذمہ داریاں گورنر ادا کرنے سے قاصر رہے گا۔

(۳) اصلاحات کی صورت میں صوبہ سرحد کی قانون ساز کونسل میں دو گروپ بن جائیں گے ایک نامزد ارکان کا اور دوسرا سرکاری افراد کا۔ یہ دونوں گروپ تعمیری کام کرنے کی بجائے حکومت کی تباہی کا باعث بن جائینگے۔

(۴) اصلاحات کی صورت میں اس صوبے کے سول ملازمین کی تقرری پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ سے کی جائے گی جس کی وجہ سے یہ صوبہ مسلسل ملٹری افسروں کی نگرانی میں رہے گا۔ جو اعلیٰ عہدوں پر فائز رہیں گے۔

(۵) رقبے کے لحاظ سے یہ ایک چھوٹا سا صوبہ ہوگا جو انجنیئرنگ جنگلات کے محکموں اور پولیس اور عدلیہ کے اعلیٰ افسروں کے اخراجات برداشت کرنے کا قابل نہیں ہے جیسا کہ ہندوستان کے باقی صوبے مالی لحاظ سے مستحکم ہیں۔

(۶) اصلاحات کی صورت میں اس صوبے کے اضلاع کے حاکم قبائلی علاقوں

کے نظم و نسق کے بھی ذمہ دار ہوں گے لہذا وہ اپنا پورا وقت سول کاموں کیلئے نہ نکال سکیں گے۔

(۷) اس صوبے کی چھاؤنیاں اور سڑکیں زیادہ ہیں۔ صوبے کا ہائیکورٹ یا چیف کورٹ نہیں ہے اس لئے یہاں اصلاحات کا نفاذ ضروری نہیں۔

(۸) صوبے میں فرنٹیئر کنسٹیبلری کی نفری بہت زیادہ ہے اس لئے یہ صوبہ مزید اخراجات برداشت کرنے کے قابل نہیں ہے۔

اس صوبے میں قتل اغوا۔ ڈکیتیاں اور مختلف جرائم کثرت سے ہوتے رہتے ہیں جو ہندوستان کے باقی صوبوں میں بہت کم ہیں۔ ان جرائم اور ڈکیتیوں کی روک تھام کیلئے صوبے میں بھاری تعداد میں پولیس اور فوج رکھنا ضروری ہے جس پر حکومت ہند کو بھاری رقم خرچ کرنا پڑتی ہے لہذا صوبائی حکومت کے قیام کے ساتھ چونکہ اخراجات زیادہ بڑھ جائیں گے۔ اس لئے صوبائی حکومت کا قیام یا اس صوبے میں اصلاحات کا نفاذ غیر ضروری چیزیں ہیں۔

سرحد کے ہندوؤں نے کہیں تو ہندو مسلم فسادات شروع کر دیئے کہیں سرحدی مسلمانوں کے ظلم و ستم کے جھوٹے افسانے تراشنے شروع کرائے مقصد ان کا یہ تھا کہ انگریز سرحدی مسلمانوں کو اصلاحات سے ہمیشہ محروم رکھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سرحد میں اصلاحات کی مخالفت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ سرحد میں ہندو اور سکھ سرکاری اداروں پر چھائے ہوئے تھے انہیں یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر سرحد کو اصلاحات دے دی گئیں تو سرکاری دفاتر سے ہماری اجارہ داری کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اس سلسلے میں سرحدی صوبے کے محکمہ مال میں ملازمین کے مندرجہ ذیل تناسب سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی حق تلفی کس قدر کی جا رہی تھی۔

ہندو اہلکار:- لالہ بدری پرشاد۔ پنڈت ہرنا مداس۔ لالہ خوشی رام، لالہ رام لال۔ لالہ دیوید اس بابو برج لال۔ سردار رچھپال سنگھ امیدوار۔ بابو منو سر لال امیدوار۔ بابو

بدری ناتھ، بابو ہری کشن ۔ بابو تارا چند امیدوار ۔ بابو راد ہا کشن ۔ بابو گورسرن داس امیدوار ۔ پنڈت رام ناتھ ۔ ان ہندوؤں ملازموں کو ۱۱۵۳ روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی ان کے مقابلے میں مسلمان ملازم یہ تھے ۔ مسٹر غلام صفدر خان، مسٹر فضل محمود خان، مسٹر محمد امان خان، مولوی ضیاء الحق، مرزا محمد صادق، میاں شاکر اللہ، مسٹر محمد علی، مسٹر فیض الحق، ارباب عبدالصمد، سید ریاض الحق بابو عبداللہ خان، مرزا محمد یعقوب، مسٹر محمد بشیر ۔ مرزا عبدالخالق ۔ بابو الطاف الٰہی، مسٹر امیر افضل انہیں مجموعی طور پر ۶۸۳ روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی ۔ اسی طرح ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں پولیس اور آڈٹ ڈیپارٹمنٹ اور محکمہ تعلیم میں غرض یہ کہ ہر سرکاری دفتر میں ہندو اور سکھ مکمل طور پر قبضہ جمائے بیٹھے تھے ۔ تجارت میں اور صنعت میں ہندو چھائے ہوئے تھے ۔ ان حالات میں سرحد کے ۸۵ فیصد مسلمان جب اصلاحات کے نفاذ کا مطالبہ کرتے تو سرحد کی ۱۵ فیصد اقلیت واویلا شروع کرتی تھی کہ سرحد کو اصلاحات نہ دی جائیں ۔

مسلم زعماء کی سرحد میں آمد

ستمبر ۱۹۲۷ء میں ہندوستان میں جگہ جگہ ہندوؤں نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ سرحد کے پٹھانوں نے ہندوؤں اور سکھوں کا قتل عام شروع کر دیا ہے ۔ اس پروپیگنڈے کا مقصد یہ تھا کہ حکومت ہند کو یہ باور کرایا جائے کہ سرحد میں ہندو اور سکھ اقلیت میں ہیں اور مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے ۔ لہٰذا اگر سرحد کے مسلمانوں کے اس مطالبے کو حکومت ہند تسلیم کرے کہ سرحد میں اصلاحات نافذ کی جائیں ۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ صوبے کا اقتدار اکثریتی پارٹی کی حیثیت سے مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہوگا اور ہندوؤں اور سکھوں پر بے پناہ مظالم ہوں گے ۔ اس خیال کے ساتھ ہندو اور سکھ یہ چاہتے تھے کہ سرحد کو پنجاب کے ساتھ ملا دیا جائے تاکہ اس طرح مجموعی طور پر ہندوؤں اور

سکھوں کی آبادی کا تناسب قریبًا برابر ہو جائے گا۔ اور پھر اس کے بعد اگر اصلاحات بھی ملیں تو ان اصلاحات سے ہندو اور سکھ بھی اجتماعی طور پر فائدہ حاصل کر سکیں گے۔ ان خیالات کی رو میں ہندوستان بھر میں سرحد کے ہندوؤں اور سکھوں کے حق میں پروپیگنڈا کیا جانے لگا اور سرحد کے پٹھانوں کو ظالم اور لٹیرا کے نام سے مشہور کیا جانے لگا۔ مولانا محمد علی جوہر اس زہریلے پروپیگنڈے کے اصل مقاصد کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے لہٰذا انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ خود سرحد جا کر حالات کا جائزہ لیکر ہندوؤں کے اس پروپیگنڈے کے اثر کو زائل کر کے اور اصل حقائق سے حکومت ہند کو آگاہ کریں، چنانچہ ستمبر ۱۹۲۷ء کے آخری عشرے میں مولانا محمد علی جوہر سرحد کے دورے پر تشریف لائے ان کے ساتھ مرکزی اسمبلی کے ممبر مولانا شفیع داؤدی بہاری مدراس کے مولانا سید مرتضیٰ بہادر ممبر آل انڈیا مسلم لیگ اور بیگم مولانا جوہر تھیں۔ پشاور پہنچنے پر ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ یہ ایک ایسا پرتپاک خیر مقدم تھا جو پشاور کی تاریخ میں ایک تاریخی استقبال ہے۔ پشاور کے شہریوں کی طرف سے ایک شاندار جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ اس عظیم الشان جلسے سے مولانا مولانا محمد علی جوہر، مولانا شفیع داؤدی اور مولانا سید مرتضیٰ بہادر نے خطاب کیا جلسے میں پشاور کے شہریوں کی طرف سے مولانا محمد علی جوہر کی خدمت میں مندرجہ ذیل سپاسنامہ پیش کیا گیا۔

ان دنوں شدھی اور سنگٹھن تحریک کے ساتھ ساتھ جگہ جگہ رسول پاک صلعم کی شان میں ہندو بے باکانہ گستاخیاں کر رہے تھے قسم قسم کے توہین آمیز لٹریچر چھاپے جا رہے تھے، مسلمانوں نے تحفظ ناموس رسول کے نام سے ایک تحریک شروع کر رکھی تھی پشاور میں اس تحریک کے روح رواں مسٹر پیر بخش ایڈوکیٹ اور خلافت تحریک کے سرگرم کارکن تھے جس دن مولانا محمد علی جوہر پشاور پہنچے اس دن سرحد کے مسلمانوں کا جم

غفیر ان کے استقبال کے لئے سٹیشن پر پہنچا۔ شاندار جلوس نکالا گیا جس میں رضاکار بڑے جوش و خروش کے ساتھ یہ نظم پڑھتے جاتے تھے۔

ناموس محمدؐ پہ ہم جان لڑا دیں گے
ہر فتنۂ اعدائے کو پاؤں سے دبا دیں گے

سرکار دو عالم کے جانباز کروڑوں ہیں
اسلام کی عزت پہ خون اپنا بہا دیں گے

روباہ صفت ظالم آئے ہیں شرارت پر
سوئے ہوئے شیروں کو پھر ہم بھی جگا دیں گے

توہین شہنشاہ کا آیا نہ خیال اس کو
جو اس کے فدائی ہیں کہرام مچا دیں گے

اسلام کی غیرت میں کچھ ایسی حرارت ہے
برفانی پہاڑوں میں ہم آگ لگا دیں گے

اسلام کا سکہ ہم دنیا پہ بٹھا دیں گے
پھر جنگ صلیبی کا نقشہ بھی دکھا دیں گے

اے روح نبیؐ آکر امداد ذرا کرنا
دنیا کو تیرے خادم پیغام دفا دیں گے

برطانوی ہند کو یہ تاثر دیا گیا کہ ہندو اصلاحات کی مخالفت کرنے میں حق بجانب ہیں۔ ہندوستان کے مسلم زعما ہندوؤں کی اس چال کو بھانپ کر سرحد میں یہ معلوم کرنے آئے کہ ہندوؤں کا داویلا کہاں تک سچ ہے۔

مسلم لیگ کے زعما مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں سرحد تشریف لائے تو سرحد کے عوام نے ان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کر کے اس حقیقت کا اظہار کیا کہ سرحد کو اصلاحات دلانے کے سلسلے میں ہندوستان کے مسلم زعماء نے جو کردار ادا کیا اہل سرحد اس کے انتہائی ممنون ہیں۔ ساتھ ہی اس سپاسنامے میں ہندوؤں کی عیاریوں کو بھی ظاہر کیا۔

ہدیہ سپاس و تشکر

بخدمت والا مرتبت حضرت مولانا حاجی محمد علی صاحب

قبلہ مدیر "ہمدرد" "کامریڈ" دہلی

نشہ در بادہ، گہر در صدف و بو در گل

آنقدر لطف ندارد کہ تو در خانۂ ما

مولانائے محترم! ہم مسلمانان پشاور کی وہ آرزو جس کی ایک مدت سے ہم اپنے دلوں میں پرورش کر رہے تھے۔ اور وہ تمنا جو ایک عرصہ سے ہمارے سینوں میں نشو ونما حاصل کر رہی تھی۔ خدا خدا کرکے آج پوری ہوئی۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ہم کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں کبھی آپ کو۔ زہے نصیب کہ ہم آپ کے دیدار سے مشرف ہو رہے ہیں اور خوشا طالع کہ اب ہم آپ کے گرانقدر و گرانمایہ خیالات آپ ہی کی زبان سے سنیں گے۔ ہم خداوند کریم کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کہ اس کے فضل و کرم کی وجہ سے ہمیں آپ کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے اس گرمی کے موسم میں پشاور تشریف لانے کی زحمت گوارا فرمائی۔

جناب والا! آپ پہلے بھی ایک دفعہ پشاور کی سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف اندوز کر چکے ہیں۔ آپ کے سابقہ اور موجودہ ورودِ مسعود کے درمیانی عرصہ میں پشاور میں بہت سے پُر از ہیجان واقعات و حادثات رونما ہو چکے ہیں اور گو پشاور آج بھی اپنی ظاہری شکل میں ویسا ہی ہے جیسا کہ دس بارہ سال پیشتر تھا مگر ذہنی اعتبار سے بہت کچھ ترقی کر چکا ہے۔ پشاور کو فخر ہے کہ اس کے فرزندوں نے ہر اس تحریک میں جو مذہب و ملت اور ملک و وطن کے مفاد کے لئے جاری کی گئی۔ سب سے زیادہ اور نمایاں حصّہ لیا۔ رولٹ ایجی ٹیشن۔ ہجرت۔ تحریک خلافت اور ترک موالات میں سے ہر ایک تحریک میں فرزندان پشاور نے اپنے حصّہ سے زیادہ قربانی کی۔

مولانائے مکرم! پشاور کی اس ذہنی ترقی اور ان قابلِ فخر قربانیوں میں جناب کی ملت پرستانہ اور وطن پسندانہ مجاہدات کا بھی بہت بڑا حصّہ ہے۔ ہم تمام راہنمایان قوم کے واجبی ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ کہنے کی جرأت رکھتے ہیں کہ ہم نے بہت کچھ آپ ہی کے جوانمردانہ اور سرفروشانہ اعمال سے سبق حاصل کیا۔ اور آپ ہی کے نقش قدم

پر چل کر قوم و ملت کی کچھ خدمت کر سکے۔"

جناب عالی! آپکی اور آپکے محترم بڑے بھائی جناب مولینا شوکت علی کی خدمات کا تذکرہ غیر ضروری ہے کیونکہ یہاں کا بچہ بچہ ان سے واقف ہے۔ مگر آپ کی ایک خدمت جو ہمارے ساتھ خصوصیت سے تعلق رکھتی ہے ایسی نہیں کہ اس کا ذکر نہ کیا جائے۔ ہماری یاد سے یہ کسی طرح بھی محو نہیں ہو سکتا۔ کہ جب ہم نے صوبہ سرحد کے لئے اصلاحات کا مطالبہ کیا۔ اور اس کی آواز آپ کے کانوں تک پہنچی۔ تو گو آپ صاحب فراش تھے۔ ڈاکٹروں نے آپکو ہلنے جلنے سے منع کر رکھا تھا۔ مگر آپ کے شوق خدمت سے یہ برداشت نہ ہو سکا۔ کہ آپ خاموش بیٹھے رہیں۔ آپ باوجود علالت اسمبلی میں شریک ہوئے اور آپکی ہی مساعی کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ قرارداد اصلاحات اسمبلی میں منظور ہو گئی یہی نہیں بلکہ جب آپ ہندو مسلم مفاہمت کے حل کی تلاش کر رہے تھے تو اس وقت بھی صوبہ سرحد کی فلاح و بہبود کا خیال آپ کے ذہن سے باہر نہ تھا۔ اور آپ کی کوشش کا ہی یہ ثمرہ نکلا۔ کہ مفاہمت کی دیگر شرطوں میں صوبہ سرحد کے لئے مکمل اصلاحات کی شرط بھی شامل ہے

جناب والا! ہمارے پاس الفاظ نہیں کہ ہم آپ کی اس مہربانی اور شفقت و عنایت کا شکریہ ادا کر سکیں۔ لیکن ہم آج بھی اسی طرح آپکی توجہ کے محتاج ہیں۔ جیسے مجاہدۂ اصلاحات کے وقت تھے۔ ہمارے مطالبات اب بھی ویسے کے ویسے ہیں۔ جیسے پہلے تھے۔ اور آج جبکہ ہندوستان کے تمام صوبے اصطلاحات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ہم ان سے بالکل محروم ہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اب تک ہمیں بلدیات میں بھی حق انتخاب میسر نہیں ہم بہت زیادہ عرصہ تک اپنی موجودہ حالت پر قانع نہیں رہ سکتے۔ یقیناً ہم مجبور ہوں گے کہ اپنے مطالبات کو پہلے سے بھی زیادہ زور و شور کے ساتھ پیش کریں۔ اور ہم کو یقین ہے کہ آپ اس وقت بھی اسی طرح ہماری امداد و اعانت فرمائیں گے جس طرح آج تک

کرتے رہے ہیں۔

جنابِ والا! بعض نابکار اور ناہنجار ہندوؤں نے ہمارے آقائے نامدار رسول مقبول صلعم کی شان میں بدزبانی اور بدکلامی کی ۔ قدرتاً ہمارے مذہبی احساسات کو ٹھیس لگی ہم کو صدمہ پہنچا۔ اور ہمیں رنج و قلق ہوا ہم نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور شدید احتجاج کیا ۔ مگر آپ یہ سن کر خوش ہوں گے ، کہ ہم نے اپنے جذبات پر قابو رکھا۔ اور کوئی ایسی بات نہ ہونے دی جس سے ہمارے دامن پر کوئی دھبہ لگا ہو۔ ہمارے خلاف پلیٹ فارم اور پریس دونوں کے ذریعہ نہایت زبردست پروپیگنڈہ کیا گیا وہ کونسا الزام ہے؟ جو ہم پر نہیں لگایا گیا ۔ اور وہ کونسا بہتان ہے جو ہمارے خلاف تراشا نہیں گیا مگر خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ جب ہندوستان کے قریب قریب تمام شہر بدامنی اور فساد کے آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔ پشاور اس وبا کی زد سے بالکل باہر رہا ہے۔ اور ہم اس پر جس قدر بھی فخر کریں، کم ہے۔ ہاں ہم نے اپنی تجارتی اور اقتصادی حالت کی طرف توجہ مبذول کر لی ہے ، ہمیں یقین ہے کہ ہم بہت بڑی حد تک کامیابی حاصل کریں گے۔

مولانائے معظم! ہم نے آپ کا بہت سا قیمتی وقت لیا ہے۔ مگر آپ جیسے مشفق و مہربان کو دیکھ کر فطرتاً ہماری یہ خواہش ہے، کہ اپنے دل کھول کر آپ کے سامنے رکھ دیں، اور اپنی تمام تمناؤں کو آپ پر ظاہر کر دیں ، لیکن جو کچھ کہا گیا ہے ، وہ بھی کافی سے زیادہ طویل ہو چکا ہے ۔ ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں ، اور ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے ہماری ناچیز دعوت قبول فرما کر ہمارے کلاہ افتخار میں وہ طغرائے امتیاز لگایا ہے جس پر ہم جتنا بھی ناز کریں ۔ تھوڑا ہے ۔ آخر میں ہم دعا کرتے ہیں ، کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو تا دیر صحیح و سالم اور تندرست رکھے تاکہ آپ بہت کافی عرصہ تک دین و مذہب اور ملک و ملت کی خدمت کر سکیں۔ این دعا از من و از جملہ جہاں" آمین باد۔

منجانب اہالیان پشاور

ہندو پریس اور سرحدی اصلاحات

سرحد کے ہندو اور سکھ جو انتہائی اقلیت میں تھے مسلم اکثریت والے اس سرحدی صوبے میں مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے سرحد کے یہ غیر مسلم انتہائی جدوجہد کر رہے تھے، کہ سرحد کو اصلاحات نہ دی جائیں ہندو اور سکھ اصلاحات کے کیوں مخالف تھے؟ اس کا جواب سرحد کے ہندو اخبار فرنٹیئر ایڈووکیٹ پشاور کے ۱۵ جنوری ۱۹۲۹ء کے شمارے میں شری ایت ستیارتھی نے یوں دیا۔

۱۔ "یہ صوبہ افغانستان کے بالکل قریب ہے جہاں سے اور جس سے گزر کر، وسط ایشیا کے ممالک کے لوگ اس صوبے کے رہنے والوں پر سخت آفت نازل کر سکتے ہیں۔

۲۔ اس صوبے میں وہ درے کھلتے ہیں جن سے زمانہ گزشتہ میں غیر ملکی حملہ آور سرحدی قبائل کی مدد سے ہندوستان پر حملے کرتے رہے ہیں۔

۳۔ لیجسلیٹو کونسل اور وزراء کے تقرر کیلئے یہ صوبہ آبادی اور رقبہ دونوں کے لحاظ سے بہت چھوٹا ہے۔

۴۔ یہ صوبہ دو ایسے اجزاء پر مشتمل ہے جن میں سے ایک کو دوسرے سے ہرگز علیحدہ نہیں کیا جا سکتا یعنی آئینی اجزاء اور غیر آئینی علاقے جن کو مختلف طرز حکومت کے تحت نہیں رکھا جا سکتا جیسا کہ تجویز کی گئی ہے لیکن سب سے اہم وجہ جو اس صوبے میں اصلاحات کی ترویج کے خلاف ہے وہ یہ ہے کہ اس صوبے میں رہنے والوں کا کیریکٹر کچھ ایسا عجیب و غریب ہے کہ یہاں اصلاحات کا نفاذ نہایت ہی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"آگے چل کر مضمون نگار لکھتا ہے"

اس صوبے کی آبادی کا اغلب عنصر پٹھان ہی ہیں جن کی مادری زبان پشتو ہے۔ ان لوگوں کی زیادہ کثرت پشاور کوہاٹ اور بنوں کے اضلاع میں ہے اور قبائلی علاقہ میں تو ساری آبادی انہیں لوگوں کی ہے انتظامیہ محکموں میں بھی انہی لوگوں کا اجارہ ہے سول اور پولیٹیکل محکموں میں جس قدر آسامیاں ہیں ان سب پر پشتونی پٹھان ہی قابض ہیں اسی طرح پولیس کنسٹبلری اور تعلیم کے محکموں میں انہی کا اقتدار اور رسوخ ہے۔ دیگر محکمہ جات میں بھی انہی لوگوں کا اجارہ ہے نواب جاگیردار اور ارباب وغیرہ کی حیثیت میں پٹھانوں کو اعلیٰ افسروں کی درگاہ میں بھاری رسوخ ہوتا ہے میونسپل کمیٹیوں میں بھی انہی کا بول بالا ہے اور ان کی نگاہ میں غیر پٹھان لوگ خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ بہت ادنیٰ درجہ رکھتے ہیں۔ گو ان کی آبادی ۴۷ فیصدی ہے۔ لینڈلارڈ یا زمیندار کی حیثیت میں وہ اپنے مزارعوں کے ساتھ غلاموں سے بھی بدتر سلوک کرتا ہے پٹھانوں کے کیریکٹر کی چند ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جو انہیں ہر ایک نسل سے جدا کرتی ہیں۔ غزا یا جہاد تو ان کا معمولی سا شغل ہے وہ لوگ پہاڑوں اور کوہستانی علاقوں سے نکل کر سب سے پہلے ملنے والے فرنگی یورپین کو قتل کر دینا بڑا بھاری ثواب تصور کرتے ہیں" اخبار فرنٹیئر ایڈووکیٹ پشاور کے اسی شمارے میں صفحہ ۱۱ پر ڈیرہ اسمٰعیل خان کے لالہ داس رام بگائی کی تقریر درج ہے کلکتہ میں آل پارٹیز کنونشن کے سامنے جب شمال مغربی سرحدی صوبے کے ہندوؤں کے متعلق نہرو کمیٹی کی سفارت پیش ہوئی۔ تو ان سفارشات کے خلاف تحریک پیش کرتے ہوئے لالہ داس رام بگائی نے جو تقریر کی وہ یہ تھی۔

" صوبہ سرحد میں اصلاحات کا نفاذ نہ کیا جائے کیونکہ ہندوؤں کا وہاں رہنا دشوار ہو جائے گا۔ میں آغاز میں ہی کہہ دوں کہ نہرو رپورٹ تیار کرنے والوں نے یہ کہہ کر کہ صوبہ سرحد میں اصلاحات کو مروج کرنے کے جائز

مطالبات کی مخالفت نہیں کی گئی۔ یہ صوبہ سرحد کے لوگوں سے بے انصافی کی گئی ہے میں ممبروں کا مناسب احترام کرتے ہوئے بیان کرنا چاہتا ہوں کہ بہت سے تعلیم یافتہ ہندو اس تجویز کے خلاف ہیں۔ ۲۰ مارچ ۱۹۲۸ء کو صوبائی ہندو کانفرنس پشاور میں منعقد ہوئی جس میں سرحد کے پانچوں اضلاع کے سرکردہ ہندو لیڈر شریک ہوئے۔ طویل بحث ومباحثے اور تقریروں کے بعد مندرجہ ذیل متفقہ ریزولیوشن پاس کیا گیا۔

"اس صوبہ کے خاص جغرافیائی مالی اور سیاسی حالات کی وجہ سے یہاں کلاً یا جزواً اصلاحات کا نفاذ نہ تو قابل عمل ہو سکتا ہے اور نہ ہی مفید۔ مزید برآں یقین ہے کہ ایسا کرنا اچھی حکومت کیلئے مضر اور ہندوستان بھر کیلئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ صوبہ سرحد کی ہندوؤں سبھاؤں نے جنوری فروری ۱۹۲۷ء میں بھی اس قسم کے ریزولیوشن پاس کئے تھے۔ ان کی موجودگی میں نہرو رپورٹ کے تیار کرنے والے اپنے بیان میں کہاں تک حق بجانب کئے جا سکتے ہیں یہ میں نہیں کہتا کہ آئینی تبدیلیوں کی توسیع کیلئے ضروری شرائط اور حالات کا ذکر کرنے سے پیشتر سارا معاملہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ پانچ اضلاع پر مشتمل ہے جو پشاور کوہاٹ بنوں ڈیرہ اسمٰعیل خان اور ہزارہ ہیں ان کے ساتھ دو ایجنسیاں بھی ہیں۔ جن میں بسنے والے لوگ گنوار جنونی اور نا تعلیم یافتہ جنگجو ہیں۔ رقبہ ۱۳۴۱۹ مربع میل ہے آبادی ۲۲ لاکھ ۵۱ ہزار ۳۴۰ نفوس پر مشتمل ہے جو ضلع میمن سنگھ سے بھی نصف ہے لارڈ کرزن نے خاص سیاسی اور فوجی لحاظ سے اہم وجوہ کی بناء پر ۱۹۰۱ء میں اسے الگ کیا تھا اور وہ وجوہات ابھی تک قائم ہیں۔ باقی رہا شرائط کا نسبت تو اس سلسلے میں میں یہ کہوں گا کہ سرحد کے

لوگوں میں قانون کے اندر رہنے کی سپرٹ بہت کم ہے سنگین جرائم وہاں بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ جنگ کے دوران حالت خاص طور پر خراب ہو گئی تھی۔ ۱۹۱۹ء کی جنگ افغانستان میں یہ بد سے بدتر ہو گئی وزیرستان کے قبائل باغی ہو گئے تھے۔ درہ کے نزدیک ایک بڑا قصبہ جلا دیا گیا۔ پولیس تھانہ خالی کر دیا گیا۔

ہندوؤں کو بھگا کر ان کا مال و متاع لوٹ لیا گیا کئی ماہ تک سارا قصبہ اجاڑ دیا۔ جب ملا لوگ پٹھانوں کے مذہبی جنون کو بیدار کر دیں تو وہ کسی بات پر نہیں ٹھہرتے ہندوؤں کو بہت تکلیف اٹھانا پڑتی ہے۔ کوہاٹ کے فسادات ڈیرہ اسمٰعیل خان کی آتش زدگی اور دیگر افسوس ناک واقعات ہندوؤں کے تعین کے مطابق مسلمانوں کے اس خیال کا نتیجہ تھے جن کے زیر اثر نظام حکومت کے اجارہ پر اکتفا نہ کر کے ہندوؤں کو صوبہ سے ہی نکالنا چاہتے ہیں۔ ہندو یہ ملا کہتے تھے کہ صوبہ سرحد میں مکمل اصلاحات رائج کرنے سے صوبہ سرحد کے ہندوؤں کو بہت تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ صوبے کے عجیب حالات کے ماتحت یہاں ان کے لئے قیام کرنا مشکل کر دیا جائے گا امن اور حفاظت کسی اور جگہ ڈھونڈنے کیلئے انہیں صوبہ چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑے گا (بحوالہ فرنٹیئر انکوائری کمیٹی)

یہ بات خاص کر قابل ذکر ہے کہ ہندوستان کے اکثر صوبوں میں اور ریاستوں میں مسلمانوں کی آبادی کم اور ہندوؤں کی زیادہ تھی مگر کسی ہندو اکثریت والے صوبے میں اصلاحات کے نفاذ کے وقت وہاں کے اقلیت میں رہنے والے مسلمانوں سے انگریزوں نے کبھی یہ رائے نہ پوچھی کہ آیا اس صوبے میں اصلاحات کے نفاذ کیلئے تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں یا تم اپنے تحفظ کیلئے کوئی خاص ضمانت حاصل کرنا چاہتے ہو مگر برعکس اس کے صوبہ سرحد کے مسلمانوں نے جب بھی اصلاحات کے نفاذ کا مطالبہ کیا تو یہاں کے ہندوؤں

نے ایک تو اصلاحات کی مخالفت کی اور ساتھ ہی اپنے تحفظ کا بھی مطالبہ کیا حکومت ہند بھی صوبہ سرحد کے ہندوؤں کے مطالبات کو نہایت اہمیت دیتی رہی یہی وجہ تھی کہ سرحد میں اصلاحات کی مخالفت میں ہندوؤں کی پشت پناہی انگریز حکام کو بھی حاصل تھی چنانچہ برے کمیٹی کے سامنے جہاں ہندوؤں نے اصلاحات کی مخالفت اور قبائلی علاقے کو مرکز کے کنٹرول میں رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ وہاں سرحد کے انگریز حکام نے بھی ہندو مفاد پر مشتمل نظریہ پیش کیا چنانچہ برے کمیٹی کے سامنے سر جان میفی نے جو تحریری بیان پیش کیا اس کے مندرجات یہ تھے۔

"یہ صوبہ جو کہ بر اعظم ہند اور وسط ایشیا کے تکلیف دہ علاقہ کے درمیان واقع ہے۔ مختلف النسل لوگوں سے آباد ہے اس صوبے کے پٹھان باشندوں کے رسم و رواج اور رشتہ داری کے تعلقات ماورائے سرحد کے قبائلی لوگوں سے ملتے ہیں اس لئے یہ صوبہ ہر وقت قانون شکنی پر آمادہ رہتا ہے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ پٹھان ایک غیر ملکی طرز انصاف کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی بجائے خود انتقام لینے کو زیادہ پسند کرتا ہے سرحد کے قریب ہونے کی وجہ سے حفاظت خود اختیاری کی خاطر وسیع پیمانہ پر اسلحہ کی تقسیم لازمی امر ہے اور اسی وجہ سے ان مجرموں کو جو ہمارے تعزیری قوانین کی زد سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں بآسانی سرحد پار پناہ گزین ہونے کا موقع مل جاتا ہے اپنے دشمنوں کو قتل کر ڈالنے کا "قدیم جذبہ" نیز ہو گیا ہے اور اس جذبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے ذرائع بہت بڑھ گئے ہیں جس کا نتیجہ جرائم کے اعداد و شمار سے صاف طور پر ہویدا ہے الغرض سرحدی لوگوں کو حکومت خود اختیاری کے اس قدر حقوق دینا بھی نامناسب ہے جو ہندوستان کے دوسرے حصوں میں نشو و نما پا چکے

ہیں۔ یہاں اسلام ازم (اخوت اسلام) اور بالشویک خیالات کی توسیع کے باعث
ہندوستان کی سرحد میں خطرات بہت بڑھ گئے ہیں مثال کے طور پر تحریک
خلافت ہی کو لیجیئے۔ سرحدی قبائل مذہبی جنون میں نہایت ہی آگے
بڑھے چڑھے ہوتے ہیں۔" (اخبار فرنٹیئر ایڈوکیٹ پشاور ۱۵ جنوری ۱۹۲۸ء)
سائمن کمیشن کی آمد کے موقع پر فرنٹیئر ایڈوکیٹ پشاور میں یہ اداریہ لکھا گیا۔
"اس صوبہ کی جغرافیائی، سیاسی، مالی اور مجلسی پوزیشن کو ملحوظ رکھتے ہوئے
یہ امر نہایت ہی نامناسب اور خود گورنمنٹ کیلئے مہلک اور خطرناک ہوگا۔
کہ یہاں اس قسم کی جمہوری حکومت کا طریقہ جاری کیا جائے جو کہ مغرب کے
مختلف ممالک میں یا ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں رائج ہے۔
صوبہ سرحد کی پراونشل ہندو کانفرنس منعقدہ ۲۷ مارچ ۱۹۲۸ء میں زیر
صدارت رائے بہادر کرم چند اوبی ای باتفاق رائے حسب ذیل ریزولیشن پاس
کیا گیا۔

پشاور، ڈیرہ اسمٰعیل خان، بنوں، کوہاٹ اور ہزارہ کے ہندوؤں کا یہ نمائندہ
جلسہ پورے غور و خوض کے بعد اس رائے کا اظہار کرتا ہے کہ:۔

اس صوبہ میں ریفارم اسکیم (کلاً یا جزواً) نہ تو قابل عمل درآمد ہیں اور نہ ہی
مفید، کیونکہ اس صوبہ کے خاص جغرافیائی، مالی اور سیاسی حالات ترویج اصلاحات
کی اجازت نہیں دیتے علاوہ ازیں یہ امر یقینی ہے کہ ترویج اصلاحات عمدہ
نظم و نسق اور آل انڈیا مفاد کے بالکل منافی ہیں۔
اس ریزولیشن کی نقل ۲۸ مارچ ۱۹۲۸ء کو شاہی کمیشن کے ان اراکین
کی خدمت میں پیش کی گئی جو ان دنوں پشاور میں رونق افروز تھا۔
(فرنٹیئر ایڈوکیٹ ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۸ء)

بہرحال سرحد میں ہندو جو کچھ کر رہے تھے وہ ایک سازش تھی اور اس سازش میں ہندوستان بھر کے ہندو شامل تھے۔ سرحدی ہندوؤں کو کانگرس کی درپردہ حمایت حاصل تھی ہندوؤں فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑکا کر برطانوی حکومت کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ سرحد کی اقلیت والی قومیں سرحدی پٹھانوں سے محفوظ نہیں ہیں لہٰذا سرحد میں اصلاحات کا نفاذ ناقابل عمل ہے۔ سرحد کے لئے اصلاحات کا مطالبہ جتنا شدت اختیار کرتا جارہا تھا ہندو اتنا ہی اس کی مخالفت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے۔ برطانوی پارلیمنٹ کے ممبروں کو برطانوی ہند کی مجلس قانون ساز کے ممبروں کو سرحد کے ہندوؤں کی طرف سے سینکڑوں تار بھیجے گئے، کئی وفد سرحد سے برطانوی ہند کی مجلس قانون ساز کے ممبروں سے ملے، وائسرائے ہند پہ دباؤ ڈالا گیا کہ سرحد کو اصلاحات نہ دی جائیں۔ مجلس قانون ساز ہند میں کانگرس کے ممبروں نے سرحدی اصلاحات کے مطالبے کو تسلیم نہ کرنے کے لئے اس بات کو آڑ بنایا کہ سرحد میں اقلیتوں کا تحفظ نہیں، اس لئے سرحد میں اصلاحات ناقابل عمل ہیں

کانگرس اور سرحد

شروع شروع میں کانگرس مسلسل چالیس سال تک ہندو اقتدار کیلئے کام کرتی رہی۔ ان ابتدائی چالیس سالوں میں بنگالی، مدراسی، گجراتی، اور مہاراشٹری ہندوؤں کی تمام جدوجہد یہ تھی کہ ہندوؤں کے اقتدار کو ٹھیس نہ پہنچے۔ کانگرس کے ابتدائی دور کے ہندو لیڈروں کی تقریریں، تحریریں، اس بات کا بین ثبوت ہیں، کہ کانگرس کا نصب العین یہی تھا کہ انگریز

ہندو اقتدار کو قائم کرنے میں مدد کریں۔ چنانچہ جب بھی ایسی اصلاحات کا نفاذ ہوا جسمیں
مسلمانوں کو کچھ حقوق ملنے کی توقع ہوئی تو ہندوؤں نے جھٹ ان اصلاحات کے بائیکاٹ
کا اعلان کیا۔ ہندو قوم نے محض اس لئے ان اصلاحات اور اختیارات کے خلاف منظم سازش
کی تاکہ مسلمانوں کو ان اصلاحات سے فائدہ نہ پہنچ سکے۔ چنانچہ منٹو مارلے سکیم اور مانٹی
چیمسفورڈ سکیم کے وقت ہندوؤں میں بے چینی کے اسباب یہی تھی ان اصلاحات کے نفاذ
کے وقت ہندوستان بھر کی ہندو قوم کے چوٹی کے لیڈروں نے ظاہر تو یہ کیا کہ یہ اصلاحات مجموعی
طور پر برصغیر میں بسنے والے تمام افراد کیلئے مضر ہیں مگر حقیقت یہ تھی کہ ان اصلاحات
سے مسلمانوں کو ہندوستان میں کچھ سیاسی حقوق ملنے والے تھے جسے ہندو برداشت
نہیں کر سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ منٹو مارلے اصلاحات کے نفاذ کے وقت عیسائی، پارسی
اور مسلمان سب خوش ہوئے مگر ہندوؤں کے چہرے زرد پڑ گئے تھے۔ کیونکہ اس سکیم
کے تحت برصغیر کے مسلمانوں کو اپنے حقوق کی نگہداشت کا موقع مل رہا تھا۔ اور مسلمانوں
کی سیاسی اہمیت اور جداگانہ ہستی کو تسلیم کیا گیا تھا مسلمانوں کو کسی قدر اپنی نمائندگی کا
اختیار دیا گیا تھا۔ مسلمانوں کو بعض حقوق سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا گیا تھا۔
ہندوؤں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو کچھ سیاسی حقوق مل رہے ہیں تو وہ سیخ پا ہو گئے
گورنمنٹ ہند کی طرف سے ہندوستان کو اصلاحات کی دوسری قسط ملنے کا
وقت آیا تو اس وقت بھی ہندوؤں نے واویلا کیا کیونکہ اس دفعہ بھی مانٹیگو چیمسفورڈ
اصلاحات کے تحت مسلمانوں کو چند مزید سیاسی حقوق دیئے گئے تھے۔ ہندوؤں نے متحد
ہو کر ان اصلاحات کے خلاف آواز اٹھائی اور ان اصلاحات کے خلاف ایڑی چوٹی
کا زور لگایا۔ ظلم تو یہ تھا کہ جن صوبوں میں ہندوؤں کی اکثریت تھی ان صوبوں کیلئے
تو ہندوؤں نے اصلاحات کی مخالفت نہ کی بلکہ ان صوبوں میں ہندوؤں نے اصلاحات
کے تحت اسمبلیاں بنائیں وزارتیں بنائیں مگر صوبہ سرحد میں۔ جہاں مسلمانوں کی آبادی

٩٥ فیصدی تھی جونہی اصلاحات کیلئے جدوجہد کی جانے لگی تو ہندوؤں نے آسمان سر پہ اٹھالیا چنانچہ ۱۱۔ مارچ ۱۹۲۶ء کو ہندوؤں کی طرف سے آریہ گزٹ لاہور میں یہ اعلان شائع کیا گیا۔

"سرحدی صوبہ کو اصلاحات دینے کا سوال اسمبلی میں پیش ہے اور اب ۱۸۔ مارچ ۱۹۲۶ء کو اس پہ بحث ہونے والی ہے ہمیں اصلاحات سے کوئی واسطہ نہیں ملیں نہ ملیں لیکن اس میں سرحدی صوبہ کے آریہ ہندو اور سکھ بھائیوں کی زندگی اور موت کا سوال وابستہ ہے اس لئے ہمیں اس سوال سے دلچسپی ہے ہمارا خیال ہے کہ ان اصلاحات نے ملک میں مذہبی اور فرقہ وارانہ بے چینی کے بڑھانے میں کافی حصہ لیا ہے۔ اور سرحدی صوبہ ایسے جھگڑوں سے پہلے ہی لبریز ہے۔ یہ اصلاحات تو وہاں بارود میں چنگاری کا کام دیں گی۔ اس لئے ہر ایک امن پسند انسان کو سرحد میں اصلاحات کی مخالفت کرنا چاہیئے۔"

ملاپ نے ۱۲ جنوری ۱۹۲۸ء کے اداریئے میں لکھا۔

"سندھیوں، بلوچیوں اور سرحدیوں کی تعلیمی اور مجلسی حالت ایسی نہیں ہے کہ وہ آزاد صوبہ کی ذمہ داریوں کے متحمل ہوسکیں۔"

اب ہندو ہمیشہ کیلئے ایسے کھیل کو جاری رکھنا نہیں چاہتے وہ ایسے سوراجیہ کے خواہشمند نہیں جس میں ہندوستان کے حصے بخرے ہوجائیں صوبہ سرحد کوئی لے جائے۔ سندھ پہ کوئی قابض ہوجائے اور بنگال پنجاب پر کوئی تسلط جمالے اور باقی ہندوستان ان سے گھرا ہوا ہمیشہ کا لدگ سہیڑے ہندو ایسے سوراجیہ پہ لات ماردیں گے (ملاپ ۲۵ مارچ ۱۹۲۷ء)

"فی الحال لوکل باڈیوں میں انتخاب امن عامہ کی خاطر مطلوب

نہیں کیونکہ ایک تو صوبہ سرحد میں ہندوؤں کی اقلیت ہے اور دوسرے رائے دہندگی کو سمجھ سے استعمال کرنے کیلئے یہ علاقہ کافی ترقی یافتہ نہیں۔"

(ملاپ لاہور ۳۰ جنوری ۱۹۲۶ء)

سرحد میں جب سائمن کمیشن آیا تو ۱۹ نومبر ۱۹۲۸ء کو پشاور میں سرحدی ہندوؤں کا ایک مشترکہ وفد زیر قیادت رائے بہادر ٹھاکر دت سائمن کمیشن کے سامنے حاضر ہوا اور ایک میمورنڈم پیش کر کے صوبہ سرحد میں اصلاحات کی توسیع اور انتخابی طریقہ کی مخالفت کی اور پھر ہندوؤں نے نہایت زوردار الفاظ میں یہ مطالبہ پیش کیا کہ اگر فرقہ وارانہ لائنوں پر صوبہ سرحد کو آزادی دی گئی تو ہندو اسے ہرگز قبول نہیں کریں گے۔

اسی طرح گول میز کانفرنس میں جب سرحد کو اصلاحات دینے کا سوال زیر بحث آیا تو سرحد کے ہندوؤں نے بے شمار تار لندن روانہ کئے کہ صوبہ سرحد کو اصلاحات نہ دی جائیں اور اسے آزادانہ کیا جائے۔ چنانچہ ایڈیٹر پرتاب لاہور نے ۲۱ مارچ ۱۹۲۸ء کو اپنے اداریے میں لکھا کہ:

"سرحد کے مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کے صوبے کو وہی اختیارات حاصل ہوں جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کو حاصل ہیں مگر وہاں کے ہندو دل سے نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کو کچھ ملے۔

غرض یہ کہ ہندو یہ چاہتے تھے کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں سے کم ہے وہاں کے مسلمان بھی اپنے قلیل ترین حق سے بھی محروم رہیں اور مشترکہ انتخاب کے ذریعے کسی ایک مسلمان کو بھی کونسل، اسمبلی اور کونسل آف سٹیٹ میں نہ آنے دیا جائے اسی طرح فیڈرل نظام یا صوبجاتی آزادی کی بھی اسی لئے مخالفت کی جاتی ہے کہ مسلم اکثریت والے صوبے اپنے جائز اختیارات کو عمل میں نہ لاسکیں۔ اور ان صوبوں میں مسلمان"

اکثریت میں ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ ہندوؤں کی مرکزی حکومت کے غلام بنے رہیں ۔ چنانچہ سرسنکرن نائر نے ۱۹۲۷ء میں کونسل آف سٹیٹ میں گورنمنٹ پہ یہ کہہ کر دباؤ ڈالا کہ" جب تک ہندو اور مسلمان لیجسلیٹو کونسلوں میں فرقہ وارانہ نیابت کی بنا پر ممبروں کے انتخاب کو نہیں چھوڑتے ، اس وقت تک ہندوستانی کونسلوں اور اسمبلی کے ممبروں کی تعداد میں کوئی اضافہ نہ کیا جائے اور نہ کچھ نئی اصلاحات دیجائیں اور نہ ہی مزید اختیارات دیئے جائیں حتیٰ کہ ذمہ دار حکومت قائم کرنے کے لئے بھی مزید کوئی کارروائی نہ کی جائے" (ملاپ لاہور ۲۲، مارچ ۱۹۲۷ء)

ہندو قوم بغل میں چھری اور منہ میں رام رام کے اصولوں پر چلتے ہوئے ایک طرف تو نیشنلسٹ مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا کر ان کا تعاون حاصل کر کے انگریزوں سے یہ منوانا چاہتی تھی کہ کانگرس ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت ہے کیونکہ اس میں مسلمان بھی شامل ہیں دوسری طرف مسلمانوں کیلئے ہندوؤں کے دلوں میں نفرت پیدا کر رہی تھی ، اسکا اندازہ یہ ہے کہ اخبار تیج نے یکم اکتوبر ۱۹۲۶ء کو اداریہ لکھا ۔

" مجھے تعجب ہے کہ آیا مسلمان کبھی ہندو مسلم اتحاد حاصل کرنے کی غرض سے تبلیغ اسلام سے دستبردار ہونے پر اتفاق کریں گے ،

اخبار ملاپ نے یکم جنوری ۱۹۲۸ء کو اداریہ لکھا ۔"

" سچ مچ ہندو مسلم سمجھوتہ تو اسی دن ہو گا جس دن مسلمان گئو ہتیا سے کنارہ کشی کریں گے "

اخبار تیج میں ۲۰، مارچ ۱۹۲۶ء راجکمار ایس مٹھی کا بیان شائع ہوا کہ " بغیر شدھی کے ہندو مسلم اتحاد نہیں ہو سکتا ، جس وقت سب مسلمان شدھ ہو کر ہندو ہو جائیں گے تو سب ہندو ہی ہندو نظر آئیں گے پھر دنیا کی کوئی بھی طاقت ان کو آزادی سے نہیں روک سکتی

(پنڈت بالکند کا بیان اخبار الامان ۲۳، مارچ ۱۹۲۷ء)

پنڈت بالکرشن نے اخبار پرکاش کو ۱۶ مارچ ۱۹۲۷ء کو بیان دیتے ہوئے کہا:
"مسلمانوں کو ہندوؤں کے جذبات کی قدر کرنا چاہیئے اور پھر اتفاق تب ہوسکتا ہے جب کلچر ریتی (تہذیب و رسوم) ریتی رواج، لٹریچر زبان اور فلاسفی میں مطابقت ہو"

پنڈت پرمانند نے اعلان کیا:
"ہندو مسلم اتحاد سے سوراج ممکن نہیں جب تک یہاں پر ایک دھرم اور ایک جاتی نہ ہو اس وقت تک اتحاد کی کوشش بیکار ہے۔
(اخبار حقیقت لکھنؤ ۱۵ فروری ۱۹۲۸ء)

گاندھی جی کا مشورہ:- اگر دونوں کو دوستی پیاری ہو تو دونوں اپنی اپنی غرض سے گئوہتیا اور باجے بند کردیں۔
(اخبار کیسری لاہور ۹ مئی ۱۹۱۴ء)

ڈاکٹر مونجے کا اعلان:- اگر ہم نے اپنا دھرم کھو کر ہی سوراجیہ حاصل کرنا ہے تو سول نافرمانی وغیرہ کی کیا ضرورت ہے کیوں نہ ہم عیسائی ہو جائیں" (اخبار پرتاب ۱۳ فروری ۱۹۲۵ء)

مجھے ایسے سوراجیہ کی ضرورت نہیں جس میں ہندو ہندو نہ رہ سکیں اگر ہندو رہتے ہوئے سوراجیہ ملے تو اس کی کوئی قیمت ہے ورنہ جیسے ہمارے سات کروڑ بھائیوں نے چار سو برس پہلے مسلمان بن کر سوراجیہ لیا تھا اس کی ضرورت نہیں۔

(اخبار الامان دہلی ۳ جنوری ۱۹۲۶ء)

ملکی معاملات میں قومیت کے جذبے کے معنی یہ ہیں کہ اپنی قوم سے محبت اور دوسری تمام اقوام سے نفرت کی جائے۔ (ہندو زندگی کے راز ص۱۵ مصنفہ بھائی پرمانند)
ہندوؤں کے ترجمان اخبار پرتاب نے ۲ جولائی ۱۹۲۶ء کے شمارے میں ص۲ پر ہندو

قوم کو مخاطب ہو کر کہا۔"

"جب اپنے حقوق کا سوال آئے تو اس وقت انصاف اور رحم کو اپنے پاس بھٹکنے تک نہ دو۔"

ہندو اس پروپیگنڈے میں مصروف تھے کہ انگریز نے کانگریس کی متفقہ جدوجہد کے بعد اعلان کیا کہ ہندوستان کو مکمل حقوق اس وقت دیئے جائیں گے جب ہندوستان کے تمام فرقوں اور قوموں میں باہمی اتحاد ہو۔ اب کانگرس نے پلٹا کھایا اور یہ سوچ کر کہ برصغیر میں اکثریت تو ہندوؤں کی ہے لہٰذا ہندو اکثریت میں ہونے کی وجہ سے اقلیت کے ساتھ جو سلوک کرنا چاہیں کر سکتے ہیں لہٰذا وقتی طور پر ہندوستان کی اقلیت کو بھی سبز باغ دکھا کر انہیں کانگرس کے پلیٹ فارم پر لا کھڑا کیا جائے چنانچہ کانگریس نے ظاہراً متحدہ قومیت کے گیت گا کر مسلمانوں کو بھی کہا کہ ہم مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کریں گے اس لئے مسلمان اگر ہمارے ساتھ مل جائیں تو متحد ہو کر سیاسی جنگ لڑی جائے۔ اور آزادی حاصل کی جائے، ہندوؤں نے مسلمانوں پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے انہیں ملک اور قوم کا واسطہ دے کر۔ آزادی کے نام پر اپیلیں کر کے ہمنوا بنانے کی کوشش شروع کر دی، ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ یقین دلایا کہ اگر تم ہمارے دوش بدوش کھڑے ہو کر جدوجہد کرو گے تو یقیناً ہم تمہیں بھی کچھ نہ کچھ دے دیں گے، ہم اکھٹے جئیں گے اور اکھٹے مریں گے"۔ چنانچہ مسلمان ان کی باتوں میں آ گئے اور ان کے ساتھ مل کر جدوجہد آزادی کے ابتدائی مرحلوں میں تگ و دو شروع کر دی۔ کانگرس نے متحدہ پلیٹ فارم سے مختلف حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں نے اس متفقہ پلیٹ فارم کی آڑ میں اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے اور مراعات حاصل کر لیں۔ اب مخلص اور اسلام پرست مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے یقین کر لیا کہ ہندوؤں نے جس سیاسی چال کے ذریعے ہمیں آلہ کار بنایا ہے۔ واقعی مسلمان قوم کے لئے ایک درس عبرت ہے چنانچہ مخلص مسلمانوں نے کانگرس کا ساتھ چھوڑ

دیا کیونکہ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ کانگرس نام کے لحاظ سے تو واقعی نیشنل ہے مگر حقیقت
میں اسے مسلمانوں کے حقوق ۔ آزادی اور ہوم رول سے قطعاً کوئی سروکار نہیں بلکہ کانگرس
کو ابتدائی دنوں میں متحدہ کوشش کے ذریعے گورنمنٹ نے جو کچھ بھی دیا ۔ وہ سب کا سب
ہندوؤں کے حصے میں آیا اور مسلمان منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے ، کانگرس نے برصغیر میں
ہندو راج قائم کرنے کیلئے ابتدائی مرحلے میں یہی کوشش کی کہ برصغیر کی تمام اہم آسامیوں
پر ہندو قبضہ کر لیں اور اس کے بعد ہندو راج کی طرف قدم اٹھانا کامیابی کی دلیل ہوگا ۔
چنانچہ ان علاقوں میں بھی جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی وہاں کانگرس نے ہائیکورٹ
کی اعلیٰ آسامیوں اور دوسری اہم آسامیوں پر ہندوؤں کو مقرر کر دیا تھا یہ واقعات
مسلمانوں کیلئے اور بھی زیادہ حوصلہ شکنی کا باعث بنے ۔

مسلمان لیڈروں اور مخلص رہنماؤں کا کانگریس سے الگ ہو جانے پر کانگرس نمائندہ
جماعت کی دعویدار نہیں بن سکتی تھی لہٰذا کانگرس نے یہ چال چلی کہ کرائے کے مسلمانوں
کو سبز باغ دکھا کر کانگریس میں شامل کرنا شروع کر دیا اس سلسلے میں کانگرس نے برصغیر
کے مختلف علاقوں سے اثر و رسوخ رکھنے والے سرکردہ مسلمانوں، مولویوں اور پیروں کو اپنے
دام کانگرس میں پھانسنے کی کوشش کیں ۔

اس حقیقت کو ہندوؤں کے ترجمان اخبار نے یوں بیان کیا ہے

" بعض لوگ کانگرس کو ایک فیشن ایبل جلسہ سمجھتے تھے ۔ اس زمانہ میں مختلف
صوبوں کے سال بھر کے تھکے ماندے بیرسٹر ، وکیل اور چند دوسرے آزاد پیشے
والے آدمی سال میں ایک دفعہ باری باری ہندوستان کے شہروں میں جمع ہو جاتے
تھے اور اپنے اپنے خیال کے مطابق کانگریس میں رزولیوشن پاس کر کے اور جہاں کانگرس
کے جلسے ہوتے وہاں کی سیر کر کے گھروں کو واپس جاتے تھے اور عام علاقوں کی طرح
کانگرس کے ڈیلی گیٹوں کی زیادہ تر توجہ سرکاری ملازمت کے ٹکڑوں کی طرف ہوتی تھی

مثلاً ہندوستانیوں کا ہائیکورٹ کی جج، کمشنر، ڈپٹی کمشنر اور فوج کے لفٹننٹ، سکولوں کے انسپکٹر، پولیس کا سپرنٹنڈنٹ بننا، سول سروس کا انگلستان اور امتحان میں پاس ہونا وغیرہ وغیرہ" (پرتاپ ۹، دسمبر ۱۹۲۴ء)

مسلمان اکثریت والے صوبوں میں اصلاحات کی مخالفت میں ہندو مہاسبھا پیش پیش تھی مگر درپردہ اسے کانگرس کی پوری حمایت حاصل تھی۔

ہندو مہاسبھا تو خالصتہً ہندوؤں کی جماعت تھی اور وہ مسلمانوں کے حقوق کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کر کے ہندوستان میں خالص ایسا ہندو راج قائم کرنا چاہتی تھی، جس میں اقلیتیں ہندوؤں کے رحم و کرم پر ہوں۔

چونکہ ہندو نہایت دوراندیش تھا اس لئے اس نے مسلمانوں کو بھی تشدد کی کاروائیوں میں شامل کرنے کیلئے ایک اور جماعت کی بنیاد ڈالی جس کا نام نوجوان بھارت سبھا تھا۔ اسی طرح بعد میں آریہ سماج تحریک کا آغاز ہوا اس کا مطلب بھی خالص ہندو مفاد پر مشتمل تھا، ساتھ ہی ساتھ کانگرس نے یہ چال چلی کہ مسلمانوں کو مکمل طور پر اپنے ساتھ شامل کرنے کیلئے کئی مولویوں کو اپنے ساتھ ملایا جب ان مولویوں پر کفر دوستی کے فتوے لگے تو کانگرس کے ایماء پر جمعیۃ العلمائے ہند اور احرار جیسی جماعتوں کی تشکیل کی گئی۔ یہ جماعتیں اپنی الگ حیثیت رکھتی تھیں مگر اصولی طور پر ان کا اشتراک کانگرس سے تھا گویا کہ کانگرس کا پرچار کرنے کیلئے خالص مذہبی رنگ میں ان جماعتوں کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ ان تمام جماعتوں کا اور کانگرس کا متحدہ نصب العین یہ تھا کہ مسلم لیگ کے دو قومی نظریے کی مخالفت کی جائے اور کانگرس کے نصب العین کے تحت متحدہ قومیت کا نعرہ لگا کر انگریزوں سے آزادی حاصل کی جائے۔

پنڈت دین دیال نے کانگڑہ کے جلسے میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے صاف صاف کہدیا تھا کہ مسلم لیگ کی جائز کوششوں کو دیکھ کر ہی ہندوؤں کے ایک فریق نے

ہندوؤں کی خالص حفاظت کیلئے مسلم لیگ کے ڈھنگ پر ہندو مہاسبھا بنانے کا فیصلہ کیا اور پہلے پہل پنجاب میں اس جماعت کی شاخیں قائم ہوئیں۔"

ہندو مہاسبھا کی ابتدا اور اس کی شاخیں زیادہ تر انہی علاقوں میں قائم کی گئی تھیں جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اس لئے یہ بات واضح ہے کہ یہ جماعت یا اس قسم کی دوسری تشدد پسند جماعتیں جنگ آزادی کیلئے نہیں بلکہ مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرنے کیلئے قائم کی گئی تھیں، ہندو مہاسبھا کے بانی مبانی وہی لوگ تھے جو کانگرس کے کرتا دھرتا تھے۔ جن میں سر پی سی چیٹرجی، لالہ لال چند، لالہ لاجپت رائے، موتی لال نہرو رائے بہادر رام شرن داس، ٹھاکر میاں چند۔ اس جماعت میں کانگرسی آریہ سماجی اور سناتن دھرمی ہندو شامل تھے۔ جسٹس سر شادی لال اس کے پہلے سیکرٹری تھے مہاتما گاندھی کی در پردہ پوری تائید اور حمایت اس جماعت کو حاصل تھی۔ یہ جماعت کنبہ کے میلے میں ہردوار کے مقام پر قائم ہوئی تھی۔ اس کا بانی مبانی مہاراجہ بالو سکھبیر سنگھ تھا مہاتما گاندھی بھی اس جلسے میں شریک تھے، اس کے ابتدائی دو اہم اجلاس جن میں اس کے پروگرام کو عملی شکل دی گئی پنڈت مدن موہن مالویہ کی زیر صدارت ہوئے۔ یہی وہ مہاسبھا تھی جس نے لکھنؤ میں مسلم لیگ اور کانگریس کے معاہدے پر پروٹسمٹ کیا تھا۔ یہ بھی کانگریس آواز بلند کرائی تھی۔ تاکہ معاہدے کی شرائط پر تمام ہندو عمل پیرا نہ ہوں اور وہ باقاعدہ مسلم لیگ کے راستے میں فولادی دیوار بننے کی کوشش کرتے رہیں۔ کانگرس نے مسلمانوں کے راستے میں قدم قدم پر روڑے اٹکائے اور ہندوستان میں ایسی حکومت کیلئے جدوجہد کی جس میں مسلمان ہندو قوم کے دست نگر بن کر زندگی گزار سکیں۔

"جب ہندوؤں نے دیکھا کہ انگریز اپنے وعدے کے مطابق آزادی دے گا، اور ساتھ ہی مسلم لیگ کے دو قومی نظریئے کے نعرے کی گونج اس کے کانوں میں پڑی تو اس نے اپنی دور اندیش نگاہوں سے کام لیتے ہوئے مسلم لیگ کے اس نظریئے کے مقابلے کیلئے

مسلمانوں کا سہارا ڈھونڈا اور چن چن کر ایسے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے لگے جو اپنے اپنے حلقے میں اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ ان مسلمانوں کے سامنے قسم قسم کی یقین دہانیاں کرائی گئیں اور لمبے چوڑے وعدے اور سبز باغ دکھا کر ان مسلمانوں کو مسلم لیگ کے راستے میں مضبوط دیوار بنا کر کھڑا کرنے کی جدو جہد شروع کر دی۔ ان مسلمانوں میں سے بہت سے ایسے بھی تھے جنہیں کانگریس نے خرید لیا تھا۔ اس بات کا ثبوت خود ایک کانگرسی لیڈر لالہ لاجپت رائے نے لائلپور کے ایک جلسے میں دیا کہ۔

"وہ دن کسی کو نہیں بھولے جب کانگریس میں کرایہ کے مسلمان لائے جاتے تھے محض یہ ثابت کرنے کے لئے کہ مسلمان بھی کانگریس میں شریک ہیں اور کانگریس صحیح معنوں میں نیشنل باڈی ہے۔ (اخبار تیج ۲۴ نومبر ۱۹۲۶ء)

بڑے کھلاڑی

ہندوستان کے ہندو لیڈروں اور کانگرسی رہنماؤں کے ذہن میں یہ بات نقش ہو چکی تھی کہ سرحد کی کل آبادی میں ہندو چونکہ صرف پانچ فیصد ہیں اس لئے پٹھان اس ہندو اقلیت کو کہیں ختم نہ کر دیں۔ کانگرسی لیڈر اور ہندو مہا سبھا پٹھانی ہوّا سے خواہ مخواہ خائف تھے اس خوف کی وجہ سے ہندوستان کے ہندو اور کانگرسی لیڈر اس بات پر زور دے رہے تھے کہ سرحد کو پنجاب میں شامل کر کے سرحدی صوبے کی حیثیت کو ہی بالکل ختم کر دیا جائے تاکہ سرحدی ہندو پنجابی ہندوؤں کے ساتھ مل کر اپنی آبادی کے تناسب کو بڑھا کر اعلیٰ سرکاری ملازمتوں پر فائز ہو سکیں اس نظریے کے ساتھ ساتھ ہندو اور سکھ سرحد کے "قبائلی مجاہدین سے بھی انتہائی خائف تھے لہٰذا ان کی یہ کوشش تھی کہ جس طرح بھی ہو انگریز براہ راست مرکز کے ذریعے سرحد کے قبائلی علاقے پر اپنی گرفت زیادہ سے زیادہ مضبوط کریں۔ ہندو

اس خیال کے مطابق یہ چاہتے تھے کہ انگریز حکومت ہمیشہ قبائلیوں کو دبائے رکھے تاکہ وہ سر نہ اٹھا سکیں۔ دور رس کامیابیوں کے خواب دیکھتے ہوئے ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے ایک ہندو ممبر سر سیوا سوامی آئر نے ۲۱ ستمبر ۱۹۲۱ء کو ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں ریزولیوشن پیش کیا کہ :۔

"یہ اسمبلی گورنر جنرل کی کونسل کو سفارش پیش کرتی ہے کہ اسمبلی کے منتخب ممبروں پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی جائے جو مکمل تحقیق کے بعد یہ رپورٹ پیش کرے کہ :۔

۱۔ صوبہ سرحد کے پانچ انتظامی اضلاع کو جو پنجاب سے الگ کئے گئے ہیں ان کی پنجاب سے علیحدگی سے حکومت ہند کو سیاسی، فوجی یا مالی لحاظ سے یا ملک کے اندرونی معاملات میں کوئی فائدہ ہوا ہے یا نہیں۔

۲۔ آیا صوبہ سرحد کے قبائلی علاقوں کو مرکز کے کنٹرول میں دے کر باقی پانچ انتظامی اضلاع کو دوبارہ پنجاب میں شامل کرنا مفید ہے؟

سر سیوا سوامی آئر کی تحریک اسمبلی کے ہندو ممبروں کی خواہش کے مطابق اسمبلی میں منظور ہو گئی۔ اس ریزولیوشن میں سرحد کیلئے جس کمیٹی کے تقرر کا مطالبہ کیا گیا تھا وہ کمیٹی جنگ افغانستان کی وجہ سے قائم نہ کی جا سکی۔ جب افغانستان اور انگریزوں کے درمیان صلح کا معاہدہ ہو گیا تو حکومت ہند نے اپریل ۱۹۲۲ء میں کمیٹی کے ممبروں کے ناموں کا اعلان کیا۔ کمیٹی کا صدر ہندوستان کے امور خارجہ کے سیکرٹری سر ڈینیز برے کو مقرر کیا گیا۔ باقی ممبروں میں آنریبل سر رضا علی ممبر کونسل آف سٹیٹ۔ راؤ بہادر ٹی رنگا چاریر ایم ایل اے خان بہادر عبدالرحیم خان ایم ایل اے مسٹر اے ایچ پارکر ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج پنجاب مسٹر لوٹن ریونیو کمشنر سرحد تھے۔ یہ کمیٹی سرحد کی آئینی تاریخ میں برے کمیٹی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کمیٹی کے ذمے جو فرائض سونپے گئے تھے وہ یہ تھے کہ :۔

۱۔ آیا یہ ممکن ہے کہ صوبہ سرحد کے پانچ انتظامی اضلاع کی انتظامیہ کو سرحد سے ملحقہ قبائلی علاقے کے سیاسی کنٹرول سے الگ کیا جائے۔

۲۔ اگر سرحد کے پانچوں انتظامی اضلاع کو سرحد سے ملحقہ قبائلی علاقوں سے الگ کر دیا جائے تو کیا یہ ممکن ہے کہ ان پانچوں اضلاع کی انتظامیہ کو دوبارہ پنجاب میں مدغم کر دیا جائے۔

۳۔ اگر مذکورہ پانچ سرحدی انتظامی اضلاع کو قبائلی علاقوں سے الگ کرنا ممکن نہ ہو تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ :۔

(۱) تمام صوبے کو گورنمنٹ آف انڈیا کے ڈائریکٹ کنٹرول میں لے لیا جائے اور اگر ایسا ممکن ہو تو پھر :۔

(ب) ایک قانون ساز کونسل بنائی جا سکتی ہے جو ان پانچوں اضلاع کے انتظام کو سنبھال سکے؟

۴۔ اگر تمام صوبہ سرحد کو گورنمنٹ آف انڈیا کے بالواسطہ کنٹرول میں لیا جائے تو کیا یہ ممکن ہے کہ اس صورت میں صوبہ سرحد کی عدلیہ کے انتظام کو پنجاب ہائیکورٹ کے اختیارات میں دے دیا جائے اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر کون سے ذرائع اختیار کئے جائیں جن سے سرحد کے موجودہ عدالتی انتظامات بہتر ہو سکیں۔

۵۔ مذکورہ بالا تبدیلیوں کی وجہ سے جو اخراجات بڑھیں انہیں کس طرح پورا کیا جا سکتا ہے۔

اسمبلی کی سفارشات کی بنا پر برے کمیٹی ۱۲ مئی ۱۹۲۲ء کو پشاور پہنچی۔ کمیٹی نے سرحد کے سرکردہ افراد کو دعوت دی کہ وہ کمیٹی کے سامنے پیش ہو کر اپنے اپنے موقف پیش کریں۔ سرحد کے سرکردہ مسلمانوں نے جن میں سر صاحبزادہ عبدالقیوم، وزیر زادہ گل محمد خان۔ خان بہادر حاجی غلام حیدر خان۔ میجر محمد اکبر خان ہوتی۔ خان بہادر میاں مشرف شاہ

علی حیدر شاہ۔ پیر عمران شاہ۔ خان باز محمد خان۔ خان نوروز خان آف کوہاٹ، خان بہادر شیر علی خان آف بنوں، مولوی نور بخش آف ڈیرہ اسماعیل خان، نواب اللہ داد خان آف ڈیرہ اسمٰعیل خان، میجر نواب احمد نواز خان آف ڈیرہ۔ خان بہادر مہربان خان نواب زادہ عبدالرحمٰن خان آف ڈیرہ اسمٰعیل خان، خان بہادر محمد اکبر خان اور ولی محمد خان آف ہزارہ نے کمیٹی کے سامنے یہ بیانات دیئے کہ:۔

(۱) قبائلی علاقوں اور پانچ انتظامی اضلاع کو ایک دوسرے سے جدا نہ کیا جائے۔

(۲) سرحد کو پنجاب میں شامل نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کی اپنی حیثیت کو برقرار رکھنے کیلئے اسے ہندوستان کے باقی صوبوں کی طرح مساوی حقوق دیئے جائیں۔

(۳) سرحد کے عدالتی نظام کو پنجاب ہائیکورٹ کے اختیارات میں نہ دیا جائے بلکہ سرحد کیلئے الگ عدالتی نظام قائم کیا جائے جس کے لئے سرحد ہائیکورٹ کا قیام ضروری ہے

سرحد کے ہندوؤں اور سکھوں نے کمیٹی کے سامنے شہادتیں دیتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ سرحد کو پنجاب میں شامل کیا جائے سرحد کو الگ صوبے کی حیثیت سے اصلاحات نہ دی جائیں، سرحد کا عدالتی کنٹرول پنجاب ہائیکورٹ کے تحت ہی رہے ان ہندوؤں میں مشہور صنعت کار اور تاجر رائے بہادر ایشر داس رائے صاحب، دیوان چند رائے صاحب چودھری روچی رام۔ لالہ گھنشیم داس رائے بہادر دیوان جگن ناتھ، رائے بہادر ٹھاکر دتہ اور لالہ ہرکشن لال خاص طور پہ قابل ذکر ہیں۔

کمیٹی کے ہندو ممبروں نے ہندو ذہنیت کا مظاہرہ کیا اور سرحدی ہندوؤں کی شہادتیں قلم بند کرتے ہوئے ایک الگ اختلافی نوٹ لکھ کر کمیٹی کی رپورٹ کے ساتھ

شامل کیا جس میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ سرحد کو پنجاب میں شامل کیا جائے یہ نہ تو الگ صوبائی حیثیت کے قابل ہے اور نہ ہی سرحد کے پٹھان ہندوستان کے باقی صوبوں کے مساوی اصلاحات کے اہل ہیں۔ کمیٹی کے مسلمان ممبر اور سرحد کے سرکردہ مسلمان لیڈروں اور شخصیتوں نے اس بات پر زور دیا کہ قبائلی علاقوں کا نظم و نسق انتظامی اضلاع سے الگ نہ کیا جائے کیونکہ قبائلی بھی پٹھان ہیں دونوں زبان ادب اور نسل کے لحاظ سے ایک ہیں۔ اور زیر انتظام اضلاع کے باشندے بھی پٹھان ہیں ان کے رسم و رواج ایک ہیں تہذیب و تمدن ایک ہے اس لئے ان کے درمیان قبائلی اور غیر قبائلی کی خلیج نہ حائل کی جاتے۔ مسلمان ممبر اور سرحد کے مسلمان یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح قبائلیوں کو زیر انتظام اضلاع میں شامل کر کے سرحد کے باشندے متحدہ طور پر ترقی کر سکیں اور قبائلی انگریزوں کی فارورڈ پالیسی سے نجات حاصل کر سکیں مگر ہندوؤں نے قدم قدم پر مخالفت کی۔

کمیٹی کے ہندو ممبروں کو چھوڑ کر باقی ممبروں میں سے تین مسلمان تھے اور تین انگریز تھے مسلمان ممبروں میں سے ایک ممبر خان بہادر عبدالرحیم خان کنڈی ان دنوں ہندوستان کی مرکزی آئین ساز اسمبلی کے ممبر تھے۔ خان بہادر عبدالرحیم کنڈی کمیٹی کے باقی مسلمان ممبروں کے تعاون سے کمیٹی میں شامل انگریز ممبروں کو دلائل پیش کرتے ہوئے ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ سر ڈینیز برے نے حکومت ہند کو جو رپورٹ پیش کی اس میں یہ اعتراف کیا گیا کہ :۔

(۱) صوبہ سرحد کو پنجاب میں شامل نہ کیا جائے۔

(۲) صوبہ سرحد ہر لحاظ سے آئینی اصلاحات کا مستحق ہے۔

(۳) سرحد کے باشندے قابلیت، ذہانت اور انتظامی صلاحیتوں میں ہندوستان کے کسی صوبے کے باشندوں سے پیچھے نہیں ہیں۔

(۴) اگر ہندوستان کے باقی صوبوں کو حکومت خود اختیاری کا موقع دیا گیا ہے تو اس صورت میں سرحد کے پٹھان حکومت خود اختیاری کے زیادہ مستحق ہیں۔ اگر پٹھانوں کے اس مطالبے کو ٹھکرایا گیا۔ اور سرحد کے قلیل تعداد میں رہنے والے ہندوؤں کے مفاد کی حمایت کی گئی یا سرحد کے پٹھانوں کو اپنے صوبے میں ترقی اور حکومت خود اختیاری سے محروم رکھا گیا تو اس کے نتائج انتہائی سنگین ہوں گے۔

سر صاحبزادہ اور برے کمیٹی کے مسلمان ممبروں کی کوششوں کا نتیجہ یہ بھی نکلا کہ کمیٹی کی رپورٹ میں سر ڈینزربرے کو حکومت ہند کے سامنے اس حقیقت کا بھی اعتراف کرنا پڑا کہ "قبائلی علاقے کے نظم و نسق کو زیر انتظام اضلاع کے ساتھ شامل کر کے قبائلی اور غیر قبائلی کے امتیاز کو ختم کیا جائے تا کہ لارڈ کرزن کی جاری کردہ پالیسی کے خاتمے کے بعد قبائلیوں کو اطمینان کا سانس لینے کا موقع مل سکے۔ مگر انگریز چونکہ قبائلیوں سے انتہائی خائف تھے اس لئے رپورٹ کے اس حصے کو حکومت ہند نے نظر انداز کر دیا۔

نواب سر صاحبزادہ نے برے کمیٹی کے سامنے دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ زیر انتظام اضلاع سے قبائلی علاقوں کی علیحدگی اصولاً نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی قابل امکان ہے، نواب صاحب انتہائی زور لگا رہے تھے کہ انگریز قبائلی علاقوں کو زیر انتظام اضلاع سے ملحق کر کے ان کا انتظام بھی صوبہ سرحد کی حکومت کے تحت کر دیں۔ تاکہ قبائلی لوگ تعلیمی، تجارتی، اقتصادی اور تمدنی لحاظ سے ترقی کر سکیں اور انگریزوں کی آئے دن کی بمباری اور حملوں سے محفوظ ہو سکیں۔

وائسرائے ہند کا راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کیلئے اعلان

نومبر ۱۹۲۹ء کو وائسرائے ہند لارڈ ارون نے اعلان کیا کہ برطانوی حکومت اور ہندوستان کے باشندوں کے درمیان عدم اعتماد کی فضا کو دور کر کے بہتر فضا پیدا کرنے کے لئے سر سائمن کمیشن کی رپورٹ کی تیاری کے بعد جسے انڈین سنٹرل کمیٹی کی مدد حاصل ہے ملک معظم کی حکومت ہندوستان میں نوآبادیات جیسی حکومت "قائم کرنے پر آمادہ ہو چکی ہے لہٰذا کمیشن کی رپورٹ کی اشاعت کے بعد برطانوی ہند میں آئینی ارتقاء کے وسیع سوال پر ان تمام اصحاب کے تعاون سے غور کیا جائیگا۔ جو برطانوی ہندوستان کی رائے کا مستند طور پر اظہار کر سکتے ہیں۔

لارڈ ارون نے یہ بھی اعلان کیا کہ مجھے ملک معظم کی طرف سے یہ ہدایات موصول ہوتی ہیں کہ برطانوی حکومت اور ہندوستانی مدبرین کے درمیان باہمی افہام و تفہیم کے بعد ہندوستان میں ذمہ دارانہ حکومت "قائم کرنے کے لئے بتدریج حکومت خود اختیاری دے دی جائیگی۔ لہٰذا جب سائمن کمیشن اور انڈین سنٹرل کمیٹی اپنی رپورٹ ملک معظم کو پیش کرے تو اس کے بعد اسے شائع کر دیا جائیگا۔ اور اس کی اشاعت کے بعد ہز مجسٹی کی حکومت حکومت ہند کے مشورے کے ساتھ تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہندوستان کی مختلف پارٹیوں اور مختلف مفاد رکھنے والی سیاسی جماعتوں اور ہندوستانی ریاستوں کے نمائندوں کو لندن میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں مدعو کریگی اور ان سے علیحدہ طور پر یا مشترکہ طور پر جیسا کہ حالات اجازت دیں گے ہندوستان اور ہندوستانی معاملات پر تبادلہ خیال کیا جائیگا اس طریقے سے برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے وہ تجاویز رکھی جائیں گی جنہیں رائے عامہ کی منظوری حاصل ہو سکے۔"

وائسرائے ہند کے اس اعلان کے بعد کانگرس نے دہلی میں مسٹر پٹیل کی رہائش گاہ پر ہندوستان بھر سے اپنے ہم خیال لیڈروں کو مدعو کیا دو روز کی بحث کے بعد کانگرس نے اپنے مفاد پر مشتمل یہ اعلان کیا۔

"ہم دستخط کنندگان ذیل یہ ضروری اعلان کرتے ہیں کہ آئینی سکیم تیار کرنے کے اعلان پر ہم ملک معظم کی حکومت سے تعاون کے قابل ہو گئے ہیں مگر یہ ضروری ہے کہ اس آئینی سکیم کی تیاری میں اہم امور وضع کرنے میں ملک کی بڑی سیاسی انجمنوں کا تعاون حاصل کیا جائے۔"

دستخط کنندگان

مہاتما گاندھی۔ پنڈت مدن موہن مالویہ۔ پنڈت موتی لال نہرو۔ ڈاکٹر انصاری مسز سروجنی نائیڈو۔ ڈاکٹر اینی بسینٹ۔ سر تیج بہادر سپرو۔ پنڈت جواہر لال نہرو۔ مسٹر اینے۔ مسٹر گپتا۔ بی ایس مونجے۔ رانگا سوامی آئنگر۔ مسٹر شروانی۔ مسٹر بدیان رائے شعیب قریشی ولبھ بھائی پٹیل۔ پتا بھائی سنیا رامیا۔ ڈاکٹر محمود۔ مسٹر ٹیٹین۔ گھنیسام داس لا سردار دول سنگھ۔

کانگرس کے اس اجلاس اور اعلان کا یہ مقصد تھا کہ برطانوی حکومت کانگرس کو ہندوستان کی اکثریتی پارٹی تسلیم کرے اور اسے ہونے والی کانفرنس میں زیادہ سے زیادہ نمائندگی دے چنانچہ اس اجلاس میں کانگرسی ممبروں کے بغیر دوسرے کسی لیڈر کو مدعو نہ کیا گیا۔ کانگرس کے اس اعلان کے ساتھ ساتھ برطانوی حکومت کو مجوزہ کانفرنس کے لئے تین شرائط پیش کی گئیں۔

۱۔ زیادہ خوشگوار فضا پیدا کرنے کے لئے کانگرس سے خاص کر عام مصالحت کی پالیسی اختیار کی جائے۔

۲۔ سیاسی قیدیوں کو عام معافی دے دی جائے۔

۴۔ ترقی پسند سیاسی جماعتوں کو خاص موثر نمائندگی دی جائے خاص کر انڈین نیشنل کانگرس کو جو ہندوستان میں سب سے بڑی ترقی پسند جماعت ہے اسے سب سے زیادہ نمائندگی دی جائے۔

کانگرس کے اس اعلان کا مقصد یہ تھا کہ انگریز ہندوستان کی مسلم سیاسی جماعتوں یا مسلمان نمائندوں کو گول میز کانفرنس میں کوئی اہمیت نہ دیں۔ کیونکہ کانگرس ہندوستان میں صرف ہندو راج کے خواب دیکھ رہی تھی وہ انگریزوں سے ایسی شرائط منوانا چاہتی تھی جن شرائط کے تحت ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہندو مفاد پر مشتمل ہو۔ دوسری طرف کانگرس اور ہندو مہاسبھا کا یہ سب جوڑ توڑ اس لئے تھا کہ گول میز کانفرنس میں صوبہ سرحد کو ملنے والی اصلاحات کے راستے میں ایک آہنی دیوار کھڑی کر دی جائے کیونکہ ہندو پریس اور ہندو لیڈر مسلسل یہ کوشش کر رہے تھے کہ سرحد کو اصلاحات نہ دی جائیں۔ کانگرس ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی کہ سر صاحبزادہ سرحد کو اصلاحات دلانے میں کامیاب نہ ہوں اور پٹھان جبری قوانین کے شکنجے میں جکڑے رہیں۔

سائمن کمیشن

سر صاحبزادہ کی پر زور جدوجہد کے بعد برطانوی حکومت آخر کار اس امر پر مجبور ہوئی کہ وہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کے سلسلے میں کوئی ٹھوس فیصلہ کرے چنانچہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کے لئے جائزہ لینے کے لئے سائمن کمیشن سرحد بھیجا گیا۔ یہ کمیشن برطانوی حکومت کی طرف سے اور باتوں کے علاوہ صوبہ سرحد میں آئینی مسائل کو حل کرنے کے بارے میں تجاویز پیش کرنے کے لئے قائم کیا گیا تھا تاکہ سرحد کے آئینی مسائل کے سلسلے میں سرحد کے

لئے اصلاحات کی ضرورت اور طریقۂ کار کا فیصلہ کرنے کمیشن نے بہت زیادہ محنت کر کے مکمل تفصیلات کے ساتھ اپنی رپورٹ پیش کی۔ یہ آئینی کمیشن برطانیہ کی تینوں اہم پارٹیوں یعنی لیبر پارٹی۔ لبرل پارٹی اور کنزرویٹو پارٹی کے قابل ترین ارکان پر مشتمل تھا۔ اس کمیشن کے سربراہ سر جان سائمن تھے جو سلطنت برطانیہ کی اہم ترین قانونی شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ یہ کمیشن دو مرتبہ سرحد آیا پہلی بار سب کمیٹی کی حیثیت سے اور دوسری بار مکمل کمیشن کی حیثیت سے پشاور آیا۔ اس کمیشن نے سرحد کے بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری افراد کے بیانات قلمبند کئے اور ۱۹۳۰ء میں دو جلدوں پر مشتمل اپنی رپورٹ حکومت برطانیہ کو پیش کی جس میں سرحد کے آئینی مسائل کو حل کرنے کی سفارشات پیش کی گئی تھیں اس کمیشن کی رپورٹ بے انتہا تحقیق وسیع النظری اور مکمل تفصیلات پر مشتمل ہے۔ اس کمیشن نے برطانوی حکومت کو جو رپورٹ پیش کی اس میں یہ سفارشات تھیں۔

"صوبے کی فضا ایک قانون ساز ادارے اور اس کے سامنے ذمہ دار انتظامیہ کے لئے مکمل طور پر تیار ہے۔ کوئی فرد بھی یہ تجویز نہیں کر سکتا کہ مجوزہ قانون ساز ادارے کو پانچوں ضلعوں کے علاوہ قبائلی علاقے پر بھی مسلط کر دیا جائے۔

اگرچہ ہندو قومیت کا ایک چھوٹا سا گروہ سرحد میں موجود ہے جو صوبہ سرحد کے قانون ساز ادارے کو پٹھان اکثریت کے اختیار میں دے دینے کے اثرات سے خوفزدہ ہے۔ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں یہ ہندو لیڈر اس بات پر ہمیشہ زور دیتے ہیں کہ ہندوستان میں خود مختاری اور زیادہ سے زیادہ سیاسی ترقی ہو تاکہ ہندوستان سے انگریزوں کا عمل دخل جلد از جلد اور زیادہ سے زیادہ ختم کرنے کی کوشش کی جائے اور ملک کو زیادہ تیزی سے خود اختیاری اور سیلف گورنمنٹ کی طرف بڑھایا

جائے لیکن شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں حالت اس کے بالکل برعکس ہے
مسلمانوں کے وفد ہم سے ملے اور ہم سے یہ مطالبہ کیا کہ جس طرح ہندوستان
کے دوسرے علاقوں میں سیلف گورنمنٹ کی جو مقدار دی گئی ہے اتنی ہی
مقدار پشاور کو بھی دی جائے حتیٰ کہ یہاں کے اکثر خان بھی قانون ساز
ادارے پر رضامند ہو گئے۔ البتہ ان میں سے چند نے یہ تجویز پیش
کی کہ ادارے کی تشکیل اس طرح کی جائے کہ خوانین کو جو فوقیت ابھی تک
حاصل رہی ہے وہ اب بھی برقرار رہے۔ اس کے برعکس ہندوؤں کی ایک
لوئر جماعت کا ہم سے ملنے پر موقف یہ تھا کہ صوبے کی انتظامیہ میں مضبوط
برطانوی عنصر کی موجودگی انتہائی ضروری ہے۔

آئینی ترقی کی ضرورت

تمام امور پر غور کرنے کے بعد یہ نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ صوبہ سرحد میں مناسب نمائندہ اداروں کے قیام کی صورت میں آئینی ترقی کی تجاویز اور آخری شکل دینے اور پھر انہیں عملی جامہ پہنانے کیلئے بلا تاخیر اقدامات کئے جائیں۔ اور یہ کہ:۔

۲۔ پالیسی کے وسیع اصول ہمیں صوبہ سرحد میں بھی اسی طرح کی ذمہ دار حکومتوں کے قیام سے روکتے ہیں جس طرح کہ ہم کسی دوسرے گورنری صوبے کے لئے سفارش کرتے ہیں۔

صوبہ سرحد کے بہت سے باشندوں کے اس مطالبے میں کافی طاقت موجود ہے کہ اس علاقے کے بہادر عوام اپنے پڑوسیوں سے کم ذہین نہیں ہیں اور یہ کہ ان کی جغرافیائی حیثیت کو ہندوستان کی سیاسی ترقی میں ان کا حصہ دلانے سے محروم نہیں رکھنا چاہیئے۔ جو تجاویز ہم پیش کرنا چاہتے ہیں ان کے ذریعے

کوشش کی جائے کہ ان مطالبوں کو جس حد تک ممکن ہو پورا کیا جائے لیکن یہ بھی ممکن نہیں رہا کہ جغرافیائی حالات کے واضح حقائق کو تبدیل کیا جا سکے اگر ایک آدمی بارود خانے میں رہتا ہے تو اس کے سگریٹ پینے کے بنیادی حق کو لازمی طور پر دبایا جا سکتا ہے۔

ہمارے سامنے ایک وفد نے یہ بھی کہا کہ شمال مغربی سرحدی صوبے میں اصلاحات کے نفاذ کے مطالبے کی بڑی وجہ ہندوستان کے مسلمانوں کی یہ خواہش ہے تاکہ وہ ایک مزید صوبے کی آئینی حیثیت میں ترقی دلوا کر جس میں ان کے ہم مذہب اکثریت میں ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی مجموعی طاقت میں اضافہ کیا جائے۔ اگر ایسا ہو یا نہ ہو۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ صوبہ سرحد کے عوام کو بلاشبہ یہ حق حاصل ہے کہ وہ مطالبہ کریں کہ محض ان کی جغرافیائی حالت انہیں ہندوستان کی عام ترقی کے شعبہ جات مثلاً عوامی صحت، تعلیم، زراعت وغیرہ کے شعبوں میں محروم نہ رکھے۔ اور وہ یہ مطالبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ ان کو مجموعی طور پر برطانوی ہند کی تقدیر کا فیصلہ کرنے میں مؤثر کردار ادا کرنے کا موقع دیا جائے۔ اس لئے ہم یہ سفارش کرتے ہیں کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ میں ایک قانون ساز کونسل ہو۔ جس کے ارکان کی تعداد چالیس ہو اور جسے قانون سازی اور قراردادوں پر بحث مباحثے کا اختیار ہو اور انہیں کچھ ٹیکس عائد کرنے کا اختیار بھی حاصل ہو اور صوبائی مالیات سے ادا کئے جانے والے اخراجات کی منظوری کا اختیار بھی حاصل ہو۔ لیکن انتظامی ذمہ داری فی الحال چیف کمشنر کے پاس ہی رہنے دی جائیں۔

کونسل کی تشکیل اور اختیارات

قانون ساز کونسل میں منتخب اور نامزد عنصر مساوی تناسب پر مشتمل ہوں منتخب عنصر کے وہ نمائندے شامل ہونا چاہئیں جنہیں مخصوص حلقے سے منتخب کیا جائے اہلیں میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے نمائندے شامل ہوں۔ (وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ کونسل زیادہ سے زیادہ نمائندہ حیثیت اختیار کر جائے گی) اور کونسل میں سابقہ فوجی بھی شامل کئے جائیں یہ تجاویز برے کمیٹی کی اکثریت کے خیالات کے عین مطابق ہیں۔

نامزد عنصر کو چیف کمشنر چنے گا۔ اور اس میں جزوی طور پر سرکاری اور جزوی طور پر غیر سرکاری افراد شامل ہوں اور ان میں سے ایک سیکرٹری مالیات ہو اور بقیہ کو اس طرح چنا جائے گا کہ ان میں اہم عنصر کی نمائندگی ہو جائے جس کو کسی اور طریقے سے نمائندگی نہ ملی ہو۔ کونسل کے افراد میں تناسب برقرار رکھا جائے۔ اقلیتوں کی یعنی ہندوؤں اور سکھوں کی نمائندگی کے لئے مناسب شرائط بنائی جائیں۔

سرحد میں پولیٹیکل ایجنسیوں کا قیام ۱۸۷۹ء میں عمل میں آیا سب سے دوسری افغان جنگ کے دوران انگریزوں نے خیبر ایجنسی کے لئے ایک پولیٹیکل افسر مقرر کیا جس کے ذمے صرف یہ ذمہ داری تھی کہ وہ درے کو کھلا رکھنے کی نگرانی کرے۔ کرم ایجنسی ۱۸۹۲ء میں قائم کی گئی، ۱۸۹۳ء میں افغانستان اور ہندوستان کی مکمل حد بندی عمل میں آئی۔ امیر افغانستان نے ایک معاہدے کے تحت قبائلی علاقے پر انگریزوں کی بالادستی کو تسلیم کیا اور افغانستان اور ہندوستان کے درمیان مستقل حد بندی کو تسلیم کیا جس معاہدے کے تحت یہ حد بندی عمل میں آئی اسے معاہدۂ ڈیورنڈ کہا جاتا ہے۔ اور مقررہ حد بندی کو ڈیورنڈ لائن کہا جاتا ہے۔ اسی حد بندی کے تحت برطانوی ہندوستان

نے تمام قبائلی علاقوں کا نظم و نسق اپنے ذمے لیا۔ اس معاہدے کے بعد ملا کنڈ، ٹوچی اور وانہ کی ایجنسیاں ۹۷-۱۸۹۵ء میں قائم کی گئیں۔ ان پانچ ایجنسیوں کے قیام کے بعد انگریزوں نے تمام قبائلی علاقے کو اپنے کنٹرول میں لینے کے لئے اہم انتظامات کئے۔ سرحد کے پانچ اضلاع میں انگریزی قوانین نافذ تھے مگر قبائلی علاقوں میں قبائلی اپنے قدیم رسم و رواج کے تحت زندگی گزار رہے تھے۔ انتظامی لحاظ سے سرحدی علاقے پنجاب میں شامل تھے مگر ان علاقوں کے لئے ایک کمشنر مقرر تھا جو انتظامی معاملات کا نگران تھا۔

مرکزی مقننہ میں شمال مغربی سرحدی صوبے کی نمائندگی

ان تجاویز کے علاوہ جن میں ہم مقامی مقننہ کی تشکیل کے بارے میں پیش کرتے ہیں ہم یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ شمال مغربی سرحدی صوبے کی مرکزی مقننہ میں نمائندگی کو مستحکم کیا جائے اور زور اور تقویت دی جائے اور یہ کہ آل انڈیا نوعیت کے مسائل پر بحث کرنے میں حصہ لیتے وقت صوبہ سرحد کو وہی حیثیت حاصل ہو جو دوسرے گورنری صوبوں کو حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے ہم اپنی رپورٹ کے اگلے حصے میں یہ تجویز کریں گے۔ کہ مرکزی اسمبلی میں صوبہ سرحد سے چار اراکین شامل کئے جائیں جن میں تین مسلمان اور ایک ہندو ہو۔ اس کے علاوہ ریاستی کونسل میں بھی صوبہ سرحد کے ایک رکن کا اضافہ کیا جائے۔ ان اراکین کے انتخاب وغیرہ کے طریقہ کار کو اگلے باب تک ملتوی رکھ دیا جائے۔ یاد رہے کہ اب تک صوبہ سرحد کا ایک رکن مرکزی قانون ساز اسمبلی میں موجود رہا ہے لیکن اس ایک رکن کی اسمبلی میں موجودگی نہ تو حق کے طور پر تھی اور نہ وہ صوبہ سرحد کی نمائندگی کرتے ہوئے وہاں موجود رہے اور نہ اس کی موجودگی کیلئے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں کوئی قانونی دفعہ موجود ہے بلکہ وہ تو محض گورنر جنرل نے انتخابی قوانین کے تحت اسمبلی کے لئے مزید اراکین

نامزد کرنے کے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے صوبہ سرحد سے ایک رکن کو لینا ضروری سمجھا گیا۔

سرحد اور راؤنڈ ٹیبل کانفرنس ۱۹۳۰ء

ہندوستان کے آئینی مسائل کے حل کیلئے لندن کے دارالامراء کی شاہی گیلری کے ہاؤس میں ۱۲ نومبر ۱۹۳۰ء کو اہم اجلاس منعقد ہوا جس کا افتتاح شہنشاہ معظم نے کیا۔ اس اجلاس میں ہندوستان کی مختلف سیاسی پارٹیوں کے منتخب نمائندے ہندوستانی ریاستوں کے نمائندے اور برطانوی نمائندے شامل تھے۔ اجلاس کے افتتاح کے بعد پانچ دن تک ہندوستانی نمائندوں اور برطانوی نمائندوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ہندوستان کے سیاسی نمائندوں نے ہندوستان کے لئے آئینی مسائل کے حل کے لئے زور دیا۔ ہندوستان کی ریاستوں کے نمائندوں نے اپنی ریاستوں کے لئے مزید اختیارات حاصل کرنے کیلئے تقریریں کیں برطانوی نمائندوں نے اپنا اپنا نقطہ نظر پیش کیا کہ وہ ہندوستان کو مزید مراعات دینے یا نہ دینے سے کہاں تک متفق ہیں۔ سر صاحبزادہ عبدالقیوم نے اپنی مدلل تقریر میں صوبہ سرحد کو اصلاحات سے محروم رکھنے کا گلہ کیا اور برطانوی حکومت پر واضح کیا کہ ہندوستان کے باقی صوبوں کی طرح اگر سرحد کے عوام کو اصلاحات سے محروم رکھنے کی پالیسی جاری رکھی گئی تو اس کے نتائج انتہائی سنگین ہوں گے۔

تقریب افتتاح کے بعد کانفرنس نے پہلے پانچ دن اس مسئلے پہ بحث کرنے کی غرض سے ابتدائی اجلاس کئے کہ کیا ہندوستان کا مستقبل کا آئین وفاقی بنیادوں پہ ہونا چاہیئے یا وحدانی بنیادوں پہ ہونا چاہیئے اس عام بحث کے دوران وسیع امور زیر بحث آئے

لیکن اس اجلاس کی اہم ترین خصوصیت ہندوستانی ریاستوں کے نمائندوں کا وہ اعلان تھا جس نے ہندوستان کیلئے ایک نئے وفاقی آئین کیلئے سوچ بچار کا راستہ کھولا جس میں بیک وقت برطانوی ہندوستان اور ہندوستانی ریاستیں شامل تھیں۔

عام بحث کے اختتام پر کانفرنس نے فیصلہ کیا کہ وفاقی تعلقات کی ایک کمیٹی قائم کی جائے جو ہندوستان کی حکومت کے وفاقی نظام، ہندوستانی صوبوں اور ہندوستانی ریاستوں کے باہمی تعلقات اور مرکز اور صوبوں کے تعلقات کے علاوہ مرکزی ذمہ داریوں کے مسائل پر غور و فکر کرے اور قابل عمل اصولوں کی سفارش کرے لیکن بعد میں اس بات کو زیادہ اہمیت دی گئی کہ کمیٹی کانفرنس کے تمام ارکان پر مشتمل ہو اور بجائے ایک کمیٹی کی تشکیل کے پوری کانفرنس کی کمیٹی کی نو سب کمیٹیاں قائم کی جائیں جو ہندوستان کے آئینی امور کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کریں۔ یہ سب کمیٹیاں مندرجہ ذیل تھیں۔

۱۔ **وفاقی تنظیمی سب کمیٹی**:۔ اس کمیٹی کے ذمے ان امور پر غور و فکر کرنا تھا کہ وفاق کے عناصر کیا کیا ہونا چاہئیں۔ وفاقی مقننہ کس قسم کی ہو اور کتنے ایوانوں پر مشتمل ہو

وفاقی مقننہ کے اختیارات کیا ہونا چاہئیں۔

وفاقی مقننہ کے ارکان کی تعداد اور اگر مقننہ ایک سے زیادہ ایوانوں پر مشتمل ہو تو ہر ایوان میں ارکان کی تعداد اور وفاقی یونٹوں میں ارکان کی کیا تقسیم ہونا چاہیئے۔ برطانوی ہندوستانی اور ہندوستانی ریاستوں سے نمائندوں کے انتخاب کا طریق کار کیا ہونا چاہیئے۔ وفاقی انتظامیہ کی تنظیم اختیارات اور فرائض کیا ہونا چاہئیں۔

۲۔ **صوبائی آئین کی سب کمیٹی**:۔ اس کمیٹی کے ذمے صوبائی مقننہ کے اختیارات اور صوبائی انتظامیہ کی تنظیم اختیارات

اور ذمہ داریوں پہ غور کرنا تھا۔

۳۔ **اقلیتی امور کی سب کمیٹی:۔** اس کمیٹی کو اقلیتوں اور مخصوص مفادات کی جانب سے رضامند تعاون کیلئے دفعات تجویز کرنا تھا۔

۴۔ **برما کے امور کیلئے سب کمیٹی:۔** اس سب کمیٹی کے دائرہ کار میں برما کو برطانوی ہندوستان سے الگ کرنے کیلئے شرائط کا تعین کرنا اور ایسی تجاویز پیش کرنا تھیں جن کے ذریعے ان مقاصد کو بہتر طور پر حاصل کیا جا سکتا تھا۔

۵۔ **شمال مغربی سرحدی صوبے کیلئے سب کمیٹی:۔** اس سب کمیٹی کو یہ کام سونپا گیا تھا کہ وہ شمال مغربی سرحدی صوبے کے مخصوص حالات سے عہدہ برآ ہونے کیلئے عام صوبائی آئین میں ترامیم کی تجویز پیش کرے۔ اور یہ غور کرے کہ آیا صوبہ سرحد کو اصلاحات دی جا سکتی ہیں؟

۶۔ **رائے دہندگی کیلئے سب کمیٹی:۔** اس سب کمیٹی کو ان اہم صولوں کے بارے تجاویز پیش کرنا تھیں جن کے تحت مردوں اور عورتوں کے رائے دہندگی کے طریق کار کا تعین کرنا تھا

۷۔ **دفاع کیلئے سب کمیٹی:۔** اس سب کمیٹی کو ان سیاسی اصولوں کے بارے میں غور و فکر کرنا تھا جن کا تعلق دفاع سے تھا لیکن اس سب کمیٹی کے دائرہ اختیار میں وہ امور شامل کئے گئے جو سب کمیٹی ۱ کے دائرہ اختیارات سے باہر تھے۔

۸۔ **ملازمتوں کی سب کمیٹی:۔** اس سب کمیٹی کو نئے سیاسی انتظامات اور ملازمتوں کے درمیان تعلقات کے بارے میں تجاویز پیش

کرنا تھیں۔

۹۔ سندھ کیلئے سب کمیٹی:۔ اس سب کمیٹی کو سندھ کو الگ صوبہ بنانے کے سوال پر غور وفکر کرنا تھا۔ ان سب کمیٹیوں نے اپنی اپنی رپورٹیں تجاویز سمیت پوری کانفرنس میں پیش کیں اس کے بعد کانفرنس نے اپنے خاص اجلاس میں تفصیلی غور وفکر کیلئے تمام سب کمیٹیوں کی رپورٹوں پر بحث کی اور بحث کے خاتمے پر اتفاق رائے سے ایک قرارداد کے ذریعے سب کمیٹیوں کی رپورٹوں کو منظور کر لیا۔ کانفرنس نے اپنی قرارداد میں کہا کہ یہ رپورٹیں ہندوستان کیلئے آئین کی تشکیل کیلئے بہت بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ جن میں وہ تمام اہم اقدامات شامل ہیں جو ان اہم مسائل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے بعد وزیراعظم برطانیہ نے ۱۹ جنوری ۱۹۳۱ء کو اپنی اختتامی تقریر میں شہنشاہ برطانیہ کی طرف سے ایک اعلان جاری کیا جس کے بعد برطانوی پارلیمنٹ کے دوسرے اجلاس میں کانفرنس کے اجلاسوں کی کارروائی، تجاویز کمیٹی کے فیصلے اور سب کمیٹیوں کی رپورٹوں کو پیش کیا گیا

سب کمیٹی نمبر ۵ نے صوبہ سرحد کیلئے آئین میں ترمیم کے متعلق غور وفکر کے بعد اپنی تجاویز اور رپورٹ ۱۶ جنوری ۱۹۳۱ء کو کانفرنس میں پیش کی۔ اس سب کمیٹی کے چیئرمین **مسٹر اے ہینڈرسن اور ممبر مندرجہ ذیل تھے۔**

لارڈ ریڈنگ۔ لارڈ لوتھیان۔ لارڈ زٹلینڈ۔ سر سیموئیل ہور۔ مولانا محمد علی جوہر۔ سر شاہنواز بھٹو۔ کیپٹن راجہ شیر احمد خان۔ ڈاکٹر مونجے۔ سر بی این متر۔ راجہ سرینڈر ناتھ۔ مسٹر ایچ پی موڈی۔ سر اے پی پیٹرو۔ نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم۔ سر محمد شفیع۔ سردار سمپورن سنگھ۔ **ڈاکٹر شفاعت احمد خان۔ مسٹر سی ای وڈ۔ سر ظفر اللہ خان**

اس سب کمیٹی کے اجلاس ۱۸ دسمبر اور ۳۰ دسمبر ۱۹۳۰ء کو اور یکم جنوری ۱۹۳۱ء کو منعقد ہوئے۔ اس کمیٹی نے غور وفکر کے بعد مندرجہ ذیل تجاویز رپورٹ کی صورت میں کانفرنس کو پیش کیں۔

اصلاحات کی ضرورت:۔ یہ سب کمیٹی شمال مغربی سرحدی صوبے میں اصلاحات کی ضرورت کے لئے اہمیت محسوس کرنے پر مکمل طور پر متفق ہے۔ سفارش کی جاتی ہے کہ سرحد کے پانچ انتظامی اضلاع کی موجودہ حالت کو ختم کر دیا جائے جس میں یہ اضلاع مرکز کے زیرانتظام براہ راست گورنمنٹ آف انڈیا کے تحت ہیں یہ بھی سفارش کی جاتی ہے کہ ان اضلاع کو ایسے اضلاع کی حیثیت دی جائے تاکہ یہ صوبے کے گورنر کے ماتحت ہو جائیں۔ البتہ اس دوران مقامی حالات کو بھی زیر نظر رکھا جائے اور پورے ہندوستان کے مفادات کے مطابق ان اضلاع کی حیثیت میں تبدیلی کی جائے۔

صوبائی دائرہ اختیار کی ترتیب:۔ یہ کمیٹی سفارش کرتی ہے کہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی طرح اس صوبے میں بھی کچھ اختیارات صوبائی حکومتوں کے حوالے کئے جائیں۔ مرکز اور شمال مغربی سرحدی صوبے کے درمیان اختیارات کی صحیح تقسیم محتاط تحقیق کے بعد ہی کی جا سکتی ہے۔ دوسرے صوبوں کی مثال کو پیش نظر رکھ کر اس صوبے کے دائرہ اختیار کو تجویز کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے۔ جو وسیع بنیادوں پر کام کر کے ایک جامع رپورٹ پیش کرے۔ اس کمیٹی کے قیام سے پہلے موجودہ کمیٹی یہ خواہش رکھتی ہے کہ صوبہ سرحد کے پانچ زیرانتظام ضلعوں کی سول پولیس کو سوائے فرنٹیئر کانسٹبلری کے صوبائی حکومت کے ماتحت کیا جائے اس کے ساتھ ساتھ مرکز کی خارجہ پالیسی اور دفاع کے معاملات میں اس کمیٹی کا خیال ہے کہ ایسے تمام اہم مسائل جن کا تعلق پورے ہندوستان کے ساتھ ہو مثلاً قبائلی علاقوں کا انتظام۔ فرنٹیئر کانسٹبلری۔ وظائف کی تقسیم اور اہم سڑکوں کو صوبائی دائرہ اختیار کی بجائے مرکز کے پاس رہنے دیا جائے۔ مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم کے دوران اس بات کو سامنے رکھنا پڑے گا کہ ایسے تمام اہم مسائل کا حل مرکزی طور پر تلاش کیا جائے جنہیں صحیح طور پر صوبائی قانون ساز ادارے کے حوالے نہیں کیا جا سکتا

انتظامیہ:۔ یہ سب کمیٹی سفارش کرتی ہے کہ انتظامیہ کا سربراہ صوبے کا گورنر ہونا

چاہیئے اور اس کی امداد کے لئے دو وزیر مقرر کئے جائیں جن کا تعلق قانون ساز ادارے کے غیر سرکاری ارکان سے ہو اور جن میں سے ایک عوام کا منتخب شدہ ہو گورنر قبائلی علاقوں کے انتظام میں گورنر جنرل کے نمائندے کی حیثیت سے کام کرے اور وہ مرکزی محکموں کے انتظام میں بھی گورنر جنرل کی نمائندگی کرے۔ اس سب کمیٹی کا خیال ہے کہ قبائلی علاقوں اور زیر انتظام اضلاع کے درمیان قریبی باہمی تعلق کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ تمام ہندوستان کے مفادات کی مناسب طور پر نگرانی کی جائے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ صوبہ سرحد کا گورنر صوبائی انتظامیہ کا مؤثر سربراہ ہو اور وہ کابینہ کے اجلاس کی بھی صدارت کرے۔

سر سیموئیل ہور نے اس بارے میں اختلاف کرتے ہوئے رائے ظاہر کی کہ شمال مغربی سرحدی صوبے کے چیف کمشنر کی سفارشات کے مطابق اور گورنمنٹ آف انڈیا کے اعلان کے مطابق سرحد کے وزیروں میں سے ایک رکن سرکاری ہونا چاہیئے۔

سر بی این مترا نے تجویز پیش کی کہ اگر گورنر دو وزیروں کے مشورے پر عمل کریگا ان الفاظ کی جگہ جملہ یوں ہونا چاہیئے کہ اگر گورنر کو دو وزیروں کے مشورے سے مدد لینا ہو گی۔

مقننہ ۱۔ صوبہ سرحد میں ایک واحد ایوان کی کونسل برائے قانون سازی کا ہونا ضروری ہے یہ سب کمیٹی سفارش کرتی ہے کہ سرحد کے پانچ زیر انتظام اضلاع پر مشتمل ایک واحد ایوان کی قانون ساز کونسل تشکیل دی جائے جسے یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ تمام اختیارات کے بارے میں قانون منظور کرے ان اخراجات کی منظوری دے جو صوبے کو حوالے کئے جائیں۔ مزید برآں یہ مقننہ دوسرے قوانین پر غور و فکر اور ان کی تشریح اور وضاحت کرنے کے عمومی فرائض بھی سرانجام دے۔

۲۔ اس قانون ساز ادارے کے ارکان کی تعداد کا تعین حالات کے مطابق کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ عوام کے منتخب اور حکومت کے نامزد ارکان کی تعداد چالیس سے زیادہ نہ ہونے پائے۔

۳۔ سب کمیٹی کا خیال ہے کہ فی الحال اس قانون ساز کونسل میں عوام کے منتخب اراکین کے علاوہ سرکاری طور پر نامزد ارکان بھی شامل ہوں البتہ چالیس ارکان کے اس ایوان میں ۱۴ ارکان سے زیادہ حکومت کے نامزد ارکان نہ ہوں اور ان نامزد ارکان میں سے چھ سے آٹھ ارکان سے زیادہ سرکاری افراد نہ ہوں۔

۴۔ یہ سب کمیٹی تجویز پیش کرتی ہے کہ شمال مغربی سرحدی صوبے کی رائے شماری تمام صوبوں کے لئے مقرر کردہ رائے شماری کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق ہو۔

۵۔ اقلیتی امور کیلئے مقرر کی ہوئی سب کمیٹی کی سفارشات کے علاوہ اس سب کمیٹی کا خیال ہے کہ جس طرح دوسرے صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں لیکن وہاں ان کی رائے کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے اسی طرح شمال مغربی سرحدی صوبے میں ہندوؤں اور سکھوں کی اقلیت کو بھی زیادہ اہمیت دی جائے اور آبادی کے تناسب سے ان کی نمائندگی تین گنا کی جائے۔

مالیاتی تصفیہ کے متعلق یہ سب کمیٹی ان اعداد و شمار سے مطمئن ہے۔ جو صوبائی اختیارات کے بارے میں اس کمیٹی کے سامنے پیش کئے گئے ہیں۔ ان اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ صوبہ سرحد کو مالی لحاظ سے بہت خسارے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ صوبائی حکومت کو مرکز کی وفاقی امداد کی ضرورت ہوگی۔ یہ کمیٹی یہ تجویز بھی پیش کرتی ہے کہ مرکزی اور صوبائی اخراجات کی تقسیم کے بارے میں ابتدائی طور پر ماہرانہ تحقیق کرائی جائے جس کے مطابق مرکز سے صوبوں کو امداد دینے کا فیصلہ کیا جائے۔ یہ کمیٹی خدشہ ظاہر کرتی ہے کہ ہر سال مرکزی قانون ساز ادارے میں اختیارات کے بارے میں بحث جاری رہے تو اس سے شمال مغربی سرحدی صوبے کی صوبائی خود مختاری خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس لئے کمیٹی یہ تجویز پیش کرتی ہے کہ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ایک تصفیہ ہونا لازمی ہے جس کے تحت صوبہ سرحد کو ملنے والی امداد کئی سالوں تک متاثر نہ ہو۔"

سب کمیٹی نے یہ رپورٹ گول میز کانفرنس میں پیش کی۔ برطانوی حکومت نے کمیٹی کی

سفارشات کی روشنی میں شہنشاہ معظم کی طرف سے یہ اعلان کیا

"گورنمنٹ آف انڈیا کی پوری ذمہ داری صوبائی اور مرکزی قانون ساز اداروں کی ماتحت کی جاتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اقلیتوں کی سیاسی آزادی اور ان کے حقوق کی حفاظت کرنے کی مکمل ضمانت دی جاتی ہے۔ قانون ساز اداروں کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ عام حالات کے دوران اپنے علاقے کی مکمل ذمہ داری قبول کریں۔ لیکن اس سے حکومت ہند کے مجموعی مفادات کو نقصان نہ پہنچے۔

صوبائی اختیارات کے بارے میں شاہی فرمان میں یہ کہا گیا کہ گورنر جنرل کو خارجہ امور اور دفاع کے معاملے اپنے پاس رکھنے چاہئیں۔ باقی اختیارات صوبائی قانون ساز اداروں کے حوالے کر دیئے جائیں۔ البتہ گورنر جنرل کے لئے ضروری ہے کہ وہ فوری اقدامات کے تحت ریاست کے استحکام اور اقلیتی فرقوں کے تحفظ کے لئے ہر ممکن قدم اٹھانے کی غرض سے ضروری طاقت استعمال کرنے کا اختیار رکھے۔

سرحد سبجیکٹ کمیٹی

گول میز کانفرنس کے فیصلے کی روشنی میں حکومت ہند نے صوبہ سرحد کے لئے ۱۹۳۱ء کو سبجیکٹ کمیٹی کے قیام کا اعلان کیا تاکہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کی سب کمیٹی ۵ کے فیصلوں کے مطابق مرکز اور صوبہ سرحد کے دائرہ اختیار کا تعین کیا جا سکے۔ سبجیکٹ کمیٹی کے ذمے دوسرا یہ کام سونپا گیا تھا کہ وہ مالیاتی امور کے متعلق اور صوبائی خود مختاری کی حدود کے تعین کے متعلق واضح طور پر سفارشات پیش کرے جس کی بناء پر صوبہ سرحد کو ہندوستان کے باقی صوبوں کے مساوی صوبائی خود مختاری دی جا سکے حکومت

ہند نے سبجیکٹ کمیٹی کے لئے مسٹر ایچ جی ہیگ سی ایس آئی کو اس کمیٹی کا چیئرمین اور مندرجہ ذیل ممبر نامزد کئے۔

نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان کے سی آئی ای ایم ایل اے۔

مسٹر سی لاٹیمر سی ایس آئی۔

خان بہادر نواب حمیداللہ خان آف ٹورو۔

مسٹر ایم آر رائے دیوان بہادر اے راماسوامی مدلیار ایم ایل اے۔

رائے بہادر لالہ ٹھاکر دت ایڈووکیٹ۔

مسٹر محمد یونس خان۔

میاں احمد شاہ بار ایٹ لاء۔

مسٹر ای ٹی کوٹس آئی سی ایس۔

ان ممبروں کے علاوہ رائے بہادر لہنا سنگھ کو کمیٹی کا سیکرٹری مقرر کیا گیا۔

میاں احمد شاہ بار ایٹ لاء نے کمیٹی کے چیئرمین کو مندرجہ ذیل اختلافی خط لکھتے لکھتے ہوئے کمیٹی میں اپنی شرکت سے معذوری ظاہر کی۔

جناب پریذیڈنٹ

سبجیکٹ کمیٹی صوبہ سرحد پشاور

جناب محترم! آپ نے مقامی حکومت کی وساطت سے جو خط نمبری 676-7/55 محررہ ۲۷ اپریل ۱۹۳۱ء مجھے بھیجا ہے اور جس میں آپ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں سبجیکٹ کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے اس کمیٹی میں کام کروں۔ اس خط کے جواب میں اطلاعاً عرض ہے۔ کہ میں مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر شمال مغربی سرحدی صوبہ کی سبجیکٹ کمیٹی سے مستعفی ہوتا ہوں۔ جہاں تک میری سمجھ میں آیا صرف یہی کیا گیا تھا کہ سب جیکٹ کمیٹی کا کام مرکزی اور صوبائی اخراجات کی تقسیم اور مالیاتی سمجھوتہ طے کرنا ہے جو کہ صوبہ میں متجوزہ آئینی تبدیلیوں

سے ہم آہنگ ہو۔ ۵ مئی تک جو ہماری کمیٹی کی پہلی نشست کا دن تھا اس وقت تک مجھے کسی ایسے مسئلے سے آگاہ نہیں کیا گیا جو مندرجہ صدر معاملات کے علاوہ ہو۔ لیکن نشست سے تھوڑی دیر پہلے اخباری خبر کی اشاعت سے مجھے ان معاملات سے آگاہی ہوئی جو کمیٹی میں مذکورہ بالا معاملات کے علاوہ بھی قابل بحث ہوں گے۔ وہ معاملات درج ذیل ہیں

ا۔ گول میز کانفرنس کی سب کمیٹی نمبر ۵ کے حوالے سے سبجیکٹ کمیٹی نے شمال مغربی سرحدی صوبہ میں اختیارات کو مرکزی اور صوبائی حصص میں تقسیم کرنا ہے۔

ب۔ دوسرے یہ کہ اختیارات کی تقسیم کی بنیاد پر اخراجات کو مرکزی اور صوبائی مدوں میں تقسیم کرنا ہوگا اور یہ واضح کرنا ہوگا کہ صوبائی آمدنی کی کس حد تک اور کس طرح مدد کی جا سکتی ہے۔ (یعنی مرکز سے امداد کیلئے اعداد و شمار ظاہر کرنے ہوں گے۔)

میں یہ نہیں سمجھ پایا کہ آخر مجھے کیوں نہ پہلے ہی دعوتی خط میں اس بات سے آگاہ کر دیا گیا کہ کمیٹی کے ذمے یہ فرائض ہیں تا کہ میں اندازہ کر سکتا کہ آیا میں اس قابل ہوں کہ سرحدی صوبے کو دوسرے صوبوں کے برابر حقوق دلوانے میں اپنے صوبے کے مناسب مطالبات پیش کر سکوں اور منوا سکوں۔

۲۔ یہ بات واضح ہے کہ گول میز کانفرنس کی مشترکہ سب کمیٹی ۱ اور سب کمیٹی ۲ اس لئے مقرر کی گئی تھیں کہ وہ تفصیل سے صوبے اور مرکز کے اختیارات کی تقسیم کے متعلق سفارشات پیش کریں۔ مجوزہ سفارشات انڈین گول میز کانفرنس کی روداد کے صفحہ ۲۱۱ تا ۲۲۲ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اب اگر یہ تصور کر لیا گیا ہے کہ آئندہ سے صوبہ سرحد بھی دوسرے صوبوں کے برابر حقوق کا حامل ہوگا، تو میں حیران ہوں کہ پھر ایک اور کمیٹی کا تقرر کس لئے ہوا جبکہ مشترکہ کمیٹی نے مرکزی اور صوبائی اختیارات کا تعین پہلے ہی سے کر دیا ہے۔ یہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ تقسیم در تقسیم اختیارات اس صوبہ کے حقوق اور اختیارات کو پامال کر دیں گے۔ ان حالات میں کم از کم

میرے لئے بیکار ہے اگر میں یہ سمجھوں کہ موجودہ کمیٹی سب کمیٹی عـ۵ـ میں دیئے گئے اختیارات کے علاوہ کچھ اور اختیارات بھی مرکز سے مانگ سکے گی۔ جیسا کہ سب کمیٹی عـ۵ـ میں یہ واضح ہے کہ سول پولیس صوبائی اختیار میں ہو گی۔ قبائلی علاقہ کا انتظام اور ملکی دفاع اور فوجی نوعیت کے معاملات فرنٹیئر کنسٹبلری اور آل انڈیا اہمیت کے معاملات مرکز کے پاس ہوں گے جن کا اختیار مرکز کے نمائندے گورنر یا چیف کمشنر کے پاس ہوگا۔ ان پابندیوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس بدقسمت صوبے کا معیار خود مختاری کیا ہو گا۔

۳۔ ڈرافٹ سکیم کی بحث کے دوران ۸ مئی کو مجھے اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ فی الحال تو کوئی ایسا قدم بھی نہیں اٹھایا جا رہا کہ صوبہ سرحد ہندوستان میں ہونے والی اصلاحات سے مکمل استفادہ کرے چہ جائیکہ مستقبل میں آئینی ترقی ہو گی۔

۴۔ میں یہ سمجھنے سے بھی قاصر ہوں کہ بعض وہ لوگ جو ہمیشہ سے اس صوبہ میں اصلاحات کے مخالف رہے ہیں وہی اس کمیٹی کے ممبر کیسے بنائے گئے ہیں۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر میں اسے اپنی نیک نیتی سمجھتا ہوں کہ میں سبجیکٹ کمیٹی کی کارکردگی میں شامل نہ ہونے پاؤں۔ اس کمیٹی سے تعاون کرنا گویا میرے لئے اس صوبے کے عوام کے جائز مطالبے کو پامال کرنا ہو گا۔ وہ جائز مطالبہ دوسرے صوبوں کے برابر حقوق خود اختیاری کا ہے جس کو انڈین نیشنل کانگرس، جمعیت العلمائے ہند، آل انڈیا نیشنل مسلم کانفرنس، آل انڈیا مسلم کانفرنس، آل انڈیا نوجوان بھارت سبھا اور اس قسم کے دوسرے اداروں کی مکمل حمایت حاصل ہے۔ پس میں احتجاجاً اس سبجیکٹ کمیٹی سے مستعفی ہوتا ہوں۔

دستخط

میاں احمد شاہ بار ایٹ لاء

۱۱ مئی ۱۹۳۱ء

میاں احمد شاہ بار ایٹ لاء کے جواب میں سبجیکٹ کمیٹی کے صدر ایچ جی ہیگ نے میاں صاحب کو لکھا۔

پیارے میاں صاحب

آپ کے کمیٹی سے استعفٰی کا خط پاکر مجھے بہت افسوس ہوا۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ جو مشکلات ہمیں درپیش ہیں وہ ذاتی گفتگو سے حل ہو سکتی ہیں تاہم میری دعوت پر آپ جب کل شام میرے پاس آئے تھے اور آپ نے اس ضمن میں مجھے بتایا تھا کہ یہ اصول کا معاملہ ہے اور میں اصول سے ہیرا پھیری نہیں کر سکتا۔ میں یہاں اس سب بحث کا اعادہ نہیں کرتا جو کل میرے اور آپکے درمیان ہوئی تھی تاہم میں اس ضمن میں صرف دو نقاط پیش کرتا ہوں۔

ا۔ پہلے یہ کہ صوبہ سرحد کیلئے آئینی خاکہ بنانا ہماری کمیٹی کے پیش نظر نہیں یہ کام گول میز کانفرنس کی اگلی نشست طے کریگی اور یہ کہ جو ممبران اس کمیٹی کی سفارشات سے متفق نہ ہوں وہ گول میز کانفرنس میں اپنے اعتراضات پیش کر سکتے ہیں۔

(ب) دوسرے یہ کہ گول میز کانفرنس نے صوبے کے اختیارات کے مسئلے پر حتمی رائے نہیں دی بلکہ صرف عمومی خاکہ بنایا ہے اور ہم اس کمیٹی کی میٹنگ کے دوران اپنے نتائج خود نکال سکتے ہیں اور ضروری ترمیم اور رد و بدل بھی کر سکتے ہیں۔ آپ بھی اپنی رائے دے سکتے ہیں وہ رائے اور تجاویز جو آپ صوبے کے مفاد کیلئے احسن سمجھتے ہیں" اس نشست میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو بڑا دکھ ہے کہ ہم آپ جیسے انسان کے تعاون سے محروم ہیں۔

دستخط ۱۲ رمئی ۱۹۳۱ء

ایچ جی ہیگ

سب جیکٹ کمیٹی کو جو فرائض سپرد کئے گئے وہ مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ کہ یہ کمیٹی ان اختیارات کے بارے میں تجاویز پیش کرے جو سرحد کی نئی قائم ہونے والی صوبائی حکومت کے زیر انتظام ہوں یا بالفاظ دیگر مرکز اور صوبے میں اختیارات کی تقسیم کے بارے میں تجاویز پیش کرے۔

۲۔ کہ یہ کمیٹی نئی قائم ہونے والی صوبائی حکومت کو مرکز کی جانب سے ملنے والی مالی امداد کے بارے میں غور کرے جو اس صوبے کو منتقل ہونے والے اختیارات کے انتظام اور صوبائی ذمہ داریوں کی تکمیل کے لئے ضروری ہو

سب جیکٹ کمیٹی کا پہلا اجلاس پشاور میں ۵ مئی ۱۹۳۱ء کو ہوا جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ کمیٹی کی باقاعدہ کارروائی ۲۰ مئی سے ایبٹ آباد میں شروع ہو۔ جس میں ان تمام سرحدی انجمنوں اور سرحد کے سرکردہ افراد سے ترتیب کردہ سوالنامے کے جوابات حاصل کئے جائیں۔ جو اس سلسلے میں اپنا بیان قلم بند کرانا چاہتیں۔ کمیٹی نے اس سلسلے میں سرحد کی مختلف انجمنوں اور سرحد کے عوام کے خیالات معلوم کرنے کیلئے جو سوالنامہ ترتیب دیا وہ مندرجہ ذیل تھا۔

۱۔ صوبہ سرحد میں نئی قائم ہونے والی صوبائی حکومت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ کہ اس کے اختیارات کا دائرہ کار کیا ہونا چاہیئے۔

۲۔ کیا آپ کے خیال میں شمال مغربی سرحدی صوبے کی موجودہ انتظامیہ کو کچھ ایسے مخصوص مسائل کا سامنا ہے جنہیں آل انڈیا نوعیت کے مسائل سمجھ کر مرکزی اختیارات میں شامل کیا جائے۔

۳۔ شمال مغربی سرحدی صوبے اور مرکز کے درمیان مستقبل میں مالی تعلق کیا ہونا چاہیئے۔

۴۔ مرکز کی طرف سے ملنے والی مالی امداد وغیرہ محدود عرصے کے لئے ہونا چاہیئے

یا اس عرصے کو محدود کیا جا سکتا ہے۔

اگر یہ امداد محدود عرصے کیلئے ہو تو وہ عرصہ کتنا ہونا چاہیئے اور مالی امداد کی رقم پر نظر ثانی کرنے کے اختیارات کس کے پاس ہونا چاہیئں۔

۵۔ مالی امداد کا تعین کس اصول کے تحت کیا جانا چاہیئے۔

دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں

سر صاحبزادہ کی تقریر

یہ تاریخی اجلاس ۲۸۔ نومبر ۱۹۳۱ء کو مسٹر رامسے میکڈ انلڈ کی صدارت میں لنڈن میں منعقد ہوا۔ یہ ہندوستان کو اصلاحات دلانے کے لئے دوسرا تاریخی اجلاس تھا ۲۸ ستمبر کو اقلیتی کمیٹی کا اجلاس ہوا جس کے بعد ۲۸ نومبر ۱۹۳۱ء کو یہ تاریخی اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں وفاقی تنظیمی کمیٹی کے سامنے لارڈ چانسلر نے غور و فکر کے لئے پہلے اجلاس کے مندرجہ ذیل نکات کو خاص طور پر پیش کیا۔ ان نکات میں وفاقی مقننہ کی تنظیم ممبرں کی تعداد جس میں ریاستوں اور برٹش انڈیا کے ارکان کے تناسب کا تعین کرنا تھا ۲ بلاواسطہ اور بالواسطہ طریق انتخاب۔ ۳۔ دونوں ایوانوں کے درمیان رابطہ ۴۔ وفاق اور یونٹوں میں مالی امور کی تقسیم۔ ۵۔ وزارت اور اس کا قانون ساز ادارے سے تعلق (۶) وفاقی اور صوبائی مقننوں میں تقسیم اختیارات (۷) وفاقی حکومت اور ریاستوں اور صوبوں میں انتظامی تعلقات (۸) وفاقی عدلیہ۔ ان میں نکات ۱ تا ۴ اور ۵ کے بارے میں کمیٹی نے ایک رپورٹ پیش کی۔ اقلیتی امور

کے بارے میں کمیٹی کی ناکامی کی وجہ سے ء۵ اور ۲ کے بارے میں کوئی جامع فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس کے علاوہ اس کمیٹی نے دفاع اور اس کے آئینی پہلوؤں پر خارجہ تعلقات، مالی انتظامات اور تجارتی تعصبات کے بارے میں بھی غور کیا۔ اور ان امور پر اپنی چوتھی رپورٹ پیش کی۔

اس اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے فرمایا۔ جناب عالی! میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے اس کانفرنس میں تقریر کرنے کے لئے سب سے پہلے موقع دیا۔ میں ہندوستان کے مجموعی آئینی مسائل کے بارے میں لمبی چوڑی تقریر سے آپ کو پریشان نہیں کروں گا۔ بلکہ میری تقریر کا زیادہ حصّہ میرے اپنے صوبے کے امور تک محدود رہے گا۔

پچھلے سال ہم اس تاریخی ہال میں ہندوستان کے معاملات کے بارے میں بحث کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے آج ایک سال بعد ہم پھر اسی مقصد کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اس لئے میں اس موقع کو جو شاید آخری موقع ہو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ اس موقع پر اپنے صوبے کی المناک کہانی دہرانا چاہتا ہوں۔

گذشتہ بارہ مہینوں کے دوران اس بدقسمت صوبے میں بہت کچھ واقعات رونما ہو چکے ہیں آپ وہاں کے حالات میں تبدیلی سے بے خبر نہیں ہو سکتے۔ آپ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہندوستان کا نیا سیکرٹری آف سٹیٹ جو اس وقت ہندوستان میں اہم اور ذمہ دار حیثیت کا مالک ہے۔ اس نے آپ کو صوبہ سرحد میں ہونے والے واقعات سے ضرور باخبر رکھا ہو گا۔ میں ان تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا البتہ مختصر طور پر آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ صوبہ سرحد کے عوام اپنے جائز حقوق کے حصول کے لئے پہلے سے زیادہ پر عزم ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ انہیں ہندوستان کے دوسرے حصوں کی طرح ملک میں آئینی ارتقاء کے دوران مساوی حصہ ملے۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنے صوبے کے

لوگوں کو اس بات پر آمادہ کر لوں گا۔ کہ ہم اس مقام سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں جو پچھلے سال ہم نے حاصل کر لیا تھا اگرچہ میں نے پچھلے سال اجلاس کے موقع پر یہ بھی کہہ دیا تھا کہ زیر تجویز انتظامات سے صوبہ سرحد کے لوگ مطمئن نہیں ہونگے لیکن مجھے یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ میں اپنے صوبے کے تعلیم یافتہ طبقے میں سے معتدل ترین افراد کو بھی مطمئن کرنے کے قابل نہیں ہو سکا۔ اس لئے میں آج پھر اس اجلاس میں آپکو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ صوبہ سرحد کے عوام کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں تو صوبہ سرحد کے پانچوں اضلاع کے عوام کو ہندوستان کے دوسرے گورنری صوبوں کی طرح مساوی مقام دیئے بغیر مطمئن نہیں کیا جا سکے گا۔

اب یہ مسئلہ انتہائی اہمیت حاصل کر چکا ہے۔ اس لئے جب تک صوبہ سرحد کے عوام کو مکمل اصلاحات فوری طور پر نہ دے دی جائیں اس وقت تک صوبہ سرحد میں ابتری کی موجودہ صورت حال برقرار رہے گی۔ اس صوبے کے عوام گذشتہ گیارہ سال سے اصلاحات کا مطالبہ کر رہے ہیں اور وہ بڑے اشتیاق کے ساتھ اپنے جائز مطالبات کی تکمیل کیلئے گذشتہ سال کی گول میز کانفرنس پر نظریں جمائے ہوئے تھے مگر بد قسمتی سے اس سب کمیٹی کی رپورٹ جسے اس مسئلے کو سلجھانے کے لئے مقرر کیا گیا تھا صوبے کو مطمئن نہ کر سکی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورا صوبہ اس وقت آگ کی بھٹی کی مانند بن چکا ہے۔ ہر طبقہ اور ہر گروہ اس تاخیر کی پالیسی کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ گول میز کانفرنس کے ممبر کی حیثیت سے مجھے واپس جانے پر انتہائی مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ جب تک لوگ اس بات کا تعین نہیں کر لیتے کہ انہیں ملنے والی اصلاحات حقیقی اور اصلی ہوں گی اور یہ کہ ان کی فطری خواہشات ایک مناسب طریقے سے مکمل ہو جائیں گی۔ اور یہ کہ وہ نئی اصلاحات کی سکیم کا انتہا پسندوں کی مخالفت کے پیش نظر صحیح دفاع کر سکیں گے۔ جب تک یہ مقاصد حاصل نہیں ہوں گے ہم صوبہ سرحد کے عوام کو صحت مند طرز عمل اختیار کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے

چونکہ آپ صوبہ سرحد میں اصلاحات کے جلد نفاذ کا یقین دلانے میں ناکام ہو چکے ہیں اس لئے ہندوستان کے انتہا پسند ملک کے بیرونی عناصر کے لوگوں کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو چکے ہیں کہ کانگرس ہی واحد جماعت ہے جو ان کے مساوی حقوق کو تسلیم کرتی ہے اور انہیں ہندوستان کے دوسرے حصوں کے ساتھ مساوی حصہ دلانے کی حامی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ صوبے میں سرخ پوش تحریک بہت زیادہ پھیل چکی ہے جس کے تباہ کن اثرات اس صوبے کے مفادات پر اثر انداز ہو سکتے ہیں کیونکہ اس تحریک نے صوبے کے کسی مؤثر آئینی جماعت کی ترویج کے امکانات کو دور کر دیا ہے جو صوبہ سرحد کے تعلیم یافتہ عوام کو اپنے اندر جذب کرنے کی اہلیت رکھے اور جس کے ذریعے اصلاحات کے موثر نفاذ کو ممکن بنایا جاسکے۔ یہ ہیں وہ مختصر حالات جو وہاں واقع ہو چکے ہیں، آج صوبہ سرحد کی حالت اس قدر نازک ہے کہ صوبے کو انقلاب کی تباہ کاریوں اور ۱۹۲۰ء کی تحریک ہجرت کے تجربے کو دہرانے سے بچانے کے لئے مؤثر آئینی اقدامات نہایت ضروری ہو چکے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا صوبہ سرحد کے عوام یہ برداشت کر سکتے ہیں کہ انکے ساتھ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے مقابلے میں اصلاحات کے ضمن میں غیر منصفانہ برتاؤ کیا جائے؟ اس کے جواب میں، میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ صوبہ سرحد کے عوام موجودہ رویے کے پیش نظر غیر مطمئن ہیں۔ کیونکہ اس غیر منصفانہ برتاؤ سے سرحد کے لوگوں میں احساس کمتری کا رجحان پیدا ہو رہا ہے، سرحد کے لوگ آئینی مساوات کا دعویٰ اس بنیاد پر کر رہے ہیں کہ لارڈ کرزن نے وائسرائے کی حیثیت سے اس وقت ہندوستان کے سیکرٹری آف سٹیٹ کو آئینی انصاف کا یقین دلایا تھا جس وقت صوبہ سرحد کو صوبہ پنجاب سے الگ کیا جا رہا تھا انہوں نے یقین دلایا تھا کہ سرحد کے اضلاع کے عوام کو کسی صورت میں بھی پنجاب سے علیحدہ ہو جانے کی صورت میں برے

نتائج برداشت کرنا نہیں پڑیں گے۔ ۱۹۲۳ء میں برے کمیٹی کی رپورٹ میں بھی صوبہ سرحد کے عوام کو موجودہ دوعملی اصلاحات کے قابل سمجھا گیا پھر حال ہی میں ہیگ کمیٹی جو گول میز کانفرنس کی ہدایات کے تحت سرحد کے متعلق اصلاحات کے سلسلے میں تحقیقات کر رہی تھی اس کمیٹی کی رپورٹ میں بھی اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے اس کمیٹی نے بھی ہمارے صوبے کے عوام کو آئینی اصلاحات کے لئے مکمل طور پر اہل بتایا ہے جس میں امن عامہ کا مسئلہ بھی شامل ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود میں اس حقیقت کو ذاتی طور نظرانداز نہیں کر سکتا کہ ہمیں ایک کونسل اور انتظامیہ کے سلسلے میں کوئی بڑا تجربہ حاصل نہیں ہے اگرچہ اس میں صوبہ سرحد کی غلطی نہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صوبہ سرحد کے عوام خود مختاری کی فطری صلاحیت رکھنے کے علاوہ بہترین عناصر پر مشتمل ہیں جن سے ذہین رائے دہندگان ذمہ دار قانون ساز ادارے اور وزارت کی تشکیل ہو سکتی ہے۔ اس صوبے میں اعلیٰ تعلیم یافتہ پٹھانوں کی تعداد چند سالوں سے بڑھ چکی ہے اور یہ تعداد مغربی پنجاب کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہے۔ اس صوبے میں ایک مضبوط طبقہ بھی موجود ہے جو پیشہ ور افراد اور زمینداروں پر مشتمل ہے۔ یہی وہ طبقہ ہے جو سرحد کی بننے والی حکومت کے لئے سہارا بن سکتا ہے۔ مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اعلیٰ اور متوسط طبقے کی ذہنی دولت "قابلیت اور توانائی" اور اس کے ساتھ ساتھ محب وطن کردار کے حامل عوام سے صوبے میں قومی تعمیر کے مفید کام کیوں نہیں لئے جا سکتے؟

جناب عالی! جہاں تک صوبہ سرحد کے عوام کے متفقہ فیصلے کا تعلق ہے وہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے ساتھ مکمل مساوات کے حامی ہیں لیکن میں یہ حقیقت جھٹلا نہیں سکتا کہ سرحد کے لوگوں کو سیاسی زندگی اور انتظامی امور میں تجربے کے لئے کم سہولتیں ملی ہیں جو لارڈ کرزن کی تقسیم کی پالیسی کی وجہ سے عمل میں آئیں۔ اس کے تحت بعض امور

میں معمولی تبدیلیاں کی جا سکتی ہیں۔ یہ تبدیلیاں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں ضروری نہیں بلکہ ان تبدیلیوں کو اس ایکٹ کے تحت جاری کی جانے والی ہدایات میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ صوبہ سرحد کے صوبائی آئین میں فرق رکھنے والی دفعات مختصر وقفے کے بعد ختم کر دی جائیں جس کے لئے پانچ سال کا عرصہ ہو سکتا ہے۔

مخصوص تبدیلیوں کو مختصر عرصے کے بعد خود بخود ختم ہو جانا چاہیئے۔ یہ مختصر عرصہ پانچ سال ہونا چاہیئے۔ میں اس تفصیل کی روشنی میں گذشتہ سال مقرر کی جانے والی سب کمیٹی کی رپورٹ کے بعض حصوں کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اگر میری تجاویز قبول ہو گئیں تو مجھے پوری امید ہے کہ صوبہ سرحد کے ذہین افراد متحدہ طور پر نئے آئین کو عملی جامہ پہنانے اور اسے کامیاب کرنے کے لئے متحد ہو جائیں گے مجھے یقین ہے کہ سرحد کے لوگ اس قدر مضبوط ہوں گے کہ وہ انتہا پسندوں کو قابو میں رکھ سکیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صوبہ سرحد میں موجودہ سرخ پوش تحریک ختم ہو کر رہ جائے۔ سب کمیٹی نے سرحد کے لئے جس آئین کی سفارش کی ہے وہ عوام کو مطمئن کرنے میں ناکام ہو چکا ہے جب ہیگ کمیٹی کی تشکیل کی گئی اور گذشتہ موسم گرما میں جب اس کمیٹی نے پشاور میں کام کرنا شروع کیا تو سرخ پوش تحریک اور کانگرس کے انتہا پسند عناصر اس بات پر راضی ہو گئے تھے کہ وہ اس کمیٹی کے لئے کام کریں گے انہوں نے میاں احمد شاہ بار ایٹ لاء اور افغان جرگہ اور بوتھ لیگ کے سیکرٹری کو ہیگ کمیٹی کے پاس بھیجا تھا تاکہ وہ سرخ پوش تحریک اور کانگرس کی نمائندگی کر سکیں۔ لیکن چند دنوں کے کام کے بعد میاں احمد شاہ کو یہ محسوس ہوا کہ ہیگ کمیٹی جن امور کے بارے میں غور کر رہی ہے وہ بہت محدود ہیں اور ان حدود کے اندر صوبے کے مجوزہ آئینی امور کے بارے میں مکمل بحث کی گنجائش نہیں اس لئے انہوں نے

استعفیٰ دیدیا اور استعفیٰ کی وجوہات بھی یہی بیان کیں۔ مختصر طور پر مجوزہ آئین میں تبدیلیوں کے سلسلے میں میری تجاویز یہ ہیں۔

۱۔ **اصلاحات کی ضرورت:۔** موجودہ حالات نے فوری طور پر سرحد کے پانچوں اضلاع میں ایسی اصلاحات کے فوری نفاذ کو لازمی بنادیا ہے جو قبائلی علاقوں کی غیر جانبدار پالیسی اور صوبے میں مجموعی طور پر امن و امان کے تحفظ کی ضامن ہوں۔ اس لئے صوبہ سرحد کے ان دونوں حصوں یعنی قبائلی علاقے اور پانچوں اضلاع کے لئے الگ الگ انتظامیہ کی تشکیل ہو اس انتظامیہ میں صرف سربراہ ایک ہو اور باقی امور قطعی طور پر الگ الگ ہوں۔ اس کے بعد انتظامیہ کے اس حصے کو جو پانچ اضلاع کے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔ اسے ہندوستان کے باقی دوسرے صوبوں کی طرح مکمل اصلاحات دی جائیں جبکہ سرحد کے دوسرے حصے کی انتظامیہ یعنی قبائلی علاقوں کی انتظامیہ کے لئے یہ ضروری ہو کہ وہ مختلف قبیلوں کے داخلی معاملات میں عدم مداخلت کی پالیسی پر کاربند ہو جس طرح ہندوستان کی کچھ ریاستوں میں یہی پالیسی اختیار کی جاچکی ہے۔ قبائلی علاقوں کی یہ انتظامیہ قبائلیوں کی ترقی ان کی تنظیم اور خود مختاری کے سلسلے میں مشورہ اور مدد دے۔ یہ مشورہ اور امداد کسی حد تک موجودہ طریق کار کے مطابق ہو جس کے تحت قبائلی اپنے سرحدی اضلاع کے بھائیوں کے ساتھ پر امن پڑوسیوں کی طرح رہ سکیں۔

۲۔ **اختیارات کی تقسیم:۔** عمومی طور پر مجھے ہیگ کمیٹی کی رپورٹ میں اختیار کرتے ہوئے تقسیم اختیارات کے اصولوں کے ساتھ اتفاق ہے لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر فرنٹیئر کانسٹبلری کو انسپکٹر جنرل پولیس کے تحت رکھ کر صوبائی انتظامیہ کے سربراہ یعنی گورنر کے ماتحت کر دیا جائے۔ تو

اس طرح مقامی انتظامیہ کی مضبوطی اور مستعدی کو مستحکم کرنے کا باعث بن سکتی ہے
لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو سکے یا اس تجویز کو پسند نہ کیا جائے تو اس فوج یعنی فرنٹیئر
کنسٹبلری کی مہمات کو سختی کے ساتھ بانڈری لائن یا قبائلی علاقوں تک ہی محدود
رکھا جائے۔ مزید برآں میں ایک مرتبہ پھر یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ صوبہ
سرحد کے عوام کے لئے اس وقت تک کوئی آئین قابل قبول نہیں ہو گا جب تک
امن عامہ کو کسی ذمہ دار وزیر کے حوالے نہ کیا جائے۔

۳۔ **انتظامیہ**۔ میری رائے میں یہ الفاظ شمال مغربی سرحدی صوبے کا گورنر صوبے کی انتظامیہ کا مؤثر سربراہ ہو گا" کو حذف کر دیا جائے
اور اسے دو وزیروں کے مشورے کی حمایت حاصل ہونی چاہیئے جو مقننہ کے غیر سرکاری
ممبر ہوں جن میں سے کم از کم ایک منتخب شدہ ہو" اس دوسرے فقرے کی جگہ یہ فقرہ
شامل کیا جائے۔

"گورنر دوسرے صوبائی گورنروں کی طرح دو وزیروں کے
مشورے کے مطابق کام کریگا جنہیں مقننہ کے غیر سرکاری منتخب ممبروں
میں سے چنا گیا ہو۔"

کیونکہ موجودہ شق صوبائی خود مختاری کو بے عمل کرتی اور صوبائی مقننہ کو کمزور
اور وزارت کو بے اثر اور غیر ذمہ دار کرنے کے علاوہ عوام کو اپنے معاملات کے
انتظام میں ذمہ دارانہ کردار ادا کرنے سے محروم کرتی ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ مجوزہ
انتظام دوعملی پالیسی سے بھی زیادہ بدتر ثابت ہو گا۔ گورنر کابینہ کے اجلاس کی صدارت
کرے تاکہ وہ اپنے وزیروں کو مشورہ دے سکے اور اپنی عظیم ذمہ داریوں کی روشنی
میں ان کی رہنمائی کر سکے، مگر اسے کوئی وزارت اپنے پاس رکھنے کا اختیار حاصل نہ
ہونا چاہیئے اس کی رائے بھی اس وقت قابل قبول ہو جب کسی مسئلے میں دونوں طرف

ووٹوں کی تعداد برابر ہو۔

۴۔ **مقننہ:۔** جہاں تک مجوزہ قانون ساز اسمبلی کے ارکان کی تعداد کا تعلق ہے جیسا کہ سب کمیٹی نے تجویز کیا ہے میرے خیال میں نامزد ممبروں کی تعداد بہت زیادہ رکھی گئی ہے۔ میری رائے میں وزارتی کونسل میں کسی بھی نامزد غیر سرکاری فرد کو شامل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ ماہرانہ اور تجربہ کارانہ مشورہ نہایت ہی ضروری ہوتا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بہت سے اہم مسائل زیر بحث آسکتے ہیں جن کے لئے مخصوص علم کی ضرورت ہوتی ہے اس مقصد کے لئے ایسے سرکاری افراد کو موجودہ حالات میں نامزد کیا جاسکتا ہے لیکن ایسے افراد کی تعداد چار سے زیادہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ایسے افراد کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ عام طور پر وزیروں کی مدد کریں تاکہ بلوں کو منظور کرایا جاسکے یا نازک اور پیچیدہ انتظامی مسائل یا پالیسی یا قانونی مسائل کی وضاحت کی جاسکے جہاں تک مجوزہ چودہ نامزد نشستوں ہی سے باقی دس کا تعلق ہے میں اسکے متعلق سختی سے اس بات کا حامی ہوں کہ انہیں عام حلقوں کی فہرست میں شامل کردیا جائے البتہ اگر ضروری ہو تو ان میں سے کچھ نشستوں کو مخصوص مفادات مثلاً زمیندار طبقہ۔ فوج، تجارت وغیرہ کی نمائندگی کے لئے مخصوص کیا جاسکتا ہے۔ ان نشستوں کے انتخابات کے لئے طریق کار بالکل وہی ہونا چاہیئے جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں رائج ہے۔

۵۔ **مالیاتی تصفیہ:۔** جہاں تک مرکز سے ملنے والی مالی مراعات کا تعلق ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ صوبہ سرحد چونکہ ہندوستان کے دفاع کے ساتھ لازمی طور پر منسلک ہے اس لئے اس مقصد کے لئے مرکز سے ملنے والی مالی مراعات اس سکیم کا ایک ناگزیر حصہ ہیں۔ اور یہ

مراعات صوبہ سرحد کے عوام کے دلوں میں اچھے جذبات کی ضامن ہو سکتی ہیں۔
جناب عالی! آخر میں ایک مرتبہ پھر آپ سے مخلصانہ طور پر درخواست کرتا ہوں اور آپ کی وساطت سے حکومت برطانیہ سے درخواست کرتا ہوں کہ ہم نے یعنی صوبہ سرحد کے عوام نے ہمیشہ ہندوستان کے دفاع میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہم اس طرح کا کردار ادا کرتے رہیں گے ہم صوبہ سرحد کے باشندوں نے ہر ہنگامی حالت کے دوران مسلسل حکومت برطانیہ کے ساتھ تعاون کیا ہے چاہے یہ تعاون افغان جنگوں کے دوران تھا یا اپنے عزیز و اقارب کے خلاف صوبہ سرحد میں ہونے والی تقریباً ساٹھ مہمات کے دوران تھا۔ ہم صوبہ سرحد کے باشندوں نے ہمیشہ مملکت برطانیہ اور ہندوستانی مفادات کے ساتھ اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کیا ہے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مستقبل میں بھی ہم پر اعتماد کیا جائے۔ حکومت نے ماضی میں ہم سرحد کے باشندوں کو جو مالی مدد دی ہے اور سرحد کو جو مالی مراعات حاصل رہی ہیں یہ تمام مراعات اور مالی امداد لازمی طور پر مرکز کی جز وقتی نگرانی میں جاری رہنے چاہئیں کیونکہ یہی وہ اہم بات ہے جس کے ذریعے باہمی افہام و تفہیم کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔ اگر ہندوستان کے دوسرے حصوں میں ہمارے پٹھان بھائیوں نے اپنے آپ کو اچھا ہندوستانی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم سرحدی لوگ اپنے وطن پیدائشی اور مادر وطن کے نمک کے ساتھ مستقبل میں وفاداری ثابت نہ کر سکیں۔
جب تمام اہم اختیارات مرکز کے پاس محفوظ رہیں گے تو سرحد میں اصلاحات کے نفاذ سے ہندوستان کے دفاع کے سلسلے میں سرحدی باشندوں کے رویئے میں کسی اور تبدیلی کا امکان نہیں ہو سکتا۔ سوائے اس کے کہ ہم سرحدی باشندے ہندوستانی مفادات کی خاطر مزید خلوص اور وفاداری کا اظہار کریں اس خدشے

کا اظہار کیا جاتا ہے کہ ہم سرحدی باشندے برطانوی فوج کو سرحد سے باہر نکال دیں گے یا صوبہ سرحد کے ان علاقوں میں فوجی دستوں کی نقل و حرکت میں مداخلت کریں گے یا سرحد میں نئی سڑکوں اور ذرائع مواصلات کے قیام میں رکاوٹیں ڈالیں گے جب کہ اس فوج اور فوجی دستوں کے وجود سے ہی ہماری روزمرہ کی زندگی کی کمائی کا تعلق ہے۔ اصلاحات جو سرحد کے حالات کو بہتر بنا سکیں نہ کہ صوبے کی انتظامیہ کی ہموار کارکردگی میں رکاوٹ کا باعث بنیں دوسری طرف پانچوں زیر انتظام ضلعوں میں بے اطمینانی کے برے نتائج گذشتہ سال پشاور کے ارد گرد کے علاقوں میں آفریدیوں کی طرف سے پیدا کی جانے والی گڑبڑ کے دوران سامنے آچکے ہیں جیسا کہ برے کمیٹی کی رپورٹ اور مقامی حکومت اور حکومت ہند کے خطوط میں کیا گیا ہے کہ "غیر مطمئن صوبہ سرحد اس علاقے میں فوجی مہمات کے دوران ہمیشہ افراتفری مالی اور ذہنی پریشانی کا باعث بنا رہے گا"

مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ میرے ہندوستان کے دوسرے نمائندوں نے صوبہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کے بارے میں کوئی سخت اعتراض نہیں کیا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ کانفرنس کے ہر ذمہ دار رکن نے سرحدی عوام کے مطالبے پر مکمل طور پہ ہمدردی کا اظہار کیا ہے اس کے علاوہ کانگرس نے ہمیشہ سرحدی عوام کے مطالبے کی حمایت کی ہے۔ یہ حمایت نہ صرف نہرو رپورٹ میں بلکہ اس کے بعد والی کانگرس کی قرار دادوں سے بھی عیاں ہے عظیم مہاتما جی جو طاقت ور جماعت یعنی کانگرس کے اس کانفرنس میں واحد نمائندے ہیں۔ انہوں نے بھی ہمارے سرحدی عوام کے ساتھ مساوی بنیادوں پر حقوق دلانے کے سلسلے میں کئی بار حمایت کا وعدہ کیا ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ سرحدی عوام کا مطالبہ انصاف اور مساوات کے مطابق ہے اس

لئے بھی کہ سرحدی عوام کا مسئلہ غیر فرقہ وارانہ بنیادوں پر محض اصولوں کے سہارے قائم ہے۔ جناب عالی! مجھے یہ دیکھ کر سخت دکھ ہوتا ہے کہ ہمارے صوبہ سرحد کے عوام وہ مقام حاصل کرنے کے لئے بھی اس قدر شدید جد و جہد کر رہے کر رہے ہیں جو ہندوستان کے دوسرے حصوں میں اچھوتوں کو بھی حاصل ہے حالانکہ ان لوگوں نے کبھی بھی اصلاحات کے لئے مطالبہ نہیں کیا اور بغیر مطالبے کے انہیں وہ مقام حاصل ہے جس کے لئے سرحدی عوام انتھک جدوجہد کر رہے ہیں۔

قبل اس کے کہ میں اپنی تقریر ختم کروں میں اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ اگر صوبہ سرحد واقعی ایک اہم صوبہ ہے تو اسے مرکزی خصوصی اور بہتر نمائندگی کا فائدہ بھی حاصل ہونا چاہیئے۔ بجائے اس کے کہ اس صوبے کیلئے وفاقی تنظیمی کمیٹی کی تجاویز کو ہی کافی سمجھا جاتے ان الفاظ کے ساتھ میں اپنی اپیل ختم کرنا چاہتا ہوں جو آپ کے لئے حکومت کے لئے اس کانفرنس کے لئے ان امور اور اختیارات کے بارے میں شاید آخری گذارش ہو۔"

صاحبزادہ سر عبد القیوم کو مہاتما گاندھی نے یہ یقین دلایا تھا کہ وہ سرحد کو اصلاحات دلانے کے سلسلے میں گول میز کانفرنس میں ان کی موقف کی حمایت کرینگے چنانچہ مہاتما جی نے گول میز کانفرنس میں ایک لمبی چوڑی تقریر کی مگر ان کی تقریر کا لب لباب صرف کانگرس کے نظریات کی تکمیل تھا۔ جب وہ تقریر ختم کرنے لگے اور صوبہ سرحد کو اصلاحات دلانے کے سلسلے میں انہوں نے زبان سے ایک لفظ تک نہ نکالا تو صاحبزادہ سر عبد القیوم نے ایک چٹ لکھ کر گاندھی جی کے ہاتھ میں دی۔ یہ چٹ ملتے ہی گاندھی جی نے کہا۔

جناب عالی! ابھی ابھی میرے دوست سر عبد القیوم نے ایک چٹ میرے ہاتھ میں دی ہے جس میں انہوں نے کہا ہے۔

”کیا آپ صوبہ سرحد کے بارے میں ایک لفظ تک نہ کہنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں؟“

میں اس بارے میں یہ کہتا ہوں کہ میں ضرور کچھ کہوں گا اور میرا اس بارے میں کہنا یہ ہے کہ پہلے ہندوستان کو وہ کچھ حاصل کر لینے دو جو اس کا حق ہے اور جو کچھ وہ حاصل کر سکتا ہے لیکن جو کچھ ہندوستان حاصل کرے اور جب کچھ حاصل کر لیا جائے گا تو پھر صوبہ سرحد کو اسی دن سے مکمل خود مختاری دے دی جائیگی یہ صوبہ سرحد اس کے بعد پورے ہندوستان کے لئے ایک مجسم احتجاج کی صورت اختیار کرے گا اور اسی وجہ سے کانگرس کی پوری حمایت صوبہ سرحد کو خود مختاری دینے کے حق میں تیار ہو جائے گی۔ جناب وزیر اعظم! اگر آپ اپنی کابینہ سے اس بات کی منظوری حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ صوبہ سرحد کل سے مکمل طور پہ خود مختار صوبہ بنا دیا جائیگا تو پھر مجھے صوبہ سرحد کے قبائلیوں میں ایک موزوں مقام حاصل ہو جائے گا اور پھر میں انہیں اس وقت اپنی مدد کے لئے بلا سکوں گا جب سرحد کے دوسری طرف رہنے والے ہندوستان پہ بری نظریں ڈالیں گے“

مہاتما جی کی اس تقریر اور اس رویئے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ صوبہ سرحد کو فوری طور پہ اصلاحات دلانے کے حق میں نہیں تھے وہ چاہتے تھے کہ پہلے ہندوستان کو آزادی ملے اور کانگرس برسر اقتدار آ جائے۔ تاکہ اس کے بعد وہ صوبہ سرحد کی قسمت کا کوئی فیصلہ کر کے سرحدی پٹھانوں کو ممنون احسان کر سکیں۔ اس تقریر کے ذریعے انہوں نے شہنشاہ معظم برطانوی عوام اور برطانیہ کے وزیر اعظم کو یہ غلط تاثر دینے کی کوشش کی کہ صوبہ سرحد کے لئے اصلاحات کا مطالبہ غلط اور بے جا ہے اور صوبہ سرحد کے قبائل کانگرس کی ہاں میں ہاں ملانے کے لئے تیار نہیں اور نہ ہی قبائل میں ان کا اثر و رسوخ ہے۔ مہاتما جی نے اسی لئے یہ فرمایا کہ اگر

کانگرس کی طرف سے سرحد کو مراعات دی جائیں گی تو پھر اس صورت میں قبائیلیوں میں ان کا مقام پیدا ہو جائے گا۔ مہاتما گاندھی نے تقریر کے آخر میں اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

وزیر اعظم برطانیہ کا اعلان: وزیر اعظم برطانیہ جے ریمسے میکڈانلڈ جو اس کانفرنس کے چیئرمین تھے انہوں نے یکم دسمبر ۱۹۳۱ء کو کانفرنس کے اختتامی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے شمال مغربی صوبہ سرحد کے بارے میں کہا۔"

میں ایک اہم نکتے کے بارے میں وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ حکومت برطانیہ اس بات پر رضامند ہو چکی ہے کہ ہندوستان کے نئے آئینی انتظامی ڈھانچے کی ایک خصوصیت یہ ہو گی کہ شمال مغربی سرحدی صوبے کو ہندوستان کے دوسرے گورنری صوبوں کے مطابق حیثیت دی جا رہی ہے لیکن اس سلسلے میں صوبہ سرحد کے لازمی حالات کے پیش نظر ہندوستان کے دوسرے گورنری صوبوں کی طرح صوبہ سرحد کے گورنر کو بھی اختیارات سونپے جائیں گے تاکہ وہ صوبے کی امن سلامتی اور استحکام کا تحفظ کر سکے یہ اختیارات حقیقی اور موثر ہوں گے۔" آگے چلکر وزیر اعظم برطانیہ نے کہا، حکومت چاہتی ہے اور ہمیشہ سے اس کی یہی خواہش رہی ہے۔ کہ ہندوستان میں وفاقی نظام کو تمام لازمی امور کے ساتھ فوری طور پر نافذ کیا جائے تاہم یہ فیصلہ ناقابل تنسیخ ہے کہ شمال مغربی سرحدی صوبے کو جتنا جلد ممکن ہو سکے آئینی ارتقا مل سکے۔ اس فیصلے کی راہ میں کسی رکاوٹ کو حائل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ اس لئے حکومت برطانیہ چاہتی ہے کہ جتنا جلد ہو سکے۔ شمال مغربی سرحدی صوبے میں ضروری آئینی اقدامات کئے جائیں اور جب تک نیا آئین نافذ نہیں ہو جاتا گورنری صوبوں کے بارے میں موجودہ ایکٹ شمال مغربی سرحدی

صوبے میں بھی نافذ کیا جاتا ہے۔ کانفرنس کے فیصلوں اور وزیر اعظم برطانیہ کے خطاب کے بعد مسٹر گاندھی نے کانفرنس کے ارکان حکومت برطانیہ شہنشاہ معظم اور وزیر اعظم برطانیہ کا شکریہ ادا کیا اور اپنی جانب سے شکریے کا ووٹ تجویز کیا۔

سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے مسٹر گاندھی کے تجویز کردہ شکریے کے ووٹ کی تائید کرتے ہوئے فرمایا۔

جناب وزیر اعظم! میرے کان میں ایک سرگوشی کی آواز سنائی دی کہ شکریے کے ووٹ کی تائید کرنے کی سعادت مجھے حاصل کرنا چاہیئے۔ اس پہ مجھے فارسی کا ایک شعر یاد آرہا ہے۔

آسماں بار امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

جونہی صاحبزادہ سر عبدالقیوم نے فارسی کا یہ شعر پڑھا کانفرنس کے ایک رکن نے صاحبزادہ سے درخواست کی کہ اس شعر کا ترجمہ کر کے کانفرنس کو مفہوم بتایا جائے۔ سر صاحبزادہ عبدالقیوم نے کہا۔"

شاید اس شعر کا مطلب کچھ یوں ہے۔ کہ ذمہ داری کا بوجھ جو آسمان برداشت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا وہ مجھ جیسے نیم پاگل یا مکمل پاگل آدمی کے کاندھوں پہ ڈال دیا گیا ہے۔ میرے لئے یہ بات ایک خواب کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ میں پہلے ہی اپنے صوبے کی تقدیر کے بارے میں وزیر اعظم کا اعلان سن کر انتہائی مسرت محسوس کر رہا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ جب شکریے کے ووٹ کی تائید کرنے کی غیر معمولی سعادت جو مجھے حاصل ہوئی ہے اور عظیم مہاتما کے نقش قدم پہ چلنا جو مجھے نصیب ہوا ہے میں اس بات پر اپنی

خوشی اور عزّت کی انتہا نہیں پاتا۔

جناب عالی! میں انتہائی خلوص اور دلی طور پر شکریے کے اس ووٹ کی تائید کرتا ہوں جسے کانفرنس کی جانب سے مہاتما نے پیش کیا ہے۔ گذشتہ ایک سال کے عرصے میں کانفرنسوں کے اہتمام کے سلسلے میں آپ نے جو عظیم کاوشیں کی ہیں اور جس صبر اور استقلال کا مظاہرہ آپ نے طویل اور بعض اوقات غیر منظم تقریروں کے سننے کے دوران کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو ہندوستانیوں کے جذبات سے کس قدر ہمدردی ہے اور آپ کس قدر بے چین ہیں کہ ہندوستانیوں کی خواہشات کی تکمیل کر سکیں۔

جناب عالی! ابھی ابھی آپ نے حکومت برطانیہ کی جانب سے جو بیان دیا ہے وہ انتہائی واضح ہے اور کم از کم مجھ جیسے طرز فکر رکھنے والے انسانوں کے لئے بہت زیادہ اطمینان بخش ہے ہو سکتا ہے کہ اس کانفرنس کا ہر ممبر مطمئن نہ ہؤا ہو لیکن انہی ارکان میں سے ہندوستان کے دور دراز کونے سے تعلق رکھنے والا ایک رکن یعنی میں اپنے صوبے کی قسمت کے فیصلے پر انتہائی اطمینان محسوس کرتا ہوں۔

صوبہ سرحد کے معاملے پر غور و فکر نے کافی طول کھینچا مگر یہ کہا جاتا ہے کہ اگر گائے تین دنوں کے بعد بھی اپنے گھر واپس آجائے تو اسے کھویا ہوا نہیں سمجھا جاتا۔ میرے لئے یہ انتہائی خوشی کا مقام ہے کیونکہ جس وقت میں نے صوبہ سرحد کو اصلاحات دلانے کی ذمہ داری سنبھالی تھی اس وقت میں یہ توقع بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میری اس کوشش کا انجام میری زندگی ہی میں ہو جائے گا ایسے امور کی تکمیل کے لئے ایک زیادہ مدت درکار ہوتی ہے مگر مجھے خوشی ہے کہ ہمیں ایک ایسا موقع ملا جو ہمیں انگلینڈ لے آیا تاکہ ہم ہندوستان کی قسمت

کے معاملے میں بحث کر سکیں اس بحث کے دوران میرے صوبے کا چھوٹا سا معاملہ بھی کافی اہمیت اختیار کر گیا۔

جناب عالی! میں نہ صرف آپ کا ممنون ہوں بلکہ آپ کی گذشتہ سال والی حکومت کا بھی ممنون ہوں اور برطانیہ کی موجودہ حکومت کا بھی ممنون ہوں کانفرنس کے تمام ممبروں کا بھی زیر احسان ہوں جنہوں نے صوبہ سرحد کے لئے اصلاحات دلانے کے لئے میری حمایت کی یا جنہوں نے اس سلسلے میں اس طرح مدد کی کہ انہوں نے صوبہ سرحد کے معاملے میں اعتراضات نہیں کئے۔ میں خاص کر مہاتما گاندھی کا ممنون ہوں۔ جنہوں نے کانفرنس کے پورے اجلاسوں کے دوران صرف گذشتہ رات صوبہ سرحد کے معاملے کو منصفانہ کہتے ہوئے اس کی حمایت کی مجھے توقع تھی کہ وہ ایسا ہی کریں گے اس کے ساتھ ساتھ میں اپنے پرانے دوست ڈاکٹر مونجے کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے سرحد کو اصلاحات دلانے کے سلسلے میں حمایت تو نہیں کی مگر مخالفت بھی نہیں کی۔

میں چاہتا ہوں کہ کاش مجھے انگریزی زبان پر اتنا عبور حاصل ہوتا جیسا کہ میرے دوست سر تیج بہادر سپرو کو حاصل ہے یا ان دو دوستوں کو حاصل ہے جو ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں تاکہ میں بہتر اور اچھی طرح اپنے صوبے کے لئے دکھائی جانے والی اس عظیم ہمدردی اور کامیابی پر اپنے موجودہ احساسات اور شکر گزاری کے جذبات کا اظہار کر سکتا۔

جناب عالی! میں نے آپکے بیان کے دوران کچھ اس قسم کے الفاظ سنے "صوبہ سرحد کی دفاعی ضروریات کی طرف مناسب توجہ دی جائے گی"

یہ بات مجھے یہ کہنے کی جرأت دلاتی ہے کہ اس جلے کو ہمیشہ صحیح اور بہترین

مفہوم اور وضاحت دی جائے گی اور اس کے ساتھ ہمیں یہ اجازت بھی دی جائے گی کہ اگر ہم سے بعض اوقات غلطیاں سرزد ہوں کیونکہ صوبہ سرحد میں نئے آئین کا تجربہ کرنے کا ہمیں پہلی بار موقع ملے گا جو کہ آپ نے کمال مہربانی سے ہمیں عنایت کیا ہے تو ہماری ان غلطیوں کو سختی سے نہیں جانچا جائے گا۔ ان الفاظ کے ساتھ میں مہاتما گاندھی کے تجویز کردہ شکریے کے ووٹ کی دلی تائید کرتا ہوں

فرنچائز کمیٹی اور سرحد

دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کی فرنچائز سب کمیٹی کی سفارشات کی بنیاد پر ہندوستانی صوبوں کے لئے انتخابی اصول طریقہ انتخاب ووٹروں کے معیار اور اسمبلیوں کی نشستوں کے تعین کے بارے میں برطانوی پارلیمنٹ کو ایک جامع رپورٹ پیش کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے چیئرمین دی مارکوئیس لوتھین انڈر سیکرٹری حکومت ہند مقرر کئے گئے۔ کمیٹی کے ممبروں میں سرجان کیر۔ ڈاکٹر جی آر امبیدکر۔ خان بہادر مولوی عزیز الحق۔ مسٹر آر۔ آر۔ رنجال۔ سر ارنسٹ بنیٹ۔ مسٹر ار۔ اے۔ ٹیلر۔ مسٹر سی وائی چنتامنی۔ دی مارکوئیس آف ڈفرین اور الوا۔ آنریبل ای ملنر میجر جے ملنر۔ دیوان بہادر راماسوامی آنریبل مری پک فورڈ۔ مسز جی سبارایان سردار بہادر سر سندر سنگھ مجیٹھہ۔ مسٹر الیس بی ٹامب۔ سر محمد یعقوب خان۔ سر ڈی ذوالفقار علی خان

اس کمیٹی کے برطانوی ممبر جنوری ۱۹۳۲ء میں ہندوستان پہنچے۔ فروری ۱۹۳۲ء میں کمیٹی نے اپنا کام شروع کیا یہ ممبر ہندوستان کے تمام صوبوں میں پہنچے اور ہر صوبے کے مخصوص حالات کا جائزہ لینے کے ساتھ صوبے کے سرکردہ لوگوں سے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات کے لئے رائے طلب کی۔

برطانوی حکومت نے حکومت ہند کو ہدایات جاری کیں کہ انڈین فرنچائز کمیٹی کی کارکردگی

کو آسان اور بہتر بنانے کے لئے ہر صوبے کی مقامی حکومت کو ہدایت کرے کہ وہ غیر سرکاری ممبروں پر مشتمل صوبے کے سرکردہ افراد کی ایک کمیٹی قائم کرے جو انڈین فرنچائز کمیٹی کے ساتھ تعاون کر کے اپنے اپنے صوبوں کے لئے بہترین انتخابی اصول وضع کرے۔ اس سلسلے میں سرحد کی مقامی حکومت نے ایک صوبائی کمیٹی قائم کی جس کے چیئرمین مسٹر جے ایس تھامسن تھے جو ممبر اس کمیٹی کے لئے نامزد کئے گئے وہ مندرجہ ذیل تھے۔

نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم۔ نواب میجر محمد اکبر خان آف ہوتی۔ میجر احمد نواز خان سدوزئی ڈیرہ اسماعیل خان۔ خان بہادر عبدالرحیم خان۔ ملک الرحمان کیانی، رائے صاحب مہر چند کھنہ۔ سردار راجہ سنگھ، مسٹر محمد اکرم خان۔ مسٹر محمد جان خان۔ ایم غلام ربانی خان۔ سر حسام الدین خان۔ مسٹر محمد اسلم خان۔ مسٹر محمد یونس خان۔ اور سردار اورنگزیب خان انڈین فرنچائز کمیٹی نے سرحد کے سرکردہ افراد سے انتخابی اصول اور قوانین صوبائی اسمبلی کی نشستوں اور مرکزی اسمبلی میں نمائندگی کے تعین اور خواتین کی رائے دہندگی کے بارے میں ۱۶ اور ۱۷ اپریل ۱۹۳۲ء کو سرکردہ افراد سے رائے طلب کی ان میں خان بہادر نواب مظفر خان بیگم کمال الدین۔ قاضی محمد شفیق چارسدہ۔ سردار نرنجن سنگھ بیدی صدر سکھ سبھا پشاور محمد سرور خان طاہر خیلی ایڈیٹر نوجوان افغان۔ نواب حافظ سیف اللہ خان۔ صدر مسلم نمائندہ کمیٹی ڈیرہ اسماعیل خان کے علاوہ مسٹر او کیرو ڈپٹی کمشنر پشاور اور مسٹر ایل ڈبلیو ایچ ڈی بیسٹ، ڈپٹی کمشنر کوہاٹ شامل تھے۔ فرنچائز کمیٹی نے سرحد اسمبلی کے لئے ۵۰ نشستیں اور کونسل آف سٹیٹ میں دو اور مرکزی اسمبلی میں تین نمائندوں کی سفارش کی۔ اور سرحد کے صرف ۲۴۲۰۰۰ ووٹروں کو ووٹ کا حق دیا گیا۔ کیونکہ ووٹروں کے لئے جو معیار مقرر کیا گیا تھا اس کے مطابق صرف یہی افراد ووٹ ڈالنے کے اہل قرار دیئے گئے تھے۔

اصلاحات کا نفاذ

یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ مونٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ ۱۹۱۸ء میں اس امر کی سفارش کی گئی تھی کہ صوبہ سرحد کے مخصوص حالات کی وجہ سے اس صوبے کو مکمل طور پر حکومت ہند کے اختیار میں رکھا جائے اگرچہ اس رپورٹ میں ایک قسم کی مشاورتی کونسل کا قیام تجویز کیا گیا تھا لیکن اس تجویز کو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء میں کوئی توجہ نہ دی گئی جس کی وجہ سے سرحد میں کوئی آئینی تبدیلی عمل میں نہ لائی گئی۔

سائمن کمیشن:- ۱۹۳۰ء میں سائمن کمیشن نے زیر انتظام ضلعوں اور قبائلی علاقوں کے یکساں کنٹرول کی ضرورت پر زور دیا کیونکہ یہی واحد ذریعہ تھا جس سے صوبہ سرحد میں مؤثر طور پر دفاع کیا جا سکتا ہے۔ اس رپورٹ میں یہ تجویز کیا گیا تھا کہ سرحد کے انتظامات جن کے تحت چیف کمشنر بیک وقت پانچوں اضلاع کی ذمہ داری کے علاوہ قبائلی علاقوں کے لئے گورنر جنرل کے نمائندے کی حیثیت سے کام کر رہا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔ اس رپورٹ میں صوبہ سرحد کے عوام کے سیاسی جذبات کو تسلی دینے کے لئے ایک مقامی قانون ساز ادارے کے قیام کی تجویز پیش کی گئی تھی جس میں بالواسطہ طور پر منتخب نمائندے شامل کرنے کی سفارش کی گئی تھی جنہیں ٹیکس عائد کرنے اور صوبائی اخراجات پر رائے دینے کے اختیارات دیئے گئے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کمیشن نے یہ سفارش بھی کی تھی کہ انتظامی ذمہ داری چیف کمشنر ہی کے پاس رہے۔

حکومت ہند نے اپنے دسمبر ۱۹۳۰ء کے ایک مراسلے میں اس رائے کا اظہار کیا کہ وہ شمال مغربی سرحدی صوبے کو آئینی حکومت دینے کے حق میں ہے جو سائمن

کمیشن کے تجویز کردہ طریق کار سے کچھ زیادہ آزادانہ بنیادوں پر قائم ہو۔
اس مراسلے میں حکومت ہند نے یہ بھی تسلیم کیا کہ گذشتہ ۳۰ سال کے عرصے میں صوبہ سرحد کے قیام سے اب تک سرحد میں بہت زیادہ تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں اگرچہ حکومت ہند سائمن کمیشن کی مضبوط تجاویز کو جن میں محتاط طور پر آئینی اقدامات کی تجویز پیش کی گئی ہے نظر انداز نہیں کر سکتی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ صوبہ سرحد میں آئینی ارتقار کے سلسلے میں حکومت ہند کے فیاضانہ اقدامات نہ کرنے کے نتائج جو ۱۹۳۰ء کے ابتدائی عرصے کے واقعات سے واضح ہیں سائمن کمیشن کی تجاویز کو کافی حد تک بے عمل کر دیتی ہیں یعنی اگر صوبہ سرحد میں فیاضانہ رویہ اختیار کرنے کی بجائے سائمن کمیشن کی تجویز کردہ سخت اقدامات عمل میں لائے جائیں تو سرحد کے لوگوں کی بے اطمینانی کی وجہ سے ۱۹۳۰ء کے حالات دہرائے جانے کا بھی خدشہ ہے اس کے علاوہ حکومت ہند نے یہ وضاحت بھی کر دی تھی کہ سائمن کمیشن کی تجاویز کے مطابق کئے جانے والے سرحد میں آئینی اقدامات یا کسی اور قسم کی تنظیم نو جو سرحد کے عوام کے سیاسی جذبات اور خواہشات پر پورا نہیں اتریں گے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ وہاں کے لوگ مطمئن نہیں ہو سکیں گے اور اس طرح حکومت ہند کو عوامی تعاون حاصل کرنے میں ناکامی ہو گی۔ اس لئے حکومت نے یہ سفارش کی کہ صوبہ سرحد میں ایک وحدانی طرز حکومت کی سکیم پر عمل کیا جائے جس کے تحت اس صوبے میں بھی تقریباً ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی حکومتوں کی طرح طریق کار اختیار کیا جائے۔ البتہ اس صوبے کے سربراہ کے لئے مخصوص مقامی حالات کی وجہ سے کچھ مزید اختیارات کے بارے میں بھی تجویز پیش کی گئی اس قسم کے آئین کی سفارش چیف کمشنر نے بھی کی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ صوبہ سرحد کا قانون ساز ادارہ منتخب اور نامزد ارکان پر مشتمل ہو جن کی تعداد مساوی ہو۔ کونسل کے بارے میں موزوں حلقہ ہائے انتخاب پر غور کرنا ضروری تھا

اس کے ساتھ ساتھ یہ فیصلہ کیا گیا کہ ارکان کی کل تعداد جن میں منتخب اور نامزد ارکان شامل ہوں تیس یا چالیس ہونا چاہیئے۔ سائمن کمیشن کی تجویز کردہ سکیم جس میں پانچوں زیر انتظام ضلعوں اور قبائلی علاقوں کے انتظام کی ذمہ داری کو ایک ہی انتظامی شخصیت میں مرکوز کرنے کو کہا گیا تھا تسلیم کر لیا گیا۔ پانچ اضلاع کے نظم و نسق کے بارے میں یہ تجویز بھی حکومت ہند نے پیش کی تھی کہ صوبہ سرحد کے سربراہ کی امداد کے لئے دو وزیر ہونا چاہئیں جن میں سے ایک سرکاری فرد ہو البتہ سائمن کمیشن کے تجویز کردہ مرکزی اختیارات اور گورنر جنرل کے سرحد پر براہ راست کنٹرول کی بجائے حکومت ہند نے یہ تجویز پیش کی کہ یہ اختیارات مرکز کی بجائے صوبائی انتظامیہ کو دے دیئے جائیں اور صوبائی انتظامیہ کو ملنے والے اختیارات کی تقسیم ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے مطابق ہونا چاہیئے

حکومت ہند نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ صوبہ سرحد کے مخصوص حالات کے تحت بعض اختیارات مثلاً فرنٹیئر کنسٹبلری۔ سکاؤٹس قبائلی مراعات اور وظائف اور اہم شاہراہوں کو موجودہ انتظام کے مطابق مرکز کے پاس رہنے دیا جائے اور اگر صوبہ سرحد کی مالیاتی آمدنی اخراجات کو پورا کرنے میں ناکام رہے تو مرکز کی طرف سے مناسب مالی امداد فراہم کی جائے گی۔

گول میز کانفرنس کی تجاویز:۔ گول میز کانفرنس کے دوران سر صاحبزادہ نے مسلسل اس بات پر زور دیا کہ صوبہ سرحد کو ہندوستان کے دوسرے گورنری صوبوں کے مطابق آئینی حیثیت دی جائے چنانچہ برطانوی وزیر اعظم نے کانفرنس کے اختتام پر دسمبر ۱۹۳۱ء میں یہ اعلان کیا کہ صوبہ سرحد کو ہندوستان کے دوسرے گورنری صوبوں کے مطابق آئینی حیثیت دی جا رہی ہے اس لیئے نئے آئین کی تکمیل تک صوبہ سرحد میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء نافذ کر دینے کا اعلان کیا جاتا ہے۔

صوبہ سرحد میں آئینی تبدیلی:۔ ۲۵ جنوری ۱۹۳۲ء کو وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن نے ہندوستان کی مرکزی آئین ساز اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے یہ اعلان کیا۔

"ہندوستان کے نئے آئین کے تحت صوبہ سرحد کو بھی ہندوستان کے دوسرے گورنری صوبوں کے مطابق مساوی آئینی حیثیت کا صوبہ بننے کا مقام دیا جائے گا۔ جس میں صوبہ سرحد کے ضروری حالات کو پیش نظر رکھا جائیگا۔ جب تک نیا آئین تیار نہیں ہوتا اس وقت تک حکومت ہند اور چیف کمشنر بڑی تندی کے ساتھ ایسے آئین کی تشکیل کے لئے کام کر رہے ہیں جس کے تحت موجودہ ایکٹ کے مطابق صوبہ سرحد کو فوری طور پر گورنری صوبے کی حیثیت دی جاتی ہے۔"

وائسرائے نے یہ بھی اعلان کیا کہ سرحد میں بننے والی نئی حکومت اور قانون ساز ادارے کو مناسب مالی اختیارات بھی ملنے چاہئیں جس کے لئے قوانین کا بلغور مطالعہ کیا جا رہا ہے اور مناسب ترمیمیں کی جا رہی ہیں۔

وائسرائے نے اپنی تقریر کے دوران یہ بھی کہا کہ سرحد میں مالی استحکام کے لئے مرکز کی طرف سے مالی مراعات کا دینا بھی زیر غور ہے اور میری حکومت مالی مراعات کی مقدار کا تعین کرنے کے بارے میں مناسب غور و فکر کر رہی ہے۔ جب یہ کام مکمل ہو جائے گا تو ہندوستانی مقننہ سے مشورہ بھی لیا جائیگا۔ چنانچہ مذکورہ فیصلوں کے مطابق صوبہ سرحد میں مجوزہ آئین کی تکمیل تک گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء کے نفاذ کے لئے ضروری انتظامات تیزی سے کئے گئے اور اپریل ۱۹۳۲ء میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء کو صوبہ سرحد میں نافذ کر دیا گیا۔

آئین ساز کونسل کے انتخابات

سرحد سرزمین بے آئین تھی انگریزوں نے سرحد کے باشندوں کو جبر و تشدد
کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ سر صاحبزادہ عبدالقیوم نے سرحد کو انگریزوں کے ظلم و تشدد
سے نجات دلانے کے لئے آئینی جدوجہد کی۔ اور بالآخر وہ لندن کی گول میز کانفرنس
میں سرحد کو اصلاحات دلانے میں کامیاب ہوئے۔ سرحد کو اصلاحات کی پہلی قسط
ملنے کے بعد سرحد میں آئین ساز کونسل کے انتخابات ہوئے۔ سرحدی عوام میں سے
انتخابات کے ذریعے ۲۸ ممبر منتخب ہوئے اور ۱۲ ممبر حکومت نے خود نامزد کئے

صوبہ سرحد کے پہلے انتخابات کے لئے ۳، جنوری ۱۹۳۱ء کو نواب مظفر خان
نے ریفارمز کمشنر کی حیثیت سے چارج سنبھالا۔ مسٹر تھامسن ڈیویلپمنٹ کمشنر
تھے نواب مظفر خان، مسٹر ڈونیٹ اور مسٹر تھامسن نے متفقہ طور پر سرحد کے
انتخابات کے لئے لائحہ عمل تیار کیا نواب مظفر خان نے ریفارمز کمشنر کا چارج
لینے کے بعد ۲۰ ممبروں پر مشتمل ایک غیر سرکاری کمیٹی قائم کی اس کمیٹی نے جنوری
۱۹۳۲ء کے پہلے ہفتے میں حلقہ ہائے انتخابات اور انتخابات کے پروگرام کی
تجاویز چیف کمشنر صوبہ سرحد کو پیش کیں۔ چیف کمشنر نے ان تجاویز پر مشتمل
رپورٹ جنوری کے دوسرے ہفتے میں گورنمنٹ آف انڈیا کو پیش کی سٹیٹ
سیکرٹری نے ۷، فروری ۱۹۳۲ء کو اس ڈرافٹ کی منظوری دی۔

نواب مظفر خان نے جو مشاورتی کمیٹی قائم کی تھی اس کمیٹی نے سرحد کے
مختلف اضلاع کے ڈپٹی کمشنروں کے مشورے کے بعد پولنگ پروگرام کو

آخری شکل دی شہری علاقوں کے ہر پولنگ سٹیشن ۷۰۰ سے ۹۰۰ تک ووٹ پول کرنے کے لئے مخصوص تھے۔ دیہی علاقوں میں ہر پولنگ سٹیشن ۵۰۰ سے ۷۰۰ تک ووٹروں کے لئے مخصوص تھا۔

سنہ ۱۹۳۱ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے جو قرطاس ابیض شائع کیا اس کی رو سے شمال مغربی سرحدی صوبے میں بننے والی قانون ساز اسمبلی میں ارکان کی تعداد فرقہ وارانہ بنیادوں پر اسی طرح تھی کہ اسمبلی میں عام نشستیں ۹ سکھوں کیلئے ۳ مسلمانوں کیلئے ۳۶ اور جاگیرداروں کیلئے ۲ نشستیں مخصوص کی گئیں بر علیکے رائے دہندگان کیلئے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ وہ مندرجہ ذیل اہلیت رکھتے ہوں۔

۱۔ انکے پاس غیر منقولہ جائیداد ہو جس میں اگر زمین پر وہ لگان ادا نہ کرتے ہوں تو اس زمین پر تعمیر ہونے والی عمارتوں کی قیمت ۶۰۰ روپے یا اس سے زیادہ ہو۔ یا

۲۔ غیر منقولہ جائیداد کے کاشت کار جو اپنے مالکوں کو ۴۸ روپے سے زیادہ ادائیگی کرتے ہوں۔ یا

۳۔ وہ افراد جو ڈسٹرکٹ بورڈ کو ۴ روپے یا اس سے زیادہ کا سالانہ ٹیکس وغیرہ ادا کرتے ہوں۔ یا

۴۔ وہ افراد جو بلاواسطہ میونسپل یا کنٹونمنٹ اداروں کو پچاس روپے کا ٹیکس ادا کرتے ہوں۔ یا

۵۔ وہ افراد جن کی ماہوار آمدنی ۴۰ روپے یا اس سے زیادہ ہو۔ یا

۶۔ وہ افراد جو ایسی زمین کے مالک، موروثی کاشت کار یا اجارے پر لینے یہ افراد جبکہ اجارے کی میعاد تین سال سے کم نہ ہو اور مذکورہ جائیدادوں سے دس روپے یا اس سے زیادہ کا سالانہ مالیہ حاصل ہو سکے۔

سرحد لیجسلیٹو کونسل کے انتخابات ۱۹۳۲ء کا تجزیہ

نام حلقہ	امیدواروں کے نام	حاصل کردہ ووٹ	کامیاب امیدوار
پشاور ۱	مسٹر پیر بخش خان ایڈووکیٹ	۳۸۹۲	مسٹر پیر بخش خان ایڈووکیٹ
	خان عبدالقیوم خان بار ایٹ لاء	۹۶۵	
سرحد کا قصباتی حلقہ ۲	ملک خدا بخش ایڈووکیٹ	بلامقابلہ	ملک خدا بخش ایڈووکیٹ
جنوبی ہزارہ ۳	خان بہادر سلطان محمد خان	۱۶۲۸	خان بہادر سلطان محمد خان
	مہدی زمان خان کھلابٹ	۱۰۵۹	
وسطی ہزارہ ۴	خان بہادر احمد خان سکنہ سرائے صالح	۶۴۲	خان محمد زمان خان
	گوہر رحمٰن خان ساکن درویش	۴۹۹	
	قاضی محمد اسلم ایڈووکیٹ ایبٹ آباد	۶۰۷	
	خان صاحب محمد زمان خان ساکن کھلابٹ	۸۱۰	
	قاضی محمد یوسف ساکن ایبٹ آباد	۲۳۵	
مشرقی ہزارہ ۵	سمندر خان ساکن بانڈہ پیر خان	۷۲۳	سمندر خان
	صوبیدار لال خان ساکن بانڈہ پیر خان	۶۶۳	
	محمد صادق ایڈووکیٹ ایبٹ آباد	۵۳۴	
	محمد اکبر خان ساکن بانڈہ پیر خان	۴۷۲	

نام حلقہ	امیدواروں کے نام	حاصلکردہ ووٹ	کامیاب امیدوار
اندرون مانسہرہ ضلع ہزارہ	خان محمد عباس خان ساکن مانسہرہ	۱۰۲۹	خان محمد عباس خان
	ولی محمد خان ساکن آگرہ	۵۲۳	
بیرون مانسہرہ ۷ ضلع ہزارہ	عبدالقیوم سواتی ایڈووکیٹ ساکن سفیدہ	۶۸۶	عبدالقیوم خان سواتی
	غلام ربانی خان ایڈووکیٹ ساکن بانڈہ شیخان	۴۹۴	
	محمد افضل خان ساکن گیدڑپور	۴۹۵	
دوآبہ داؤدزئی ۸ پشاور	خلیل الرحمن ساکن خشکی پشاور	۱۲۶	
	ارباب عبدالرحمن خان ساکن گڑھی گگوزئی پشاور	۲۷۰	ارباب عبدالرحمن خان
	محمد ابراہیم خان ایڈووکیٹ ساکن پشاور	۱۸۳	
	مغل خان ساکن جوگانی پشاور	۱۹۷	
خالصہ اور یاڑہ ۹ پشاور	سردار اورنگزیب خان ایڈووکیٹ	۲۱۴۴	ارباب محمد شریف خان
	ارباب محمد شریف خان	۷۲۴	
ہشتنگر ۱۰ پشاور	خان حمیداللہ خان بارایٹ لا ساکن پشاور	۲۱۱	
	خان عبدالغفور خان ساکن پڑانگ	۲۳۸	خان عبدالغفور خان بارایٹ لا
	خان عبدالغفور خان ساکن عمرزئی	۸۷	
	میاں عبداللہ شاہ قاضی خیل ساکن پشاور	۱۴۳	
	محمد علی خان ساکن تنگی	۶۷	
نوشہرہ ۱۱	خان بہادر تاج محمد خان ساکن بدرشی	۲۹۳۷	تاج محمد خان
	خان بہادر میاں فیروز شاہ ساکن نوشہرہ	۲۷۴۱	
[illegible] ۱۲	خان بہادر نواب حمیداللہ خان ساکن تورو	۲۲۵	خان بہادر نواب حمیداللہ خان
	سلطان محمد خان ساکن شیوہ	۱۶۳	

نام حلقہ	امیدواروں کے نام	حاصلکردہ ووٹ	کامیاب امیدوار
	میاں ضیاء الدین بارایٹ لاء	۱۴۸	
اتمان نامہ اور بلک نامہ ۱۳	قائد سرحد نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم ساکن ٹوپی	بلامقابلہ	نوابزادہ سر عبدالقیوم خان
کمالزئی، بائزئی مردان ۱۴	ڈاکٹر ملا محمد خان ساکن تورو	۱۲۱	محمد ایوب خان
	محمد ایوب خان ساکن ہوتی	۱۴۴	
	خان صاحب محمد یعقوب خان ساکن ہوتی	۸۲	
مشرقی کوہاٹ ۱۵	خان بہادر نواب باز محمد خان ساکن ٹیری	۶۱۲	خان بہادر نواب باز محمد خان
	محمد شریف خان ساکن لاچی	۴۵۶	
مغربی کوہاٹ ۱۶	سعد اللہ خان ایڈوکیٹ ساکن کوہاٹ	صفر	غلام حسن علی شاہ الیاس پیر حسن گل
	غلام حسن علی شاہ الیاس پیر حسن گل ساکن نریاب	۱۳۲۳	
	ملک الرحمن خان کیانی ساکن کوہاٹ	۱۲۲	
شمالی بنوں ۱۷	خان بہادر غلام حیدر خان ساکن بنوں	۹۰۱	محمد جان خان بارایٹ لاء
	محمد جان خان بارایٹ لا ساکن بنوں	۶۵۴	
	حاجی محمد حیات خان ساکن کوٹکہ غلام قادر	۴۸۳	
جنوبی بنوں ۱۸	خان حبیب اللہ خان ایڈوکیٹ ساکن لکی مروت	۱۴۶۷	خان حبیب اللہ خان ایڈوکیٹ
	محمد ایاز خان ساکن نار صاحب داد خان	۹۹۱	
ڈیرہ اسمٰعیل خان شمال مغربی ۱۹	خان بہادر عبدالرحیم خان بارایٹ لا ساکن گل امام	بلا مقابلہ	خان بہادر عبدالرحیم خان بارایٹ لاء
ڈیرہ اسمٰعیل خان شرقی ۲۰	مولوی نور بخش ایڈوکیٹ	۶۴۲	مولوی نور بخش خان
	نواب اللہ داد خان	۲۵۱	

نام حلقہ	امیدواروں کے نام	حاصل کردہ ووٹ	کامیاب امیدوار
	نواب زادہ نصراللہ خان	۴۷۰	
غیر مسلم پشاور	ڈاکٹر چارو چندر گھوش ساکن پشاور	۶۲۵	لالہ مہر چند کھنہ
۲۱	رائے صاحب مہر چند کھنہ ساکن پشاور صدر	۲۱۲۷	
غیر مسلم مردان	رائے صاحب رام ناتھ ساکن پشاور	۷۰۹	رائے بہادر کرم چند
۲۲	رائے صاحب بہادر کرم چند ساکن پشاور	۷۳۵	او۔بی۔ای
ہزارہ غیر مسلم ۲۳	رائے بہادر لالہ ایشر داس	بلا مقابلہ	رائے بہادر لالہ ایشر داس
کوہاٹ اور بنوں	رائے صاحب چمن لال ایڈووکیٹ ساکن بنوں	۵۴۰	لالہ لدھا رام
۲۴	لالہ گوردت مل ایڈووکیٹ ساکن کوہاٹ	۸۰۰	ایڈووکیٹ
	لالہ لدھا رام ایڈووکیٹ ساکن بنوں	۹۲۰	
	لالہ ملاوا رام ایڈووکیٹ ساکن بنوں	۸۵۳	
ڈیرہ اسمٰعیل خان	لالہ بھنجو رام ایڈووکیٹ ساکن ڈیرہ اسمٰعیل خان	۴۱۷	
غیر مسلم ۲۵	لالہ تلسی داس ایڈووکیٹ ساکن ڈیرہ	۲۹۴	لالہ روچی رام
	لالہ تہل رام ساکن ڈیرہ اسمٰعیل خان	۸	
	لالہ روچی رام ٹھیکیدار ساکن ڈیرہ اسمٰعیل خان	۲۱۲۰	
سرحدی صوبے کا سکھ حلقہ ۲۶	سردار راجہ سنگھ ایڈووکیٹ پشاور	بلا مقابلہ	سردار راجہ سنگھ ایڈووکیٹ
لینڈ لارڈز	خان غلام حیدر خان ساکن شیر پاؤ	۴۴	
ضلع پشاور ۲۷	خان محمد اسلم خان ساکن ہوتی مردان	۶۱	
	حاجی محمد اکرم خان ساکن خان ماہی پشاور	۲۶	

نام حلقہ	امیدواروں کے نام	حاصلکردہ ووٹ	کامیاب امیدوار
	میر عالم خان ساکن تنگی پشاور	۹۲	خان ہدایت اللہ خان
	خان ہدایت اللہ خان ساکن عمرزئی	۱۰۱	
لینڈلارڈ قبائلی حلقہ نمبر ۲۸	خان عبدالحمید خان کنڈی ساکن گل امام ڈیرہ	۱۲۸	خان عبدالحمید خان کنڈی
	خان صاحب سلطان حسن خان ساکن بوئی ضلع ہزارہ	۹۰	
	غلام نقشبند خان ساکن ڈیرہ اسمٰعیل خان	۶	

نامزد اراکین

سرکاری نامزد ممبر

آنریبل مسٹر جی کننگھم (۲) مسٹر جے گڈنی (۳) مسٹر جے ایس تھامسن (۴) مسٹر جی ایم ڈس
(۵) کرنل ایچ ایچ تھارن برن (۶) اللہ نواز خان (۷) سردار جگجیت سنگھ

غیر سرکاری نامزد ممبر

(۱) غلام ربانی خان (۲) حسن علی خان (۳) ملک الرحمٰن کیانی (۴) نوابزادہ نصراللہ خان
(۵) نرنجن سنگھ بیدی۔

سرحد لیجسلیٹو کونسل کے ان انتخابات میں مندرجہ ذیل امیدواروں کی ضمانتیں ضبط ہوتیں کیونکہ یہ امیدوار اپنے حلقے کے کل ووٹوں میں سے ⅛ ووٹ حاصل نہ کرسکے۔

(۱) قاضی محمد یوسف ساکن سکندرپورہ ضلع ہزارہ (۲) خان عبدالغفور خان ساکن عمرزئی پشاور (۳) محمد علی خان ساکن تنگی ضلع پشاور (۴) سعداللہ خان ایڈوکیٹ کوہاٹ (۵) لالہ تلسی داس ایڈوکیٹ ڈیرہ اسمٰعیل خان (۶) لالہ ٹہل رام زمیندار ڈیرہ اسمٰعیل خان (۷) حاجی

محمد اکرم خان ساکن خان ماہی ضلع پشاور (۸) غلام نقشبند خان ساکن کیرٹی علی زئی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان۔

انتخابات کا پارلیمانی جائزہ :۔ صاحبزادہ عبدالقیوم کی انتھک کوششوں کی وجہ سے انگریزوں نے پہلی دفعہ سرحد میں کونسل کے انتخابات کی اجازت دی اس وقت یہ صوبہ چیف کمشنر کے ماتحت تھا انگریز باوجود اس کے کہ پٹھان قوم سے انتہائی خائف تھے جس کی وجہ سے انگریزوں نے سرحد کے پٹھانوں کو ایک عرصے تک آئینی اصلاحات سے محروم رکھا، یہ صوبہ سرزمین بے آئین تھا انگریز جس طرح کے جابرانہ قوانین چاہتے سرحد میں نافذ کرتے ہر طرف ظلم و تشدد کا دورہ تھا سرحد کو آئینی صوبہ بنانے کے لئے اور سرحد کے لوگوں کو ظلم و ستم اور جبر و تشدد کے شکنجے سے نکالنے کیلئے صاحبزادہ عبدالقیوم نے دن رات جدوجہد کی، لندن کی گول میز کانفرنس میں سرحد کو اصلاحات دلانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، صاحبزادہ کے معقول دلائل نے انگریزوں کو آخر کار مجبور کیا کہ وہ بقیہ ہندوستان کی طرح سرحد میں بھی اصلاحات کا نفاذ کریں، ۱۹۳۲ء میں سب سے پہلی دفعہ آئین ساز کونسل کے انتخابات ہوئے ۲۸ ممبروں کو منتخب کرنے کے لئے سرحدی عوام کو ووٹ ڈالنے کا حق دیا گیا، کونسل کے ممبروں کی تعداد چالیس مقرر کی گئی تھی جس میں ۲۸ عوامی نمائندے اور ۱۲ انگریزوں کے نامزد ممبر تھے ۱۲ نامزد ممبروں میں سے ۷ سرکاری نامزد اور ۵ غیر سرکاری نامزد ممبر تھے۔

اس پہلے سرحدی انتخابات میں سب سے اہم بات جو سامنے آئی وہ یہ تھی کہ انگریز حکمران انتخاب کے معاملے میں نہایت دیانتدار واقع ہوئے۔ مختلف حلقوں میں انگریزوں کے خطاب یافتہ جاگیردار اور انگریزوں کے حامیوں اور عوامی ممبروں کے درمیان مقابلہ تھا انگریز حکمران اگر چاہتے تو اس انتخاب میں اپنے حامیوں کے بغیر کسی کو بھی کامیاب نہ ہونے دیتے مگر انگریز حکمرانوں نے اس سلسلے میں جس دیانتداری کا ثبوت دیا وہ

پاکستان کے قیام کے بعد ۲۵ سال تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس انتخاب میں جن ممبروں کی ضمانتیں ضبط ہوئیں ان میں بھی انگریزوں کی حامی موجود تھے انتخابات کے دوران اگر برسر اقتدار طبقہ چاہتا تو ان کے حامی کبھی بھی ناکام نہ ہوتے۔ کاش کہ ہمارے ملک میں انتخابات کے دوران برسر اقتدار پارٹی اگر اس قسم کی دیانتداری کا ثبوت دیتی تو آج ہمارے ملک میں سیاسی فضا اس قدر خراب نہ ہوتی۔

سرحد میں کونسل کا افتتاح:۔ وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن اور لیڈی ولنگڈن ۱۶ اپریل ۱۹۳۲ء کو ہوائی جہاز کے ذریعے پشاور پہنچے اور سر رالف گرفتھ نے ۱۸ اپریل ۱۹۳۲ء کو صوبہ سرحد کے گورنر کی حیثیت سے چارج سنبھالا: ۲۰ اپریل ۱۹۳۲ء کو وائسرائے ہند نے سرحد کی لیجسلیٹو کونسل کا افتتاح کیا اور حلف وفاداری کی تقریب کے لئے کونسل کا پہلا اجلاس ۱۹ اپریل ۱۹۳۲ء کو وکٹوریہ میموریل ہال (موجودہ عجائب گھر) میں منعقد ہوا جس میں سول اور فوجی حکام درباریوں رئیسوں اور سرحد کی اہم شخصیتوں اور کونسل کے ممبروں نے اس میں شرکت کی اس اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے وائسرائے ہند نے شہنشاہ معظم کی طرف سے یہ پیغام پڑھ کر سنایا

لیجسلیٹو کونسل کے افتتاح پر شہنشاہ معظم کا پیغام

۲۰ اپریل ۱۹۳۲ء کو قانون ساز کونسل کے افتتاح کے موقع پر وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن نے شہنشاہ معظم کا مندرجہ ذیل پیغام پڑھ کر کونسل کے ممبروں اور معززین کو سنایا۔

"میں نے حال ہی میں شمال مغربی سرحدی صوبے کی حیثیت کو گورنمنٹ آف انڈیا

ایکٹ ۱۹۱۹ء کے تحت گورنری صوبے کی حیثیت دینے کی منظوری دی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آج کے دن آپ سرحدی عوام اس فیصلے کی تکمیل پہ خوشی منارہے ہوں گے۔ شمال مغربی سرحدی صوبے میں امن و امان اور بہترین حکومت پر ہندوستان کی سلامتی کا کافی حد تک دارومدار ہے۔ مجھے سرحدی صوبے کے عوام پر اعتماد ہے کہ وہ صوبے کی اس عظیم تبدیلی کے بعد جس کا میرا وائسرائے میری جانب سے آج افتتاح کر رہا ہے سرحدی صوبے کے عوام اپنے معاملات اور طریقۂ زندگی کو ایسے قالب میں ڈھال لیں گے جو شمال مغربی سرحدی صوبے اور ہندوستان کو بحیثیت مجموعی فائدہ پہنچا سکیں میں اپنے وائسرائے کی وساطت سے سرحدی صوبے کے عوام کو اور سرحد میں بننے والی نئی حکومت اور قانون ساز ادارے کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور میری مخلصانہ دعا ہے کہ آج کے واقعات آپ کے لئے مستقل اطمینان اور خوشحالی کا باعث بنیں۔"

وائسرائے ہند کی افتتاحی تقریر

شہنشاہ معظم کا پیغام پڑھ کر سنانے کے بعد وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن نے افتتاحی تقریر کرتے ہوئے کہا۔

" میں اپنی طرف سے اور لیڈی ولنگڈن کی طرف سے آپ سب حضرات کا ممنون ہوں کہ آپ نے آج روایتی گرم جوشی کے ساتھ ہمارا استقبال کیا جب کہ میں آپ کے تاریخی دارالحکومت میں گورنر جنرل کی حیثیت سے اپنے پہلے سرکاری دورے پر یہاں پہنچا۔ یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے پٹھانوں کی روایتی گرم جوشی سے استقبال کرنے کا مظاہرہ دیکھا۔ میں اس بارے میں زیادہ کچھ نہیں

کہنا چاہتا۔ فی الحال میں کچھ اہم مسائل پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ اب سے تقریباً تیس برس پہلے لارڈ کرزن کی حکومت نے اس اہمیت کو تسلیم کر لیا تھا کہ وہ سرحد کے معاملات کو بہتر بنانے کے لئے اس علاقے کو پنجاب سے الگ کر لیں۔ ضلع ہزارہ کو اس صوبے میں شامل کر کے ایک الگ انتظامیہ کے تحت کیا گیا۔ تیس سال پہلے لارڈ کرزن خود یہاں آئے اور انہوں نے حکومت کی پالیسیوں کی ضمانت کرتے ہوئے ایک نئی سکیم کا افتتاح کیا۔ اپنی تقریر کے دوران لارڈ کرزن نے کہا تھا کہ میں صوبہ سرحد میں اس لئے آیا ہوں کہ سرحدی عوام سے آمنے سامنے بات چیت کر سکوں۔ اور آج کا میرا پیغام بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔ یہ پیغام صوبے کی نئی قانون ساز کونسل کے اراکین کے لئے ہی نہیں بلکہ سرحد کے تمام عوام کے لئے ہے جنہوں نے نئی اصلاحات اور نئے آئین کے تحت حکومت کے انتظامات سنبھالنے کی ذمہ داریاں قبول کی ہیں۔ لارڈ کرزن نے کہا تھا کہ " آپکی تقدیر آپکے اپنے ہاتھوں میں ہے اور میں یہاں کے عوام کے فخر اور جذبہ حب الوطنی کے تحت یہ کہہ سکتا ہوں کہ شمال مغربی سرحدی صوبے کے عوام اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کا الگ وجود ہو اور الگ نام ہو لارڈ کرزن کے ان الفاظ کو کہے ہوئے تیس برس گذر چکے ہیں اور اس دوران ہندوستان کے کئی وائسرائے صوبہ سرحد کے دورے پر آئے تاکہ یہاں کی سرزمین پر ہونے والے واقعات کے علاوہ ہندوستان کی تاریخ میں اہم مقام رکھنے والے اس حصے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تاکہ وہ یہ ثابت کر سکیں کہ حکومت ہند اس علاقے کی خوشحالی میں مکمل طور پر دلچسپی رکھتی ہے وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ پٹھانوں کے طریقۂ زندگی اور جوش و خروش کا ذاتی طور پر مشاہدہ کر سکیں۔ ان تیس سالوں کے دوران ہندوستان میں بہت سی تبدیلیاں آئیں جن میں انتہائی قابل ذکر تبدیلی موجودہ سیاسی تجربہ

ہے جس کے تحت تمام ہندوستان میں نمائندہ حکومتیں قائم کی گئیں جمہوری ادارے اپنے تمام امیدوں اور امکانات کے ساتھ ملک کے انتظامی نظم و نسق میں شامل کر دیئے گئے اس تجربے میں سے آج آپ سرحد کے لوگ اپنا حصہ لے رہے ہیں۔ لارڈ کرزن کا پیغام یقیناً وہ سچا تھا جس میں انہوں نے یہ توقع ظاہر کی تھی کہ ہم جو بیج بو رہے ہیں یہ آخر کار آئینی اصلاحات کے تحت ایک بار آور درخت بن جائیگا"

"ہمارا یہاں اجتماع کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس حقیقت پر خوشی کا اظہار کریں جو سالہا سال کی جدوجہد اور انتظار کے بعد حاصل ہوئی ہے یعنی کہ آپ کا صوبہ سرحد گورنری صوبہ بن گیا ہے اور اسے ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے مساوی حقوق مل چکے ہیں مجھے یقین ہے کہ سرحد کے عوام کے اندر وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو حکومت کی جانب سے دیئے جانے والے اس تحفے کی قدر کر سکیں چارسدہ اور مردان میں جو کچھ ہوا ہے یہ انتہائی شرمناک کہانی ہے (اشارہ کانگرس کی طرف تھا) ان واقعات نے رائے دہندگان کو زدوکوب کیا۔ محب وطن افراد کی بے عزتی کی گئی اور ہر لحاظ سے سرحد کو اصلاحات دلانے میں (رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ وہ لوگ (کانگرس) جنہوں نے اس تحریک کو چلایا اور جنہوں نے اس میں حصہ لیا کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے (کانگرس نے) اپنے آپ کو خطرناک اور زہریلے پروپیگنڈے کے لئے استعمال کیا انہوں نے (اشارہ کانگرس کی طرف) عوام کی بہت بڑی اکثریت (سرحدی مسلمانوں) کی خواہشات (سرحد کو اصلاحات ملنے) کی مخالفت کی اور انہوں نے ہر قسم کی کوشش کی کہ وہ صوبہ سرحد کو گورنری صوبہ نہ بننے دیں اس طرح وہ (کانگرس) اس علاقے میں حالات کو معمول پہ لانے میں رکاوٹیں حائل کرتی رہی اس کے برعکس اگر یہ لوگ (کانگرسی) اپنی غیر قانونی سرگرمیاں بند کر دیں اور وہ اس آئین پر عمل

در آمد کرنے میں جو آج نافذ ہوا ہے کے ساتھ تعاون کریں تو مجھے یقین ہے کہ گورنر ان کونسل حکومت ہند سے سفارش کریگا کہ ان اختیارات کو واپس لے لیا جائے جو گورنر کو غیر معمولی حالات سے نمٹنے کے لئے دیئے گئے ہیں اسی دوران ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی طرح اس صوبے میں بھی ہم یہ عزم رکھتے ہیں کہ آئینی اصلاحات پر زور دیا جائے یہی ہمارا مقصد ہے اور اس مقصد کے حصول میں ہم شر انگیز اور غیر قانونی سرگرمیوں سے نہ تو گھبرائیں گے اور نہ ہی اپنے کام میں رکاوٹ پڑنے دینگے"

"حضرات میں اس موقع پر آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اس حقیقت کو تسلیم کر لیں کہ یکساں مواقع کا مطلب یکساں ذمہ داریاں بھی ہیں آپکو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ آپ آئینی اصلاحات کے حامی ہیں کیونکہ انہی اصلاحات کے ذریعے ملک کی ترقی اور مزید آئینی ارتقاء کی راہ ہموار ہو جائے گی۔"

"یہاں کافی عرصے سے عوامی مطالبات کئے جا رہے تھے کہ فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن کو اس صوبے سے ختم کر دیا جائے اور شاید آپ کو علم ہوگا کہ ان ریگولیشنز کو ہزارہ اور ڈیرہ اسمٰعیل خان کے اضلاع میں سے حکومت ہند نے ختم کر دیا ہے ابھی ابھی صوبہ سرحد کے گورنر نے مجھے بتایا ہے کہ ضلعی حکام کی مکمل رضامندی کے ساتھ مل کر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس طریقہ کار کو بقیہ تین اضلاع میں بھی تجرباتی طور پر ایک سال کے لئے معطل کیا جاتا ہے اس کے علاوہ گورنر صوبہ سرحد اور دوسرے حکام آپکی فلاح و بہبود کے لئے صوبے کے دوسرے امور میں بھی کوشاں ہیں"

"میدان ہموار ہو چکا ہے۔ آئینی اصلاحات کا نفاذ ہو چکا ہے آپ کو چاہیئے کہ آپ ماضی کی بجائے مستقبل پہ نظر رکھیں اور اپنی ذمہ داریاں پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ جہاں تک آپکے صوبے کے مستقبل کا تعلق ہے

میں اس بارے میں پرامید ہوں اگرچہ صوبے کے دو علاقوں میں کچھ شرپسندوں (کانگریس) نے حالات بگاڑنے کی کوشش کی لیکن صوبے کے باقی حصوں کے عوام میں نئے آئینی اصلاحات کے ساتھ مکمل تعاون اور گہری دلچسپی کے عزم کا اظہار کیا ہے مجھے یقین ہے کہ اس صوبے کے عوام حب الوطنی کو اپناتے ہوئے اس راستے پر چلیں گے جو پٹھان نسل کی روایتی اور ثابت شدہ وفاداری کا راستہ ہے۔ آپکو اپنی نسل پر جو فخر ہے اور اپنی اہلیت پر آپ کو جو پختہ اعتماد ہے یہ دونوں ایسی خصوصیات ہیں جن میں آپکے بہترین مستقبل کی جھلک نظر آتی ہے لیکن آپ اپنے آپکو اسی بات سے دھوکا نہ دیں کہ جنگ جیتی جا چکی ہے بلکہ آپکو سرحدوں کے اندر امن عامہ کی صورت حال سے باخبر رہنا ہوگا تاکہ گڑبڑ پھیلانے والوں کا محاسبہ کیا جا سکے۔"

وائسرائے کی افتتاحی تقریر میں صوبہ سرحد کی اہمیت کے بارے میں تفصیل سے بحث کی گئی تھی اور ان حالات کا ذکر تھا جن کے تحت لارڈ کرزن کی حکومت نے ۱۹۰۱ء میں صوبہ سرحد کو پنجاب سے الگ کر کے براہ راست اپنے اختیار میں لے لیا تھا۔ وائسرائے ہند نے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ "صوبہ سرحد میں نئے آئینی انتظامات نسل انسانی کی جانب سے کئے جانے والا اجرات مندانہ اور انتہائی اہمیت کا حامل سیاسی تجربہ ہوگا جس کے تحت نمائندہ حکومت اور جمہوری اداروں کا قیام عمل میں آچکا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ صوبہ سرحد کے عوام کی امیدوں اور خواہشات کو پورے ملک کے انتظامی ڈھانچے میں مکمل طور پر شریک کار کر لیا گیا ہے۔" وائسرائے نے یہ بھی کہا۔ اس اجتماع کا مقصد یہ ہے کہ اس بات پر خوشی کا اظہار کیا جائے کہ کئی سالوں کے انتظار کے بعد سرحد کو گورنری صوبہ بنا دیا گیا ہے اور اس صوبے کو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے مساوی حیثیت دی گئی ہے اس طرح اس صوبے نے اصلاحات کی پہلی

قسط حاصل کرلی ہے" وائسرائے ہند نے ہدایات کی دستاویز میں سے گورنر کے اختیارات فرائض اور ذمہ داریوں کے بارے میں اقتباسات پڑھ کر سنائے جس میں خاص طور پر وہ ہدایات شامل تھیں جن میں گورنر کو اقلیتی فرقوں کے تحفظ اور ان کی بہبود سے متعلق ہدایات دی گئی تھیں۔ اس کونسل میں چالیس ارکان شامل تھے جن میں سے ۲۸ منتخب کردہ اور بارہ نامزد ارکان تھے۔ منتخب ارکان میں ۲۲ مسلمان، ۵ ہندو اور سکھوں کا ایک نمائندہ شامل تھا۔ نامزد ارکان میں ۵ یورپین، ایک مسلمان اور ایک سکھ سرکاری ارکان تھے جب کہ غیر سرکاری نامزد ارکان میں ۴ مسلمان اور ایک سکھ شامل تھا۔ نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان کو شمال مغربی سرحدی صوبے کے ٹرانسفرڈ ڈیپارٹمنٹ کا واحد وزیر انچارج مقرر کیا گیا۔ خان بہادر عبدالغفور خان آف زیدہ جو ایک نامزد رکن تھے کونسل کے پہلے صدر مقرر ہونے کے بعد میں خان بہادر عبدالرحیم خان کنڈی کو جو ایک منتخب رکن تھے کو متفقہ طور پر نائب صدر منتخب کیا گیا صوبائی سول سروس کے ایک رکن شیخ عبدالحمید کو کونسل کا سیکرٹری مقرر کیا گیا۔

سرحد کی پہلی آئین ساز کونسل میں پارلیمانی پارٹیاں نہیں اگرچہ کونسل کے انتخابات سیاسی پارٹی اصولوں کی بنیادوں پر نہیں ہوئے تھے تاہم کونسل کے ارکان چار پارلیمانی پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے جن میں لبرل پارٹی، آزاد پارٹی، اقلیتی پارٹی اور ترقی پسند یا آئینی پارٹی شامل تھیں۔ لبرل پارٹی میں نو ارکان شامل تھے یہ پارٹی خوانین اور زمیندار کے ارکان پر مشتمل تھی۔ جن کی اکثریت وکلاء طبقے سے تعلق رکھتی تھی اقلیتی پارٹی میں ۷ ارکان تھے اور اپنے نام کی مناسبت سے اس میں ہندو اور سکھ ارکان شامل تھے پروگریسو گروپ میں ۹ ارکان شامل تھے ان کے علاوہ کونسل میں سرکاری ارکان پر مشتمل ایک سرکاری بلاک بھی موجود تھا۔ اسی طرح کونسل میں آزاد ارکان جو سرکاری

بلاک کے بعد نہایت طاقت در حیثیت رکھتے تھے سرکاری طور پر کونسل میں حزب اختلاف کا کردار ادا کرنے لگے۔ جہاں تک باقی پارلیمانی پارٹیوں کا تعلق تھا ان میں اتحاد نہ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرکاری بنچوں کو اگرچہ اس بات کا یقین نہیں تھا کہ کون سی پارٹی اُن کے ساتھ تعاون کریگی تاہم وہ کم از کم دو پارٹیوں کی حمایت پر اعتماد کرتے تھے کونسل کی باقاعدہ کارروائی کی غرض سے پہلا اجلاس ۱۲، مئی ۱۹۳۲ء کو ٹاؤن ہال ایبٹ آباد میں منعقد ہوا۔ یہ اجلاس ۲۷، مئی ۱۹۳۲ء تک جاری رہا۔ دوسرا اجلاس جس میں زیادہ تر قانون سازی پر توجہ دی گئی پشاور کے وکٹوریہ میموریل ہال میں ۹، اکتوبر ۱۹۳۲ء سے ۲۵، اکتوبر ۱۹۳۲ء تک منعقد ہوا۔

صوبہ سرحد کی لیجسلیٹو کونسل کی کارگزاری:۔ کونسل کے کل گیارہ اجلاس ہوتے جن میں مجموعی طور پر ۱۰۵ نشستیں ہوئیں

اس دوران کونسل کے ۲۸ ممبروں نے ۸۰۰ سے زیادہ سوالات پوچھے۔ سوالات کی بوچھاڑ کرنے والوں میں سب سے زیادہ اہمیت جناب پیر بخش خان ایڈووکیٹ کو حاصل تھی جنہوں نے ۲۷۴ سوالات پوچھے۔ آر بی مہر چند کھنہ نے ۲۴۰ اور خان عبد الغفار خان نے ۱۹۵ سوالات پوچھے کونسل کے گیارہ اجلاسوں کے دوران ۶۸ قرار دادوں پر بحث ہوئی جن میں سے پندرہ قرار دادوں کو واپس لے لیا گیا، ۱۷ قرار دادیں مسترد ہوئیں اور ۳۶ قرار دادوں کو منظور کیا گیا۔ جناب عبد القیوم خان اور خان بہادر غلام حیدر خان نے پانچ پانچ قرار دادیں پیش کیں، خان حبیب اللہ خان۔ خان غلام ربانی خان، خان ملک الرحمن خان اور جناب پیر بخش خان نے چار چار قرار دادیں پیش کیں۔ جناب مہر چند کھنہ نے تین قرار دادیں پیش کیں۔ ایک قرار داد جس میں مالیئے میں ۵۰ فیصد تخفیف کی سفارش کی گئی تھی کو ۸ کے مقابلے میں ۱۹، ووٹوں سے منظور کیا گیا

مارچ ۱۹۳۶ء میں لیجسلیٹو کونسل کے اجلاس میں ایک غیر سرکاری قرار داد منظور

ہوئی جس میں پشاور یونیورسٹی کے قیام کی سفارش کی گئی۔ اس قرارداد کے ضمن میں ڈاکٹر آر گل ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن نے بتایا کہ مقامی حکومت نے اس سلسلے میں حکومت ہند کو گرانٹ کے لئے اپیل کی ہے جس کے متعلق امید ہے کہ حکومت ہند جلد ہی مالی امداد دے گی اور جونہی مالی امداد ملی تو یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا جاتے گا سر صاحبزادہ نے کہا کہ سرحد میں قائم ہونے والی یونیورسٹی قبائلی علاقوں کی ضرورتوں کو بھی پورا کرے گی جو تقریباً صوبہ سرحد کا نصف حصہ ہیں کونسل نے اپنی نشستوں میں ۲۲ بل منظور کئے جن میں ۱۵ سرکاری اور ۷ غیر سرکاری تھے ان بلوں میں جنرل کلاز بل لیجسلیٹو کونسل بل ۱۹۳۲ء، صوبائی امن عامہ کا بل ۱۹۳۴ء، پنجاب افیون سموکنگ کا ترمیمی بل ۱۹۳۵ء، عدالتی ریگولیشن کا ترمیمی بل ۱۹۳۵ء، اکاؤنٹس ریگولیشن بل ۱۹۳۵ء، نک اربن بل ۱۹۳۵ء، پنجاب لینڈ ریونیو ترمیمی بل ۱۹۳۶ء، ہزارہ فارسٹ بل لیجسلیٹو بل پنجاب لینڈ ڈیلی نیشن ترمیمی بل اور موٹر وہیکلز ٹیکسیشن بل سرکاری بل تھے۔ غیر سرکاری بلوں میں پنجاب میونسپل ترمیمی بل ۱۹۳۳ء، جوئنائل سموکنگ بل ۱۹۳۳ء، مسلم شریعت بل ویلج کونسل بل، چھوٹے زمینداروں کا ریلیف بل اور قحبہ خانوں اور زناکاری کے اڈوں کی بندش کے بل شامل تھے۔

لیجسلیٹو کونسل میں پبلک اکاؤنٹس کمیٹی۔ فنانس کمیٹی۔ ریزرو سبجیکٹس کمیٹی اور ٹرانسفرڈ سبجیکٹس کمیٹیاں قائم کی گئیں۔

سر صاحبزادہ کی کارگزاری:۔ صوبہ سرحد کے ٹرانسفرڈ ڈیپارٹمنٹ کے واحد وزیر نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم نے صوبہ سرحد میں تعلیم کو عام کرنے کے لئے انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ اسلامیہ کالج پشاور کو ترقی دینے کے لئے اور سرحد میں جگہ جگہ تعلیمی ادارے قائم کرنے میں انہوں نے لاجواب کارنامے کئے اسلامیہ کالج کو ترقی دینے کے لئے ایک لاکھ ۸۰ ہزار روپیہ سالانہ امداد

دلائی۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان میں ہندوؤں کے زیر انتظام چلنے والے بھارتری کالج کو بھی حکومت کی جانب سے فیاضانہ امداد دلاتے رہے گورنمنٹ کی طرف سے انہوں نے ہونہار طلباء کے لئے پانچ امتیازی وظائف بھی مقرر کرائے جن میں سے ہر ایک کی مالیت ۲۵۰ روپے سالانہ تھی۔ انہوں نے مرکزی وظائف کے لئے سرحدی طلباء کی حوصلہ افزائی کی اور ۳۵۰ پونڈ کی رقم دلائی۔ سر صاحبزادہ نے سرحد کے باشندوں کو پستی سے نکال کر بلند مقام پر پہنچانے کے لئے انتہائی جدوجہد کی۔ اہم آسامیوں پر انگریزوں کی جگہ سرحدی تعلیم یافتہ افراد کو مقرر کرنے کی کوشش کی۔ زراعت کو ترقی دینے، جنگلات کو وسعت دینے اور آبپاشی کے نظام کو بہتر بنا کر صوبے کی زرعی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے نئے نئے منصوبے بنائے اور ان پر عمل درآمد شروع کرایا۔ صوبے میں لڑکیوں کے سکول قائم کئے تاکہ سرحدی خواتین بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہوں۔ قبائلی علاقوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے قبائلی علاقوں میں سکول کھلوائے۔ قبائلیوں کو بہتر مراعات بہم پہنچائیں قبائلیوں کے وظائف میں اضافہ کیا۔ صوبے میں سیاسی اور جمہوری اداروں کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ سر صاحبزادہ کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ صوبے کے تعلیمی اداروں میں اردو یا انگریزی ذریعہ تعلیم ہو۔ اس لئے انہوں نے ایک سرکلر جاری کیا کہ وہ تعلیمی ادارے جن میں اردو یا انگریزی ذریعہ تعلیم نہیں ہے انہیں سرکاری طور پر مالی امداد نہیں دی جاسکتی اس سرکلر کے اجراء سے ہندو اور سکھ مشتعل ہو گئے۔ کیونکہ سرحد میں تعلیمی ادارے زیادہ تر ہندوؤں اور سکھوں کے تھے جن میں ذریعہ تعلیم گورمکھی یا سنسکرت تھا سر صاحبزادہ نے سرحد کے اسلامی سکولوں کے لئے بھاری مالی امداد کی منظوری دی۔ اسلامیہ کالج کو ترقی دینے کے لئے کئی منصوبوں پر عمل درآمد کیا۔ سرحد کے سکولوں میں جامعہ ملیہ دہلی کا نصاب رائج کرایا اور اسلامیات کو لازمی مضمون قرار دیا۔ نصاب تعلیم

کے سلسلے میں سر صاحبزادہ نے سرحد کے سکولوں کے لئے اردو۔ فارسی۔ عربی اور اسلامیات کے لئے وہ نصابی کتابیں منظور کیں جو ہندوستان کے اسلامی مدرسوں میں پڑھائی جاتی تھیں۔ یہ نصاب تعلیم طلباء میں اخلاقی۔ سماجی اور اسلامی قدروں کے ابھارنے میں مددگار ثابت ہوا۔

سر صاحبزادہ نے صوبہ سرحد کو تعلیمی زیور سے آراستہ کرنے کیلئے ہر ممکن جدوجہد کی۔ ٹرانسفرڈ ڈیپارٹمنٹ کے وزیر ہونے کی حیثیت سے آپ نے سرحد کے تمام اسلامیہ سکولوں کو سرکاری طور پر مالی امداد دلانا منظور کرائی۔ سب سے اہم کام انہوں نے جو کیا وہ یہ تھا کہ سرحد میں معلموں کی کمی تھی سر صاحبزادہ نے ہندوستان بھر سے جہاں سے بھی کوئی ماہر تعلیم ملا اسے معقول تنخواہ اور دیگر خاص مراعات دینے کا وعدہ کرکے سرحد میں بلایا۔

انتخابات ۱۹۳۷ء

ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت صوبہ سرحد اسمبلی کے پہلے عام انتخابات فروری ۱۹۳۷ء میں ہوئے ۱۵ جولائی ۱۹۳۶ء کو صوبہ سرحد کے رائے دہندگان کی فہرست شائع کی گئی اور اعتراضات داخل کرنے کے لئے ۱۵ دن کی مہلت دی گئی۔ صوبہ سرحد کو ۴۹ انتخابی حلقوں میں تقسیم کیا گیا سارے صوبے میں ۲۵۷ پولنگ سٹیشن قائم کئے گئے جن میں ۷ پولنگ سٹیشن صرف خواتین کے لئے مخصوص تھے تاکہ سرحد کے مخصوص حالات کے مطابق عورتوں کو ووٹ ڈالنے میں دشواری نہ ہو۔ ہر پولنگ سٹیشن کم از کم ایک ہزار ووٹروں کے لئے مخصوص کیا گیا تھا سرحد کے یہ پہلے عام انتخابات سرحد ریفارمز آفس کی نگرانی میں ہوئے۔ ریفارمز آفیسر خان بہادر محمد سلاور خان نے الیکشن کیلئے بہترین انتظامات کئے تھے۔ الیکشن سے پہلے عوام اور پولنگ سٹاف کی رہنمائی کے لئے عوام کی موجودگی میں الیکشن کی ریہرسل کرائی گئی تاکہ ووٹروں کو

الیکشن میں کسی بات کے سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ عورتوں کے ہر پولنگ سٹیشن پر تمام عملہ عورتوں پر مشتمل تھا۔

سرحد میں پولنگ کا آغاز یکم فروری ۱۹۳۷ء کو ہوا اور ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء تک سرحد کے مختلف اضلاع میں مختلف تاریخوں پر رائے دہندوں نے اپنے اپنے حلقوں میں اپنے ووٹ پول کئے۔ فہرست رائے دہندگان میں ۲۴۶،۶۰۹ ووٹروں کا اندراج تھا جن میں سے ۱۷۹،۵۲۹ ووٹروں نے اپنا حق رائے دہی استعمال کیا۔

۱۹۳۷ء کے اس پہلے عام الیکشن میں قبائلی علاقوں کو اسمبلی میں کوئی نمائندگی نہیں دی گئی۔ مختلف اضلاع کی نمائندگی کا تناسب یوں تھا۔

پشاور ۔ ۱۴ = کوہاٹ ۔ ۶ = بنوں ۔ ۶ = مردان ۔ ۶ = ہزارہ ۔ ۱۱ = ڈیرہ اسمٰعیل خان ۔ ۷

کل نمائندے = ۵۰

مسلمانوں کیلئے مخصوص سیٹیں = ۳۶
سکھوں کیلئے مخصوص سیٹیں = ۳
جنرل سیٹیں = ۹
لینڈ لارڈ کیلئے مخصوص سیٹیں = ۲

کل سیٹیں = ۵۰

فہرست رائے دہندگان میں عورتوں کے ۵،۸۹۴ ووٹروں کا اندراج تھا۔ جن میں سے ۲،۹۸۳ عورتوں نے اپنے ووٹ پول کئے۔ انتخابی نتیجے میں مندرجہ ذیل امیدوار کامیاب قرار دیئے گئے۔

پشاور

۱۔ سردار عبدالرب خان نشتر پشاور شہر (۲) پیر بخش خان ایڈووکیٹ پشاور شہر
۳۔ ارباب عبدالغفور خان تہکال بالا (۴) ڈاکٹر خان صاحب ہشتنگر پشاور۔

۵۔ ارباب عبدالرحمٰن خان گگی گڑھی پشاور (۶) خان عبدالغفور خان بارایٹ لا پشاور
۷۔ خان بہادر سعداللہ خان عمرزئی پشاور (۸) میاں جعفر شاہ نوشہرہ۔
۹۔ میاں ضیاء الدین بارایٹ لا پشاور (۱۰) سردار محمد اورنگزیب خان ایڈوکیٹ پشاور
۱۱۔ رائے بہادر مہر چند کھنہ پشاور کنٹونمنٹ (۱۲) ڈاکٹر چارو چندر گھوش پشاور شہر
۱۳۔ لالہ جمنا داس مردان (۱۴) سردار جگجیت سنگھ نراگ پشاور کنٹونمنٹ

کوہاٹ

۱۔ ملک الرحمٰن کیانی (۲) پیر سید جلال شاہ (۳) ایم محمد افضل خان تھمبر (۴) کیپٹن نواب یار محمد خان ٹیری (۵) سردار اجیت سنگھ (۶) لالہ حکم چند کوہاٹ شہر۔

مردان

۱۔ قاضی عطاء اللہ خان ایڈوکیٹ بکٹ گنج مردان (۲) خان محمد ثمین جان خان ایڈوکیٹ بکٹ گنج مردان (۳) خان زرین خان لوند خوڑ مردان (۴) خان امیر محمد خان ہوتی مردان (۵) خان عزیز اللہ خان بارایٹ لا تورو مردان (۶) خان عبدالعزیز خان زیدہ مردان ر

بنوں

(۱) خان نصراللہ خان ایڈوکیٹ بنوں (۲) خان اکبر علی خان بنوں (۳) خان فیض اللہ خان بنوں (۴) نواب محمد ظفر خان بنوں (۵) رائے بہادر چمن لال بنوں (۶) رائے صاحب کنور بھان بگائی بنوں

ہزارہ

(۱) محمد زمان خان ایبٹ آباد (۲) پیر محمد کامران خان رجوعیہ حویلیاں ہزارہ (۳) خان صاحب

عبدالرحمٰن خان ناگری نوتیال لوراہزارہ (۴) محمد سرور خان ایڈوکیٹ ہری پور (۵) ایم عبدالمجید خان ایم بی ای تلوکر ہری پور ہزارہ (۶) نواب سرصاحبزادہ عبدالقیوم خان پشاور (۷) خان محمد عباس خان ٹنکیاری ہزارہ (۸) خان صاحب عطائی خان بٹل مانسہرہ ہزارہ (۹) ایم فقیرا خان ملکپورہ ہزارہ (۱۰) رائے صاحب پرمانند بارایٹ لا ایبٹ آباد (۱۱) رائے بہادر ایشر داس نواں شہر ہزارہ۔

ڈیرہ اسمٰعیل خان

(۱) نوابزادہ اللہ نواز خان بارایٹ لا ڈیرہ (۲) نوابزادہ محمد سعید خان ٹانک (۳) خان صاحب اسداللہ کلاچی (۴) خان عبداللہ خان پوٹھا (۵) ملک خدابخش خان ڈیرہ (۶) لالہ جھنجو رام ڈیرہ اسمٰعیل خان (۷) رائے بہادر لوچی رام ڈیرہ اسمٰعیل خان

سرحد کے ان پہلے عام انتخابات میں اسمبلی کی پچاس سیٹوں کیلئے ۱۳۷ امیدواروں کے درمیان مقابلہ ہوا۔ بلا مقابلہ کوئی امیدوار کامیاب نہیں ہوا۔ کامیاب امیدواروں میں فرقہ وارانہ نیابت مندرجہ ذیل تھی۔

مسلمان ممبر = ۳۸، ہندو = ۹، سکھ = ۳

سکھوں کے لئے تین حلقے مخصوص تھے اور ہندو جنرل حلقوں سے کامیاب ہوئے مقابلے میں جن امیدواروں کی ضمانتیں ضبط ہوئیں وہ مندرجہ ذیل تھے۔

پنڈت پریم چند پشاور۔ لالہ امرناتھ[۲] تلواڑ پشاور۔ لالہ جگجیت[۳] رام پشاور۔ خان صاحب میر عالم[۴] خان تنگی۔ خان بہادر سعداللہ خان عمرزئی۔ مدد[۶] خان ہشتنگر۔ مغل[۷] خان دوآبہ داؤدزئی تسبیر بہادر[۸] خان نوشہرہ۔ خان لفٹنٹ محمد یعقوب خان کمال زئی مردان۔ وزیرزادہ[۱۰] گل محمد خان لینڈ لارڈز سرحد۔ عبدالمجید[۱۱] خان کنڈی ڈیرہ اسمٰعیل خان لینڈ لارڈ صوبہ سرحد۔ سعداللہ[۱۲] خان کوہاٹ سیٹھ لدھا[۱۳] رام کوہاٹ۔ ایس رام سروپ[۱۴] کوہاٹ، ڈاکٹر عبدالرحیم[۱۵] ڈیرہ اسمٰعیل خان۔ ایم جہانگیر[۱۶]

خان ٹانک، ایم قمرزمان[17] بنوں۔ ایم عبدالستار[18] خان لکی بنوں۔ زنگی خان[19] لکی بنوں، میر[20] عالم خان لکی بنوں۔ کوٹورام[21] ایڈووکیٹ بنوں۔ سردار[22] بہادر خان ہری پور، ایم محمد[23] اسلم خان مانسہرہ ہزارہ۔ خان صاحب محمد حیات[24] خان قصباتی حلقہ سرحد، محمد عباس[25] خان لوئر پکھلی ہزارہ۔ سردار ایشر[26] سنگھ بارایٹ لاہزارہ۔ اور صاحب زمان خان قصباتی حلقہ سرحد۔

صاحبزادہ عبدالقیوم اور خان بہادر سعد اللہ خان نے دو دو حلقوں سے انتخاب لڑا صاحبزادہ صاحب کا ایک حلقہ انتخاب اپنا علاقہ ٹوپی تھا اور دوسرا ہری پور ٹوپی سے ان کے مقابلے میں خان عبدالعزیز خان آف زیدہ کامیاب ہوئے۔ خان بہادر سعد اللہ خان پشاور کے لینڈ لارڈز کے حلقے سے کامیاب ہو گئے تھے۔ ہشت نگر کے حلقے سے ان کی ضمانت ضبط ہو گئی تھی۔

سر صاحبزادہ وزارت کا قیام

ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت سرحد میں پہلے جنرل انتخابات کے بعد فروری ۱۹۳۷ء میں سر صاحبزادہ کی قیادت میں سرحد میں پہلی آئینی وزارت مرتب کی۔ کابینہ مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل تھی۔

وزیر اعلیٰ	سر صاحبزادہ عبدالقیوم
وزیر مال	خان بہادر سعد اللہ خان
وزیر خزانہ	رائے بہادر مہر چند کھنہ

سر صاحبزادہ وزارت کا خاتمہ

یکم اپریل ۱۹۳۷ء کو صاحبزادہ صاحب نے وزارت مرتب کی سر صاحبزادہ سرحد کے وزیر اعلیٰ مقرر ہوتے باقی دو وزیر لئے گئے جن میں سے ایک خان بہادر سعداللہ خان اور دوسرے رائے بہادر مہر چند کھنہ تھے۔

صاحبزادہ صاحب کے پاس امور داخلہ تعلیم اور پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ تھے خان بہادر سعداللہ خان کو صحت اور جیل کے محکمے سونپے گئے۔ رائے بہادر مہر چند کھنہ کو خزانہ محکمہ مال اور لوکل سیلف گورنمنٹ کے محکمے دیئے گئے۔

سرحد کے پہلے آئینی انتخابات میں کانگرس نے سر صاحبزادہ صاحب کی انتہائی مخالفت کی تھی۔ سر صاحبزادہ دو حلقوں سے امیدوار کھڑے ہوئے تھے ایک اپنے حلقے ٹوپی سے اور دوسرے ہری پور کے حلقے خانپور سے۔ ٹوپی میں کانگرس نے ان کے مقابلے میں زیدہ کے عبدالعزیز خان کو کھڑا کرکے برلا اور ٹاٹا کی تجوریوں کے منہ کھول کر صاحبزادہ صاحب کو شکست دی۔ خان پور میں ان کے مقابلے میں کانگرس نے اپنا امیدوار کھڑا کیا مگر ہزارے کے اسلام پرست مسلمانوں نے صاحبزادہ صاحب کو بھاری ووٹوں سے کامیاب کرایا تھا۔ سر صاحبزادہ کی کامیابی کے بعد کانگرس اس کوشش میں مصروف ہوگئی تھی کہ سر صاحبزادہ وزارت عظمیٰ کی کرسی پر متمکن نہ ہوسکیں۔ چنانچہ ۲۱ مارچ ۱۹۳۷ء کو پشاور شہر میں اندر شہر کی دھرمسال میں ہندوں اور سکھوں کا ایک بھاری جلسہ منعقد ہوا جس میں انہوں نے ایک قرارداد کے ذریعے اسمبلی کے کامیاب ہندو اور سکھ ممبروں کو کہا کہ وہ صاحبزادہ کی وزارت میں شامل نہ ہوں۔ اسی طرح سرحد کے سرخپوشوں نے سر صاحبزادہ کے خلاف پورے صوبے میں ایک تحریک چلائی۔ سر صاحبزادہ

کی مخالفت میں ہندو سکھ پارٹیاں اور کانگرسی سرخپوش اس لئے کمربستہ تھے کہ سر صاحبزادہ ۱۹۳۲ء سے وزیر چلے آ رہے تھے اور انہوں نے اپنی اس وزارت کے دوران اور اس سے پہلے سرحد کی کلیدی آسامیوں پر رہ کر سرحد کے مسلمانوں کے لئے کتنے مفید کام کئے تھے ان مفید کاموں میں سر صاحبزادہ کی لاثانی یادگار اسلامیہ کالج تھا۔ جو ہندو سکھوں اور کانگریسیوں کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ کانگرسی اس بات سے زیادہ نالاں تھے کہ سر صاحبزادہ دارالعلوم اسلامیہ کیلئے صوبے کا کافی روپیہ کیوں خرچ کر رہے ہیں؟ کانگریسیوں کو یہ بھی خطرہ لاحق تھا کہ اگر سر صاحبزادہ سرحد کے وزیر اعلیٰ رہے تو پھر کانگرس کو صوبہ سرحد میں کھل کر راج کرنے اور سرحدی سیاست میں دخل دینے کا موقع نہ مل سکے گا۔

باوجود کانگرس کے انتہائی زور کے سرحد مسلم ایسوسی ایشن اور آزاد مسلم پارٹی کے تعاون سے سر صاحبزادہ وزارت بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ سر صاحبزادہ کی وزارت کے قیام کے ساتھ ہی آل انڈیا کانگرس کے رہنماؤں نے سر صاحبزادہ کی وزارت کو ختم کرنے کے لئے مختلف پروگراموں پر عمل شروع کر دیا چنانچہ کانگرس کے ایماء پر صاحبزادہ کے کامیاب ممبروں نے اسمبلی میں ایک گروپ بنایا جس کا نام ڈیموکریٹک گروپ تھا۔ یہ گروپ ایک ایسے ممبر سے بنوایا گیا جو سرحد کے محکمہ مال میں ایک اعلیٰ عہدے پہ تھا اور رشوت ستانی اور بدعنوانی کی بنا پر سر صاحبزادہ نے اسے ملازمت سے برطرف کرا دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے اسمبلی کا انتخاب لڑا جس میں اپنے حلقے سے کامیاب ہوا تھا۔ کانگرس نے اس شخص کو سر صاحبزادہ کی وزارت ختم کرنے کے لئے آلہ کار منتخب کیا۔

سر صاحبزادہ نے وزیر اعلیٰ کا عہدہ سنبھالتے ہی سب سے پہلا یہ کام کیا کہ انگریز کے ایک جابرانہ قانون پبلک ٹرنکوالٹی ایکٹ کی منسوخی کا اعلان کیا ساتھ ہی ساتھ سر صاحبزادہ نے سرحد کے ان سیاسی رہنماؤں پر سے پابندیاں ہٹانے کا اعلان کر دیا جنہیں برطانوی

حکومت نے جلاوطن کر دیا تھا اس کے علاوہ سر صاحبزادہ صاحب نے ان مہاجرین کو افغانستان سے واپس بلانے کے احکامات جاری کر دیئے۔ جو تحریک ہجرت کے دنوں سے اپنی جائیداد کوڑیوں کے مول فروخت کر کے سرحد سے ہجرت کر کے ملک ملک کی خاک چھان رہے تھے۔ ان مہاجرین میں سے جو لوگ واپس آئے انہیں ان کی جائیدادیں اسی قیمت پر واپس دلائیں جس قیمت پر وہ فروخت کر کے گئے تھے۔ سیاسی قیدیوں اور سیاسی رہنماؤں پر عائد شدہ پابندیوں کو ختم کرنے کے لئے حکومت برطانیہ سے نامہ و پیام شروع کیا۔ سر صاحبزادہ نے وزیراعلیٰ کی حیثیت سے اسلامیہ کالج کی توسیع و ترقی کے لئے مزید کوششیں شروع کیں۔ زرعی کلاسوں کا اجراء کیا اور اسلامیہ کالج کو مزید مالی امداد دلائی۔ اسی طرح سرحد کی ترقی اور خوشحالی کے لئے کئی پروگرام تیار کئے تاکہ صوبے کو پسماندگی کے گڑھے سے نکال کر بام عروج پر پہنچایا جائے۔ سکول کے نصاب سے ہندی اور گورمکھی کو خارج کر دیا گیا نیز اسلامیات کی کتابوں کا درسی سلسلہ سکولوں کے نصاب میں شامل کر دیا گیا۔ سرحد کے قبائلی باشندوں کے متعلق نرم پالیسی اختیار کی گئی۔ کسی سیاسی جماعت پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی اس وزارت کے دوران اسلامی تبلیغی کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ ہندوستان کے بڑے بڑے علماء نے سرحد میں آکر مسلمانوں کو اسلامی ضابطہ حیات سے روشناس کرایا ضروریات زندگی کی چیزوں کے نرخ کم کر دیئے گئے تاکہ سرحد کے باشندے سکھ اور چین سے زندگی بسر کر سکیں۔ صوبے کو ترقی کی منزل تک پہنچانے کے لئے مختلف سکیمیں مرتب کی گئیں۔ غرضیکہ ادھر صاحبزادہ صاحب صوبے کی خوشحالی اور سرحدی باشندوں کی بہبودی کی سکیمیں بنا رہے ہیں۔ اور ادھر آل انڈیا کانگرس کے اشاروں پر محسن سرحد صاحبزادہ عبدالقیوم کی وزارت کو ختم کرنے کے منصوبے بنائے جا رہے تھے۔

چنانچہ یکم اپریل کو صاحبزادہ نے سرحد میں وزارت بنائی اور ۷ اپریل کو ڈاکٹر خان صاحب نے صاحبزادہ وزارت کے خلاف تحریک عدم اعتماد کا اسمبلی کو نوٹس دیا۔ کچھ آئینی

پیچیدگیوں کی وجہ سے یہ تحریک آخر کار ستمبر میں ایبٹ آباد کے اجلاس میں پیش ہوئی۔ انگریز گورنر اگر چاہتا تو اسمبلی کا اجلاس معرض التوا میں ڈال دیتا تاکہ وزارت کے خلاف اسمبلی میں تحریک ہی پیش نہ ہوسکے۔ اور وزارت کی گاڑی یونہی چلتی رہے مگر حقیقت یہ ہے کہ انگریز آئینی معاملوں میں بڑے صاف دل تھے انگریز گورنر نے اس معاملے میں قطعاً یہ کوشش نہیں کی کہ اس تحریک کو ناکام بنانے کے لئے کوئی سودے بازی کی جائے یا اسمبلی کا اجلاس ہی نہ بلایا جائے۔ گورنر نے حکومت کے مخصوص مقاصد پر آئینی احترام کو ترجیح دی۔

صاحبزادہ وزارت کے خاتمے کے سلسلے میں یہ حقیقت منظر عام پر لانا ضروری ہے کہ یہ وزارت کانگرس کی سازشوں کا شکار ہوئی اسمبلی میں کانگرس پارٹی کو ۱۹ ممبروں کی حمایت حاصل تھی جو صرف کانگرسی ممبر تھے سر صاحبزادہ کو مسلم نیشنلسٹ پارٹی کے ۱۷ اور ہندو سکھ نیشنلسٹ پارٹی کے ممبروں کی حمایت حاصل تھی۔ مجموعی طور پر صاحبزادہ صاحب کا پلہ بھاری تھا کیونکہ کابینہ میں مہر چند کھنہ کی شرکت کی وجہ سے اقلیتی فرقے کے ممبر بھی سر صاحبزادہ کی وزارت کے ساتھ تعاون کر رہے تھے۔ ہزارہ کی ڈیموکریٹک پارٹی اس بات پر مُصر تھی کہ کابینہ میں ہزارے کو نمائندگی دی جائے سر صاحبزادہ کا کہنا تھا کہ میں خود ہزارے سے منتخب ہوا ہوں اس لئے ہزارے سے مزید ممبروں کو کابینہ میں شریک کرنے کی وجہ سے سرحد کے دوسرے اضلاع کے لوگ بے چینی محسوس کریں گے۔ کانگرس کو اس چپقلش کا علم ہو گیا چنانچہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے چوٹی کے رہنما مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی راجندر پرشاد اسمبلی کے سیشن کے موقع پر ایبٹ آباد پہنچے اور انہوں نے ہزارہ کی ڈیموکریٹک پارٹی کے ساتھ وزارتی سودے بازی کی بات چیت شروع کر کے اس پارٹی کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش شروع کر دیں۔ جس کے نتیجے میں اسمبلی کے اجلاس سے قبل ہی کانگرس اور ہزارہ کی ڈیموکریٹک پارٹی میں یہ طے ہو گیا کہ سر صاحبزادہ کی وزارت کے خلاف تحریک عدم اعتماد کے کامیاب ہو جانے کے بعد جب سرحد میں کانگرسی وزارت بنے گی تو اسمیں

ڈیموکریٹک پارٹی کے ایک ممبر کو کابینہ میں لیا جاتے گا۔ کانگرس کی طرف سے اس یقین دہانی کے بعد جب ڈاکٹر خان صاحب نے سر صاحبزادہ کی وزارت کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کی تو ہزارہ کے ممبروں کے تعاون کی وجہ سے کانگرس کامیاب ہوئی اور سر صاحبزادہ کی وزارت کا خاتمہ ہو گیا۔ صوبہ سرحد میں وزارتی سطح پر یہ سب سے پہلی سودے بازی تھی جس کی ابتداء بھی سرحدی باشندوں کی طرف سے ہوئی۔ حالانکہ یہ کہا جا رہا تھا کہ سر صاحبزادہ کی وزارت محض انگریزوں کی نمائندگی کر رہی ہے اگر یہ صحیح ہوتا تو سر صاحبزادہ وزارتی سودے بازی کر کے کافی عرصے تک سرحد میں اپنی وزارت کو قائم و دائم رکھنے کامیاب رہتے۔ کانگرس وزارت جب صوبہ سرحد میں بنی تو ڈیموکریٹک پارٹی کے ایک رکن ممبر خان محمد عباس خان کو وزیر جنگلات بنا دیا گیا۔ ڈیموکریٹک پارٹی کے تعاون کی وجہ سے سرحد اسمبلی میں کانگرس کو اکثریتی پارٹی کا کردار ادا کرنے کا موقع مل چکا تھا۔ صاحبزادہ کی وزارت ۲ ستمبر ۱۹۳۷ء تک رہی۔

چنانچہ ۳ ستمبر ۱۹۳۷ء کو ایبٹ آباد کے ٹاؤن ہال میں جمعہ کے دن ساڑھے نو بجے سرحد اسمبلی کے سپیکر آنریبل ملک خدا بخش خان کی صدارت میں سرحد اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا سوال و جواب کے بعد سرحد اسمبلی کے اپوزیشن لیڈر ڈاکٹر خان صاحب نے سر صاحبزادہ کی وزارت کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کرتے ہوئے کہا:

"جناب عالی! میں یہ تحریک پیش کرتا ہوں کہ:"

"یہ اسمبلی شمال مغربی سرحدی صوبے کی وزارتی کونسل پر عدم اعتماد کا اظہار کرتی ہے جو نواب سر عبدالقیوم خان بہادر سعد اللہ خان اور رائے بہادر مہر چند کھنہ پر مشترکہ طور پر مشتمل ہے۔"

جناب تحریک عدم اعتماد پیش کرنے کی یہ عظیم ذمہ داری آج صبح کچھ باہمی افہام و تفہیم کی وجہ سے آسان ہو گئی ہے اور میں اس ایوان میں موجودہ وزارت کے کاموں

کی کارکردگی پر تفصیلی بحث میں جاکر ایوان کا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا ایوان کا ہر معزز رکن اس بات سے آگاہ ہے اور اب تک مجھے یقین ہو چکا ہے۔ کہ اسمبلی کے ہر ایک ممبر نے رائے شماری کے سوال پر پختہ فیصلہ کر لیا ہے۔

جناب عالی! میں ان لوگوں میں سے نہیں جو فرضی شکست کے تصور میں ٹانگ اڑاتے ہیں اور اگر اس وزارت نے کوئی نئی خرابی تلاش کر لی تو یہ حزب اختلاف کیلئے خوشی کا موقع ہوگا۔ میں تمام اراکین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس تحریک پر سنجیدگی سے فیصلہ کریں اور حزب اقتدار کو اپنے دماغوں سے یہ خیال نکال دینا چاہیئے کہ وہ طبقاتی احساسات کے تحت کام کریں گے بلکہ ایوان کا جو بھی فیصلہ ہو اس کے بعد بھی انہیں ملک کی آزادی کی خاطر مکمل کوشش کرنا ہو گی کیونکہ ملک کے آئینی ارتقاء میں حصہ لینا اور غیر ملکی غاصبوں سے ملک کو آزاد کرانا ہر شہری کی ذمہ داری ہو گی۔ کچھ حکام کی جانب سے تشدد بھی کیا گیا ہے لیکن میں اس کا حوالہ نہیں دینا چاہتا۔ میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ سابقہ آمرانہ نظام اور جمہوریت کے نوزائیدہ بچے کو مزدوروں کی بے چینی سے بہت نقصان پہنچا ہے اور ہمیں اس کی تلافی کرنا ہو گی مذکورہ وزارت جمہوری اصولوں اور نئے نظام کے لئے تجربے کی کمی کی وجہ سے ابھی بالکل نئی نئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ایسے اختیارات اور ان کے استعمال سے آگاہ نہیں ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ اب یہ سمجھ چکے ہوں گے کہ وہ کسی دوسرے کے لئے نہیں بلکہ اپنے منتخب کرنے والوں کے سامنے جوابدہ ہیں بعض ممبروں کے ذہنوں میں حکام کا خوف موجود ہے لیکن چونکہ وہ عوام کے خادم ہیں اس لئے ایوان کی اکثریت کو ان کی رہنمائی کا حق ملتا ہے۔ جناب عالی! میرے خیال میں یہاں یہ کہنا زیادہ موزوں ہو گا کہ محض جمہوری اداروں کا قیام ہی کافی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کیلئے جمہوریت کی روح پیدا کرنا زیادہ ضروری ہے میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں مقصد کی یکسانیت اور جذبات کا استحکام پیدا کرنا

چاہیئے جو افراد کو ذاتی اور طبقاتی مفاد کی بجائے ملک کے اجتماعی مفاد کے لئے کام کرنے میں مدد دے سکتی ہے اس کے ساتھ ہی میں موجودہ وزارت پر تحریک عدم اعتماد پیش کرتا ہوں۔

سر صاحبزادہ کی جوابی تقریر

"جناب عالی! جس بات کی توقع تھی۔ وہ واقع ہو گئی ہے ہم اس بات پر قطعاً حیران نہیں ہیں۔ اس صوبے میں مستحکم وزارت کے قیام کا سوال انتخابات کے خاتمے کے فوراً بعد پیدا ہو گیا تھا مگر اب تک اس کا کوئی حل تلاش نہیں کیا جا سکا یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر سرکاری اور غیر سرکاری افراد اسمبلی کے اندر اور اسمبلی کے باہر حتیٰ کہ ایک عام آدمی کو بھی تشویش لاحق ہے۔ اس کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنا ضروری ہے۔

میرا خیال ہے کہ موجودہ وزارت کا قیام کسی بہت بڑی منحوس گھڑی میں عمل میں آیا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ صوبہ سرحد کے عوام کی طبقاتی ذہنیت ہے (میں پٹھان کا لفظ یہاں استعمال نہیں کرنا چاہتا) کیونکہ صوبہ سرحد کے عوام نے پچاس ارکان پر مشتمل اس ایوان میں نصف درجن پارٹیوں کو نمائندگی دی ہے۔ اس وزارت نے اپنے مشکل ترین کام کی ذمہ داری ایک مخلصانہ خواہش کے تحت قبول کی تھی کہ صوبے کے عوام کی بدتر حالت کو بہتر بنایا جا سکے۔ میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ہمارے راستے میں بے شمار مشکلات حائل تھیں۔ فنڈ کی کمی تھی مگر اس کے باوجود جب ہم اپنے دور وزارت پر نظر ڈالتے ہیں تو جو کچھ کام ہم نے کیا ہے اس پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ ہمیں اپنی کارکردگی پر کسی شکریے کی ضرورت نہیں تھی ہم نے ہر وہ کام کیا جو حالات کے تحت ممکن تھا۔ اس ایوان کی تمام پارٹیوں کے نامور اراکین ذاتی طور پر ذاتی پسند اور ناپسند کے روایتی خول میں بند تھے اس لئے ہم کچھ زیادہ کام نہ کر سکے مگر اس کے باوجود

ہم نے اپنی پوری کوشش کی کہ ہم کانگرس اور ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی وزارتوں سے کارکردگی کے لحاظ سے پیچھے نہ رہیں۔ اس سلسلے میں ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم سیاسی نظربندوں کے ساتھ بہترین سلوک میں کانگرس وزارتوں سے کسی طرح بھی ہم پیچھے نہیں رہے۔ ان باتوں کے علاوہ اس وزارت نے کچھ سیاسی جماعتوں پر سے طویل پابندیاں ختم کیں۔ خاص کر خان عبدالغفار خان اور علامہ مشرقی کے خلاف عائد ہونے والی پابندیوں کو ہم نے ختم کیا (یہاں یہ بھی کہنا ضروری ہے کہ اس سلسلے میں نہ تو کوئی ہم پر دباؤ ڈالا گیا اور نہ ہی کسی آسمانی الہام نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم یہ قدم اٹھائیں۔ یہ قدم حقیقی معنوں میں رضاکارانہ طور پر اٹھایا گیا) ہمیں یہ نہیں بتایا گیا کہ اپنے صوبے کے مخصوص حالات کے تحت ہم اس سے بڑھ کر اور کیا کر سکتے تھے جبکہ یہ صوبہ اپنے وسائل کے لحاظ سے انتہائی پسماندہ ہے اور مالی امداد کیلئے ایک ایسے مرکز کا سہارا لینا پڑتا ہے جو اس صوبے کو امداد دینے کیلئے زیادہ آمادہ نہیں ہے اس وزارت کی کارکردگی اور اس کی خواہشات وقتاً فوقتاً عوام کے سامنے آتی رہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض امور پر تنقید کی گئی مگر میں اس معززایوان کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہم کسی جادو کے ڈنڈے کے بغیر راتوں رات تمام حالات تبدیل نہیں کر سکتے تھے۔ اگر ہمیں مستقبل میں بھی کچھ حاصل کرنے کی تمنا ہے تو ہمیں حالات کا عملی اور حقیقی نقطہ نظر سے جائزہ لینا ہوگا۔ شاید ایک ایسا وقت بھی آئے کہ ہم اپنے جانشینوں کے سامنے یہ نکتہ پیش کر سکیں۔ اس کے باوجود کہ ہمیں مالی مشکلات درپیش تھیں ہم نے پوری کوشش کی کہ صوبہ سرحد کے عوام کیلئے مختلف تعمیراتی منصوبوں کے ذریعے زیادہ سے زیادہ حقیقی خدمت کر سکیں اور عوام کی حالت کو بہتر بنا سکیں ہمیں امید ہے بلکہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ جس کام کو ہم نے شروع کیا لیکن مواقع کی کمی کی وجہ سے نامکمل رہ گیا اور جسے ہمارے جانشین اپنے ہاتھ میں لیں گے اس کا ملک کی

دیہاتی آبادی کو مستقل فائدہ ملے گا۔ اس لمحے میں آنے والی وزارت کی حالت پر شک نہیں کر سکتا جیسے اس قسم کی مشکلات خاص طور پر مالی رکاوٹوں سے واسطہ پڑے گا جن سے ہم دوچار تھے۔

میں اور میرے تمام ساتھی اس ایوان کی آج کی کارروائی کے بعد اپنے وقار اور عزت نفس کی وجہ سے استعفیٰ پیش کر دیں گے۔ میں اس ابتدائی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے جانشینوں (جو کوئی بھی ہوں) کو دلی طور پر خوش آمدید کہتا ہوں اور صوبے کے حقیقی مفادات کی خدمت کرنے کے سلسلے میں ان کی خدمت کی کوششوں کی تمنا رکھتا ہوں۔ اگر میں نے اس موقع پہ کوئی ذاتی بات کی ہو تو اس کے لئے میں معذرت چاہتا ہوں۔ میں نے اپنی زندگی کے طویل سماجی دور میں اپنی پوری کوشش کی ہے کہ اپنے اس پیدائشی وطن (صوبہ سرحد) کے حقیقی مفادات کی خاطر اپنی فراست کے مطابق پوری کوشش کی ہے لیکن زمانہ بدلتا رہتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کے معاشرتی۔ معاشی، سیاسی حتیٰ کہ مذہبی نظریات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ میں نے کوشش کی کہ وقت کی رفتار سے بھی تیز چلوں اور اس وجہ سے میری تیز رفتاری پر بعض اوقات میرے دوستوں نے مجھ پر تنقید بھی کی لیکن جس کام کو میں اپنا فرض سمجھتا رہا یعنی کہ اپنے مادر وطن کی تعلیمی اور سیاسی ترقی اور عوامی حالت کو بہتر بنایا جائے۔ لیکن آج دنیا انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے مجھے اس بات پر کوئی حیرت نہیں کہ اس تیز رفتاری کی وجہ سے میرے قدموں کے نیچے سے زمین پھسل رہی ہے سیاسی میدان میں مجھے بے چین نوجوانوں نے پیچھے چھوڑ دیا ہے اور میرا خیال ہے۔ کہ میرے لئے بھی وقت آ چکا ہے۔ کہ میں اس میدان کو۔ نوجوانوں کے لئے خالی کر دوں اور انہیں ایک موقع فراہم کر دوں کہ وہ جو کچھ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں وہ عملی طور پر ثابت کر دکھائیں۔

میری ایک بڑی خواہش رہی ہے کہ میں صوبہ سرحد کے عوام کو متحد دیکھوں اور انہیں ہندوستان کے مستقبل میں بھی مضبوط وحدت کی حیثیت سے دیکھوں۔ میں ہمیشہ سے اس بات پہ یقین رکھتا چلا آیا ہوں کہ اصلاحات کا اصول اندرونی طور پہ کار فرما ہو نہ کہ باہر سے ہو صوبے کی خود مختاری کیلئے میرا تصور یہ رہا ہے کہ صوبہ ایک مکمل اور خود کفیل انتظامی وحدت ہو اور اس نقطۂ نظر سے مکمل طور سے خود مختار ہو۔ تاکہ یہاں کے عوام کو مکمل طور پہ آزادی حاصل ہو تاکہ وہ اپنی روایات اور صلاحیتوں کے مطابق ترقی کر سکیں۔ میں اپنے آپ کو اس خیال کے ساتھ کبھی بھی ہم آہنگ نہیں کر سکا کہ میں صوبے کے عوام کو صوبائی حدود سے باہر لے جا کر ان کے بارے میں سوچوں یہی وجہ ہے کہ میری خواہش ہے کہ جو تنظیم اب اس صوبے کی تقدیر کی رہنما ہو۔ اس کی نشوونما قطعی مقامی ہو۔ یہ صرف میری ذاتی خواہش ہے۔ میں دوسروں پہ اس خواہش کا دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا۔ کیونکہ اس طرح اسے زیادہ استحکام اور قریبی یگانگت حاصل ہو جائے گی جو اس صوبے کی حقیقی ضرورت ہے۔ انسانی تقدیر کے مطابق میری یہ خواہش بھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچی ایک زمانہ تھا کہ شمال کی طرف سے ٹھنڈی موجیں اس خطے پہ آیا کرتی تھیں۔ اور اس کے بعد وہ جنوبی علاقوں کی طرف بہہ کر وہاں بھی ہندوستان کے فرسودہ اور پرانی ثقافت اور تہذیب کو نیا جوش و خروش بخشتی تھیں لیکن میرے دوست! اب مجھے اس بات پہ یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ اب کے بعد ہم گرم جنوب سے رہنمائی حاصل کریں جو کہ معاشرتی اور معاشی اقدار کے جدید نظریات کی مون سون ہوائیں ہماری طرف بھیجے گا۔ ہمیں یہ سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہم اختیارات کی مرکزیت اور ثقافت کے ادغام کے رجحانات کو قبول کر لیں۔ مختلف خود مختار علاقوں کو مرکز کی مقررہ پالیسیوں کے مطابق چلانا ایک اہم ذریعہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس طرح وسیع آبادی میں مختلف طبقات میں

دلی اور نظریاتی اتحاد ظاہری طور پہ حاصل ہو گا مگر ہم پرانی نسل سے تعلق رکھنے والے جن کی نشوونما مختلف حالات میں ہوئی، ہمیں یہ یقین ہوتا ہے کہ ظاہری آثار اکثر و بیشتر دھوکا دیتے ہیں اور یہ کہ حقیقی اتحاد کیلئے کوئی ٹھوس اور جامع نمونہ پیش کرنا چاہیئے جس کے ذریعے مختلف وحدتوں کو مستقبل میں ایک وفاقی یونٹ میں کامیابی کے ساتھ مدغم کرنے سے پہلے اندرونی طور پہ ان یونٹوں میں اتحاد کا ہونا ضروری ہے۔ بدقسمتی سے اتحاد کے لئے اس قسم کا احساس کہیں دوسری جگہ نہیں پایا جاتا۔ ہماری متفرق ثقافتیں آج بھی ہم پر مسلط ہیں اور کسی لڑکی کے محض عقائد میں تبدیلی بنیادی اختلاف کو منظر عام پہ لے آتے ہیں اس قسم کے معمولی حادثات نہ صرف پارٹی کے نظم و نسق اور مقصد کے اتحاد کے تمام رشتوں کو توڑ دیتے ہیں بلکہ پورے ملک میں آگ لگا دیتے ہیں جس طرح کہ ایک حالیہ ساتھ ساتھ میں یہ توقع رکھتا ہوں۔ کہ نئی وزارت ہمارے دوستوں اور ان مہمانوں کی قابل رہنمائی میں تشکیل پائے گی جو چند دن سے یہاں آئے ہوئے ہیں یہ وزارت اس قابل ہو سکے گی کہ وہ اپنے کارناموں پر فخر بہ نظر ڈال سکے۔ ایسی وزارت جو مستحکم ہو گی اور جو ملکی طور پہ خالص ہو گی تاکہ وہ اس ایوان کے تمام طبقوں کے علاوہ ایوان سے باہر عوام کے احترام اور اعتماد پہ پورا اترے گی۔ مجھے یہ بھی توقع ہے کہ اس عظیم انجمن کے عظیم اصولوں پر میرے اس چھوٹے سے صوبے میں سودا بازی نہیں کی جائے گی۔"

سر صاحبزادہ صاحب کی اس تقریر کے بعد سپیکر نے اس تحریک پر ایوان کو رائے شماری کے لئے کہا چنانچہ تحریک کے حق میں ۲۷ اور مخالفت میں ۲۲ ووٹ پڑے۔

واقعہ سے ظاہر ہے اس طرح یہ واقعات نہ صرف زیر انتظامیہ اضلاع میں ہوتے

ہیں بلکہ ان واقعات کے بُرے نتائج انتظامی سرحدوں کی دوسری طرف (قبائلی علاقے) بھی ظاہر ہوتے ہیں رہا ہے یہ تجویز میری طرف سے پیش کی جارہی ہے کہ ایسی کوئی کوشش نہ کی جائے جس کے ذریعے مختلف طبقوں کے درمیان موجودہ خلیج کو پار کیا جائے اور ان میں باہمی اخوت کے جذبات پیدا کئے جائیں مگر مجھے خطرہ ہے کہ حقیقی وحدت جو ہندوستان کے ہر سچے فرزند کے دل میں ہوگی اور جس کی بنیاد ذاتی مفاد پہ نہیں رکھی جائے گی اس کے حصول میں ابھی کافی وقت درکار ہوگا، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے اور اس کی روشنی میں میری وزارت میں کوشش کی گئی کہ اس مسئلے کو ایک معاہدے کے ذریعے حل کیا جائے جس میں اقلیتوں کے حقوق کا اس طرح تحفظ کیا گیا تھا کہ اکثریت کے حقوق متاثر نہ ہوں۔

آئندہ بننے والی وزارت کیلئے دلی خوش آمدید کے جذبات کے اظہار کرنیکے

ڈاکٹر خان صاحب کی پیش کردہ تحریک عدم اعتماد کے حق میں مندرجہ ذیل ممبرز نے ووٹ دیئے۔

خان عبداللہ خان۔ خان عبدالعزیز خان۔ خان عبدالغفور خان۔ ارباب عبدالغفور خان، سردار عبدالرب نشتر۔ خان صاحب عبدالرحمان خان، خان اکبر علی خان، خان امیر محمد خان، قاضی عطاء اللہ خان۔ لالہ بھنجو رام۔ رائے بہادر چمن لال ایم فقیرا خان جدون۔ ڈاکٹر سی سی گھوش۔ لالہ حکم چند۔ میاں جعفر شاہ۔ لالہ جمنا داس۔ ڈاکٹر خان صاحب۔ خان محمد عباس خان۔ خان محمد افضل خان۔ خان محمد عطائی خان۔ پیر محمد کامران خان محمد ثمین جان خان۔ ایم محمد سرور خان۔ رائے صاحب پرمانند۔ ایم پیر بخش خان ایڈووکیٹ۔ خان زرین خان۔

سر صاحبزادہ وزارت کی حمایت میں مندرجہ ذیل ممبرز نے ووٹ دیئے۔

عبدالمجید خان، ایم بی اے۔ خان بہادر نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان کے سی

آئی ای۔ نواب زادہ اللہ نواز خان۔ خان صاحب اسداللہ خان۔ خان عزیز اللہ خان کیپٹن نواب باز محمد خان۔ خان فیض اللہ خان۔ رائے بہادر ایشر داس۔ سردار جگت سنگھ نراگ۔ سردار اجیت سنگھ۔ پیر سید جلال شاہ۔ رائے صاحب کنور بھان بگائی۔ خان صاحب ملک الرحمان کیانی۔ رائے بہادر مہر چند کھنہ۔ سردار محمد اورنگ زیب خان۔ نواب زادہ محمد سعید خان۔ نواب محمد ظفر خان۔ خان محمد زمان خان خان نصر اللہ خان۔ رائے بہادر روچی رام۔ خان بہادر سعد اللہ خان۔ میاں ضیاء الدین۔

سر صاحبزادہ عبدالقیوم کی وزارت کے خلاف چونکہ ووٹوں کی اکثریت تھی اس لئے تحریک ایوان نے منظور کر لی اور صاحبزادہ کی وزارت آل انڈیا کانگرس کی بھرپور کوششوں اور سازشوں کا شکار ہو گئی۔

سرحد کی کانگرسی وزارت کے لئے گٹھ جوڑ کرنے اور اس میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد بابو راجندر پرشاد نے انتہائی خوشی منائی، وہ ایبٹ آباد سے سیدھے پشاور پہنچے اور ۱۱ ستمبر کو انہوں نے سر صاحبزادہ عبدالقیوم کی وزارت کے ختم ہونے اور سرحد میں کانگرسی وزارت کے قیام کی خوشی میں شاہی باغ میں سرخپوشوں کے ایک بھاری جلسے سے خطاب کیا۔ انہوں نے سٹیج پر سے یہ بھی اعلان کیا کہ باپوجی (مہاتما گاندھی) بہت جلد سرحد آکر آپ لوگوں سے خطاب کرنے والے ہیں۔

سر صاحبزادہ صاحب نے تو چھ ماہ کی وزارت کے دوران سرحد کے لئے کئی مفید کارنامے سر انجام دیئے مگر کانگرسی وزارت نے جو عدم تشدد کی حامی تھی سرحد کے کسانوں اور مزدوروں پر بے پناہ تشدد کیا۔ سر صاحبزادہ کی وزارت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پاس ہوئی تو اس دن بابو راجندر پرشاد اور مولانا آزاد نے ایبٹ آباد کے ہندوؤں کی طرف سے دی گئی مسرت پارٹیوں میں شرکت کی۔ اور کانگرسی وزارت کے قیام کے لئے جد وجہد شروع کی گئی۔ سرحد کے کانگرسی ملک خدا بخش کو وزارت میں لینا چاہتے تھے، مگر انہوں نے کانگرس کی رکنیت کے فارم پر دستخط نہ کئے۔

صوبہ سرحد میں پہلی کانگرس وزارت کا قیام

سر صاحبزادہ صاحب کی وزارت کے خاتمے کے اعلان کے ساتھ ہی سرحد کے انگریز گورنر نے ڈاکٹر خان صاحب کو ایبٹ آباد کے سرکٹ ہاؤس میں بلا کر وزارت بنانے کی پیشکش کی۔ یہ کابینہ سرحد کی پہلی کانگرسی کابینہ تھی۔ یہ کانگرسی وزارت گاندھی جی کے حامیوں پر مشتمل تھی جو سرحد کے پٹھانوں کی خیر خواہ بن کر سرحدی وزارت پر متمکن ہوئی تھی اس نے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۹ء تک کے دو سال کے عرصے میں کوئی بھی ایسا مفید کام سرانجام نہیں دیا جس سے یہ ثابت ہو کہ اس حکومت کو سرحد کے پٹھانوں کی بہتری غریبوں کی ہمدردی اور سرحدی باشندوں کی فلاح و بہبود کا خیال کبھی آیا ہو۔ بجائے مفید کاموں کے سرحد کی اس پہلی کانگرسی وزارت نے جو کام کئے ان میں سے چند بطور یادگار مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- جن کالے قوانین کو سر صاحبزادہ صاحب نے منسوخ کیا تھا کانگرسی وزیر اعظم نے وہ قوانین دوبارہ صوبہ سرحد میں نافذ کر دیئے۔

۲- پنجاب کانگرسی کمیٹی کی سفارش پہ اسلامیہ کالج پشاور کی امداد بند کر دی گئی۔ زرعی کلاسوں کو بند کر کے اسلامیہ کالج کو مالی بحران کا شکار کر دیا گیا اور سرحد کے طلباء کو تعلیمی دشواریوں میں مبتلا کر دیا گیا۔

۳- سوشلسٹ رہنماؤں پر طرح طرح کی سختیاں کی گئیں اور انہیں قید سخت کی سزائیں دی گئیں۔

۴- کسانوں اور زمینداروں کی تحریک کو ختم کرنے کے لئے شدید قسم کی سختیاں شروع کر دی گئیں۔ کانگرسی حکومت کے اشارہ پر پولیس نے عورتوں کو تشدد کا نشانہ بنایا۔

گاندھی جی۔ پنڈت جواہر لال نہرو۔ راجندر پرشاد اور دوسرے کانگرسی لیڈروں کو دعوت دی گئی کہ وہ سرحد کے کونے کونے کا دورہ کر کے سرحدی مسلمانوں کو کانگرس کے شکنجے میں جکڑنے کی جدوجہد کریں۔ چنانچہ جب یہ لیڈر سرحدی دورے پر آئے تو سرحد کی کانگرسی وزارت نے اپنے سائے میں ان لیڈروں کے دوروں کو کامیاب کرایا۔ بنوں۔ ڈیرہ۔ ہزارہ۔ پشاور اور مردان میں کانگرسی لیڈروں سے عوامی اجتماعات کے مقامات پر ترنگے جھنڈے مستقل طور پر لہرائے گئے

سرحد کے قبائیلیوں پر تشدد کیا گیا اور ان کی آزادی کو ختم کرنے کے لئے مختلف مہمیں بھیجی گئیں۔

سکولوں کے نصاب میں ہندی اور گورمکھی کو لازمی مضمون قرار دیا گیا اسلامیات کے نصاب کو خارج کر دیا گیا۔

ضروریات زندگی کی اشیاء کو اس قدر ہنگامہ کر دیا گیا کہ لوگ تنوروں پر سے روٹیاں حاصل کرنے کیلئے قطاریں لگانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ آٹا ناپید ہو گیا۔ گندم ذخیرہ کر دی گئی اور لوگ دانے دانے کو ترسنے لگے۔

۱۹۳۹ء تک کانگرس سرحد پر حاوی رہی اس عرصے میں کانگرسی وزارت نے صوبہ سرحد کے لئے عوام کو قسم قسم کی مشکلات میں مبتلا رکھا آخر آل انڈیا کانگرس کے فیصلے کے مطابق ۱۹۳۹ء میں سرحد کی کانگرسی وزارت بھی مستعفی ہو گئی۔ اسی اثناء میں دوسری جنگ عظیم کا بھی آغاز ہو چکا تھا لہٰذا مئی ۱۹۴۳ء تک صوبہ سرحد میں گورنری راج رہا۔

کانگرسی وزارت اور اسلامیہ کالج

سر صاحبزادہ وزارت کے خلاف جس دن عدم اعتماد کی تحریک پیش کی گئی اس دن

سر صاحبزادہ وزارت کے وزیر خزانہ اسمبلی میں بجٹ پیش کرنے والے تھے۔ یہ بجٹ تیار تھا۔ اس بجٹ میں سرحد میں مختلف مقامات پر نئے سکول کھولنے نیز پہلے سے قائم ہوئے سکولوں کا درجہ بڑھانے کے علاوہ اسلامیہ کالج پشاور میں زرعی کلاسوں کے اجراء کیلئے بھی کافی رقم مخصوص کی گئی تھی۔ اسلامیہ کالج ہندوستان بھر کے کانگرسیوں کی آنکھوں میں ایک کانٹا بن کر کھٹک رہا تھا۔ جونہی سر صاحبزادہ وزارت کا خاتمہ اور کانگرس وزارت کا قیام عمل میں آیا تو ہندوستان کے مختلف مقامات سے آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے ایماء سے سرحد کی کانگرس منسٹری کو تار بھیجے گئے کہ اسلامیہ کالج پشاور کی سابقہ گرانٹ بھی بند کر دی جائے۔ چنانچہ پنجاب کانگرس کمیٹی کے صدر ڈاکٹر ستیا پال کی تحریک پر آل انڈیا کانگرس کے صوبائی دفتروں سے سرحد کی کانگرسی وزارت کو ٹیلیگرام بھیجے گئے کہ پشاور کے اسلامیہ کالج کی گرانٹ ختم کر دی جائے۔ آل انڈیا کانگرس کی اس تحریک کے نتیجے میں سرحد میں کانگرس وزارت بنتے ہی کانگرس کابینہ کے وزیر خزانہ نے سر صاحبزادہ وزارت کے تیار شدہ بجٹ میں ترمیم کر کے ۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء کو ایبٹ آباد کے ٹاؤن ہال میں اسمبلی کے اجلاس میں جب بجٹ پیش کیا تو اس بجٹ میں اسلامیہ کالج پشاور کی زرعی کلاسوں کے لئے مخصوص کی جانے والی رقم کی تخفیف کے علاوہ اسلامیہ کالج پشاور کو کئی سالوں سے جو سرکاری امداد مل رہی تھی اس میں سے بھی ۱۰،۱۴۴ روپے کی رقم کاٹ دی گئی۔ اسلامیہ کالج دشمنی کے ساتھ ساتھ صوبے میں جن نئے سکولوں کے اجراء اور مختلف سکولوں کے درجے بڑھانے کیلئے جو رقم صاحبزادہ وزارت نے مخصوص کی تھی اس میں بھی تخفیف کر دی گئی بجٹ میں تعلیم کشی کے ان رجحانات کو دیکھتے ہوئے سر صاحبزادہ عبدالقیوم نے ۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء کو ایبٹ آباد کے اسمبلی ہال میں اپوزیشن لیڈر کی حیثیت سے بجٹ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا:"

"اگر میں بجٹ پر کسی رائے کا اظہار کروں تو مجھے برسر اقتدار حکومت سے یہ امید ہے کہ وہ میری رائے پر غور کرنے کیلئے اس رائے کو اپیل یا مشورہ یا عرضداشت تصور کرے گی

میں غیر تعمیری نکتہ چینی کرنا پسند نہیں کرتا میں صرف چند حقائق برسر اقتدار حکومت کے سامنے پیش کرتا ہوں اور یہ درخواست کرتا ہوں کہ ان حقائق پر غور کیا جائے۔ اور بجٹ کے اس آخری مرحلے میں جو کچھ ہو سکتا ہے وہ کرے۔

"میں شروع شروع میں تو بہت خوش تھا کہ ہندوستان بھر کی کانگرس پارٹی نے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں آئین سازی کے کام کیلئے پیشکش کی ہے۔ یہ ملک کیلئے ایک نیک شگون ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے اور شاید اس اسمبلی کے کئی دوسرے ممبروں کو بھی یاد ہو گا کہ ابتدائی دنوں میں کانگرس آئین سازی میں حصہ لینے کیلئے آمادہ نہ تھی بلکہ صرف آئین کی خلاف ورزی کرنا ہی اپنا معمول سمجھتی تھی یعنی ہر جگہ سول نافرمانی کی تحریک چلا رہی تھی مگر اب جبکہ کانگرس بجائے سول نافرمانی کے آئین سازی میں حصہ لینے لگی ہے تو پھر مجھے تو یہ امید ہے کہ کانگرس اس صوبے کے عوام کی بھلائی کے لئے بھی مفید کام کرے گی۔ ایک ہی وقت میں آئین پر عمل درآمد اور آئین کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک کیک کو کھانے کیلئے بھی کہا جائے۔ اور سنبھال کر رکھنے کو بھی کہا جائے۔ یہ دو مختلف نظریات کس طرح آپس میں یکسانیت پیدا کر سکتے ہیں۔ میں تو اس فلسفے کے سمجھنے سے قاصر ہوں۔ اس موقع پر ارباب عبدالغفور خان نے سر صاحبزادہ کی تقریر میں مداخلت کرتے ہوئے سپیکر سے کہا۔"

"جناب میں پوائنٹ آف آرڈر اٹھاتے ہوئے کہتا ہوں کہ سر صاحبزادہ کی یہ باتیں بجٹ سے تعلق نہیں رکھتیں۔"

سپیکر نے ایوان سے مخاطب ہو کر کہا۔"

"اسمبلی کو اپوزیشن لیڈر کے خیالات سننے چاہئیں انہیں بولنے کیلئے ابھی صرف چند ہی منٹ ملے ہیں۔ شاید کہ ان باتوں کا تعلق بجٹ سے ہو۔"

سپیکر کی اس رولنگ کے بعد سر صاحبزادہ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔"

اگر برسر اقتدار حکومت اتنی بے چین ہے کہ وہ میری معمولی بنیادی باتیں بھی سننا
گوارا نہیں کرتی تو پھر میں اسے زحمت نہیں دینا چاہتا میں اس صورت میں بیٹھ جاتا
ہوں تاکہ ایوان کے دوسرے ممبر بحث میں حصہ لے سکیں۔ برسر اقتدار پارٹی ایک
بہت بڑی تحریک سے تعلق رکھتی ہے اس لئے میں سمجھتا تھا کہ برسر اقتدار پارٹی
نے صوبے کی بھلائی کے لئے کوئی نئی پالیسی وضع کی ہوگی یا کوئی نیا تصوّر پیش کیا ہوگا
مگر جب میں نے وزیر خزانہ کی بجٹ تقریر سنی جو انھوں نے ایوان میں پیش کی ہے
تو میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ برسر اقتدار پارٹی نے سابقہ حکومت کے مقابلے میں کوئی
نئی سکیم یا نئی پالیسی پیش نہیں کی مگر جس چیز نے مجھے انتہائی متاثر کیا وہ محکمہ
تعلیم پر خرچ کئے جانے والی رقم کی تخفیف ہے۔ محکمہ تعلیم واحد مسئلہ ہے جس سے
میں انتہائی دلچسپی رکھتا ہوں۔ برسر اقتدار پارٹی نے ۲۴۳ر۴۵ روپے تعلیمی اخراجات
کی مد سے نکال دیئے ہیں جس کے متعلق میرا خیال ہے کہ اس چھوٹے سے صوبے کے اس
چھوٹے سے بجٹ سے تعلیمی مد میں سے اس رقم کا نکال دینا انتہائی حیران کن معاملہ ہے
میں تو یہ خیال کر رہا تھا کہ اس مجوزہ بجٹ میں سابقہ حکومت (یعنی میری وزارت)
نے تعلیم کے لئے جو رقم مخصوص کی ہے موجودہ وزارت نے اس رقم میں دوگنا اضافہ کیا ہوگا
مگر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ موجودہ وزارت نے تقریباً نصف لاکھ روپیہ تعلیمی
مد میں کم کر دیا ہے اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بات انتہائی بری طرح محسوس کر رہا ہوں
کہ برسر اقتدار وزارت نے اسلامیہ کالج پشاور کو دی جانے والی گرانٹ میں سے
۴۳ر۱۶۰ روپے کی امدادی رقم بند کر دی ہے۔ میں اس سے بھی زیادہ اس بات کو بری
طرح محسوس کر رہا ہوں کہ موجودہ وزارت نے لڑکوں کے پانچ پرائمری اداروں اور لڑکیوں
کے پانچ پرائمری سکولوں کی رقم کی تخفیف کرنے کے علاوہ اس طرح کی دوسری کئی مفید
سکیموں کے اخراجات میں بھی تخفیف کر دی ہے۔ ان حالات میں، میں موجودہ حکومت

سے امید رکھتے ہوئے کہتا ہوں کہ برسراقتدار حکومت کو چاہیئے کہ وہ اس معاملے پر نظر ثانی
کرے تاکہ محکمہ تعلیم جو انتہائی ضروری اور لازمی محکمہ ہے وہ خسارے میں نہ رہے تعلیم
اس صوبے کیلئے انتہائی بنیادی اور لازمی چیز ہے کیونکہ یہ صوبہ تعلیمی لحاظ سے انتہائی پسماندہ
ہے جیسا کہ کئی دوسرے ممبروں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے اگرچہ "بہت پسماندہ
کا لفظ انہوں نے استعمال نہیں کیا" مگر میں کسی اختلاف کے خوف کے بغیر یہ کہتا ہوں
یہ صوبہ واقعی تعلیمی لحاظ سے بہت ہی پسماندہ ہے۔

وزیر خزانہ نے اپنی بجٹ تقریر میں تو انتہائی دھواں دار تقریر کرتے ہوئے صوبے
میں پرائمری تعلیم کو لازمی کرنے کا اعلان کیا ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کی
وہ لازمی پرائمری تعلیمی سکیم کون سے طریقوں سے شروع کی جانے والی ہے۔ ہمیں
یہ کہا گیا ہے کہ مسجدیں۔ پاٹھ شالائیں۔ اور مندر پرائمری تعلیمی سکیم کیلئے استعمال کئے جائیں
گے مگر ہمیں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ سکیم کس طرح بروئے کار لائی جائے گی۔ میں یہ پوچھتا
ہوں کہ کیا ہم زمانہ قدیم کی طرح اس ترقی کے دور میں دی جانے والی ابتدائی تعلیم کی
سکیم پر عمل کر سکتے ہیں؟

میں یہ بات برملا آپ سے کہتا ہوں کہ زمانہ قدیم کی دی جانے والی ابتدائی تعلیم کی سکیمیں
موجودہ دور اور موجودہ ماحول میں کبھی بھی موافق نہیں ہو سکتیں۔ پرانے زمانے کے طریقے اس
نئے زمانے میں اختیار نہیں کئے جا سکتے۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ آیا موجودہ برسراقتدار
حکومت موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق بنیادی تعلیمی سکیم کو عملی جامہ پہنانے کا
ارادہ رکھتی ہے یا اس کے سامنے بنیادی تعلیم کے لئے کوئی نئی اصلاحی سکیم ہے؟
میں چاہتا ہوں کہ موجودہ برسراقتدار حکومت اس معاملے میں ہمارے سامنے کوئی لائحہ
عمل پیش کرے یا وزیر خزانہ یہ بتائیں کہ وہ مؤثر، مفید اور بہترین سکیم کب سے اس صوبے میں
نافذ کی جانے والی ہے۔ اب میں ایک دوسرے مسئلے کی طرف آتا ہوں جسے قطعاً نظرانداز

نہیں کیا جاسکتا کہ ہمیں یہ بتایا جائے کہ آپکی بنیادی لازمی تعلیم کی سکیم کا سکولوں اور کالجوں کے درمیان کیا رابطہ ہوگا؟

کیا بنیادی تعلیم کو اس طرح سانچے میں ڈھالا جاسکتا ہے یا اسے اس طرح اختیار کیا جاسکتا ہے کہ موجودہ ترقیاتی دور کے ساتھ اس کا نفاذ ہو یا پھر سکول اور کالج کی تعلیم کے ساتھ اس کا کوئی ربط نہ ہو۔؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ باتیں جو میں نے کہی ہیں یہ صرف مفید مشورے ہیں جو میں برسراقتدار حکومت کو دے رہا ہوں۔ اب موجودہ وزارت کا کام ہے کہ وہ ان پر غور کرے یا نہ کرے۔ کیا میں امید رکھ سکتا ہوں کہ موجودہ برسراقتدار حکومت میری ان تجاویز کو عملی جامہ پہنائے گی؟ میں اتنا ضرور کہوں گا کہ موجودہ حکومت نے تعلیمی اخراجات میں جو تخفیف کی ہے اس کا مجھے انتہائی غم اور افسوس ہے"

سر صاحبزادہ کو تعلیم کی مد میں تخفیف اور کانگرس وزارت کی طرف سے اسلامیہ کالج پشاور کی گرانٹ کی رقم کو کم کرنے کا انتہائی صدمہ تھا۔ ان کی تقریر درد سے بھرائی ہوئی تھی۔ آخر میں انہوں نے اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا "میں بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں مگر میں سوچتا ہوں کہ میں کیا کہوں اور کیا نہ کہوں۔ انہوں نے آخر میں فارسی کا یہ شعر پڑھا۔

غم عالم فراواں ہست و من یک غنچۂ دل دارم
چساں در شیشۂ ساعت کنم خاک بیاباں را

اسمبلی کے ایک دوسرے ممبر خان امیر محمد خان سکنہ کمائی زئی نے اس سلسلے میں اسمبلی کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا "میں صوبہ سرحد کی تعلیمی ترقی کے سلسلے میں سر صاحبزادہ عبدالقیوم سے اتفاق کرتے ہوئے یہ کہتا ہوں کہ کانگرس کی پالیسی تو یہ ہے کہ عوام کو تعلیم سے روشناس کرائے مگر میں اسلامیہ کالج پشاور کی امدادی رقم کو بند کرنے کے سلسلے میں یہ

کہنا چاہتا ہوں کہ سر صاحبزادہ عبدالقیوم کو اسلامیہ کالج پشاور اسقدر اور اتنا عزیز ہے کہ وزارت سے الگ ہونے کے بعد وہ اسلامیہ کالج کی ترقی کیلئے اس کالج میں ہی قیام کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے بھی اسی اسلامیہ کالج پشاور سے تعلیمی فیض حاصل کیا ہے۔ میں پرزور الفاظ میں اس بات کی تائید کرتا ہوں کہ اسلامیہ کالج کی گرانٹ بند کرنے کی بجائے اسے مزید رقم دی جائے تاکہ اس کالج کی جگہ ایک یونیورسٹی بھی قائم کی جاسکے"۔

۱۱ ستمبر ۱۹۳۷ء کو کانگریس وزارت کی طرف سے پیش کئے گئے بجٹ پر سوالات کا جواب دیتے ہوئے کانگریس کابینہ کے وزیر تعلیم نے اس بات کا اعتراف کیا کہ سرحد کے غیر مسلم سکولوں کے لئے دو لاکھ ۶۸ ہزار دس روپے کی رقم مخصوص کی گئی ہے اور سرحد کے مسلم سکولوں کیلئے صرف ایک لاکھ چالیس ہزار آٹھ سو چھ روپے کی رقم مخصوص کی گئی ہے۔ میاں ضیاء الدین یار ایٹ لاء نے سپیکر سے مخاطب ہو کر کہا کہ "جناب سرحد کے ۹۵ فی صدی مسلم اکثریت والے صوبے میں مسلمانوں کے مفاد کو کیوں نظرانداز کیا جارہا ہے؟ وزیر تعلیم نے جواب دیا" میں اس کا جواب دینے کے لئے تیار نہیں ہوں"

ڈیموکریٹک گروپ کے سرگرم ممبر خان محمد سرور خان کے اشتراک سے کانگریس پارٹی برسراقتدار آئی تھی انہوں نے بھی اسلامیہ کالج کی گرانٹ میں تخفیف کا احساس کرتے ہوئے بجٹ پر عام بحث کے دوران کہا" میں برسراقتدار حکومت سے پُرزور درخواست کرتا ہوں کہ جب اسلامیہ کالج میں بی ایس سی کی کلاسوں کا آغاز ہوچکا ہے اگر کالج کی گرانٹ میں کمی کردی گئی تو یہ کلاسیں بھی متاثر ہوں گی۔ اس لئے میں وزارت سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے بجٹ پر نظرثانی کرے۔"

سردار محمد اورنگزیب خان نے بجٹ پر عام بحث کے دوران کہا "سر صاحبزادہ کی وزارت نے تعلیم کی گیارہ مدوں کیلئے رقم مخصوص کی تھی مگر موجودہ وزارت نے بجٹ میں ترمیم کرتے ہوئے تعلیم کی سات مدوں کو ختم کردیا۔ کیا میں ایسی وزارت کو سوراجیہ

وزارت کہہ سکتا ہوں جس نے اقتدار پہ قبضہ کرتے ہی سات مفید تعلیمی پروگراموں کو ختم کر دیا۔ کیا یہ وزارت ان حالات میں سوراج وزارت یا آزادی کی دلدادہ وزارت کہلائی جاسکتی ہے؟ کیا اسمبلی کا کوئی ممبر یہ کہہ سکتا ہے کہ تعلیم قوموں کی تعمیر کا ذریعہ نہیں ہے؟"

خان عزیز اللہ خان نے بجٹ پر تقریر کرتے ہوئے کہا" کانگرسی ممبروں نے انتخابات کے موقع پر بڑے بڑے دعوے کئے تھے۔ انہوں نے ووٹ لینے کے لئے لوگوں سے کہا تھا کہ ہم تمہارے لئے یہ کریں وہ کریں گے۔ ہم سکول کھولیں گے اور تعلیم عام کرینگے ہم کالج کھولیں گے (وغیرہ وغیرہ) مگر آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس کانگرس وزارت نے ہمیں جو پہلا انعام دیا ہے وہ تعلیم کی رقم میں تخفیف ہے۔ میں اس لحاظ سے اس بجٹ کو منصفانہ بجٹ کہنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

رائے بہادر چمن لال نے اسلامیہ کالج کی گرانٹ کے ضمن میں کہا" اسلامیہ کالج میں اگر بی ایس سی کی کلاسوں کے اجراء کے لئے فنڈ کی کمی ہے تو ان طلباء کو لائلپور کے کالج میں داخلے کیلئے بھیج دیا جائے۔"

رائے بہادر چمن لال نے کہا" جب ہم ڈیرہ کے بھارتری کالج کیلئے اپوزیشن لیڈر سے جب وہ برسر اقتدار تھے مدد مانگتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ فنڈ کی کمی ہے اب جب کہ فنڈ کی کمی کی وجہ سے اسلامیہ کالج کی گرانٹ میں تخفیف کر دی گئی ہے تو وہ سیخ پا کیوں ہیں؟ میں تو صاف کہتا ہوں کہ جب تک اسلامیہ کالج کی پالیسی تبدیل نہ ہو جب تک اسلامیہ کالج کو (ہندو سکھ مسلم سب کیلئے) قومی سطح پہ نہ چلایا جائے اس وقت تک اسلامیہ کالج کو گورنمنٹ کی طرف سے مالی امداد قومی نقصان ہے۔

سرحد میں دو سال تک گورنری راج کے بعد ۲۵ مئی ۱۹۴۳ء کو سردار اورنگزیب کی قیادت میں مسلم لیگی وزارت کا قیام عمل میں آیا۔

اورنگ زیب وزارت کے کارنامے

۲۵ مئی ۱۹۴۳ء تا ۱۴ مارچ ۱۹۴۵ء

سردار اورنگ زیب نے سرحد میں پہلی مسلم لیگی وزارت بنائی کابینہ میں سردار عبدالرب نشتر راجہ عبدالرحمن اور ثمین جان خان کے علاوہ ایک سکھ وزیر سردار اجیت سنگھ تھے۔ سرحد میں پہلی اس مسلم لیگی وزارت کے دوسالہ دور حکومت میں سرحد کی صنعتی تعلیمی زرعی یا معاشی ترقی کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ کہنے کو تو یہ مسلم لیگی وزارت تھی مگر کارکردگی کے لحاظ سے اس وزارت نے مسلم لیگ کے پروگراموں پر بھی عمل درآمد نہیں کیا۔ خان بہادر سعداللہ خان نے اس مسلم لیگی وزارت کے دوران دو دفعہ تحریک پاکستان کی قرارداد کو توثیق کے لئے اسمبلی میں پیش کرنے کے نوٹس دیئے مگر اس مسلم لیگی وزارت نے تحریک پاکستان کی قرارداد کو اسمبلی میں پیش نہ ہونے دیا۔ خان بہادر سعداللہ خان کا مقصد یہ تھا کہ سرحد اسمبلی لاہور ریزولیوشن کی تائید میں ایک قرارداد پاس کرے تاکہ انگریزوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ سرحدی عوام قیام پاکستان کا پرزور مطالبہ کرتے ہیں مگر مسلم لیگی وزارت نے روڑے اٹکائے جس کی وجہ سے خان بہادر سعداللہ خان اورنگ زیب وزارت کو مسلم لیگ کی نام نہاد وزارت کا نام دینے پر مجبور ہو گئے۔ اسی کشمکش میں جب کانگرس نے مارچ ۱۹۴۵ء میں اورنگ زیب وزارت کے خلاف اسمبلی میں تحریک عدم اعتماد پیش کی تو خان بہادر سعداللہ خان نے اورنگ زیب وزارت کے خلاف ووٹ دیا۔

سردار اورنگ زیب کی وزارت کے دوران سرحد اسمبلی نے جو آئینی کام کئے ان میں مندرجہ ذیل سرکاری اور غیر سرکاری بل اور قراردادیں خاص کر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ صوبہ سرحد کے وزراء کی تنخواہوں کا ترمیمی بل ۱۹۴۳ء۔

۲۔ صوبہ سرحد کے سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کی تنخواہوں کا ترمیمی بل ۱۹۴۳ء

۳۔ صوبہ سرحد کا پریمی ایمپشن ترمیمی بل ۱۹۴۳ء

۴۔ صوبہ سرحد کا موٹر وہیکل ترمیمی بل ۱۹۴۳ء

۵۔ جنگی خدمات سے مستثنےٰ ہونے کا ترمیمی بل ۱۹۴۳ء
۶۔ دیہاتی کونسلوں کا ترمیمی بل ۱۹۴۳ء
۷۔ صوبہ سرحد اسمبلی کے ممبروں کے الاؤنس کا ترمیمی بل ۱۹۴۳ء اور ۱۹۴۴ء
۸۔ سکھ مذہب کا انڈوومنٹ بل۔
۹۔ مسلم پرسنل لاء ترمیمی بل ۱۹۴۴ء
۱۰۔ انٹرٹینمنٹ ڈیوٹی ایکٹ ۱۹۴۴ء
۱۱۔ سیلمہ ولہ کے پانی کے تحفظ کے لئے خوڑ پر سائیفن بنانے کی قرارداد۔
۱۲۔ ہزارہ میں رجوعیہ اور اس کے مضافات کی آبادی کے لئے ہسپتال کے قیام کی قرارداد
۱۳۔ پشاور میونسپلٹی کی پانی کی فروخت سے حاصل ہونے والی آمدنی ٹپہ ہائے خلیل اور مہمند کے مفاد کے لئے خرچ کرنے کی قرارداد۔
۱۴۔ سرحد اسمبلی کے ممبروں کی ماہانہ تنخواہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی اسمبلیوں کے ممبروں کے مساوی رکھنے کی قرارداد۔

ان بلوں اور قراردادوں کے علاوہ اورنگ زیب وزارت میں ڈیرہ اسمٰعیل خان میں ۴۶ افراد کو ہزاروں کنال زمین تین سال سے ۳۰ سال تک اور بعض افراد کو تاحیات اجارے پر دی گئی۔

اورنگ زیب وزارت کا خاتمہ

سرحد کے عوام اس بات سے نالاں تھے کہ سردار اورنگزیب نے اپنی وزارت کے دوران سرحد میں مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے کوئی کام نہیں کیا بعض مسلم لیگی یہ خیال کرنے لگے تھے کہ سردار اورنگزیب مسلم لیگی وزارت کے پردے میں سرحد سے مسلم لیگ کو ختم کر رہے ہیں۔ سرحد کے

کونے کونے سے اورنگزیب وزارت کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہو رہی تھی، قائداعظم کو تار بھیجے جا رہے تھے کہ اورنگ زیب کو مسلم لیگ سے خارج کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں ایک دو وفد بھی قائداعظم کے پاس گئے۔ سرحد کے کانگرسی رہنماؤں نے مسلم لیگ کے اس انتشار سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ ۱۲ مارچ ۱۹۴۵ء کو بہ دار اورنگزیب کی وزارت کے خلاف سرحد اسمبلی میں عدم اعتماد کی تحریک پیش کی گئی۔ اس تحریک پر گرما گرم بحث ہوئی۔ اورنگزیب وزارت کے وزیروں یعنی راجہ عبدالرحمٰن، سردار عبدالرب نشتر، سردار اجیت سنگھ، ثمین جان اور خود اورنگزیب خان نے تحریک عدم اعتماد کے جواب میں اپنے محکموں کی کارکردگیاں ایوان کے سامنے پیش کیں اور وزارت کو بچانے کے لئے ادیبانہ انداز میں شعروں سے آراستہ تقریریں کی گئیں، ان تقریروں کے جواب میں سردار اورنگزیب کے اپنے خاص حامیوں نے اورنگزیب وزارت کی کوتاہیوں اور نا اہلیت کو گن گن کر ایوان کے سامنے جرأت سے پیش کیا۔ سرحد کے سرگرم مسلم لیگی رہنما خان بہادر سعد اللہ خان نے ایوان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

" اورنگ زیب نے سرحد میں مسلم لیگ کو تباہ کیا۔ جب یہ وزارت بنی تو میں نے اگست ۱۹۴۳ء میں اسمبلی کے پہلے سیشن میں جب کہ اسمبلی میں ہماری پوزیشن اچھی تھی اور سرکاری بنچوں سے پیش کئے جانے والے اکثر بل بغیر کسی مخالفت کے پاس ہو رہے تھے اس وقت میں نے اس سیشن میں کہا کہ چونکہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کا اور قائداعظم کا یہ لائحہ عمل ہے کہ پاکستان کا سوال اسمبلی میں اٹھایا جائے اس لئے میں اسمبلی سے قرارداد پاکستان کی توثیق کے لئے ایک تحریک پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اورنگزیب نے مجھے کہا کہ اس وقت چھوڑ دو۔ اگلے سیشن میں یہ تحریک پیش کرنا۔ دوسرے سیشن میں، میں اپنے بیٹے کی تیمارداری کے سلسلے میں لاہور میں تھا جس کی وجہ سے میں تحریک پیش نہ کر سکا مگر اورنگزیب نے کسی دوسرے مسلم لیگی کو اس بات پر آمادہ نہ کیا کہ وہ یہ تحریک پیش کر کے مسلم لیگ کی آرزو کو پورا کر سکے اورنگ زیب نے ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت شریف گھرانوں کی بیجا تلاشیاں کرائیں

میرے گھر کی بھی تلاشی ہوئی مگر خدا کا شکر ہے کہ وہاں سے کوئی قابل جرم چیز برآمد نہ ہوسکی۔" ایک دوسرے ممبر فیض اللہ خان نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"اس وزارت نے مسلم لیگ کو سرحد میں ختم کر دیا ہے۔ میں اس وزارت کا ساتھ چھوڑتا ہوں مگر مسلم لیگ کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ میں پہلے بھی مسلم لیگی تھا اور اب بھی مسلم لیگی ہوں"

سردار عبدالرب نشتر نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اورنگزیب وزارت نے ہزارہ میں کالج بنایا۔ باڑے کے پانی کا معقول انتظام کیا۔ صدر کے علاقے میں لوگوں کو باڑے کا پانی مہیا کیا جو ٹیوب ویل سے سیراب ہونے والی زمین کا معقول انتظام کیا۔ ٹھٹھی نصرتی میں پینے کے پانی کا معقول انتظام کیا۔ اس لئے اس وزارت پر نکتہ چینی جائز نہیں"

بحث کے بعد عدم اعتماد کی تحریک پر رائے شماری ہوئی جس کا نتیجہ یہ تھا۔

وزارت کے خلاف ووٹ دینے والے

(۱) خان بہادر سعد اللہ خان (۲) خان فیض اللہ خان (۳) رائے بہادر ایشر داس (۴) دیوان بھنجو رام (۵) کے بی مہر چند کھنہ (۶) ڈاکٹر خان صاحب (۷) خان کامدار خان (۸) خان محمد افضل خان (۹) لالہ ٹیک چند (۱۰) ارباب عبدالرحمان (۱۱) خان محمد عباس خان (۱۲) نوابزادہ اللہ نواز خان (۱۳) لالہ حکم چند (۱۴) ایم فقیرا خان جدون (۱۵) لالہ جمنا داس (۱۶) لالہ ہنس راج (۱۷) میاں جعفر شاہ (۱۸) کے ایس عبداللہ خان (۱۹) ایشر سنگھ (۲۰) ڈاکٹر سی گھوش (۲۱) اکبر علی خان (۲۲) مہر چند کھنہ۔

وزارت کے حق میں ووٹ دینے والے

(۱) نوابزادہ محمد نصر اللہ خان (۲) خان محمد ثمین جان خان (۳) سردار اورنگزیب خان (۴) سردار عبدالرب نشتر (۵) نوابزادہ محمد سعید خان (۶) پیر سید جلال شاہ (۷) ملک الرحمان کیانی (۸) سردار اجیت سنگھ (۹) راجہ عبدالرحمان (۱۰) ارباب شیر علی خان (۱۱) خان نصر اللہ خان (۱۲) کپتان باز محمد خان (۱۳) لیفٹننٹ محمد زمان خان (۱۴) میاں غلام حسین (۱۵) نواب محمد ظفر خان

(۱۶) خان صاحب عطائی خان (۱۷) خان محمد ایوب خان (۱۸) پیر محمد کامران۔

ڈاکٹر خان صاحب کی تحریک چار ووٹوں کی زیادتی سے کامیاب ہوئی۔ اسی دن شام کو گورنر سرحد نے اسمبلی میں حزب اختلاف کے لیڈر ڈاکٹر خان صاحب کو وزارت بنانے کی دعوت دی ۱۳ مارچ کو اورنگ زیب وزارت کا خاتمہ ہوا۔ ڈاکٹر خان صاحب نے سرحد میں دوسری بار کانگریس وزارت بنائی جس میں وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب وزیر خزانہ بھنجو رام، وزیر تعلیم قاضی عطاء اللہ اور وزیر مال عباس خان تھے۔ ڈاکٹر خان صاحب کی کابینہ نے ۱۴ مارچ ۱۹۴۵ء کو حلف اٹھایا۔

سرحد اسمبلی کے انتخابات ۱۹۴۶ء

۲۵ اگست ۱۹۴۵ء کو حکومت سرحد نے صوبہ سرحد کی اسمبلی کے لئے رائے دہندگان کی فہرستیں تیار کرنے کا اعلان کیا یہ فہرستیں دیہاتی علاقوں میں پٹواری اور شہری علاقوں میں میونسپل کمیٹی کنٹونمنٹ بورڈ اور نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی کو تیار کرنے کے اختیارات دیئے گئے۔

حکومت سرحد کے اعلان کے مطابق ووٹروں کے لئے مندرجہ ذیل معیار مقرر کیا گیا تھا۔

۱۔ انکم ٹیکس ادا کرتا ہو یا میونسپل کمیٹی یا کنٹونمنٹ بورڈ کا کم از کم پچاس روپے ٹیکس براہ راست ادا کرتا ہو یا دیہاتی علاقے میں ڈسٹرکٹ بورڈ کا کم از کم دو روپے ٹیکس براہ راست ادا کرتا ہو یا گذشتہ بارہ مہینے میں کم از کم چھ سو روپے کی ملکیت کی بلا لگان جائیداد کا مالک رہا ہو یا کم از کم بارہ مہینے میں کسی ایسی غیر منقولہ بلا لگان جائیداد میں بطور کرایہ دار رہا ہو جس کا کرایہ ۴۸ روپے سالانہ سے کم نہ ہو یا کم از کم بارہ جریب آبی یا ۲۴ جریب بارانی زمین کا مالک ہو یا کم از کم پانچ روپے سالانہ مالیہ ادا کرتا ہو یا جس کی جاگیر دس روپے سالانہ سے کم نہ ہو یا گذشتہ بارہ سالوں میں ۱۲ جریب آبی زمین یا کم از کم ۲۴ جریب بارانی زمین کا مزارع رہ چکا ہو یا ذیلدار، انعام دار

یا نمبردار ہو یا شہری حلقہ نیابت میں مڈل کا امتحان پاس کر چکا ہو یا دیہاتی حلقہ نیابت میں چوتھی جماعت کا امتحان پاس کر چکا ہو یا ریٹائر شدہ پنشنر یا ملازمت سے سبکدوش افسر یا ملک معظم کی باقاعدہ فوج کا غیر کمیشن یافتہ افسر یا سپاہی ہو۔ ان شرائط کے ساتھ ساتھ یہ اعلان کیا گیا کہ عورتوں کے ووٹ کا اندراج اس وقت فہرست میں کیا جائیگا، جب کہ باقاعدہ درخواست دی جائے گی۔

۱۹۴۶ء میں سرحد کے جنرل انتخابات میں حصہ لینے کے لئے مسلم لیگ کانگرس، احرار، جمعیۃ العلمائے ہند، خاکسار اور آزاد امیدواروں نے بحیثیت سیاسی جماعتوں کے حصہ لیا، سرخپوش جمعیۃ العلمائے ہند اور احرار اور کانگرس کا آپس میں گٹھ جوڑ تھا ان سیاسی جماعتوں کی انتخابی کوشش یہ تھی کہ مسلم لیگ کے امیدوار ناکام ہوں۔ ان مختلف سیاسی جماعتوں کے انتخابی منشور اس طرح کے تھے کہ کانگرس نے اکھنڈ بھارت کے اصولوں پہ انتخاب میں حصہ لیا، احرار کا منشور حکومت الٰہیہ تھا۔ خاکسار عسکری نظام حکومت کے حامی تھے، احرار، جمعیۃ العلمائے ہند اور سرخپوش جماعتیں کانگرس کی حامی جماعتوں میں شامل تھیں، ان سب کا مطمع نظر تحریک پاکستان کی مخالفت اور اکھنڈ بھارت کی بہتے تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان سب جماعتوں نے مشترکہ طور پر مسلم لیگ کے امیدواروں کا مقابلہ کیا۔

۱۰ اردسمبر ۱۹۴۵ء کو گورنر سرحد نے زیر دفعہ ۱۴، ۲۲ اور ۲۳، شمال مغربی سرحدی صوبے کی مجلس قانون ساز کے انتخابات و انتخابی عذرداری کے قانون ۱۹۳۶ء کے مطابق دوسری مرتبہ جنرل انتخابات کی تاریخوں کا اعلان کیا۔ اس اعلان کے مطابق نوسال کے بعد سرحد اسمبلی کے لئے ۱۲ اردسمبر ۱۹۴۵ء کو گیارہ بجے صبح سے تین بجے دوپہر تک امیدواروں نے کاغذات نامزدگی داخل کئے۔ ۱۴ اردسمبر ۱۹۴۵ء کو کاغذات کی جانچ پڑتال ہوئی۔ ۱۷ اردسمبر ۱۹۴۵ء کاغذات نامزدگی واپس لینے کی تاریخ تھی۔

۲۶ جنوری ۱۹۴۶ء سے ۳۰ جنوری ۱۹۴۶ء نو بجے صبح سے ایک بجے دوپہر تک

اور پھر ڈیڑھ بجے دوپہر سے شام ۵ بجے تک لینڈ لارڈ کے حلقوں میں اور یکم فروری ۴۶ ۱۹ء سے ۱۴ فروری ۱۹۴۶ء تک سرحد کے دوسرے حلقوں میں انتخابات ہوئے یہ انتخابات سات دن تک ہوتے رہے۔ ان انتخابات میں بھی حسب سابق سرحد اسمبلی کی ۵۰ سیٹوں کے لئے بالغ رائے دہی کی بنیادوں پر انتخابات ہوئے ان پچاس نشستوں سے ۱۲ نشستیں غیر مسلموں کے لئے مخصوص تھیں۔

۱۹۴۶ء میں سرحد اسمبلی کے کامیاب ممبر:- ۱۔ عبدالعزیز خان (۲) عبداللہ خان (۳) عبدالقیوم خان بار ایٹ لا۔ عبدالقیوم سواتی۔ عبدالرحمٰن خان۔ راجہ عبدالرحمٰن۔ ملک اکبر علی خان۔ علی بادشاہ، علی گوہر خان، اللہ نواز خان۔ امین جان خان۔ اسد اللہ جان خان، قاضی عطاء اللہ خان، لالہ بھنجو رام گاندھی، گردہاری لال خان حبیب اللہ خان۔ راجہ حیدر زمان حسن علی خان۔ اشیر سنگھ، میاں جعفر شاہ۔ خان جلال الدین خان۔ لالہ کنور بھان، لالہ کیول رام، ڈاکٹر خان صاحب، لالہ کوٹو رام۔ مدن لال، مہرچند کھنہ موہن لال محمد عباس خان، محمد اکبر خان ہوتی، محمد اسلم خان، محمد فرید خان، ارباب محمد شریف خان، خان محمد یحییٰ جان خان، محمد یعقوب خان بنوں، خان محمد یعقوب خان نوشہرہ، خان محمد زمان خان، محمد زرین خان، منفعت اللہ خان، میاں مشرف شاہ، پرتاب سنگھ، پیر شہنشاہ میاں قائم شاہ، نواب قطب الدین، سردار رام سنگھ، صاحب گل خان، سردار بہادر خان، شیو رام، کیپٹن زین خان،

انتخابات کے بعد ۱۲ مارچ ۱۹۴۶ء کو سرحد اسمبلی کا اجلاس صبح دس بجے سردار بہادر خان کی صدارت میں شروع ہوا۔ نواب زادہ اللہ نواز خان کو متفقہ طور پر اسمبلی کا سپیکر اور لالہ گردہاری لال کو بلامقابلہ ڈپٹی سپیکر منتخب کیا گیا۔

قائد اعظم کے سرحد کے دورے کے بعد اور خان عبدالقیوم خان کے مسلم لیگ میں شامل ہونے کے بعد اگرچہ سرحد میں تحریک پاکستان عروج پر تھی مگر انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے

کے لیے کافی وقت کی ضرورت تھی۔ صرف تین ماہ کے قلیل عرصے کی کوششوں سے مسلم لیگ نے ۳۸ مسلم نشستوں میں سے ۱۷ نشستیں حاصل کی تھیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ انتخابات سے قبل سرحد میں مسلم لیگ باقاعدہ منظم نہ تھی۔ خان عبدالقیوم خان کے مسلم لیگ میں آنے کے بعد تحریک میں جان پڑی ان کے کئی دیرینہ ساتھی بھی مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے۔ اسی طرح پیر مانکی شریف، خان محمد عباس خان اور غلام محمد خان لوند خوڑ کی مسلم لیگ میں شمولیت بھی تحریک کی تقویت کا باعث بنی۔ جس کے نتیجے میں اسی اسمبلی کے دوران پاکستان قائم ہوا۔ سرحد میں ریفرنڈم ہوا اور سرحدی باشندوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیئے۔ اسمبلی کے گیارہ غیر مسلم ممبر نقل وطن کر کے بھارت چلے گئے صرف لالہ کوٹو رام نے پاکستان میں قیام کو ترجیح دی چنانچہ بقیہ ممبران نے پاکستان کے قیام کے بعد پاکستان کے آئین کے تحت ۱۵ مارچ ۱۹۴۶ کو سرحد اسمبلی میں حلف وفاداری اٹھایا۔

۱۹۴۶ء کے انتخابات کے موقع پر مسلم لیگ کا انتخابی منشور

قیام پاکستان سے پہلے ہندوستان بھر میں جو انتخابات ہوئے ان انتخابات میں مسلم لیگ نے ہندوستان کے مسلمانوں سے مندرجہ ذیل وعدے کے مطابق ووٹ حاصل کرنے کی اپیل کی۔

کامل آزاد مسلم ریاستوں کے قیام کی جدوجہد بدیں طور کہ جغرافیائی اعتبار سے جو یونٹ ایک دوسرے سے ملحق نہیں انہیں ضروری ترمیمات اراضی کے بعد ایسے قطعات کی صورت میں متعین و متشکل کیا جائے گا کہ جن علاقوں میں مسلمان بلحاظ تعداد اکثریت میں ہیں مثلاً ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی منطقوں میں انہیں ایک زمرہ میں شامل کر کے عملی طور پر خود مختار اور مکمل اسلامی ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے۔

مذکورہ بالا یونٹوں اور منطقوں کے دستور اساسی میں اقلیتوں کے مشورے سے ان کے مذہبی، تہذیبی، اقتصادی، سیاسی انتظامی اور دیگر حقوق اور مفاد کی نگہداشت کیلئے بالصراحت معقول، موثر اور عملی تحفظات رکھے جائیں گے۔

۳۔ مسلمانان ہند کے سیاسی مذہبی اور دیگر حقوق اور مفاد کی حفاظت اور ترقی۔

۴۔ مسلمانوں اور دوسری قوموں کے درمیان دوستانہ تعلقات اور اتحاد کی جدوجہد۔

۵۔ ہندوستان کے مسلمانوں اور دوسرے ممالک کے مسلمانوں کے درمیان رشتہ اخوت کا قیام اور استحکام۔

مذکورہ بالا انتخابی منشور دراصل مسلم لیگ کا منشور تھا جس کے ذریعے وہ آزادی کے لئے جدوجہد کر رہی تھی اسی منشور کے تحت ہندوستان کے مسلمانوں نے مسلم لیگ کے حق میں ووٹ دیتے ان انتخابات میں سرحد میں مسلم لیگ نے صرف ۱۷ نشستیں حاصل کیں جن میں اکثریت ہزارے کے ممبروں کی تھی۔

سرحد اسمبلی کا دوسرا انتخاب ۱۹۴۶ء میں ہوا۔ اس منتخب اسمبلی نے ۱۲ مارچ ۱۹۴۶ء کو حلف اٹھایا۔ جولائی ۱۹۴۷ء میں سرحد میں ریفرنڈم ہوا۔ تاکہ سرحد کے عوام یہ رائے دے سکیں کہ آیا وہ سرحد کو پاکستان کا ایک حصہ بنانا چاہتے ہیں یا سرحد کو بھارت میں مدغم کرنا چاہتے ہیں سرحد کے عوام نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیتے چنانچہ اس دوسری اسمبلی کے قیام کے دوران ہی ۱۴ اگست ۱۹۴۷ کو پاکستان عالم وجود میں آیا اس وقت صوبہ سرحد میں کانگرس وزارت تھی ڈاکٹر خان صاحب سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے۔ ۲۲ اگست ۱۹۴۷ء کو کانگرس وزارت ختم کردی گئی اور مسلم لیگ کی وزارت قائم ہوئی۔ اسمبلی کے ہندو ممبر بارہ تھے جن میں سے گیارہ ہندوستان چلے گئے صرف بنوں کے ممبر لالہ کوٹورام سرحد میں ہی رہے۔ غیر مسلم ممبروں کے بھارت جانے کی وجہ سے سرحد اسمبلی میں ممبروں کی تعداد ۳۹ باقی رہ گئی جنہوں نے ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو پاکستان کے آئین کے تحت حلف اٹھایا۔

قیام پاکستان کے بعد

پاکستان کے قیام اور کانگرس وزارت کے خاتمے کے بعد گورنر سرحد نے اسمبلی میں حزب اختلاف کے لیڈر اور اسمبلی کے قائد خان عبدالقیوم خان کو وزارت بنانے کی دعوت دی۔ ۲۲ اگست ۱۹۴۷ء کی شام کو خان عبدالقیوم خان نے اپنی کابینہ کے لئے وزراء کی فہرست گورنر سرحد کو پیش کی۔ گورنر کی اس پیش کش کے بعد سرحد میں وزارتی سطح پہ جوڑ توڑ شروع ہوئے ہر لیڈر یہ چاہتا تھا کہ اسے کابینہ میں لیا جائے۔ خان عبدالقیوم خان نے تدبر سے کام لیتے ہوئے صرف سرحد کی سابق کانگرسی کابینہ کے ایک سابق وزیر خان محمد عباس خان کو اپنے ساتھ لیا اور وزارت مرتب کر لی۔ یہ کابینہ صرف دو ارکان پر مشتمل تھی۔

وزیر اعلیٰ	خان عبدالقیوم خان
وزیر مال	خان محمد عباس خان

اپریل ۱۹۴۸ء کو قائد اعظم نے گورنر جنرل کی حیثیت سے سرحد کا دورہ کیا۔ قائد اعظم نے سرحد میں ایک کامیاب وزارت کے قیام کیلئے وزارت میں توسیع کا مشورہ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ قائد اعظم کا یہ نظریہ تھا کہ پاکستان کی تعمیر کیلئے پارٹی بازی کی لعنت کو ختم کر کے تمام قوم کو متحدہ طور پر تعمیر وطن کیلئے جدوجہد کرنا چاہیئے۔ قائد اعظم نے اپنا نظریہ سرحد مسلم پارٹی کے اکابرین کے سامنے پیش کیا اور مشورہ دیا کہ خدائی خدمتگار تحریک کے مؤثر افراد کو وزارت میں لے لیا جائے تاکہ سرحد کی وزارت مضبوط اور پائیدار ہو اور تعمیری پروگراموں پر متفقہ لائحہ عمل سے عمل درآمد کیا جا سکے۔ مسلم لیگ پارٹی نے وزارت کی توسیع سے سختی سے انکار کر دیا۔ قائد اعظم نے گورنمنٹ ہاؤس میں مسلم لیگ کے لیڈروں کو کافی سمجھایا آخر کار یہ طے پایا کہ وزارت میں توسیع ہونا چاہیئے۔ خان قیوم

خان نے میاں جعفر شاہ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ وزارت میں شامل ہو جائیں قائد اعظم نے روانگی کے وقت میاں جعفر شاہ کو وزارت میں لینے کی منظوری دی۔ اس کے بعد کابینہ مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل بنی۔

وزیر اعلیٰ	خان عبدالقیوم خان
وزیر مال	خان محمد فرید خان
وزیر تعلیم	میاں جعفر شاہ

یہ وزارت سرحد اسمبلی کے تیسرے جنرل انتخابات تک یعنی ۱۹۵۱ء تک رہی

۱۹۵۱ء کے انتخابات

۱۹ مارچ ۱۹۵۱ء کو پاکستان کے گورنر جنرل نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء اور انڈیا سنٹرل گورنمنٹ اور صوبائی مجلس آئین ساز قانون مجریہ ۱۹۴۶ء میں ترمیم کرتے ہوئے پاکستان میں انتخابات کے انعقاد کا اعلان کیا۔ اس ترمیمی ایکٹ کے نفاذ سے پہلے صوبہ سرحد میں اسمبلی کے ممبروں کی تعداد پچاس تھی جو آبادی کے تناسب کے لئے کم تھی کیونکہ ان پچاس ممبروں میں سے ہر ممبر صرف ۴۰ ہزار افراد کی نمائندگی کرتا تھا۔ صوبہ سرحد کی سابق اسمبلی ۱۰ مارچ ۱۹۵۱ء کو صوبہ سرحد کے گورنر کے حکم سے ختم کر دی گئی تھی۔ نئے ترمیمی ایکٹ مجریہ ۱۹۵۱ء کے تحت صوبہ سرحد میں آبادی کے تناسب کے لحاظ سے اسمبلی کے ممبروں کی تعداد ۸۵ کر دی گئی اس ایکٹ کی رو سے ووٹروں کی نئے سرے سے فہرستیں تیار کی گئیں اور نئی حلقہ بندیاں کی گئیں چنانچہ یکم مئی ۱۹۵۱ء کو حکومت پاکستان نے ایک کمیٹی قائم کی جس نے مکمل تحقیق اور چھان بین کے بعد نئی حلقہ بندیوں کی رپورٹ حکومت کو پیش کی ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق صوبہ سرحد کی آبادی ۳۲۲۹۰۰۰ تھی جس کے مطابق ۸۲

سیٹیں مسلمان ممبروں کے لئے دو مسلمان عورتوں کے لئے اور ایک جنرل سیٹ مخصوص کی گئی صوبہ سرحد میں یہ پہلا موقع تھا کہ سرحد کی عورتوں کیلئے دو سیٹیں مخصوص کی گئیں تاکہ سرحدی عورتیں بھی ملکی سیاسیات اور ملکی تعمیر میں حصہ لے سکیں عورتوں کی ان دو سیٹوں میں سے ایک سیٹ پشاور شہر اور کنٹونمنٹ پر مشتمل تھی اور دوسری سیٹ صوبہ سرحد کے قصبوں اور سرحد کے باقی اضلاع کے کنٹونمنٹ پر مشتمل تھی۔

غیر مسلموں کی آبادی سرحد میں بیس ہزار نہ تھی پھر بھی ان کے لئے ایک سیٹ مخصوص کی گئی تاکہ سرحد کے اقلیتی باشندے یہ احساس نہ کر سکیں کہ پاکستان میں ان کی کوئی شنوائی یا نمائندگی نہیں ہے۔

حلقہ بندی کے لحاظ سے پشاور کو ۲۳، ہزارہ کو ۱۲ مردان کو ۱۵ کوہاٹ کو ۸ بنوں کو ۸، ڈیرہ اسمٰعیل خان کو ۷ عورتوں کو دو اور اقلیتی فرقوں کو ایک سیٹ دی گئی۔ ۶ نومبر ۱۹۵۱ء کو ووٹروں کی فہرستیں شائع ہوئیں۔ درج شدہ ووٹروں کی تعداد ۱۵،۱۶۳۴۷ تھی جس میں سے ۷۷،۷۴۴ ووٹ عورتوں کی دو سیٹوں کے لئے مخصوص تھے اور ۵۶۱۸ اقلیتی فرقے کے لوگوں کے ووٹ تھے۔

۸ نومبر ۱۹۵۱ء کو ۲۹۶ ممبروں نے سرحد کے ریٹرننگ افسروں کے سامنے کاغذات نامزدگی داخل کئے۔ ان میں سے ۲۴۶ ممبروں کے کاغذات نامزدگی درست قرار دیئے گئے ضلع ہزارہ میں ۲۶ نومبر ۱۹۵۱ء کو پولنگ کی ابتدا ہوئی ہزارہ کے بعد صوبہ سرحد کے باقی اضلاع میں پولنگ ہوا ۱۲ دسمبر ۱۹۵۱ء کو پولنگ ختم ہوا۔ نو حلقوں میں بلامقابلہ امیدوار کامیاب ہوئے باقی ۷۶ سیٹوں کے لئے منتخب امیدواروں کے درمیان مقابلہ ہوا۔

۱۹۵۱ء کے انتخابات میں صوبہ سرحد میں مسلم لیگ، جناح عوامی لیگ، جماعت اسلامی سرخ پوش، اسلام لیگ، آزاد مسلم لیگ، اور آزاد امیدواروں کے درمیان مقابلہ ہوا مسلم

لیگ نے ان انتخابات میں نظریہ پاکستان کے تحفظ اور ملکی اور قومی ترقی اور یک جہتی کے منشور کے تحت حصہ لیا۔

قائد اعظم اور قائد ملت کے بعد مسلم لیگ کے رہنماؤں اور لیڈروں نے مسلم لیگ کو ذریعہ اقتدار بنا لیا تھا۔ بعض مخلص اور دیرینہ مسلم لیگیوں نے ان اقتدار پرستوں کے خلاف آواز بلند کی اور مسلم لیگ کو اقتدار کا ذریعہ بنانے والوں کے خلاف محاذ قائم کیا، تو مسلم لیگ کے بعض رہنماؤں نے اور صوبائی صدروں نے ان مخلص اور دیرینہ کارکنوں کی آواز کو دبانے کی کوشش شروع کر دی۔ یہ دھاندلیاں اس قدر منظر عام پہ آنے لگیں کہ ۱۹۵۱ء کے انتخابات میں تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کیلئے ان لوگوں کو ٹکٹ دیئے جنہوں نے قیام پاکستان اور تحریک پاکستان کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔ ان حالات کو دیکھ کر صوبہ سرحد کے مخلص اور دیرینہ مسلم لیگیوں نے پیر صاحب مانکی شریف کی قیادت میں عوامی لیگ کی بنیاد ڈالی۔ پنجاب میں بھی دیرینہ اور مخلص مسلم لیگیوں نے مسلم لیگ کی دھاندلیوں کا مقابلہ کرنے کیلئے جناح عوامی لیگ کی بنیاد ڈالی۔ بعد میں لاہور میں دونوں جماعتوں کو ایک کر کے اس کا نام عوامی لیگ رکھ دیا گیا اور اس جماعت کو پاکستان بھر کی ایک موثر سیاسی جماعت بنا دیا گیا صوبہ سرحد میں پیر صاحب مانکی شریف عوامی لیگ کی روح رواں تھے۔ ۱۹۵۱ء کا انتخاب بالغ رائے دہی کی بنیاد پہ پاکستان کا پہلا عام انتخاب تھا جس میں مختلف سیاسی پارٹیوں نے حصہ لیا۔ ان دنوں پاکستان کے تمام صوبوں میں مسلم لیگ برسر اقتدار تھی۔ صوبائی مسلم لیگ کا صدر ہی صوبے کا وزیر اعلیٰ تھا انتخابات میں برسر اقتدار پارٹی نے دوسری سیاسی پارٹیوں کو ناکام بنانے کے لئے غیر جمہوری طریقے اختیار کئے یہاں تک کہ بعض امیدواروں کو انتخابات کے دن اغوا کر لیا گیا اور انہیں اپنے حلقہ انتخاب میں کنویسنگ بھی نہ کرنے دی۔

ان انتخابات کے متعلق عام تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ برسر اقتدار پارٹی نے بکس تڑوائے

بوگس ووٹ بکسوں میں ڈلوائے اور طرح طرح کی دھاندلیاں کی گئیں بہرحال انتخابات میں حصہ لینے والے کامیاب امیدوار مندرجہ تھے

حلقہ نیابت	امیدواروں کے نام	کامیاب امیدوار
پشاور ۱ تنگی	عبداللہ خان (آزاد) حاجی محمد علی خان (آزاد) میر عالم خان (مسلم لیگ)	حاجی محمد علی خان (آزاد)
پشاور ۲ شبقدر	فضل الرحمن خان (مسلم لیگ) فضل الٰہی (آزاد) مکرم خان (آزاد)	فضل الرحمن (مسلم لیگ)
پشاور ۳ ٹنکئی	ارباب عطاء اللہ خان (جناح عوامی لیگ) ارباب عبدالرحمن (مسلم لیگ)	ارباب عطاء اللہ خان (جناح عوامی لیگ)
پشاور ۴ متھرا	بابو نور محمد خان (مسلم لیگ) ارباب آصف خان (جناح عوامی لیگ)	ارباب آصف خان (جناح عوامی لیگ)
پشاور ۵ پشتہ خرہ	محمد اسلم خان (مسلم لیگ) ارباب سکندر خان (جناح عوامی لیگ)	محمد اسلم خان (مسلم لیگ)
پشاور ۶ لنڈی	نور محمد خان (مسلم لیگ) صنوبر خان (آزاد)	نور محمد خان (مسلم لیگ)
پشاور ۷ متنی	پیرزادہ احمد گل (جناح عوامی لیگ) ارباب محمد الیاس (مسلم لیگ)	پیرزادہ احمد گل (جناح عوامی لیگ)
پشاور ۸ زیارت کاکا صاحب	میاں جعفر شاہ (مسلم لیگ) میاں مشرف شاہ (جناح عوامی لیگ)	میاں جعفر شاہ (مسلم لیگ)
پشاور ۹ خیرآباد	محمد عبدالحق (مسلم لیگ) بسم اللہ شاہ (جناح عوامی لیگ) محمد نواز خان (آزاد)	محمد عبدالحق (مسلم لیگ)
پشاور ۱۰ بدرشی	میاں اکبر شاہ (مسلم لیگ)، تاج محمد خان (جناح عوامی لیگ)	میاں اکبر شاہ (مسلم لیگ)

حلقہ نیابت	امیدواروں کے نام	کامیاب امیدوار
پشاور ۱۱ نوشہرہ	محمد شمناز خان (مسلم لیگ) سرور شاہ (جناح عوامی لیگ)	محمد شمناز خان (مسلم لیگ)
پشاور ۱۲ پبی	محمد عمر خان (مسلم لیگ) غلام محبوب خان (جناح عوامی لیگ) قیمت شاہ (آزاد) عبدالواحد (آزاد)	محمد عمر خان (مسلم لیگ)
پشاور ۱۳ خانماہی	اکبر شاہ خان (مسلم لیگ) فضل حق شیدا (جناح عوامی لیگ) تاج الملوک (جماعت اسلامی)	اکبر شاہ خان (مسلم لیگ)
پشاور ۱۴ میراتر نگزئی	عبدالکریم خان (مسلم لیگ) قائم شاہ (آزاد)	عبدالکریم خان (مسلم لیگ)
حلقہ پشاور ۱۵ شیرپاؤ	دوست محمد خان (مسلم لیگ) شیر افضل خان (آزاد) صاحبزادہ عبید اللہ (آزاد)	دوست محمد خان (مسلم لیگ)
پشاور حلقہ ۱۶ نستہ	سید عبداللہ جان (مسلم لیگ) محمد طاہر (جناح عوامی لیگ) ارباب محمد سعید (جماعت اسلامی)	سید عبداللہ جان (مسلم لیگ)
پشاور حلقہ ۱۷ پرٹ انگ	شمس الحق خان (مسلم لیگ)	بلا مقابلہ
پشاور حلقہ ۱۸ ترناب	محمد ابراہیم خان (مسلم لیگ) موسیٰ خان (جناح عوامی لیگ) ارباب شیر افضل خان (آزاد)	شیر افضل خان (آزاد)
پشاور حلقہ ۱۹	خان عبدالقیوم خان	بلا مقابلہ
پشاور حلقہ ۲۰ پشاور شہر	محمد اشرف خان (مسلم لیگ) فدا محمد خان (آزاد) مرزا عاشق حسین (اسلام لیگ)	محمد اشرف خان مسلم لیگ

حلقہ نیابت	امیدواروں کے نام	کامیاب امیدوار
پشاور حلقہ ۲۱ پشاور شہر	مرزا عاشق حسین (اسلام لیگ) فدا محمد خان (آزاد) صفیع اللہ خان (مسلم لیگ)	صفیع اللہ خان مسلم لیگ
پشاور حلقہ ۲۲ پشاور شہر	بشیر خان (آزاد) رحیم بخش (آزاد) قاضی صباح الدین (اسلام لیگ) ملک تاج محمد خان (مسلم لیگ)	ملک تاج محمد خان (مسلم لیگ)
پشاور حلقہ ۲۳ ارمڑ	ثمین جان خان (جناح عوامی لیگ) عمرا خان (مسلم لیگ) لیفٹنٹ کرنل میر حیدر خان (آزاد)	ثمین جان خان جناح عوامی لیگ
مردان ۱ بٹزئی خرقی	عبدالغنی خان (مسلم لیگ) محمد گجر خان (جناح عوامی لیگ) محمد اکبر خان (آزاد مسلم لیگ یوسفزئی پارٹی)	عبدالغنی خان مسلم لیگ
مردان ۲ کاٹلنگ	امیر سلطان (مسلم لیگ) اجار بادشاہ (جناح عوامی لیگ) اکبر خان (آزاد مسلم لیگ یوسفزئی پارٹی) گل محمد خان (آزاد)	امیر سلطان (مسلم لیگ)
مردان ۳ افضل آباد	عبدالستار خان (مسلم لیگ) فرید خان (جناح عوامی لیگ) محمد حسین (آزاد)	عبدالستار خان (مسلم لیگ)
مردان ۴ منگا	غلام سرور خان (مسلم لیگ) محمد ایوب خان (آزاد مسلم لیگ) شمس الدین (آزاد)	غلام سرور خان (مسلم لیگ)
مردان ۵ طورو	عزیز اللہ خان (جناح عوامی لیگ)، نور محمد خان (مسلم لیگ)	نور محمد خان مسلم لیگ
مردان ۶ ڈاگئی	محمد ایوب خان (مسلم لیگ) مہربان شاہ (جناح عوامی لیگ)	محمد ایوب خان مسلم لیگ
مردان ۷ بخشالی	ولی محمد خان (مسلم لیگ) امیرزادہ خان (جناح عوامی لیگ) محمد غفران خان (آزاد مسلم لیگ)	ولی محمد خان مسلم لیگ

حلقہ نیابت	امیدواروں کے نام	کامیاب امیدوار
حلقہ ۸ رستم	عبداللہ خان (مسلم لیگ)، جمشید احمد خان (آزاد) رحمت شاہ جناح عوامی لیگ) شاہ پسند خان (آزاد مسلم لیگ، سید کمال شاہ (آزاد)	عبداللہ خان (مسلم لیگ)
مردان حلقہ ۹ شیوہ	بخت جمال (آزاد) پیر محمد (آزاد) سلطان محمد (مسلم لیگ) عمر جنگ (آزاد)	پیر محمد آزاد
مردان ۱۰ ادینہ	نصراللہ جان (آزاد) رحمت خان (آزاد) صیفور خان (مسلم لیگ) تاج محمد (جناح عوامی لیگ)	صیفور خان مسلم لیگ
مردان ۱۱ جلبئی	فضل خان باچا (آزاد) حکمت خان (مسلم لیگ) سرار اللہ (جناح عوامی لیگ) محمد یوسف خان (آزاد)	محمد یوسف خان (آزاد)
مردان ۱۲ تورڈھیر	عبدالرؤف (آزاد) گل محمد خان (مسلم لیگ) شیرین خان (آزاد)	شیرین خان (آزاد)
مردان ۱۳ ادارا	صحبت خان (مسلم لیگ) شیر افضل خان (آزاد) میرغزن خان (جناح عوامی لیگ) عبدالشکور (آزاد)	شیر افضل خان (آزاد)
مردان ۱۴ ٹوپی	محمد عمر خان (مسلم لیگ) عبدالحمید (آزاد) محمد حیات (جناح عوامی لیگ)	محمد عمر خان (مسلم لیگ)
مردان ۱۵	محمد اسحاق خان (مسلم لیگ) محمد عمر خان (آزاد مسلم لیگ)	محمد اسحاق خان مسلم لیگ
کوہاٹ ۱ استرزئی	ایم آر کیانی	بلا مقابلہ
کوہاٹ ۲ ٹل	اثمار دین (مسلم لیگ)	بلا مقابلہ

حلقہ نیابت	امیدواروں کے نام	کامیاب امیدوار
کوہاٹ ۳ ٹیری	محمد اسلم خان (مسلم لیگ)	بلا مقابلہ
کوہاٹ ۴ لتمبر	محمد یوسف خٹک (مسلم لیگ) وطن بادشاہ (آزاد) منہاج الدین (جماعت اسلامی) محمد افضل (جناح عوامی لیگ) باز محمد خان (آزاد)	وطن بادشاہ (آزاد)
کوہاٹ ۵ سراج خیل	صاحب گل (مسلم لیگ) ماسٹر خان گل (جناح عوامی لیگ) محمد زار خان (آزاد) شیر اعظم خان (آزاد)	صاحب گل مسلم لیگ
کوہاٹ ۶ شکر دّرہ	ڈاکٹر خطاب گل (مسلم لیگ) عبدالتواب (جناح عوامی لیگ) پیر معصوم شاہ (آزاد)	پیر معصوم شاہ (آزاد)
کوہاٹ ۷ شیخان	پیر شہنشاہ (مسلم لیگ) قاضی تشفیع الدین (جناح عوامی لیگ) ملک غلام حبیب (آزاد) بہادر شیر خان (آزاد)	پیر شہنشاہ (مسلم لیگ)
کوہاٹ ۸ کوہاٹ	محبت علی خان (مسلم لیگ) فضل کریم آصف (جناح عوامی لیگ)	محبت علی خان مسلم لیگ
بنوں ۱ غوریوالہ	حاجی محمد لطیف (مسلم لیگ) ایم دراز خان (آزاد) ایم حبیب الرحمٰن (آزاد)	حاجی محمد لطیف (مسلم لیگ)
حلقہ ۲ ہیبش خیل	ایم شاہ دراز خان (مسلم لیگ) ایم تاج علی خان (جناح عوامی لیگ)	ایم شاہ دراز خان (مسلم لیگ)
حلقہ ۳ بنوں شہر	محمد یعقوب خان (مسلم لیگ)	محمد یعقوب خان بلا مقابلہ
حلقہ ۴ ماما خیل	ایم ولی خان (مسلم لیگ) ایم حمید اللہ خان (آزاد)	ایم حمید اللہ خان (آزاد)
حلقہ ۵ جانی خیل	ایم سخی جان (مسلم لیگ) ایم محمد خان (آزاد) حبیب اللہ (جناح عوامی لیگ)	ایم سخی جان خان (مسلم لیگ)

حلقہ	امیدوار	کامیاب
حلقہ ۶ غزنی خیل	محمد اکبر خان (آزاد) سیف اللہ خان (مسلم لیگ)	محمد اکبر خان (آزاد)
حلقہ ۷ پیزو	مثال خان (مسلم لیگ) (بلا مقابلہ)	مثال خان (بلا مقابلہ)
حلقہ ۸ لونڑنگ	احیاجان (مسلم لیگ) عطا محمد (آزاد)	احیان جان (مسلم لیگ)
ڈیرہ ۱ پنیالہ	محمد اکبر خان (مسلم لیگ) رب نواز خان (جناح عوامی لیگ)	محمد اکبر خان مسلم لیگ
ڈیرہ ۲ ٹانک	عنایت اللہ خان سردار (جناح عوامی لیگ) محمد حسن حضرت (آزاد) قطب الدین خان نواب آف ٹانک (مسلم لیگ)	قطب الدین خان مسلم لیگ
ڈیرہ ۳ کلاچی	سردار عطاء اللہ خان (جناح عوامی لیگ) سردار عبدالقیوم خان (آزاد) حاجی عطاء اللہ خان (مسلم لیگ)	حاجی عطاء اللہ خان (مسلم لیگ)
ڈیرہ ۴ پروہ	نوابزادہ اللہ نواز خان (مسلم لیگ) محمد عبداللطیف صاحب (جناح عوامی لیگ	نوابزادہ اللہ نواز مسلم لیگ
ڈیرہ ۵ بند کورائی	حاجی عبداللہ خان (مسلم لیگ) سردار عطاء اللہ خان (جناح عوامی لیگ سید اکبر خان (آزاد)	حاجی عبداللہ خان جناح عوامی لیگ
ڈیرہ ۶	محمود علی قادری (مسلم لیگ) محمد عبداللطیف (جناح عوامی لیگ) قیوم نواز خان (آزاد)	محمود علی قادری مسلم لیگ
ڈیرہ ۷ پہاڑپور	نواب محمد نصراللہ خان (مسلم لیگ) غلام ربانی خان (جناح عوامی لیگ سید اکبر خان (آزاد)	نواب نصراللہ خان مسلم لیگ

ہزارہ ۱ کاغان	سید محمود شاہ (مسلم لیگ) غلام حسین خان (آزاد)	سید محمود شاہ مسلم لیگ
ہزارہ ۲ بالاکوٹ	خان بہادر خان (مسلم لیگ) محمد نسیم خان (آزاد) مفتی محمد ادریس (جناح عوامی لیگ)	خان بہادر خان مسلم لیگ
ہزارہ ۳ بوئی	عبدالغنی (آزاد) صوفی غلام حسین (آزاد) محمد عقیق اللہ (مسلم لیگ) سلطان حسین علی خان (آزاد)	محمد عقیق اللہ مسلم لیگ
ہزارہ ۴ لورا	غلام صفدر (آزاد) سردار خان (مسلم لیگ)	سردار خان مسلم لیگ
ہزارہ ۵ خانپور	راجہ رکن الزمان خان (مسلم لیگ) میجر فیروز خان (آزاد) عبدالرحمان (آزاد)	راجہ رکن الزمان مسلم لیگ
ہزارہ ۶ کوٹ نجیب اللہ	صوبیدار میر داد خان (مسلم لیگ) سلطان محمد خان (آزاد) سلطان محمد خان ریحانہ (جناح عوامی لیگ) عبدالمجید (آزاد) محبوب الٰہی (آزاد)	صوبیدار میرداد خان (مسلم لیگ)
ہزارہ ۷ ہری پور	خواجہ محمد خان (آزاد) حکیم عبدالسلام (مسلم لیگ) محمد اسلم خان (آزاد) گوہر الرحمان (آزاد)	خواجہ محمد خان آزاد
ہزارہ ۸ کھلابٹ	خان بہادر محمد زمان خان (مسلم لیگ) راجہ محمد ایوب خان (آزاد) میجر غازی محمد یوسف (آزاد) محمد نواز خان (آزاد) سید صفدر زمان شاہ (آزاد) ڈاکٹر محمد حسین (آزاد) راجہ احمد خان (آزاد)	خان بہادر محمد زمان خان مسلم لیگ
ہزارہ ۹ غازی	محمد اسلم خان (آزاد) غلام جان خان (مسلم لیگ) محمد زمان خان (آزاد) مہدی زمان خان (جناح عوامی لیگ)	محمد اسلم خان (آزاد)
ہزارہ ۱۰ لالوگلی	عبدالحئی لودھی (مسلم لیگ) محمد فرید خان (آزاد)	عبدالحئی لودھی مسلم لیگ

ہزارہ ۱۱ دربند	خان عبدالقیوم خان (مسلم لیگ)	بلا مقابلہ
ہزارہ ۱۲ اوگی	کپٹن آدم خان (مسلم لیگ) فقیر خان (جناح عوامی لیگ) غلام ربانی خان (آزاد)	کپٹن آدم خان مسلم لیگ
ہزارہ ۱۳ بفہ	شاد محمد خان (مسلم لیگ) عبدالقیوم خان (جناح عوامی لیگ)	شاد محمد خان مسلم لیگ
ہزارہ ۱۴ شنکیاری	خداداد خان (مسلم لیگ) محمد ہارون خان (جناح عوامی لیگ) محمد عمر (آزاد)	خداداد خان مسلم لیگ
ہزارہ ۱۵ مانسہرہ	امیر عالم اعوان (مسلم لیگ) احمد حنیف خان (جناح عوامی لیگ) محمد افضل خان (آزاد) محمد ایوب خان (آزاد)	امیر عالم اعوان مسلم لیگ
ہزارہ ۱۶ ہر	عزیز محمد خان (آزاد) محمد فرید خان (مسلم لیگ)	محمد فرید خان (مسلم لیگ)
ہزارہ ۱۷ مانسہرہ	عبدالحئی (مسلم لیگ) شاہ اسمٰعیل (آزاد) پیر محمد کامران (آزاد) محمد سرور خان (آزاد)	عبدالحئی مسلم لیگ
ہزارہ ۱۸ بگان	محمد اسلم خان (مسلم لیگ) محمد صنوبر خان (آزاد) تاج محمد خان (آزاد)	محمد اسلم خان مسلم لیگ
ہزارہ ۱۹ باغ	عبدالعزیز خان (آزاد) داون خان (آزاد) جہانداد خان (آزاد) محمد شریف خان (آزاد) سمندر خان (آزاد) سکندر شاہ (جناح عوامی لیگ) ولی محمد خان (مسلم لیگ)	ولی محمد خان مسلم لیگ
ہزارہ ۲۰ دھمتوڑ	فقیرا خان (آزاد) گوہر رحمان خان (مسلم لیگ) شیخ فرید (آزاد) سردار شاہ (آزاد)	فقیرا خان آزاد
ہزارہ ۲۱ ایبٹ آباد	عبدالعزیز ہاشمی (آزاد) عبدالقیوم خان (آزاد) حاجی احمد (آزاد) محمد جلال الدین خان (مسلم لیگ)	عبدالعزیز ہاشمی (آزاد)

حلقہ نیابت	زنانہ حلقہ	کامیاب امیدوار
پشاور ۱ پشاور شہر اور صدر	ممتاز جمال (مسلم لیگ) شیریں وہاب (آزاد) اسلام اختر (اسلام لیگ)	ممتاز جمال مسلم لیگ
پشاور ۲ میونسپلٹی کے علاقے	زری سرفراز (مسلم لیگ)	بلا مقابلہ بیگم زری سرفراز
غیر مسلم جنرل حلقہ	جی ایس گڈون (آزاد) بیگم ای پی گڈون (آزاد) جیمس سی پال (آزاد) جانداز (آزاد) جے میگی خان (آزاد) ایس پی فلپس (آزاد)	جیمس سی پال (آزاد)

۱۹۵۱ء کے انتخابات کے بعد جب کامیاب امیدواروں کا اعلان ہوا تو ۱۰ جنوری ۱۹۵۲ کو ممبروں نے حلف اٹھایا۔ سپیکر کا انتخاب ہوا۔ اور اسمبلی کے قائد کا انتخاب اسی دن عمل میں لایا گیا۔ مسلم لیگ پارٹی نے ۶۷ نشستیں جیتی تھیں اسمبلی میں اس کی اکثریت تھی تیرہ آزاد امیدوار تھے چار حزب اختلاف سے تعلق رکھتے تھے جو جناح عوامی مسلم لیگ کے ٹکٹ پہ کامیاب ہوئے تھے۔

ہزارہ کے مسلم حلقوں میں ضمنی انتخاب ۱۱ نومبر ۱۹۵۱ء کو ہوئے۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان میں ۶ نومبر ۱۹۵۱ء اور پشاور کے مسلم حلقے میں ۷ نومبر ۱۹۵۱ء کو ہوئے۔ خان عبدالقیوم خان کے مستعفی ہو جانے کی وجہ سے حلقہ ۱ پشاور کی نشست خالی ہو چکی تھی کیونکہ انہوں نے دو حلقوں سے انتخاب لڑا تھا۔ محمد داؤد خان جو مسلم لیگی امیدوار تھے وہ بلا مقابلہ اس حلقے سے کامیاب ہوئے۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان کے حلقہ ۶ سے سردار عبدالرشید خان بلا مقابلہ کامیاب ہوئے۔ پشاور کے حلقہ ۷ کی نشست پیرزادہ احمد گل کے مستعفی ہو جانے کی وجہ سے خالی ہو گئی تھی۔ یہ نشست مسلم لیگی امیدوار کرنل میر حیدر نے حاصل کر لی۔ انتخابات کے نتیجے کے طور پہ مردان کے ۱ اور ۲

حلقوں سے الیکشن پٹیشنز داخل کی گئیں اسی طرح ہزارہ کے حلقہ ۱۲ کے تین امیدواروں کو الیکشن اتھارٹی کی سفارشات کی بنیاد پر گورنر نے نااہل قرار دیا تھا ان حلقوں کے ضمنی انتخابات اگست ۱۹۵۱ء میں ہوئے۔

حلقہ بندی کے جنرل اصول کے تحت صوبائی اسمبلی میں چالیس ہزار کیلئے ایک امیدوار تھا مردان کے قبائلی علاقوں کے لئے ایک نشست اور ہزارہ کے قبائلی علاقوں کے لئے دو نشستیں مخصوص کی گئیں چار سیٹیں ہزارہ کے کوہستانی علاقے کے لئے مخصوص کر دی گئی تھیں۔

سرحد کے قبائلی علاقوں کو اسمبلی میں نمائندگی نہیں دی گئی تھی کیونکہ سرحد کے قبائلی علاقوں کا نظم ونسق براہ راست مرکز کے پاس تھا۔ انتخابات کے سرکاری نتائج کے اعلان کے بعد گورنر سرحد نے اسمبلی میں اکثریتی پارٹی کے قائد خان عبدالقیوم خان کو وزارت بنانے کی دعوت دی کابینہ مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل تھی۔

وزیر اعلیٰ	خان عبدالقیوم خان
وزیر تعلیم	میاں جعفر شاہ
وزیر مال	سالار محمد ایوب خان
وزیر لوکل سیلف گورنمنٹ	خان جلال الدین خان
وزیر صحت	ملک الرحمٰن کیانی

اس کابینہ میں مندرجہ ذیل پارلیمنٹری سیکرٹری مقرر کئے گئے۔

محمد اسلم خان چیف پارلیمنٹری سیکرٹری برائے وزیر تعلیم ، مرزا شمس الحق پارلیمنٹری سیکرٹری برائے وزیر اعلیٰ۔ سالار محمد یعقوب خان پارلیمنٹری سیکرٹری برائے وزیر لوکل سیلف راجہ سردار خان پارلیمنٹری سیکرٹری برائے وزیر صحت ۔ نواب قطب الدین خان پارلیمنٹری سیکرٹری برائے وزیر مال ۔

یہ کابینہ اپریل ۱۹۵۳ء تک رہی پھر خان عبدالقیوم خان کو مرکز میں وزیر مواصلات لے لیا گیا اور سرحد کے انسپکٹر جنرل پولیس سردار عبدالرشید کو ۲۳ / اپریل ۱۹۵۳ء کو سرحد کا وزیر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ سردار عبدالرشید کی کابینہ نے ۲۳ / اپریل ۱۹۵۳ء کو حلف اٹھایا۔ یہ کابینہ مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل تھی۔

وزیر اعلیٰ	سردار عبدالرشید
وزیر تعلیم	میاں جعفر شاہ
وزیر صحت	مرزا شمس الحق
وزیر تعمیرات	ملک الرحمان کیانی
وزیر مال	سالار محمد ایوب خان
وزیر بلدیات	محمد فرید خان اگست ۱۹۵۳ء کو لئے گئے

اس کابینہ میں مندرجہ ذیل اسمبلی کے ممبران کو پارلیمنٹری سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ محمد اسلم خان چیف پارلیمنٹری سیکرٹری، ارباب نور محمد خان پارلیمنٹری سیکرٹری برائے وزیر اعلیٰ، خواجہ محمد خان پارلیمنٹری سیکرٹری برائے وزیر خزانہ، مسٹر محمد زمان خان پارلیمنٹری سیکرٹری برائے وزیر تعلیم، نواب قطب الدین خان پارلیمنٹری سیکرٹری برائے وزیر مال، محمد یعقوب خان پارلیمنٹری سیکرٹری برائے وزیر بلدیات۔ راجہ سردار خان پارلیمنٹری سیکرٹری برائے وزیر تعمیرات، یہ کابینہ ۱۸ / جولائی ۱۹۵۵ء تک رہی۔ اور اس کے بعد گورنر سرحد نے سردار بہادر خان کو سرحد میں نئی کابینہ بنانے کی دعوت دی۔ یہ کابینہ ۲۹ / جولائی ۱۹۵۵ء سے ۱۴ / اکتوبر ۱۹۵۵ء تک رہی۔ کابینہ مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل تھی۔

وزیر اعلیٰ	سردار بہادر خان
وزیر تعمیرات	ملک الرحمٰن کیانی
وزیر مال	سالار محمد ایوب

وزیر بلدیات	خان محمد فرید خان
وزیر تعلیم	ارباب نور محمد خان

یہ کابینہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۵ء تک رہی۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو صوبہ سرحد کی صوبائی حیثیت ختم کر کے اسے مغربی پاکستان کی وحدت میں شامل کر لیا گیا۔ مغربی پاکستان کے صوبے کے لئے عبوری دور کے لئے جو کابینہ بنی اس میں سرحد سے دو افراد لئے گئے ایک ڈاکٹر خان صاحب جو مغربی پاکستان کے وزیر اعلیٰ بنائے گئے، دوسرے سردار بہادر تھے جنہیں مغربی پاکستان کی عبوری کابینہ میں وزیر لیا گیا۔

صوبہ سرحد اور ون یونٹ

۱۹ ستمبر ۱۹۵۵ء کو پاکستان کے گورنر جنرل غلام محمد کے مستعفی ہونے کے بعد میجر جنرل سکندر مرزا پاکستان کے گورنر جنرل مقرر ہوئے۔ سکندر مرزا کے دور میں ۳۰ ستمبر ۱۹۵۵ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ون یونٹ کا بل پاس کیا ون یونٹ کی حمایت میں ۴۳ اور مخالفت میں صرف تیرہ ووٹ تھے۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو رات ۱۲ بجکر ایک منٹ پہ حکومت پاکستان کی طرف سے ون یونٹ کے منصوبے کی تکمیل کا اعلان کیا گیا اس اعلان کے مطابق پنجاب، سرحد، سندھ، خیر پور، بلوچستان، قلات ریاست بہاولپور وغیرہ کی انفرادی حیثیت ختم کر کے ان تمام کو ایک صوبے میں مدغم کر دیا گیا صوبے کا نام ون یونٹ یا صوبہ مغربی پاکستان رکھا گیا۔ مذکورہ منصوبے کی تکمیل کا اعلان ایک آرڈی ننس کے ذریعے کیا گیا۔ اس آرڈی ننس کے اطلاق کے بعد سرحد کو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت جو صوبائی خود مختاری حاصل تھی وہ ختم کر دی گئی اور صوبہ سرحد کو دو کمشنریوں میں تبدیل

کر دیا گیا۔ ایک کمشنری کا صدر مقام پشاور اور دوسری کمشنری کا صدر مقام ڈیرہ اسمٰعیل خان بنایا گیا۔ میاں مشتاق احمد گورمانی کو مغربی پاکستان کے صوبے کا گورنر مقرر کیا گیا۔ نئے انتخابات تک مغربی پاکستان کی سات وزراء پر مشتمل ایک کابینہ بنائی گئی سرحد کے مشہور سرخپوش لیڈر ڈاکٹر خان صاحب کو مغربی پاکستان کی عبوری کابینہ میں وزیر اعلیٰ بنایا گیا امن عامہ اور عام نظم و نسق کے محکمے ان کے حوالے کئے گئے سردار بہادر خان کو جو ان دنوں صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے مغربی پاکستان کی عبوری کابینہ میں شامل کیا گیا

مغربی پاکستان اسمبلی میں سرحدی نمائندگی: ۱۲ جنوری ۱۹۵۶ء کو مغربی پاکستان اسمبلی کیلئے امیدواروں نے کاغذات نامزدگی داخل کئے۔ مغربی پاکستان اسمبلی کے ممبروں کا انتخاب عوامی سطح پر نہیں کیا گیا بلکہ سابق صوبائی اسمبلیوں کے ممبروں نے انتخاب میں حصہ لیا ان ممبروں نے اسمبلی کے ممبروں میں سے اپنی اپنی پسند کے ممبروں کو ووٹ دیئے البتہ یہ بات خاص کر قابل ذکر ہے کہ مغربی پاکستان اسمبلی میں سرحد کے قبائلی علاقوں اور سرحدی ریاستوں کو بھی نمائندگی دی گئی اس طرح انتخابات کے بعد مغربی پاکستان اسمبلی میں سرحدی اضلاع سرحد کے قبائلی علاقوں اور سرحدی ریاستوں کی مندرجہ ذیل نمائندگی تھی۔

ضلع پشاور ۔ تعداد نشست = ۱۲

سید عبداللہ جان ساکن چارسدہ، مولانا محمد عبدالحق ساکن اکوڑہ خٹک، محمد اشرف خان ساکن پشاور شہر، خان محمد اسلم خان ساکن پشتنخرہ۔ خان محمد شماس خان ساکن نوشہرہ بیگم ممتاز جمال ساکن پشاور شہر، ارباب نور محمد خان ساکن لنڈی، خان صفی اللہ خان ساکن بھانہ ماڑی۔ ارباب شیر افضل خان ساکن ترناب، سردار عبدالرشید خان ساکن پشاور، خان عبدالقیوم خان ساکن پشاور شہر۔ ۱۹۵۷ء میں خان محمد نثار خان اور محمد عمر خان ممبر منتخب ہوئے ۱۹۵۸ء میں امیر محمد خان ساکن ہوتی ممبر منتخب ہوئے۔

ضلع کوہاٹ۔ تعداد نشست = ۴

خان مہابت خان۔ سالار محمد اسلم خان احمدی بانڈہ۔ ملک عثمان دین ساکن ٹل، وطن بادشاہ ساکن بہادر خیل۔

ضلع بنوں تعداد نشست = ۴

خان مشال خان ساکن بیگو خیل۔ خان محمد اکبر خان ساکن نار صاحبداد، خان محمد نذیر خان ساکن غوریوالہ خان سخی جان خان ساکن غوریوالہ۔

ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان تعداد نشست = ۴

حاجی عبداللہ جان ساکن پوٹہ۔ حاجی عطاء اللہ خان ساکن گرڑھی عمر خان، نواب نصر اللہ خان۔ نواب قطب الدین خان ساکن ٹانک۔

ضلع مردان تعداد نشست = ۸

خان عبدالغنی خان خٹک ایڈوکیٹ۔ خان عبداللہ خان۔ خان امیر سلطان خان جمال گرڑھی کاٹلنگ، خان محمد یوسف خان۔ خان پیر محمد خان ساکن صوابی۔ خان شیرین خان ساکن تور ڈھیر بیگم زری سرفراز ساکن مردان۔ خان نور محمد خان مردان۔

ضلع ہزارہ تعداد نشست = ۱۰

خان فقیرا خان جدون ایبٹ آباد۔ خان خواجہ محمد خان ساکن درویش۔ سید محمود شاہ ساکن کاغان۔ خان محمد اسلم خان ساکن تربیلہ۔ خان محمد فرید خان ساکن بٹشیر۔ راجہ کن ارمان خان ساکن خان پور۔ خان شاد محمد خان ساکن ٹبل، خان ولی محمد خان ساکن بانڈہ پیر خان، خان

خداداد خان ساکن بھوگر منگ، خان محمد اسلم خان ساکن بگان۔

کرم ایجنسی۔ تعداد نشست = ۲

غلام شاہ بخاری۔ حاجی نصر اللہ خان توری حمزہ خیل

ملاکنڈ ایجنسی۔ پروٹیکٹڈ علاقہ۔ تعداد نشست - ۱

خان حبیب اللہ خان ساکن تھانہ۔

ملاکنڈ ایجنسی غیر پروٹیکٹڈ علاقہ۔ تعداد نشست = ۲

"قاضی عبدالحلیم اثر افغانی ساکن تخت بھائی، خان نور محمد خان ساکن باجوڑ۔

ساؤتھ وزیرستان تعداد نشست = ۲

خان مشال خان جلال خیل ساکن سروکئی، خان محمد امین جان شمن خیل ساکن جنڈولہ۔

نارتھ وزیرستان تعداد نشست = ۲

سردار حبیب اللہ خان نوری خیل۔ خان نور اعظم خان۔

مہمند ایجنسی تعداد نشست = ۲

ملک عبدالجبار خان ساکن ڈب کورونہ شبقدر، خان محمد یوسف خان ترکزئی مہمند

قبائلی علاقہ ملحقہ کوہاٹ۔ تعداد نشست = ۲

میجر جنرل (ریٹائرڈ) جالدار خان، ساکن ہنگو۔ اخوندزادہ محمد سعید خان۔

سوات ۔ تعداد نشست = ۶

خان فتح محمد خان ساکن مٹہ، خان کامران خان ساکن منگورہ، میاں گل اورنگزیب ساکن سیدو شریف ۔ خان محمد آفرین خان ساکن چکیسر، سید سکندر شاہ ساکن ڈگر۔ ڈاکٹر خان صاحب ساکن اتمان زئی۔

۱۹۵۸ء میں ڈاکٹر خان صاحب کی جگہ خان سعد اللہ خان ممبر منتخب ہوئے۔

چترال ۔ تعداد نشست = ۱

جعفر علی شاہ۔

خیبر ایجنسی ۔ تعداد نشست = ۳

ملک عبد اللطیف ساکن لنڈی کوتل، میر رحمان قنبر خیل ساکن تیراہ۔ خان محمد علی خان آفریدی

قبائلی علاقہ ملحقہ ہزارہ و مردان تعداد نشست = ۶

خان افتخار حسین خان ممدوٹ ساکن پنجاب ۔ خان محمد ایوب خان ساکن علائی خان محمد زرین خان ساکن علائی ۔ خان ملنگ خان ساکن تیگرام محمد رستم خان ساکن بل، سید محمد علی شاہ ساکن ستھانہ۔

۱۹۵۸ء میں سید محمد علی شاہ کی جگہ یوسف خٹک ممبر منتخب ہوئے۔

دیر ۔ تعداد نشست = ۲

(مغربی پاکستان کابینہ میں سرحدی نمائندگی)

۱۴ اکتوبر سنہ ۱۹۵۵ء سے جنوری سنہ ۱۹۵۶ء تک

ڈاکٹر خان صاحب	وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان
سردار بہادر خان	وزیر کابینہ

(انتخابات ۱۹۵۷ء کے بعد مغربی پاکستان کابینہ میں سرحدی نمائندگی)

ڈاکٹر خان صاحب	وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان
سردار عبدالرشید خان پشاور	وزیر اطلاعات و خزانہ
خان خداداد خان ہزارہ	وزیر صحت
ارباب نور محمد خان پشاور	نائب وزیر صحت
خان سخی جان خان بنوں	نائب وزیر خزانہ

(۱۹۵۷ء میں مغربی پاکستان کابینہ میں سرحدی نمائندگی)

سردار عبدالرشید خان	وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان
خان خداداد خان	وزیر صحت و آبپاشی اور ترقیات
خان سخی جان خان	نائب وزیر صحت

(۱۹۵۸ء میں مغربی پاکستان کابینہ میں سرحدی نمائندگی)

ارباب نور محمد خان پشاور	وزیر محصولات و آبکاری
خان خداداد خان ہزارہ	وزیر صحت
نواب کرنل محمد امیر خان آف ہوتی	وزیر سپلائی و دیہی ترقیات
خان سعد اللہ خان ساکن چارسدہ	وزیر مواصلات شہری منافع
خان سخی جان خان بنوں	نائب وزیر دیہی ترقیات و آبپاشی
بیگم ممتاز جمال پشاور	نائب وزیر صحت

پارلیمانی سیکرٹری

خان صفی اللہ خان پشاور۔ خان ملنگ خان ہزارہ۔

مسٹر اربہادر خان مغربی پاکستان کی کابینہ سے الگ ہونے کے بعد مغربی پاکستان اسمبلی میں حزب اختلاف کے لیڈر منتخب ہوئے تھے مگر ۱۶ر جولائی ۱۹۵۶ء کو حکومت مغربی پاکستان نے انتخابی ٹربیونل کی رپورٹ اور فیصلے کی بنا پر مسٹر اربہادر خان۔ قریشی خان، سعد اللہ خان ملک گنجو خان۔ محمد ایوب خان اور رستم خان کو اسمبلی کی رکنیت سے نا اہل قرار دے دیا تھا۔

ملک کے جمہوری ادارے وزارتوں کے جوڑ توڑ میں مصروف تھے۔ ملک میں بالغ رائے دہی کی بنیادوں پر انتخابات کے لئے عوام سے وعدے ہو رہے تھے کہ اچانک ۱۹۵۸ء میں پاکستان کی بری فوج کے کمانڈر انچیف فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے فوجی انقلاب کے ذریعے ملک کا اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جمہوری ادارے معطل کر دیئے گئے سیاسی جماعتیں خلاف قانون قرار دے دی گئیں ملک کے دونوں حصوں کی وزارتیں اور اسمبلیاں ختم کر دی گئیں۔ ہر صوبے کا اقتدار فوجی گورنروں کے حوالے کر دیا گیا۔ فوجی عدالتیں قائم کر دی گئیں ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ اسی مارشل لاء کے دور حکومت میں ملک کے چیدہ چیدہ سیاسی لیڈروں کو ایبڈو کر دیا گیا کہ وہ ایک خاص مدت تک ملک کی سیاست میں حصہ نہ لیں گے۔ ۱۹۶۲ء تک ملک پر مارشل لاء کا سایہ رہا۔ فوجی حکومت نے گو کہ چند ملکی بہتری کے لئے کارنامے کئے مگر شہریوں کے بنیادی حقوق کے معطل ہو جانے کی وجہ سے مسلسل پانچ سال تک پاکستان میں سیاسی جمود طاری رہا۔ اس جمود کو توڑنے کے لئے اور اپنے اقتدار کو بحال رکھنے کے لئے ایوب خان نے ملک میں بنیادی جمہوریتوں کا نظام جاری کیا۔ اس نظام کی خوبیوں کو خوب اچھالا گیا۔ ریڈیو اور اخبارات نے اس نظام کے خوب گن گائے۔ وقت کے پجاریوں نے اس نظام کو آسمانی نظام نام دیا۔ غرض یہ کہ جب اس نظام کی خوب تشہیر ہو چکی تو اسی نظام کے تحت ملک میں انتخابات کرانے کا اعلان کیا گیا یہ انتخابات اگرچہ عوامی سطح کے تحت تھے مگر عوامی سیاست سے خالی تھے اس لئے یہ عوامی جمہوری انتخابات

نہ تھے کیونکہ جمہوری انتخابات میں عام طور پر مختلف سیاسی پارٹیاں حصہ لیا کرتی ہیں۔ مگر یہ انتخابات سیاسی پارٹیوں کی بنیادوں پر نہیں لڑے گئے۔ اور نہ ہی ملک کے چوٹی کے سیاستدانوں کو ان انتخابات میں حصہ لینے کا موقع دیا گیا کیونکہ سیاسی رہنماؤں کو خاص کر ان رہنماؤں کو جنہوں نے حصول پاکستان کے لئے جدوجہد کی تھی وہ ایبڈو زدہ تھے جس بنا پر وہ ان انتخابات میں حصہ لینے کے نااہل قرار دیئے گئے تھے یہ سب کچھ ایوب خان نے محض اپنے اقتدار کو بحال، برقرار اور پائیدار بنانے کے لئے کیا تھا۔ ملک کے چوٹی کے سیاسی لیڈروں پر ایبڈو کی پابندیاں اسی لئے عائد کی تھیں کہ کوئی اہم سیاستدان مقابل میں آنے کی جرأت ہی نہ کر سکے۔

بنیادی جمہوریتیں اور سرحد

۱۹۶۲ء میں ملک میں بنیادی جمہوریتوں کے نظام کے تحت سرحد کے گاؤں، قصبوں، تحصیلوں اور قبائلی علاقوں کے انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات میں سرحد کے مختلف اضلاع قبائلی علاقوں اور سرحد سے ملحقہ دیر سوات اور چترال وغیرہ کے عوام نے اپنے اپنے مخصوص حلقوں سے جتنے ممبر منتخب کئے ان کا تجزیہ یہ تھا۔

بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات ۱۹۵۹ء میں ہوئے یہ مارشل لا کے سائے کے نیچے ہوئے۔ ان انتخابات میں عوام کو یہ تاثر دیا گیا تھا کہ ملک کے ہر شہر کو جمہوری ادارے میں حصہ لینے اور اپنا جمہوری حق حاصل کرنے کا بہترین طریقہ بنیادی جمہوریتوں کا قانون ہے جسے پاکستان میں نافذ کیا گیا۔ ان انتخابات کے ذریعے قصبوں۔ گاؤں، تحصیلوں اور یونین کونسلوں کے ممبر منتخب ہوئے اور پھر ان منتخب ممبرسل نے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبر منتخب کئے۔

انتخابات ۱۹۶۲ء

صوبہ سرحد میں مغربی پاکستان اسمبلی کے لئے ۶ مئی ۱۹۶۲ء کو انتخابات ہوئے مغربی پاکستان اسمبلی کے لئے کراچی۔ قلات۔ لسبیلہ۔ قلات خاران مکران۔ کوئٹہ۔ لورالائی۔ سبی۔ پنجاب بہاولپور۔ سندھ اور سرحد کو ۱۵۰ حلقوں میں تقسیم کیا گیا حلقوں کا آغاز کراچی سے کیا گیا چنانچہ کراچی پی ڈبلیو حلقہ ۱ قرار دیا گیا۔ سرحد کو ۳۳ انتخابی حلقوں میں تقسیم کیا گیا۔ یہ حلقے مغربی پاکستان کے انتخابی حلقوں میں ۱۵ سے ۴۷ تک تھے۔ مغربی پاکستان اسمبلی کے یہ انتخابات پارٹی بنیادوں کی بجائے انفرادی قابلیت کی بنیاد پر لڑے گئے۔ امیدواروں کو انفرادی طور پر انتخابی جلسوں میں اظہار رائے کا موقع دیا گیا۔ ان انتخابی جلسوں کا پروگرام سرکاری طور پر کیا گیا انتخابی جلسوں میں امیدواروں سے رائے دہندگان کو مختلف قسم کے سوالات پوچھنے کا موقع دیا گیا تاکہ رائے دہندگان یہ اندازہ لگا سکیں کہ ان کا منتخب امیدوار کتنی قابلیت کا مالک ہے یا وہ اسمبلی میں جا کر قوم اور ملک کیلئے کچھ بول لینے یا سمجھنے یا علاقے کے لوگوں کے مسائل حکومت تک پہنچانے کی اہلیت بھی رکھتا ہے یا نہیں، چنانچہ انتخابات سے پہلے ہر حلقے کے امیدواروں کو انتخابی جلسوں کے پروگرام کے مطابق رائے دہندوں کے سامنے اپنی قابلیت اور سیاسی بصیرت کے اظہار کے امتحان کے مرحلے سے گزرنا پڑا۔ سرحد سے مغربی پاکستان اسمبلی کیلئے جو انتخابات ہوئے ان کے نتائج یہ تھے۔

نام حلقہ	امیدوار	کامیاب امیدوار
حلقہ ۲۱ پشاور ۱	گل محمد خان۔ سید یوسف علیشاہ۔ ارباب جہانگیر خان۔ عبدالوہاب میاں محمد اقبال۔ احسان الحق۔ دوست محمد اورک زئی۔ سید یوسف علیشاہ نے عذر داری پیش کی جس کے فیصلے کے بعد گل محمد خان نااہل قرار دے دیئے گئے اور ان کی جگہ یوسف علیشاہ کامیاب ہوئے۔	گل محمد خان

نام حلقہ	امیدوار	کامیاب امیدوار
حلقہ ۲۲ پشاور ۲	محمد افضل خان۔ پیرزادہ روح الامین۔ ملک حضرت گل، شیخ مشہد علی ارباب محمد الیاس	محمد افضل خان
حلقہ ۲۳ پشاور ۳	عبدالمجید خان۔ محمد اکرم خان۔ محمد زمان خان، محمد اکرم خان، محمد سعید خان افضل بیگ۔ محمد افضل خان، عبدالاحد خان	عبدالمجید خان
حلقہ ۲۴ پشاور ۴	نصراللہ خان خٹک، سید عنایت علی خان، مولوی عبدالحق، محمد اعظم خان اکبر شاہ۔	نصراللہ خان خٹک
حلقہ ۲۵ پشاور ۵	محمد عثمان خان، شیر افضل خان۔ سعداللہ خان۔ محمد نور خان، نور محمد خان میجر سعداللہ خان، عزیز خان، شاہ نواز خان،	شیر افضل خان
حلقہ ۲۶ مردان ۱	خان میر افضل خان۔ میر اکبر خان، فضل غنی	خان میر افضل خان
حلقہ ۲۷ مردان ۲	پیر محمد خان، سرفراز خان، محمد امیر خان، نور حدین، دلبر خان۔ تیار محمد محمد ابراہیم، دلاور خان، سکندر خان۔	پیر محمد خان
حلقہ ۲۸ مردان ۳	سید نواب شاہ۔ شیرزادہ مفضل احمد، عبدالرزاق خان۔ پیر محمد خان سید مراد علی شاہ، شاہ پسند خان، محمد عثمان، اجمل خان، محمد شبیر خان	عبدالرزاق خان
حلقہ ۲۹ مردان ۴	سید جبار۔ اجون خان، عبدالرشید خان، صاحبزادہ عبدالمجید، حاجی بہادر حیدر خان، محمد عظیم خان، آزاد خان، عبدالحنیف، یعقوب خان، محمد ایوب	اجون خان
حلقہ ۳۰ ہزارہ ۱	نواب خان، محمد عتیق اللہ، شمس القمر، سکندر شاہ، عنایت الرحمان گل زمان، محمد یوسف، محمد اسلم، محمد اشرف۔ نواب خان۔	عنایت الرحمن
حلقہ ۳۱ ہزارہ ۲	سلطان محمد، پیر معظم شاہ، محمد حسین، محمد عرفان، محمد زبیر خان، عبدالخلیق میاں فتح اللہ، سید سرور شاہ، محمد ایوب خان، حیدر زمان شاہ، بدیع الزمان	سلطان محمد

کامیاب امیدوار	امیدوار	حلقہ
سلطان احمد خان	یونس۔ خان عبدالقیوم خان۔ اشرف خان کے بی محمد زمان خان۔ سلطان احمد خان۔ غلام جان خان طاہر خیلی	حلقہ ۳۲ ہزارہ ع ۳
غلام غوث ہزاروی	مولانا غلام غوث ہزاروی۔ شاد محمد خان۔ شادی خان۔ محمد اورنگزیب عبدالباری۔ خان بہادر خان	حلقہ ۳۳ ہزارہ ع ۴
ملنگ خان	ملنگ خان۔ زرین خان	حلقہ ۳۴ ہزارہ ع ۵
عبدالرحمان	بلامقابلہ	حلقہ ۳۵ ہزارہ ع ۶
سید حاذق علیشاہ	سید حاذق علیشاہ۔ تاج محمد خان۔ کپتان مومنین شاہ۔ قاضی صفی الدین سید ابو حسین۔ میجر محمد بشیر۔ شیرین گل۔ پیر سید شکور احمد۔	حلقہ ۳۶ کوہاٹ ع ۱
ماسٹر خان گل	ماسٹر خان گل۔ ضیاء الدین۔ غلام سرور۔ وجیہہ الدین شیرین بادشاہ۔ صاحب گل۔ محمد عثمان	حلقہ ۳۷ کوہاٹ ع ۲
میر حسن شاہ	بلا مقابلہ	حلقہ ۳۸ کوہاٹ ع ۳
منور خان	اکبر زمان۔ محمد عمر خان۔ عمر دراز خان۔ بندی جان خان۔ عبداللہ خان عمر دراز۔ غلام سبحانی۔ عبدالحنان۔ محمد لطیف۔ عطا خان۔ منور خان	حلقہ ۱۷ بنوں ع ۱
حبیب اللہ خان	حبیب اللہ خان۔ مشال خان	حلقہ ۱۸ بنوں ع ۲
میجر فضل کریم	میجر فضل کریم۔ محمد اکبر خان۔ نواب زادہ قیوم نواز۔ فضل رحیم۔ طہران خان شاہ عزیز الرحمان۔ شہزادہ فضل داد۔ فضل احمد۔ سید ناصر علی شاہ۔ رشید اکبر	حلقہ ۱۵ ڈیرہ اسمٰعیل خان ع ۱
محمد اسحاق کنڈی	محمد اسحاق خان کنڈی۔ ولی جان۔ شیخ ہدایت اللہ	حلقہ ۱۶ ڈیرہ ع ۲
ملک جہانگیر خان	بلا مقابلہ	حلقہ ۹ ڈیرہ ایجنسی ع ۱

حلقہ	امیدوار	کامیاب امیدوار
حلقہ ۲۰ ڈیرہ ایجنسی ۲	حاجی پیر رحمان، مشال خان، بہادر خان، عجب خان، دوست محمد خان، محمود خان، سوات خان، میر بادشاہ، شیر بادشاہ۔	حاجی پیر رحمان شادی خیل
حلقہ ۳۹ پشاور ایجنسی ۱	بلا مقابلہ	زمان خان
حلقہ ۴۰ پشاور ایجنسی ۲	محمد علی خان۔ نعمت اللہ خان شنواری، ملک اکبر علی، اشرف خان، شجاع الملک، وارث خان	محمد علی خان کوکی خیل
حلقہ ۴۱ پشاور ایجنسی ۳	اکبر خان مہمند۔ ملک نادر خان۔ ملک عبدالجبار خان زادہ عیسےٰ خیل	اکبر خان مہمند
حلقہ ۴۲ پشاور ایجنسی ۴	بلا مقابلہ	عبدالسبحان خان
حلقہ ۴۳ پشاور ایجنسی ۵	بلا مقابلہ	لطیف اللہ خان
حلقہ ۴۴ پشاور ایجنسی ۶	شہزادہ اسد الرحمن، سیف اللہ جان، شہزادہ برہان الدین۔	شہزادہ اسد الرحمان
حلقہ ۴۵ پشاور ایجنسی ۷	بلا مقابلہ	فتح محمد خان
حلقہ ۴۶ پشاور ایجنسی ۸	بلا مقابلہ	عبداللطیف خان
حلقہ ۴۷ پشاور ایجنسی ۹	بلا مقابلہ	یعقوب خان

مغربی پاکستان اسمبلی کے لئے ۱۹۶۲ء کے ہونے والے انتخابات کے مطابق سرحدی اضلاع اور ایجنسیوں کو مندرجہ ذیل نمائندگی دی گئی۔

پشاور = ۵، کوہاٹ = ۳، بنوں = ۲، ڈیرہ اسمٰعیل خان = ۲، مردان = ۴، ہزارہ = ۶

ڈیرہ اسمٰعیل خان سے ملحقہ ایجنسیاں = ۲، پشاور سے ملحقہ ایجنسی کے علاوہ دیر، سوات، چترال امب، خیبر، مہمند اور تیراہ وغیرہ۔ = ۹ میزان = ۳۳

ضلعوں اور ایجنسیوں کو دی جانے والی اسی نمائندگی میں ان اضلاع اور ایجنسیوں کی آبادی کے تناسب کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔

انتخابات ۱۹۶۵ء میں مغربی پاکستان اسمبلی میں سرحد کے ممبر

پشاور:۔ سید عنایت علیشاہ نوشہرہ۔ یوسف علیشاہ۔ جلال الدین خان، ایم قطب الدین خان، پشاور سے ملحقہ قبائلی علاقہ۔ نثار محمد خان پشاور۔ بیگم ممتاز صفدر۔ تعداد = ۶

مردان:۔ خان میر افضل خان۔ عبدالستار خان مہمند۔ احمد خان جدون، خان جمشید خان قبائلی علاقہ مردان۔ سیفور خان۔ تعداد = ۵

ہزارہ:۔ کیپٹن اختر ایوب۔ ملنگ خان۔ عبدالرحمان خان ہزارہ۔ سردار گلزمان خان۔ ہزارہ محمد اورنگ زیب خان۔ تعداد = ۵

کوہاٹ:۔ خان زادہ محمد خان بنگش۔ ملک سرمست خان۔ خان محمد اسلم خان خٹک تعداد = ۳

بنوں:۔ خان منور خان۔ نوابزادہ رحمدل خان۔ تعداد = ۲

ڈیرہ اسمٰعیل خان:۔ خان محمد اکبر خان۔ حبیب اللہ خان کنڈی۔ تعداد = ۲

سوات :- خان محمد آفرین خان چکیسر۔ سید رحیم شاہ۔ فتح محمد خان ۔ تعداد = ۳

چترال :- اتالیق جعفر علی شاہ ۔ تعداد = ۱

ساؤتھ وزیرستان :- میجر میر بادشاہ خان ۔ تعداد = ۱

نارتھ وزیرستان :- ملک حاجی سعد اللہ خان ۔ تعداد = ۱

ملاکنڈ :- سید عبدالخالق۔ عبدالسبحان خان ۔ تعداد = ۲

دیر :- نوابزادہ محمد شاہ ناصر خان ۔ تعداد = ۱

خیبر :- حاجی گلاب خان شنواری پشاور ایجنسی لنڈیکوتل ۔ تعداد = ۱

کل تعداد = ۳۳

صوبہ سرحد کی صوبائی خود مختاری کی بحالی

پاکستان کے فوجی صدر جنرل یحییٰ خان کے دور صدارت میں صوبہ سرحد کی صوبائی خود مختاری کو بحال کیا گیا۔ صدارتی حکم کے ذریعے پاکستان کے تمام صوبوں میں انتخابات کرانے کا اعلان کیا گیا۔ ۱۹۶۹ء میں وحدت مغربی پاکستان کو توڑ دیا گیا۔ اور وہ صوبے جو اس میں شامل کئے گئے تھے انہیں دوبارہ صوبائی خود مختاری ملی۔ ۱۹۷۰ء میں سارے ملک میں انتخابات ہوئے صوبہ سرحد میں پندرہ سال کے بعد سرحد اسمبلی کے لئے انتخابات ہوئے۔

انتخابات کے لئے سیاسی پارٹیوں کے منشور

۱۹۷۰ء میں انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے ملک کی مختلف سیاسی پارٹیوں نے عوام سے ووٹ حاصل کرنے کیلئے اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے قوم کے سامنے جو منشور پیش کئے وہ مندرجہ ذیل تھے۔

پیپلز پارٹی کا انتخابی منشور

پاکستان پیپلز پارٹی کی شاخیں صرف مغربی پاکستان میں قائم کی گئی تھیں پنجاب اور سندھ میں یہ پارٹی کافی منظم ہو چکی تھی سرحد اور بلوچستان میں پارٹی کی تنظیم برائے نام تھی ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں اس پارٹی نے مندرجہ ذیل منشور کے تحت عوام سے کہا کہ پیپلز پارٹی برسر اقتدار آنے کے بعد اپنے منشور کو عملی جامہ پہنائے گی

۱۔ زرعی شعبہ: زرعی اراضی کی حد ملکیت زمین کی زرخیزی اور دوسری سہولتوں کیمطابق ۵۰ اور ۱۵۰ ایکڑ کے درمیان ہوگی اور باقی تمام اراضی غیر مالک کاشت کاروں میں اور ایسے کسانوں میں تقسیم کردی جائیگی جن کے پاس گذارہ یونٹ سے کم اراضی ہو۔ گذارہ یونٹ سے کم اراضی کے مالکوں کیلئے لگان معاف ہوگا اور زمینداروں کو کسانوں سے لگان کی رقم وصول کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ زرعی کارکنوں کو روزگار فراہم کیا جائیگا اور دیہی علاقوں میں دو سو نئے شہری مراکز قائم کئے جائیں گے جہاں علاج، تعلیم، تفریح اور زرعی آلات کی مرمت وغیرہ کی تمام سہولتیں موجود ہونگی چھوٹے چھوٹے زرعی یونٹوں میں سوشل کواپریٹو فارم قائم کرکے ان کی پیداوار بڑھائی جائیگی۔

۲۔ صنعتی شعبہ :۔ پارٹی مخلوط معیشت یعنی سرکاری شعبے کے ساتھ ساتھ انفرادی ملکیت میں نجی شعبے کو تسلیم کرتی ہے کاریگروں اور دستکاروں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی اور نجی شعبے میں انفرادی ترقی کے مواقع فراہم کرے گی جس میں چھوٹے صنعتی ادارے کامیاب ہو سکیں لیکن مندرجہ ذیل صنعتوں کو قومی ملکیت میں لیا جائے گا۔

لوہے اور فولاد کی صنعت، غیر آہنی دھاتوں کی صنعت، بھاری صنعتیں، مشینی پرزوں کی صنعت، کیمیکلز کی صنعت، جہاز سازی، کاروں کی اسمبلنگ اور تیاری، بجلی کی تیاری اور تقسیم میں استعمال ہونے والے آلات، اسلحہ سازی اور دوسرے دفاعی سامان کی تیاری، سیمنٹ سازی، کاغذ کے کارخانے، کپڑے اور پٹ سن کے کارخانے جن کی پیداوار مقررہ حد سے زیادہ ہو۔ ہر قسم کا ایندھن مثلاً گیس، تیل، کوئلہ اور ایٹمی طاقت، معدنیات کی کان کنی اور صفائی، نقل و حمل کے تمام بڑے بڑے ذرائع اور بڑے پیمانے پر برآمدی تجارت مثلاً پٹ سن اور کپاس کی برآمد اور بنک اور انشورنس کمپنیاں

۳۔ نجی شعبہ :۔ صنعتی شعبے میں خوردہ فروش اور تقسیم کا کاروبار شامل ہوگا۔ اس میں بھی صارفوں کی امداد باہمی کی انجمنوں کی تشکیل کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

۴۔ تعلیم :۔ پرائمری کی لازمی اور میٹرک تک مفت تعلیم۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے وظائف کا انتظام اور شہری اور دیہی علاقوں میں کھیل کے میدانوں کی فراہمی۔ ثانوی سطح پر لازمی فوجی تربیت اور طلباء کیلئے لازمی قومی سروس، یونیورسٹیوں کے لئے مکمل تعلیمی آزادی

۵۔ مزدوروں کے حقوق :۔ ہر تندرست شخص کو اس کی قابلیت اور استعداد کے مطابق بلاکسی تفریق کے کام فراہم کیا جائیگا، ٹریڈ یونینوں کو مکمل آزادی ہوگی اور بین الاقوامی ادارہ محنت کے مقرر کردہ معیار رائج کئے جائیں گے، معذور اور بوڑھے کارکنوں کو پنشن دی جائے گی اور ان کیلئے مراکز قائم کئے جائیں گے۔ مزدوروں کو مکان آنے جانے کیلئے ٹرانسپورٹ، علاج، بچوں کی تعلیم کیلئے تمام سہولتیں فراہم کیجائینگی

کم از کم اجرتیں اشیاء کی قیمتوں کے تناسب سے مقرر کی جائیں گی۔

۲۔ **قومی صحت:۔** ایسی اصلاحات کی جائیں گی جن سے دس سال تک اوسط عمر ۳۳ برس سے بڑھ کر ۷۰ برس ہو جائے۔ بچوں کی اموات کی شرح ۵۰ فیصد سے کم ہو کر ۳۳ فیصد رہ جائے اور تپ دق۔ ہیضہ۔ چیچک۔ ٹائیفائڈ۔ ملیریا۔ جذام اور ایسی ہی دوسری بیماریوں کا خاتمہ ہو جائے۔

۳۔ **قومی دفاع:۔** ملک کا دفاع مضبوط کرنے کے لئے دفاعی سامان تیار کرنے کی صنعتیں قائم کی جائیں گی۔ اور ہر قسم کے میزائل اور ایٹمی اسلحہ تیار کیا جائیگا۔ مشرقی پاکستان کے دفاع کے لئے وہاں بری، بحری اور فضائی فوج کے مراکز قائم کئے جائیں گے۔ ملک کے تحفظ کے لئے عوامی فوج تیار کی جائے گی۔

۴۔ **خارجہ پالیسی:۔** خارجہ پالیسی بالکل آزاد ہو گی سامراجی اور نوآبادیاتی طاقتوں سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہو گا۔ سیٹو اور سینٹو سے علیحدگی اختیار کی جائے گی اور کسی غیر ملکی طاقت کو پاکستان میں اڈے قائم کرنے یا جنگی مقاصد کیلئے پاکستانی علاقے میں سے گزرنے کی اجازت نہیں ہو گی۔

کشمیر، فرخابند۔ بیرو باڑی۔ جونا گڑھ اور دوسرے مسائل کے حل تک بھارت کے خلاف صف آراء رہنے کی پالیسی جاری رکھی جائے گی۔

اعلان تاشقند کو جس پر پاکستان سے جبراً دستخط کرائے گئے تھے۔ منسوخ کر دیا جائیگا اور اس سمجھوتے کے تحت بھارت سے کسی قسم کی بات چیت نہیں کی جائے گی فرخابند کے بارے میں بات چیت کے لئے ایک مدت مقرر کی جائے گی۔

تمام اسلامی ملکوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات مستحکم کئے جائیں گے۔ اسرائیل کے خلاف فلسطینی عوام اور عربوں کی جدوجہد کی غیر مشروط حمایت کی جائے گی نسلی امتیاز کا ہر محاذ پر مقابلہ کیا جائے گا۔ افریقہ ایشیا اور لاطینی امریکہ میں آزادی کی تمام

تحریکوں کی حمایت کی جائے گی۔

آئین کی بنیاد:۔ ملکی جمہوریت، پارلیمانی نظام حکومت، وفاقی نظام بلدیاتی اداروں کی توسیع اور ضمیر کی آزادی کی ضمانت ہوگی۔ مربوط قومی معیشت یکساں قانونی نظام ترقی یافتہ اور پسماندہ علاقوں میں امتیاز کے خاتمے اور قبائلی علاقوں کے پاکستان میں ادغام کے ذریعے ملکی سالمیت اور اتحاد کا تحفظ کیا جائے گا۔ انسانی حقوق کی ضمانت دی جائے گی۔ ہر فرد اپنی مذہبی رسومات کو اپنے عقیدے کے مطابق ادا کر سکے گا۔ عورتوں کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ ووٹر کے لئے کم سے کم عمر ۱۸ سال کی جائے گی۔ انتظامیہ میں رشوت اور بدعنوانیوں کے خاتمے کے لئے انتظامی قانون بنایا جائے گا۔ اور انتظامی عدالتیں قائم کی جائیں گی۔ انتخابی قوانین میں اصلاحات کی جائیں گی۔

امیدوار کو ووٹ دینے کی بجائے پارٹی کو ووٹ دینے کا نظام رائج کیا جائے گا جو پارٹی جتنے ووٹ حاصل کرے گی۔ اس کے تناسب سے اس کو اسمبلی میں نشستیں دی جائیں گی۔ جو پارٹی پانچ فیصد سے کم ووٹ حاصل کرے گی اسے اسمبلی میں کوئی نشست نہ دی جائیگی۔

عوامی لیگ اور اس کا منشور

جب ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو اس وقت سرحد میں کانگرس حکومت تھی جس کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب تھے۔ قائداعظم نے بحیثیت گورنر جنرل کے سرحد کی کانگرسی وزارت کو ختم کر کے اس کی جگہ مسلم لیگی وزارت کے قیام کا اعلان کیا۔ سرحد میں مسلم لیگی وزارت کے قیام کیلئے صوبہ سرحد کی مسلم لیگ پارٹی میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ پیر صاحب مانکی شریف اور ارباب عبدالغفور خان اور چند دوسرے لیڈروں کا خیال تھا کہ سرحد مسلم لیگ یا سرحد مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کو اختیار دیا جائے کہ وہ اپنی مرضی

سے وزیر اعلیٰ کا انتخاب کرے۔ لیگ ہائی کمان اس اختلاف کو مٹانا چاہتی تھی اور یہ چاہتی تھی کہ پاکستان مسلم لیگ میں انتشار نہ ہو لہٰذا مرکز نے خان عبدالقیوم خان کو سرحد مسلم لیگ پارٹی کا لیڈر مقرر کر دیا ساتھ ہی عباس خان اور میاں جعفر شاہ کو وزارت میں لے لیا گیا۔

خان عبدالقیوم خان کے پارٹی لیڈر مقرر ہونے کی وجہ سے اختلاف کی خلیج وسیع ہو گئی۔ اسی دوران کل پاکستان مسلم لیگ کا اجلاس کراچی میں منعقد ہوا۔ جس میں صوبہ سرحد سے تمام سرکردہ مسلم لیگی ممبروں نے شرکت کی اس اجلاس میں پیر صاحب مانکی شریف نے ایک تجویز پیش کی کہ جو مسلم لیگی حضرات سرکاری عہدوں پر ہیں۔ انہیں جماعتی طور پر مسلم لیگ میں کوئی حصہ نہ لینا چاہیئے۔ ارباب عبدالغفور خان نے اس تجویز کی حمایت کی اس ترمیم پر پورے تین دن تک بحث ہوتی رہی۔ تیسرے دن رائے شماری میں یہ ترمیم دس ووٹوں کی اکثریت سے پاس ہو گئی۔ اس کے بعد چودھری خلیق الزمان کو پاکستان مسلم لیگ کا آرگنائزر مقرر کیا گیا۔ چودھری صاحب نے مسلم لیگ کی تنظیم کا کام صوبائی حکومتوں کو سونپ دیا گیا۔ سرحد میں خان عبدالقیوم خان نے جو وزیر اعلیٰ بھی تھے۔ سرحد میں پاکستان مسلم لیگ کی تنظیم کا کام شروع کیا سرحد کے بعض مسلم لیگی ممبروں کو ان کے تقرر پر اعتراض تھا چنانچہ اس کشمکش کی وجہ سے پیر صاحب مانکی شریف اور ان کی تمام پارٹی کو پاکستان مسلم لیگ کی ابتدائی رکنیت کے فارم تک نہ دیئے گئے کئی مخلص مسلم لیگی لیڈروں کو برسر اقتدار پارٹی سے اختلاف رکھنے کی بنا پر مسلم لیگ سے خارج کر دیا گیا۔ جن میں فدا محمد خان، اللہ بخش یوسفی، رحیم بخش غزنوی اقبال شاہ، سلطان محمد خان۔ آغا خان بابا خان۔ ارباب سکندر خان، ڈاکٹر عبدالرحیم ارباب محمد آصف، ابراہیم خان جھگڑا، میرآفتاب، دمساز خان وغیرہ شامل تھے۔

جب سرحد مسلم لیگ کے لیڈروں میں اقتدار کی جنگ شروع ہو گئی، تو ۱۹۴۹ء میں

پیر صاحب مانکی شریف، ارباب عبدالغفور خان اور غلام محمد خان لوند خوڑ نے مل کر مولانا شبیر احمد عثمانی۔ جی ایم سید اور نواب افتخار حسین خان ممدوٹ سے مشورہ کر کے پشاور میں اپنے ہم خیال لوگوں کا ایک اجلاس بلایا جس میں پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب زکوڑی شریف ۔غلام محمد خان لوند خوڑ ۔ ارباب عبدالغفور خان ۔ اسداللہ جان قاضی شفیع الدین ۔ تاج علی خان ۔ محمد آصف خان ۔ مولانا شاکر اللہ ۔ میاں محمد شاہ۔ ارباب عطاء اللہ خان ۔ نثار محمد خان ۔ محمد سرفراز خان ۔ میاں شرف شاہ ۔ قاضی محمد اسلم ۔ سید عبدالخالق میاں جی ۔ میر غزن خان ۔ تاج محمد خان ۔ محمد فرید خان ۔ حاجی فقیرا خان ۔ محمد عباس خان ۔ عبدالقیوم خان سواتی ۔ اور فضل حق شیدا شامل ہوئے ۔ اس اجلاس میں صوبہ سرحد عوامی لیگ کے مندرجہ ذیل عہدیدار منتخب ہوئے ۔

پیر صاحب مانکی شریف کو صدر مقرر کیا گیا ۔ قاضی محمد اسلم کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا اور فضل حق شیدا کو اسسٹنٹ سیکرٹری مقرر کیا گیا ۔ یہ جماعت پاکستان میں سب سے پہلی اپوزیشن جماعت تھی جو درحقیقت مسلم لیگ کے مقابلے کیلئے قائم کی گئی تھی ۔ (باچاخان مصنفہ فارغ بخاری)

عوامی لیگ کا منشور چھ نقاط پر مشتمل تھا اس منشور کے تحت عوام سے وعدہ کیا گیا تھا کہ عوامی لیگ کو اقتدار ملنے کی صورت میں معاشرے سے بے انصافی کا خاتمہ کر دیا جائے گا ۔ غربت اور افلاس کا خاتمہ کر دیا جائے گا ۔ انصاف کے حصول میں کوئی دقت نہ ہو گی ۔ تمام صوبوں کو اپنے پاؤں کھڑا ہونے کا خود موقع ملے گا صوبوں کی آمدنی صوبوں پہ خرچ ہو گی مرکز کے پاس دفاع اور امور خارجہ اور کرنسی کے محکمے ہوں گے ۔

عوامی لیگ کا یہ منشور پاکستان کے مرکز کو کمزور کرنے اور پاکستانی صوبوں کی علیحدگی کی ایک منظم سازش پر مشتمل تھا ۔ پاکستان کی سالمیت اور استحکام کا خیال رکھنے والوں نے بھارت کی خفیہ سازشوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حفظ ماتقدم کے

طور پر مرکز میں مشرقی اور مغربی پاکستان کو مساویانہ نمائندگی دے رکھی تھی مگر ۱۹۷۰ء
کے انتخابات میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان مساویانہ نمائندگی کے اصول
کو ترک کر دیا گیا چنانچہ عوامی لیگ کو مرکز میں اکثریت حاصل ہوئی تو بھارت کو
پاکستان کی اندرونی سیاست میں دخل دینے کا موقع مل گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عوامی
لیگ نے اکثریتی پارٹی کے پردے میں بھارت سے ساز باز کر کے پاکستان کے
ایک بازو کو کاٹ دیا۔

مسلم لیگ کا منشور

قیام پاکستان سے پہلے صوبائی اور مرکزی انتخابات میں مسلم لیگ کا انتخابی منشور
مسلمانوں کے لئے الگ وطن کا حصول اور اس کے لئے جدوجہد تھی مسلم لیگ کے مقابلے
میں ہندوستان کی دوسری مسلمان سیاسی جماعتیں مسلم لیگ کے نصب العین اور
نظریے کے سخت ترین مخالف تھیں۔ حتیٰ کہ ہندوستان کے علماء نے بھی مسلمانوں
کو ایک پلیٹ فارم پر متحد نہ ہونے دیا۔ کانگرس نے اپنے مفاد کے پیش
نظر سرحد کے پٹھانوں میں مسلم لیگ کو سامراجی جماعت مشہور کر رکھا تھا
اسی لئے ۱۹۳۸ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے موقع پر قائد
اعظم نے خطبۂ صدارت دیتے ہوئے فرمایا۔

"ہمارے ہم مذہب پٹھانوں کو یہ باور کرایا گیا ہے کہ کانگرس
عوام کی بہی خواہ ہے اور مسلم لیگ سامراج کی حامی اور مددگار رہی ہے۔
میں کہتا ہوں کہ اس سے زیادہ جھوٹ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ مسلم
لیگ سامراج کی حلیف ہے۔ مقننہ کے اندر اور باہر کوئی ایسی

مثال نہیں ملتی کہ میں نے سامراج کی حامی بھری ہو کیا مجھے سامراج دوست ثابت کرنے کے لئے کسی کے پاس کوئی ثبوت موجود ہے"

بہر حال قیام پاکستان سے پہلے اگر ہندوستان کے علماً نیشلسٹ مسلمان احرار، خاکسار، جماعت اسلامی اور دیگر کانگرس نواز پارٹیاں نظریہ پاکستان کی مخالفت نہ کرتیں تو پاکستان کا مغربی بازو دہلی تک اور مشرقی بازو پورا بنگال اور پورے آسام پر مشتمل ہوتا۔

خاکساروں نے اگرچہ جماعتی لحاظ سے انتخابات میں حصہ نہیں لیا مگر آزادانہ طور پر کہیں کہیں اپنے امیدوار کھڑے کئے۔ خاکساروں کا منشور ملک میں عسکری تنظیم اور شوروی طرز کی حکومت کے قیام کے لئے جدو جہد تھی۔

جماعت اسلامی نے اپنے منشور میں اعلان کیا کہ اگر اسے انتخابات میں اکثریت حاصل ہوئی تو وہ ملک میں صحیح اسلامی نظام کا نفاذ کرے گی تاکہ یہ ملک جس نظریے کے تحت عالم وجود میں آیا تھا اسی نظریے کے تحت یہ پھلے اور پھولے۔

مسلم لیگ مختلف دھڑوں میں تقسیم ہو چکی تھی اکثریت خان عبدالقیوم خان کے ساتھ تھی اسی لئے انتخابات میں ان کی پارٹی کے امیدواروں کو قیوم مسلم لیگ کے امیدوار کا نام دیا گیا۔ مسلم لیگ کے تمام دھڑوں کا منشور ملک سے استحصال کا خاتمہ اور ملکی تحفظ اور استحکام کی ضمانت تھی۔

نیشنل عوامی پارٹی نے سوشلزم کے نظریات کے تحت انتخابات میں حصہ لیا اور عوام سے وعدہ کیا کہ اگر یہ پارٹی برسراقتدار آگئی تو جاگیردارانہ نظام ختم کر کے محنت کشوں، مزدوروں اور کسانوں کو ان کا صحیح مقام دے گی۔ جمعیت العلمائے پاکستان اور جمعیت العلمائے اسلام نے بھی عوام سے اسلامی نظام کے نفاذ کا وعدہ کرتے ہوئے ووٹ کے حصول کی جدوجہد کی۔

سرحد اسمبلی کے ۱۹۷۰ء کے انتخابات کا جائزہ

حلقہ نیابت	امیدواروں کے نام	کامیاب ممبر
پی الیف - ۱ پشاور ۱	عبدالقیوم خان (قیوم مسلم لیگ) پیرزادہ عبدالرؤف (جماعت اسلامی) ڈاکٹر عبدالرحمٰن (جمعیۃ العلمائے اسلام) حیات محمد خان شیرپاؤ (پی پی پی) عنایت مسیح (مسیحی لیگ) سید محمد ایوب (نیپ) قدرت اللہ (کونسل مسلم لیگ) میجر طلا محمد خان (آزاد)	حیات محمد خان شیرپاؤ (پی پی پی)
پی الیف ۲ پشاور ۲	عبداللہ جان (آزاد) ارباب محمد جہانگیر خان (نیپ) چودھری غنی (مسیحی لیگ) ڈاکٹر محمد یونس (جماعت اسلامی) فدا محمد خان (قیوم مسلم لیگ) سیف الرحمٰن کیانی (پی پی پی) خان محمد امین جان خان (کونسل مسلم لیگ) محمد صدیق شاہ (آزاد) مولانا محمد امیر (جمعیۃ العلمائے اسلام) سعید بیگ (آزاد) شریف احمد خان (آزاد)	ارباب محمد جہانگیر خان (نیپ)
پی الیف ۳ پشاور ۳	عبدالسلام (جمعیۃ العلمائے اسلام) ارباب نور محمد خان (قیوم لیگ) ارباب سکندر خان خلیل (نیپ) محمد نسیم خان (پی پی پی) نذیر گل (جماعت اسلامی)	ارباب سکندر خان خلیل (نیپ)
پی الیف ۴ پشاور ۴	عبدالحمید خان (آزاد) ارباب شفیع اللہ خان (آزاد) فدا حسین شاہ (جمعیۃ العلمائے اسلام) حاجی محمد سیفور (کنونشن مسلم لیگ) خواجہ محمد خان (کونسل لیگ) محمد شریف (پی پی پی) محمد یوسف خان (آزاد) ارباب سیف الرحمان خان (نیپ)	ارباب سیف الرحمٰن خان (نیپ)
پی الیف ۵ پشاور ۵	خان عبدالولی خان (نیپ) افضل خان (پی پی پی) فضل غفور خان (قیوم لیگ) مولانا فضل مولا (جمعیۃ العلمائے اسلام)	خان عبدالولی خان (نیپ)
پی الیف ۶ پشاور ۶	حبیب الرحمٰن (آزاد) حاجی نور محمد خان (قیوم لیگ) حاجی عثمان علی خان (آزاد) احسان الودود (پی پی پی) خان سلطان محمد خان (آزاد) محمد اکرم خان (نیپ) مولوی عزیز الرحمٰن (جمعیت العلمائے اسلام) عبداللہ خان (آزاد) شیرین بادشاہ (آزاد)	محمد اکرم خان (نیپ)

حلقہ نیابت	امیدواروں کے نام	کامیاب ممبر
پی ایف ۷ پشاور ۔ ۷	حاجی تاج محمد خان (نیپ) خان نذیر علی خان (قیوم لیگ) میاں جمال شاہ (میر حیدر خان	حاجی تاج محمد خان (نیپ)
پی ایف ۸ پشاور ۔ ۸	اکرام الدین (کونسل مسلم لیگ) ملتان زرین (جماعت اسلامی) سرور شاہ (پی پی پی) سید عنایت علیشاہ (قیوم لیگ) عبید خان (جمعیت العلمائے اسلام) ولی محمد خان (نیپ)	ولی محمد خان (نیپ)
پی ایف ۹ ہزارہ ۔ ۱	عبدالرحمٰن (آزاد) عبدالولی خان (آزاد) دوست محمد خان (آزاد) محمد افضل خان (قیوم لیگ) سعداللہ خان (آزاد) صاحبزادہ عبدالمتین (آزاد) سراج الحق (جمعیت العلمائے اسلام) طالع محمد خان (نیپ)	سعداللہ خان (نیپ)
پی ایف ۱۰ ہزارہ ۔ ۲	حافظ محمد جمیل (آزاد) خانزادہ خان (جماعت اسلامی) محمود غزنوی (قیوم لیگ) محمد زرین خان (نیپ) تاج محمد خان (آزاد)	محمد زرین خان (نیپ)
پی ایف ۱۱ ہزارہ ۔ ۳	عبدالرحمٰن (آزاد) امان اللہ خان (نیپ) فخر الزمان (آزاد) حق نواز خان (جمعیت العلمائے اسلام) جمعہ خان (قیوم لیگ) ملنگ خان (آزاد) محمد نسیم خان (جماعت اسلامی) محمد یونس (آزاد) لیفٹننٹ کرنل ریٹائرڈ یار محمد خان (آزاد)	حق نواز خان (جمعیۃ العلمائے اسلام)
پی ایف ۱۲ ہزارہ ۔ ۴	عبدالستار خان (آزاد) عالم زیب ظفر (آزاد) دلاور خان (آزاد) حاجی عبدالمنان (جمعیۃ العلمائے اسلام) جہانداد خان (نیپ) ملک محمد طہماسپ خان (جماعت اسلامی) میاں فتح اللہ (کونسل لیگ) محمد مظفر خان (پی پی پی) محمد صادق خان (آزاد) محمد ایوب خان (آزاد) محمد ہارون بادشاہ (قیوم لیگ)	محمد ہارون بادشاہ (قیوم لیگ)
پی ایف ۱۳ ہزارہ ۵	ڈاکٹر عبدالرحیم (پی پی پی) محمد حسین نعمانی (جماعت اسلامی) محمد اسماعیل ذبیح (جمعیۃ علمائے اسلام) محمد جاوید خان (پی ڈی پی) محمد یعقوب خان (نیپ) سرفراز خان (آزاد) سید مزمل شاہ (قیوم لیگ)	سید مزمل شاہ (قیوم مسلم لیگ)

حلقہ نیابت	امیدواروں کے نام	کامیاب ممبر
پی ایف ۱۴ ہزارہ ۶	علی افضل خان (آزاد) امیر حسین عباسی (آزاد) اورنگ زیب خان (نیپ) فضل الرحمن (پی پی پی) ملک خداداد خان (آزاد) محمد اقبال خان جدون (قیوم مسلم لیگ) محمد جلال الدین (کونسل مسلم لیگ) میر سلیمان (آزاد) سردار بہادر خان (جماعت اسلامی) سید شمس القمر (آزاد)	اقبال خان جدون (قیوم مسلم لیگ)
پی ایف ۱۵ ہزارہ ۷	غلام مصطفےٰ (پی ڈی پی) حیدر زمان (آزاد) محمد افضل خان (آزاد) محمد فردوس (آزاد) محمد صدیق خان (آزاد) صاحبزادہ محمد اظہر (آزاد) سردار غلام صفدر خان (آزاد) سردار گلزمان خان (قیوم مسلم لیگ) سید جمیل حسین شاہ (پی پی پی) ولی الرحمن (آزاد)	سردار گلزمان خان (قیوم مسلم لیگ)
پی ایف ۱۶ ہزارہ ۸	کیپٹن اختر ایوب (کنونشن مسلم لیگ) میجر فضل احمد (پی پی پی) میجر سلطان احمد (کونسل مسلم لیگ) محمد افسر خان (آزاد) قاضی محمد دین (جمعیتہ العلمائے اسلام) راجہ جارج سکندر زمان (قیوم مسلم لیگ) سردار بہادر خان (جماعت اسلامی)	راجہ جارج سکندر زمان (قیوم مسلم لیگ)
پی ایف ۱۷ ہزارہ ۹	عبدالقیوم (پی پی پی) قاضی عبدالودود (آزاد) راجہ محمد امان اللہ (نیپ) محمد نواز خان (قیوم مسلم لیگ) محمد عرفان (کونسل مسلم لیگ) مفتی زمان علوی (جماعت اسلامی) رفیق احمد خان (پی ڈی پی) رحمت نواز (آزاد)	محمد نواز خان (قیوم مسلم لیگ)
پی ایف ۱۸ مردان ۱	عبدالصمد خان (پی پی پی) عبدالستار خان (قیوم مسلم لیگ) ڈاکٹر امیر محمد خان (نیپ) پیر مبارک شاہ (جے یو آئی) سہراب حیات (کونسل مسلم لیگ) سید منظور حسین (جماعت اسلامی)	عبدالصمد خان (پی پی پی)
پی ایف ۱۹ مردان ۲	علی اصغر خان (قیوم مسلم لیگ) امان اللہ خان (آزاد) جمروز خان (آزاد) محمد اکرم خان (نیپ) مولوی امین گل (جمعیتہ العلمائے اسلام) رحیم داد خان (پی پی پی	

حلقہ نیابت	امیدواروں کے نام	کامیاب ممبر
پی ایف ۲۰ مردان ۳	رحیم خان (آزاد) سرفراز خان (آزاد) شیر محمد خان (کونسل لیگ) عبدالاکبر خان (پی پی پی) عبدالمالک خان (آزاد) عبدالقادر خان (کونسل لیگ) عبدالقادر خان (آزاد) امیرزادہ خان (نیپ) غلام سرور خان (قیوم لیگ) حاجی صفدر علی (جمعیتہ العلمائے اسلام)	امیرزادہ خان (نیپ)
پی ایف ۲۱ مردان ۴	حاجی سیفور خان (قیوم لیگ) ہارون خان (پی پی پی) جان بہادر خان (جمعیتہ) میاں غلام جیلانی (نیپ) سید عمران (آزاد) شیر امام خان (جماعت اسلامی)	میاں غلام جیلانی (نیپ)
پی ایف ۲۲ مردان ۵	امان اللہ خان (پی پی پی) مولوی صاحب گلستان (جمعیت العلمائے اسلام) محمد امین (جماعت اسلامی) محمد فردوس خان (نیپ) شیرین خان (قیوم مسلم لیگ) فردوس خان کے فوت ہو جانے کے بعد جون ۱۹۷۳ء میں اس حلقے سے ضمنی انتخاب ہوا جس میں نیپ کے کاکا عبدالعزیز اور قیوم لیگ کے عبدالرازق نے حصہ لیا نتیجے میں کاکا عبدالعزیز کامیاب ہوئے۔	فردوس خان (نیپ) کاکا عبدالعزیز (نیپ)
پی ایف ۲۳ مردان معہ ہزارہ	حاجی عبدالمنتعان خان (قیوم لیگ) احمن خان (آزاد) اورنگ زیب (آزاد) فضل الرحمان (آزاد) خان غالب (آزاد) محمد اشرف (آزاد) محمد اقبال (جمعیت العلمائے اسلام) محمد رفیق (آزاد) مولوی عزیز الرحمن (جمعیت العلمائے نظام اسلام) قاضی عبدالقیوم (آزاد) قریشی خان (نیپ) سید عبدالستار (پی پی پی) سید گلفام شاہ (جماعت اسلامی)	حاجی عبدالمنتعان خان (قیوم لیگ)
پی ایف ۲۴ کوہاٹ ۱	عبدالحنان (قیوم لیگ) احمد گل (جمعیت العلمائے اسلام) عظمت علی خان (کنونشن مسلم لیگ) تاج علی خان (نیپ) سید افتخی حسین جیلانی (آزاد) سید مطیع اللہ (پی پی پی)	عظمت علیخان کنونشن مسلم لیگ

حلقہ نیابت	امیدواروں کے نام	کامیاب ممبر
پی ایف ۲۵ کوہاٹ ۲	عبداللطیف خان (آزاد) عصمت علی خان (قیوم لیگ) ملک عثمان دین (کنونشن مسلم لیگ) محمد سلیم (جماعت اسلامی) مولانا حبیب گل (جمعیت العلمائے اسلام) سردار زمان خان (نیپ)	مولانا حبیب گل جمعیت العلمائے اسلام)
پی ایف ۲۶ کوہاٹ ۳	عبدالہادی (جماعت اسلامی) ارسلا خان (قیوم لیگ) گلزار شاہ (پی پی پی) ماسٹر خان گل (عوامی لیگ) میاں آفتاب گل (آزاد) محمد اسلم خٹک (آزاد) پیر بدن (نیپ)، پیر غلام (	محمد اسلم خٹک (آزاد)
پی ایف ۲۷ ڈیرہ ۱	عطاء اللہ خان (قیوم لیگ) فیض اللہ خان (آزاد) نصر اللہ خان (پی پی پی) نوابزادہ محمد ہاشم خان (نیپ) قاضی عبداللطیف (جمعیت العلمائے اسلام) سردار عنایت اللہ خان گنڈاپور (آزاد) سردار محمد حیات خان (آزاد)	سردار عنایت اللہ خان گنڈاپور (آزاد)
پی ایف ۲۸ ڈیرہ ۲	کرنل عزیز اللہ خان (پی پی پی) ڈاکٹر فضل الرحمان خان (آزاد) غلام سرور خان (قیوم لیگ) حبیب الرحمان (نیپ) مخدوم عطاء الرحمان شاہ (قیوم لیگ) مولوی علاؤالدین (جمعیت العلمائے اسلام) نوابزادہ قیوم نواز خان (آزاد) سردار غلام ربانی خان (آزاد) شہزادہ فضل داد (آزاد)	مخدوم عطاء الرحمان (قیوم لیگ)
پی ایف ۲۹ ڈیرہ مع بنوں	احمد جان (جمعیت العلمائے اسلام) بن یامین (قیوم لیگ) گل بیگ شاہ (نیپ) حمید اللہ خان (پی پی پی) ہمایون سیف اللہ خان (کونسل مسلم لیگ) کرنل سرفراز خان (آزاد) غلام قادر (آزاد) رب نواز خان (آزاد) کریم خان (آزاد)	ہمایوں سیف اللہ (کونسل مسلم لیگ)
پی ایف ۳۰ بنوں ۱	عبدالمجید خان (نیپ) امیر نواز خان (پی پی پی) غلام قادر خان (آزاد) مصری خان (آزاد) غلام رسول (آزاد) گل خان (آزاد) حبیب اللہ خان (کنونشن مسلم لیگ) مشال خان (قیوم لیگ) مولوی محمد یعقوب (جمعیت العلمائے اسلام)	مولوی محمد یعقوب جمعیت العلمائے اسلام

حلقہ نیابت	امیدواروں کے نام	کامیاب ممبر
پی ایف ۳۱ بنوں ۲	عبدالصمد خان (جمعیت العلمائے اسلام) غلام سرور خان (جماعت اسلامی) گل ملوک (قیوم مسلم لیگ) خان منور خان (کونسل مسلم لیگ) محمد شمیم خان (پی پی پی) شیر بہادر خان (کنونشن مسلم لیگ) سیلانی خان (آزاد) صورت خان (نیپ) عمر دراز شاہ (آزاد)	مولوی عبدالصمد خان (جمعیت العلمائے اسلام)
پی ایف ۳۲ چترال	افضل علی خان (آزاد) حیدر احمد (آزاد) خورشید علی (جماعت اسلامی) مفتاح الدین (پی پی پی) پختون غازی خان (قیوم لیگ) قادر نواز خان (آزاد) قاضی صاحب نظام (کونسل مسلم لیگ) سید موسیٰ ہاشمی (پی ڈی پی) زین العابدین (نیپ)	قادر نواز خان (آزاد)
پی ایف ۳۳ ملاکنڈ	عبدالستار خان (جماعت اسلامی) فضل الرحمان (آزاد) حاجی ظاہر شاہ (آزاد) محمد حنیف خان (پی پی پی) محمد خان (آزاد) محمد زید اللہ خان (جمعیت العلمائے اسلام) نیک عمل خان (نیپ) سید عبدالخالق (آزاد) یار محمد (قیوم لیگ)	محمد حنیف خان (پی پی پی)
پی ایف ۳۴ سوات ۱	عبدالمتین خان (آزاد) عبدالرؤف خان (قیوم لیگ) عمادالدین (جمعیت العلمائے اسلام) رحیم زادہ (پی پی پی) سید رؤف خان (جماعت اسلامی)	عبدالرؤف خان (قیوم مسلم لیگ)
پی ایف ۳۵ سوات ۲	مولانا عبدالباقی (آزاد) الکموت (آزاد) محمد آفرین (نیپ) سرہل علی (قیوم لیگ) سرگند خان (پی پی پی) سلطان خان (جمعیت العلمائے اسلام)	مولانا عبدالباقی (آزاد)
پی ایف ۳۶ سوات ۳	حضرت علی ملک (پی پی پی) محمد افضل (نیپ) محمد علی شاہ (قیوم لیگ) ---- محمد انوار الحق (جماعت اسلامی) مولوی عبدالرحمان (جمعیت العلمائے اسلام) ثناء اللہ خان (آزاد)	محمد افضل خان (نیپ)
پی ایف ۳۷ سوات ۴	فضل منان (پی پی پی) حاجی محمد رحمٰن (قیوم لیگ) کامران خان (نیپ) ککو خان (جمعیت العلمائے اسلام) زین العابدین (جماعت اسلامی) ضیاء اللہ (آزاد)	حاجی محمد رحمٰن (قیوم لیگ)

حلقہ نیابت	امیدواروں کے نام	کامیاب ممبر
پی ایف ۳۸ دیر معہ سوات	افضل خان (آزاد) بختیار خان (آزاد) بخت سرگند (پی پی پی) فضل ودود جمیعت العلمائے اسلام) منسوب علیخان (آزاد) مولوی فتح محمد (جمیعت العلمائے اسلام) محمد صادق خان (آزاد) مظفر خان (آزاد) رحمان اللہ خان (آزاد) شعیب خان (آزاد) تاج محمد خان (جماعت اسلامی) طہماز خان (آزاد) طاہر شاہ (نیپ)	رحمان اللہ خان (آزاد)
پی ایف ۳۹ دیر ۱	عبدالمحمود (آزاد) امیرزادہ خان (آزاد) بخت بادشاہ خان (نیپ) غلام حسین (قیوم لیگ) حاجی حضرت شاہ (جمیعت العلمائے اسلام) مجید اللہ (آزاد) محمد قبول خان (آزاد) محمد یعقوب خان (جماعت اسلامی) نوشاد خان (آزاد) شاہ سلطان (پی پی پی) سلطان محمد (آزاد) ظفر علی خان (آزاد)	محمد یعقوب خان (جماعت اسلامی)
پی ایف ۴۰ دیر ۲	امان اللہ خان (قیوم لیگ) بزرگ شاہ زیب خان (آزاد) حاجی امیرزادہ (آزاد) عنایت سعید اخونزادہ (جماعت اسلامی) مہتاب زرین اخونزادہ (آزاد) قاضی مصباح الدین (جمیعت العلمائے اسلام) محمد یوسف (پی پی پی) محمد زرین خان (نیپ) رحیم اللہ (آزاد)	امان اللہ خان (قیوم لیگ)
پی ایف ۴۱ حلقہ خواتین ۱	بیگم کلثوم سیف اللہ خان پشاور (نیپ) بیگم محمد جان پشاور (قیوم لیگ) بیگم قاضی خالد محمود (پی پی پی) بیگم پیرداد (نوٹ) ووٹر صرف اسمبلی کے منتخب کے ممبر تھے)	بیگم کلثوم سیف اللہ (نیپ)
پی ایف ۴۲ حلقہ خواتین ۲	بیگم محمودہ سلیم ہزارہ (نیپ) بیگم سکندر خان ہزارہ (قیوم لیگ)	بیگم محمودہ سلیم خان (نیپ)

نیپ اور جمعیت کی کابینہ

پاکستان کے قیام کے بعد مرکز میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے ممبروں کی تعداد مساوی تھی اس مساوی تعداد کی وجہ سے کسی ایک حصے کو دوسرے حصے پہ فوقیت حاصل کرنے کا خیال تک نہیں آتا تھا مگر ۷۰ء کے طریقہ انتخابات نے عدم مساوات کی فضا پیدا کر دی جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان ہم سے الگ ہو گیا۔ اس کے بعد مئی ۱۹۷۲ء میں صوبہ سرحد میں نیپ اور جمعیت کے ارکان پر مشتمل صوبائی کابینہ بنی۔ کابینہ مندرجہ ذیل وزراء پر مشتمل تھی۔

وزیر اعلیٰ	مولانا مفتی محمود
وزیر مال	سردار عنایت اللہ خان گنڈاپور
وزیر خزانہ	غلام فاروق خان
وزیر اطلاعات	محمد افضل خان
وزیر تعلیم	امیر زادہ خان
وزیر اوقاف	مولانا عبدالباقی

اس وزارت میں پارلیمانی سیکرٹریوں کی بجائے وزراء کے مندرجہ ذیل مشیر مقرر کیے گئے۔

ارباب محمد جہانگیر خان۔ بابو محمد اکرم خان۔ مولانا عبدالصمد۔ ولی محمد خان۔ نوابزادہ عظمت علی خان، محمد اکرم خان۔ مولانا حبیب گل۔

اس کابینہ نے ۱۵ فروری ۱۹۷۳ء کو مرکز سے اختلافات کی بنا پہ استعفیٰ دے دیا۔ سردار عنایت اللہ خان گنڈاپور متحدہ محاذ کی ہدایت پر مستعفی نہ ہوئے بلکہ وہ لگاتار اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ فروری ۱۹۷۳ء میں متحدہ محاذ پر مشتمل کابینہ نے حلف اٹھایا کابینہ مندرجہ ذیل وزراء پر مشتمل تھی۔

وزیر اعلیٰ	سردار عنایت اللہ خان گنڈا پور
وزیر جنگلات	نوابزادہ عظمت علی خان
وزیر تعمیرات	ہمایوں سیف اللہ
وزیر قانون و سیاحت	حق نواز خان
وزیر بلدیات و سپورٹس	قادر نواز خان
وزیر ایکسائز و ٹیکسیشن	حاجی عبدالمستعان
وزیر محنت	عبدالصمد خان
وزیر اطلاعات	سید مزمل شاہ
وزیر تعلیم	راجہ جارج سکندر زمان
وزیر دیہی ترقی و خاندانی منصوبہ بندی	سردار گل زمان خان
وزیر زراعت و حیوانات	ہارون بادشاہ
وزیر جیل خانہ جات و امداد باہمی	امان اللہ خان
وزیر خوراک	حاجی محمد رحمان
وزیر خزانہ	محمد اقبال خان جدون

جولائی ۱۹۷۴ء میں ایک سینئر وزیر کا اضافہ کیا گیا۔ یہ سینئر وزیر حیات محمد خان شیرپاؤ بنائے گئے جو صوبہ سرحد کے گورنر بھی رہ چکے تھے۔ محسن علی خان جب کوہاٹ کے حلقے سے ضمنی انتخابات میں کامیاب ہوئے تو انہیں اگست ۱۹۷۴ء میں وزیر اعلیٰ کا پارلیمانی سیکرٹری مقرر کیا گیا اس کابینہ میں چونکہ سرحد جیسے چھوٹے سے صوبے میں وزراء کی تعداد زیادہ تھی اس لئے مزید پارلیمانی سیکرٹری یا مشیر نہیں لئے گئے

ضمنی انتخابات

سرصاحبزادہ کی وفات کے بعد ۱۶ فروری ۱۹۳۸ء کو اس علقے کا انتخاب ہوا۔ راجہ منوچہر اور سلطان العارفین دو امیدوار تھے۔ راجہ منوچہر نے ۱۳۷۹ اور سلطان العارفین نے صرف ۷۸۰ ووٹ لئے۔ کانگرسی امیدوار نے شکست کھائی اور راجہ منوچہر سرحد اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔

۱۱ فروری ۱۹۳۸ء کو سرحد اسمبلی کے مسلم لیگی ممبروں نے سردار اورنگ زیب خان کو سر صاحبزادہ کی جگہ اپوزیشن لیڈر منتخب کیا۔

۱۶، ۱۷ اگست ۱۹۴۳ء کو سرحد کے چھ حلقوں کے ضمنی انتخابات ہوئے۔ ۲۱ اگست کو نتیجہ نکلا۔ کامیاب امیدواروں میں مسلم لیگ کے ارباب شیر علی خان، میاں غلام حسین نواب نصر اللہ خان، محمد ایوب خان کامیاب ہوئے۔ ہندوؤں کے حلقے سے لالہ کیول رام اور لالہ ہنس راج بنوں سے کامیاب ہوئے۔ یہ اہم ضمنی انتخابات ۱۹۴۳ء کے تھے۔ یہ انتخابات ۱۶ اور ۱۷ اگست ۱۹۴۳ء کو ہوئے۔ ان ضمنی انتخابات میں مسلم لیگی امیدواروں کو کامیاب کرانے کے لئے مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی خان اور مولانا عبدالحامد بدایونی نے انتہائی دلچسپی لی۔

قائداعظم نے ان انتخابات کے موقع پر سرحدی عوام کو یہ پیغام دیا۔

"ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ یقین ہے کہ آپ لوگ اپنے خطے کی سیسہ پگھلائی ہوئی غیر مفتوحہ چٹانوں کی طرح اسلام کے غالب سپاہی ثابت ہوں گے اور آپ ہی کے ذریعے ہندوستان میں اسلام اپنی ماضی کی شاندار روایات کو دہرائے گا۔"

دسمبر ۱۹۷۳ء کے ضمنی انتخابات

سرحد اسمبلی کے دو حلقوں پی ایف ۵ پشاور۔ پی ایف ۲۶ کوہاٹ سے ۱۷ دسمبر ۱۹۷۳ء کو امیدواروں نے کاغذات نامزدگی داخل کئے یہ نشستیں بالترتیب خان عبدالولی خان اور صوبہ سرحد کے گورنر محمد اسلم خان خٹک کے استعفوں سے خالی ہوئی تھیں۔ پی ایف پشاور ۵ سے صوبائی اسمبلی کی خالی نشست کے لئے مندرجہ ذیل امیدواروں نے کاغذات نامزدگی داخل کئے جن میں پیپلز پارٹی کے امیر خسرو خان ملک نادر خان اور محمد افضل خان نیپ کے مسٹر شیر دل خان۔ احمد گل۔ کفایت اللہ اور پاکستان مسلم لیگ قیوم گروپ کے میاں مکرم شاہ میاں جعفر شاہ اور آزاد امیدواروں میں سید کریم۔ گل رحمان اور امان اللہ شامل تھے۔

کوہاٹ کے حلقے سے پندرہ امیدواروں نے کاغذات نامزدگی داخل کئے ان میں پی پی پی کے محسن علی خان، محمد ایوب خٹک، آفتاب گل، نیپ کے میر خان۔ رضا قلی خان متحدہ جمہوری محاذ کے گل مست خان، جمعیت العلمائے اسلام کے شہید احمد۔ آزاد امیدواروں میں ماسٹر خان گل۔ ریٹائرڈ کرنل فیض اللہ خان، مصطفےٰ کمال۔ باچا میر۔ بیگم محمد اسلم خان خٹک فیض اللہ خان، مستعان خان اور لیفٹننٹ جنرل ریٹائرڈ حبیب اللہ خان تھے ۱۸ دسمبر کو کاغذات نامزدگی کی جانچ پڑتال ہوئی اور ۲۲ دسمبر کو کاغذات نامزدگی واپس لینے کی تاریخ تھی۔

صوابی کے حلقے سے قومی اسمبلی کے ضمنی انتخابات کے سلسلے میں ۱۳ امیدواروں نے کاغذات نامزدگی داخل کئے جن میں پی پی پی کے رحمداد خان، سلطان علی خان۔ میاں فضل خان اور اسرار خان، پاکستان مسلم لیگ قیوم گروپ کے سید عمران اور حاجی سیفور۔ نیپ کے غلام سرور خان، عمرا خان اور احمد علی خان آزاد امیدوار

میں اجون خان جدون، حکم خان، محمد افسر، محمد اکبر خان خلیل شامل تھے۔ کاغذات نامزدگی کی جانچ پڑتال کیلئے ۱۸ر دسمبر تاریخ مقرر کی گئی۔ نامزدگی واپس لینے کی تاریخ ۲۳ر دسمبر مقرر تھی۔

۱۷ر جنوری ۱۹۷۴ء کے دن تینوں حلقوں کے انتخابات ہوئے ۱۸ر جنوری ۱۹۷۴ء کی اخباری اطلاعات کے مطابق حلقہ صوابی سے نیپ کے امیدوار عمرا خان اور حلقہ چارسدہ سے نیپ کے امیدوار شیر دل خان بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے ضمنی انتخابات صوبائی اسمبلی کی دو سیٹوں یعنی پی ایف ۲۶ کوہاٹ ۳ کرک اور پی ایف پشاور ۵ چارسدہ کا ہوا قومی اسمبلی کے لئے حلقہ این ڈبلیو۔ امردان ۲ کا ضمنی انتخاب ہوا۔ صوبائی اسمبلی کے لئے حلقہ پی ایف ۲۶ کوہاٹ ۳ کرک کی سیٹ خان محمد اسلم خان خٹک گورنر سرحد کے استعفیٰ سے خالی ہوئی تھی اس نشست کے لئے خان محمد اسلم خان خٹک کے بھائی اور بھتیجے کے علاوہ ان کے داماد نواب محسن علی خان بھی امیدوار تھے۔ نواب محسن علی خان نے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر انتخاب لڑا اور بھاری ووٹوں سے کامیاب ہوئے، صوبائی اسمبلی کی دوسری نشست پی ایف پشاور ۵ چارسدہ نیپ کے سربراہ خان عبدالولی خان کے استعفےٰ سے خالی ہوئی تھی کیونکہ خان عبدالولی خان قومی اسمبلی کے بھی ممبر منتخب ہوئے تھے اور صوبائی اسمبلی کے لئے بھی منتخب ممبر تھے ان دونوں میں سے انہوں نے ایک نشست سے قانونی طور پہ استعفیٰ دینا تھا چنانچہ انہوں نے قومی اسمبلی کی نشست تو بحال رکھی اور صوبائی نشست سے استعفیٰ دیدیا تھا اس حلقے سے نیپ کے امیدوار شیر دل خان بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے مردان کے حلقہ این ڈبلیو ۱۰ سے امیرزادہ خان قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے وہ بھی ایک دوسرے حلقے سے صوبائی اسمبلی کے بھی منتخب ہوئے تھے وہ بھی ایک دوسرے حلقے سے صوبائی اسمبلی کے بھی منتخب ممبر تھے قانونی طور پہ انہوں نے قومی اسمبلی کی نشست سے استعفیٰ دے کر صوبائی نشست پر بحال رہے، ضمنی انتخاب کے لئے میں یہ نشست بھی

نیپ کے امیدوار عمرا خان نے بھاری اکثریت سے حاصل کر لی

سرحد کے سینیٹر

۱۹۷۳ء میں پاکستان کے نئے آئین کے تحت پاکستان کے چاروں صوبوں کو سینٹ میں نمائندگی دی گئی۔ صوبہ سرحد سے سینٹ کی دس سیٹوں کے لئے ۳۰۔ جون ۱۹۷۳ء کو بارہ امیدواروں نے صوبہ سرحد کے الیکشن کمشنر مسٹر محمد جان خان کے دفتر میں کاغذات نامزدگی داخل کئے۔ ان بارہ امیدواروں میں سے پاکستان پیپلز پارٹی کے شبیر محمد خان ساکن سوات۔ سردار محمد اسلم خان ساکن ہزارہ۔ میر افضل خان ساکن مردان۔ ریٹائرڈ جسٹس حبیب اللہ خان ساکن لکی مروت بنوں۔ نعمت اللہ خان ساکن بنوں اور ظفر قریشی ساکن پشاور۔ نیپ کے راجہ امان اللہ خان ہزارہ۔ کامران خان سوات۔ شہزادہ گل مردان۔ اور ظہور الحق پشاور تھے۔ جمعیت العلمائے اسلام کے ڈاکٹر فدا حسین پشاور اور حاجی شبیب شاہ ساکن بنوں تھے۔ ۱۰۔ جولائی کو انتخاب ہوا۔ اور مندرجہ ذیل امیدوار کامیاب قرار دیئے گئے۔

خان حبیب اللہ خان بنوں۔ حاجی شبیب شاہ بنوں۔ نعمت اللہ خان بنوں۔ سردار محمد خان ہزارہ۔ شہزادہ گل مردان۔ میر افضل خان مردان۔ کامران خان سوات۔ شبیر محمد خان سوات ظہور الحق پشاور اور ظفر احمد قریشی پشاور ۔۔ خان حبیب اللہ خان کو پاکستان سینٹ کے پہلے اجلاس میں متفقہ طور پر سینٹ کا پہلا چیئرمین منتخب کیا گیا۔ قبائلی علاقوں سے ملک گلاب خان۔ خیال سید اور نصر اللہ خان آفریدی سینیٹر منتخب ہوئے۔ دو سال کی مدت پوری کرنے کے بعد جولائی ۱۹۷۵ء میں حاجی شبیب شاہ اور ظفر احمد کی جگہ حاجی غلام احمد بلور اور ملک محمد شریف سینیٹر منتخب ہوئے اور قبائلی علاقوں سے گلاب خان اور خیال سید کی جگہ عجب خان اور نعمت اللہ خان شنواری سینیٹر منتخب ہوئے اور خان حبیب اللہ خان کو دوبارہ سینٹ کا چیئرمین منتخب کیا گیا۔

مرکزی اسمبلی میں سرحد کے ممبر

(قیام پاکستان سے پہلے)

ہندوستان کی فیڈرل اسمبلی میں نامزد غیر سرکاری ممبر

۱۹۱۹ تا ۱۹۲۴ء — خان بہادر عبدالرحیم خان کنڈی ڈیرہ اسمٰعیل خان

۱۹۲۴ تا ۱۹۲۶ء — سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان۔ ٹوپی

۱۹۳۶ تا ۱۹۴۵ء — میجر نواب سر احمد نواز خان ڈیرہ اسمٰعیل خان

۱۹۴۵ تا ۱۹۴۷ء — خان بہادر شریت خان ڈیرہ اسماعیل خان

منتخب ممبر

۱۹۳۶ تا ۱۹۳۷ء — ڈاکٹر خان صاحب اتمان زئی پشاور

۱۹۳۷ تا ۱۹۴۵ء — خان عبدالقیوم خان بار ایٹ لاء پشاور

۱۹۴۵ تا ۱۹۴۷ء — خان عبدالغنی خان اتمان زئی چارسدہ

کونسل آف سٹیٹ میں نامزد ممبر

۱۴ جنوری ۱۹۲۲ تا ۱۹۳۶ء — میجر سر محمد اکبر خان ہوتی مردان

۱۹۳۶ تا ۱۹۴۷ء — سر حسام الدین۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان

قیام پاکستان کے بعد

(پاک دستور ساز اسمبلی میں)

۱۹۴۷ تا ۱۹۵۵ء (تعداد نمائندگی = ۴) — سردار عبدالرب نشتر پشاور، خان عبدالغفار خان اتمان زئی۔
سردار اسد جان گنڈاپور کلاچی۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان۔
نوابزادہ اللہ نواز خان ڈیرہ اسمٰعیل خان۔

۱۹۵۵ تا ۱۹۵۸ء (تعداد نمائندگی = ۴) — سردار عبدالرشید خان پشاور، میاں جعفر شاہ پشاور
ملک الرحمٰن کیانی کوہاٹ، خان جلال الدین خان ہزارہ

١٩٥٨ تا ١٩٦٢ء مارشل لاء کی وجہ سے دستور یہ معطل رہی۔

١٩٦٢ تا ١٩٦٥ء (تعداد نمائندگی ١٤)

حلقہ ۷ ڈیرہ اسمٰعیل خان۔ مولانا مفتی محمود

حلقہ ۸ بنوں۔ سیف اللہ خان بار ایٹ لاء

حلقہ ۹ ڈیرہ ایجنسی۔ دریا خان مدی خیل

حلقہ ۱۰۔ پشاور۔ ارباب سیف الرحمان

حلقہ ۱۱ پشاور۔ میاں جمال شاہ

حلقہ ۱۲۔ مردان۔ کرنل عبدالغفور ہوتی

حلقہ ۱۳۔ ہزارہ۔ سردار بہادر خان

حلقہ ۱۴۔ ہزارہ مع مردان۔ محمد حنیف خان

حلقہ ۱۵ ہزارہ۔ محمد ایوب خان بٹگرام

حلقہ ۱۶ کوہاٹ۔ یوسف خٹک

حلقہ ۱۷ خیبر ایجنسی۔ ملک ولی خان کوکی خیل

حلقہ ۱۸۔ ملاکنڈ ایجنسی محمد شاہ خان خسرو

حلقہ ۱۹ سوات۔ میاں گل اورنگ زیب

زنانہ حلقہ ۸۔ خاتون سرحد بیگم زری سرفراز

١٩٦٥ تا ١٩٦٩ء (تعداد نمائندگی ١٤)

حلقہ ۷ ڈیرہ اسمٰعیل خان۔ سردار فضل کریم تصویہ حلقہ ۸۔ بنوں۔ ملک دمساز خان

حلقہ ۹۔ ڈیرہ ایجنسی۔ دریا خان وزیر مدی خیل حلقہ ۱۰ پشاور۔ فدا محمد خان۔

حلقہ ۱۱ پشاور۔ نصر اللہ خان خٹک حلقہ ۱۲ مردان

حلقہ ۱۳۔ ہزارہ مع مردان۔ محمد حنیف خان حلقہ ۱۴ ہزارہ۔ کیپٹن گوہر ایوب۔

حلقہ ۱۵ ہزارہ۔ محمد ایوب خان بٹگرام حلقہ ۱۶ کوہاٹ۔ عظمت علی خان

حلقہ ۱۷ خیبر ایجنسی۔ ملک علی خان شاہ۔ حلقہ ۱۸۔ ملاکنڈ ایجنسی۔ محمد شاہ خان خسرو نواب دیر

حلقہ ۱۹ سوات۔ میاں گل اورنگ زیب۔ زنانہ حلقہ ۸۔ خاتون سرحد بیگم زری سرفراز

انتخابات ١٩٧٠ء

تیرہ سال کے بعد جنرل یحییٰ خان کے دور صدارت میں ملک کی سیاسی پارٹیوں کے شدید مطالبے کے پیش نظر وحدت مغربی پاکستان کے تنظیمی ڈھانچے کو توڑا گیا تو صوبہ سرحد کی بھی صوبائی خود مختاری بحال ہوئی۔ ١٩٧٠ء کے جنرل انتخابات

میں قومی اسمبلی کے لئے سرحد سے عورتوں کے لئے ایک قبائلی علاقوں کے لئے سات اور زیر انتظام اضلاع کے لئے اٹھارہ نشستیں مخصوص کی گئیں۔

بنیادی جمہوریتوں کے نظام کی جگہ جمہوری نظام حکومت کے دور کا آغاز ہوا، سرحد میں ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو قومی اسمبلی کے جنرل انتخابات ہوئے تمام سیاسی پارٹیوں نے انتخابات میں حصّہ لیا۔ قومی اسمبلی میں سرحد سے عورتوں کے لئے ایک قبائلی علاقوں کے لئے سات اور سرحدی اضلاع کے لئے اٹھارہ نشستیں محفوظ تھیں۔ زنانہ نشست پر بیگم شیریں وہاب پشاور بلا مقابلہ منتخب ہوئیں قبائلی علاقوں کی سات نشستوں میں سے ایک نشست پر نعمت اللہ خان شنواری بلا مقابلہ کامیاب ہوئے۔ باقی نشستوں کے لئے تیس امیدواروں کے درمیان اپنے اپنے حلقوں میں مقابلہ ہوا۔ قبائلی علاقوں میں ووٹ دینے کے مجاز صرف وہ ملک تھے جنہیں ملکی الاونس ملتا تھا۔ چھ ممبروں نے آزاد ٹکٹ پر انتخاب میں حصّہ لیا صرف ایک ممبر حاجی صاحب جان جمیعت العلمائے اسلام کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے اضلاعی انتخابات میں ہر بالغ ووٹ دینے کا مجاز تھا۔ انتخابات میں قیوم مسلم لیگ، جماعت اسلامی، پیپلز پارٹی، عوامی لیگ، جمعیت العلمائے اسلام، کونسل مسلم لیگ، نیشنل عوامی پارٹی، کنونشن مسلم لیگ، مرکزی جمعیت العلمائے پاکستان، پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی اور آزاد امیدواروں نے حصّہ لیا۔ کامیاب سیاسی پارٹیوں کا تناسب یہ تھا۔

قیوم مسلم لیگ ۹۔ جمعیت العلمائے اسلام ۶ نیپ مع خاتون ممبر ۳۔ پیپلز پارٹی ۱ جماعت اسلامی ۱۔ اور آزاد ۶

خان عبدالقیوم خان ہزارہ ۲ مردان مع ہزارہ ۱۱ اور پشاور ۱ کے تینوں حلقوں سے کامیاب ہوئے۔ انتخابی قوانین کے تحت بعد میں انہوں نے ہزارہ ۲ اور پشاور کی سیٹیں خالی کیں ان نشستوں کا ضمنی انتخاب ہوا جس میں ہزارہ سے محمد حنیف خان اور پشاور سے خان محمد یوسف خٹک بالترتیب کامیاب ہوئے انتخابات میں کامیاب

ہونے والے ممبر مندرجہ ذیل تھے۔
پشاور۔ محمد یوسف خٹک۔ غلام فاروق خان۔ خان عبدالولی خان۔ مولوی عبدالحکیم مولانا عبدالحق۔ ہزارہ:۔ مولانا غلام غوث ہزاروی۔ سردار عنایت الرحمان۔ خان محمد حنیف خان۔ مردان۔ عبدالخالق خان۔ امیرزادہ خان۔ خان عبدالقیوم خان
کوہاٹ:۔ مولانا نعمت اللہ۔ بنوں۔ مولانا صدر الشہید۔
ڈیرہ اسماعیل خان:۔ مولانا مفتی محمود۔ چترال۔ اتالیق جعفر علی شاہ
سوات۔ رحیم شاہ۔ میاں گل اورنگ زیب۔ دیر۔ صفی اللہ خان۔
قبائلی علاقہ۔ اکبر خان۔ حاجی صالح خان۔ عبدالمالک میجر جنرل ریٹائرڈ جمال دار خان۔ نعمت اللہ خان شنواری۔ عبدالسبحان خان۔ ملک جہانگیر خان
زنانہ حلقہ۔ بیگم شیریں وہاب۔

قائد سرحد" سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان

صاحبزادہ عبدالقیوم خان

سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان کا شجرہ نسب ابراہیم لودھی کے خاندان سے جا ملتا ہے
یہ کہا جاتا ہے کہ ۱۵۲۶ء میں جب پانی پت کے میدان میں بابر کے ہاتھوں افغان بادشاہ
ابراہیم لودھی قتل ہو گیا تو لودھی خاندان کے کچھ شہزادے افغانستان کی طرف چلے گئے
اور وہیں مقیم ہو گئے۔ ۱۷۵۸ء میں احمد شاہ ابدالی جب ہندوستان پر حملہ آور ہوا
تو ابراہیم لودھی کے شہزادوں کی اولاد میں سے ایک بزرگ عبدالکریم بھی ہندوستان
کو فتح کرنے کے لئے احمد شاہ کی فوج میں شامل ہو گئے۔ عبدالکریم بہت بڑے عالم
فاضل اور نیک سیرت بزرگ تھے۔ ہندوستان کو فتح کرنے کے بعد جب احمد شاہ ابدالی
واپس افغانستان کی طرف آیا تو عبدالکریم بابا بھی احمد شاہ کے ساتھ ہی واپس آگئے
مگر اس دفعہ وہ افغانستان نہ گئے بلکہ دریائے سندھ کے کنارے آکر مقیم ہو گئے
کچھ عرصے کے بعد عبدالکریم بابا ٹوپی گاؤں پہنچے یہ جگہ انہیں بہت پسند آئی اور
وہیں ڈیرہ لگا دیا: آپ نے ٹوپی میں قیام کرنے کے بعد ٹوپی اور ارد گرد کے لوگوں
میں اسلامی تبلیغ شروع کر دی۔ درس جاری کر دیا اور بیشمار لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر
بیعت کی۔ ٹوپی میں لوگوں نے آپ کے گزارے کے لئے زمین بھی آپ کو دے دی
اور لنگر کے لئے بھی مقامی لوگوں نے ہر قسم کا تعاون کیا۔ ۱۱۶۰ھ میں آپ کا انتقال
ہوا۔ اور ٹوپی میں ہی آپکو سپرد خاک کیا گیا۔ آپکی قبر پر ایک تختی نصب ہے جس پر
لکھا ہے"

"حال و نام ایں مردہ دارد عبدالکریم از و سہ پسر ماندہ شرف الدین، صدر الدین
و شمس الدین ساکن ٹوپی سن ہجری یک ہزار و صد شصت سال بود ایں نوشتہ بعد از چہل

سال این قبر در مملکت احمد شاہ افغان"

یعنی اس مرے ہوئے شخص کا نام عبدالکریم ہے، جس کے تین بیٹے رہ گئے ہیں جن کے نام شرف الدین، صدر الدین اور شمس الدین ہیں۔ لوٹی کے رہنے والے ہیں اور سال وفات ۱۱۶۰ھ ہے۔ اس قبر کی بہ تحریر احمد شاہ بادشاہ افغانستان کے عہد کی ہے"

عبدالکریم بابا چونکہ بہت بڑے بزرگ تھے، ساتھ ہی وہ شاہی خاندان میں سے تھے اس لئے ان کی اولاد کو عوام نے صاحبزادوں کے لقب سے پکارنا شروع کیا اور اسی لقب سے وہ مشہور ہوتے۔

عبدالکریم بابا کے فوت ہو جانے کے بعد یوسف زئیوں نے ان کے بڑے بیٹے صاحبزادہ شرف الدین کو گدی پر بٹھایا ان کا ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام صاحبزادہ قطب الدین تھا صاحبزادہ قطب الدین نے اسلامی تعلیم حاصل کی اور علاقے کے روحانی اور مذہبی رہنما بنے۔ ان کا ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام جمال الدین تھا یہ بھی بہت بڑے بزرگ متقی اور عالم فاضل تھے ان کے تین بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام رواح الدین، قطب عالم اور باچا صاحبزادہ۔ قطب عالم بڑے عالم فاضل اور بزرگ تھے۔ ان کے زہد و تقویٰ کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا ان کی علمیت، زہد و تقویٰ اور تقدس کو دیکھ کر حضرت سید امیر عرف کوٹھا ملا صاحب نے اپنی بہن ان کے نکاح میں دی۔ قطب عالم صاحب کا بیٹا عبدالرؤف پیدا ہوا، جس نے اپنے ماموں سید امیر سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اور ایک عالم باعمل بنے۔ بڑے بڑے پادری آپ سے بحث کرنے آپ کے پاس آتے تھے آپ نے کئی بار پادریوں کے سامنے مسئلہ تثلیث پر بحث کرتے ہوئے پادریوں کو مناظرے میں شکست فاش دی جن دنوں انگریز مشنری پادریوں کے ذریعے سرحد میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے پادری کلارک صوبے کے کونے کونے

میں پھر کر بڑے بڑے عالموں سے بحث کر کے انہیں مسئلہ تثلیث کا قائل کرانا چاہتا تھا مگر صاحبزادہ عبدالرؤف کے سامنے جب بھی کلارک گیا اسے منہ کی کھانا پڑی سید امیر بادشاہ نے آپ کی ذہانت، علمیت اور زہد و تقویٰ سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی آپکے نکاح میں دے دی۔ سید امیر بادشاہ المعروف کوٹھا ملا تحریک آزادی کے بہت بڑے مجاہد تھے انہی کی بیٹی سے صاحبزادہ عبدالقیوم ۱۸۶۳ء میں ٹوپی میں پیدا ہوئے۔ صاحبزادہ عبدالقیوم ابھی تین سال کے تھے کہ ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا ماں کے انتقال کے بعد ان کی بہن نے ان کی تربیت کی ابھی بہن بھائی کی آنکھوں سے ماں کے غم میں بہنے والے آنسو خشک نہیں ہوئے تھے کہ کسی سازشی نے ایک طالب علم کے ذریعے ۱۹ راگست ۱۸۷۳ء کو ان کے والد عبدالرؤف کو چاقو کے تین شدید وار کر کے شہید کر دیا۔ سید امیر بادشاہ نے صاحبزادہ عبدالرؤف کا جنازہ خود پڑھایا اور انہیں اپنے والد محمد سعید باچا کی قبر کے پاس دفن کیا۔

ماں باپ کے فوت ہو جانے کے بعد صاحبزادہ عبدالقیوم اور ان کی ہمشیرہ کو ان کے ماموں اپنے پاس ٹوپی سے کوٹھا گاؤں لے گئے ان دنوں سید امیر صاحب آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو گئے تھے ان کے ماموں اور مرید صاحبزادہ اور ان کی بہن کو سید امیر صاحب کے پاس لے گئے اور کہا کہ حضرت یہ بچے یتیم و یسیر ہیں ان کے لئے آپ دعا کریں۔ سید امیر صاحب نے صاحبزادہ کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ یہ بچہ کون ہے؟ ان کے ماموں اور مریدوں نے کہا کہ یہ عبدالقیوم ہے سید امیر صاحب نے کہا خدا ان کا انجام اچھا کرے۔ مریدوں نے کہا حضرت ان کی درازیٔ عمر کے لئے دعا کریں۔ سید امیر صاحب نے فرمایا: "میرا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ یہ عبدالقیوم بڑے مرتبے کو پہنچے گا۔"

صاحبزادہ کے ماموں سید احمد نے انہیں کوٹھا کے پرائمری سکول میں

داخل کرا دیا۔ جہاں وہ خود معلّم تھے انہوں نے اپنے بھانجے کی ابتدائی تعلیم و تربیّت پر کافی توجّہ دی۔

پرائمری سکول میں تعلیم کے دوران ایک دن صاحبزادہ کے ماموں زاد بھائی نے انہیں خوب زدوکوب کیا۔ صاحبزادہ نے بھی بدلے میں ماموں زاد بھائی کو خوب پیٹا۔ وہ روتا ہوا باپ کے پاس گیا کہ عبدالقیوم نے مجھے پیٹا ہے۔ آپ کے ماموں غصّے سے باہر نکلے اور عبدالقیوم کو خوب سزا دی۔ عبدالقیوم چلّا چلّا کر رونے لگے اور چیخ چیخ کر کہنے لگے خدایا میں کدھر جاؤں۔" اس مارپیٹ کے بعد وہ اکثر غمزدہ رہتے تھے۔ انہی دنوں پادری ہیوز کوٹھے کے گاؤں میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے اپنی پارٹی کو لے کر اکثر آیا کرتا تھا۔ ہیوز نے مصلحت کی بنا پہ صاحبزادہ عبدالقیوم کے ماموں اور کچھ عزیزوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے تھے۔ جب یہ پادری کوٹھا گاؤں میں آتا تو صاحبزادہ بھی اپنے ماموں کے ساتھ اس مجلس میں شریک ہوتا جس میں پادری ہیوز موجود ہوتا تھا۔ ہیوز کو معلوم ہو چکا تھا کہ عبدالقیوم کے ماں باپ دونوں فوت ہو چکے ہیں لہٰذا وہ اس تاک میں لگ گیا کہ کسی طرح عبدالقیوم کو وہ اپنی تحویل میں لے کر مشنری اداروں میں اس کی تعلیم و تربیت کرائے۔ مگر اسے موقع نہ ملتا تھا کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار صاحبزادہ کے ماموں سے کرے۔

صاحبزادہ عبدالقیوم نے ٹوپی کے پرائمری سکول میں پرائمری جماعت پاس کی اور مرغز کے پرائمری سکول میں ٹیچر مقرر ہو گئے۔ کچھ عرصہ وہاں رہے اور درس و تدریس کا کام کرتے رہے اس دوران پادری ہیوز نے صاحبزادہ عبدالقیوم سے خود مراسم قائم کر لئے اور مزید تعلیم کی ترغیب اور امداد کا وعدہ کرتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ پشاور چلنے کو کہا۔ صاحبزادہ کو بھی تعلیم کا شوق تھا اس لئے وہ پادری ہیوز کے مشورے سے اتفاق کرتے ہوئے ہیوز کے ساتھ پشاور

چلے آئے۔ پشاور آنے کے بعد وہ شروع شروع میں تہکال بالا میں مقیم ہو گئے جہاں
ان کے والد کے بہت سے مرید تھے۔ جو بہت بڑے عالم فاضل تھے اور تہکال کی
مسجد کے پیش امام تھے، صاحبزادہ نے ان کے پاس رہ کر کچھ عرصہ مذہبی تعلیم حاصل
کی مولانا غلام حسن نیازی بھی ان کی دیکھ بھال اور تعلیم کے سلسلے میں ان کی مدد کرنے لگے
چنانچہ آپ کچھ عرصہ تک تہکال میں رہنے کے بعد یکہ توت میں مولانا غلام حسن کے
ہاں آ گئے، کچھ عرصہ آپنے درینگی میں بھی مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لئے گذارا۔ مولانا
نورالحسن نے آپکو مشن سکول میں داخل کرا دیا تھا۔ آپ دن کو سکول جاتے اور پھر سکول
سے چھٹی ہونے کے بعد عالموں اور فاضلوں کی مجلس میں حاضر ہو کر اسلامی تعلیم حاصل
کرتے۔ اسلامی تعلیم کے حصول میں حاجی خیل مسجد کے پیش امام مولوی نور محمد صاحب
نے آپکی کافی مدد کی۔ پادری ہیوز نے آپکے ساتھ برابر رابطہ قائم کیا ہوا تھا۔ وہ
گاہے گاہے ان کا حال احوال معلوم کرنے کے لئے تہکال بالا میں جاتا رہتا
تھا۔ تہکال بالا کے لوگوں نے جب صاحبزادہ عبدالقیوم کے تعلیمی شوق کو دیکھا تو
انہوں نے بھی اپنے بچوں کو تعلیم کے حصول کے لئے مسجدوں اور سکولوں میں بٹھا
دیا تھا ارباب سکندر خان خلیل کے والد جو حضرت کوٹھا ملا کے عقیدتمندوں میں سے تھے انہوں نے صاحبزادہ کی طرف خلوص توجہ دی۔

آپ بچپن سے ہی نہایت ذہین اور پاکیزہ طبیعت رکھتے تھے مشن سکول میں
تعلیم کے دوران آپکی محنت اور قابلیت کو دیکھ کر مشن سکول کے پرنسپل پادری نے
آپکو کھیلوں اور تعلیم میں نمایاں کام کرنے کی وجہ سے کئی انعامات دیئے۔ مشن سکول
ان دنوں بھی اسی جگہ ایڈورڈز گیٹ کے پاس ہوتا تھا جہاں آج کل ہے۔ صاحبزادہ
پہلے تو تہکال سے سکول تک پیدل آتے جاتے رہے اور پھر بعد میں فاصلے کی دوری
اور راستے کی تکلیف کی وجہ سے یکہ توت میں مولانا غلام حسن نیازی کے ہاں مقیم
ہو گئے۔ پشاور شہر کے مرزا محمد اسمٰعیل نیازی جو ان دنوں سکولوں کے انسپکٹر تھے

وہ سید امیر باچا کے مرید تھے، لہٰذا وہ اپنے شیخ کے نواسے عبدالقیوم کا خاص خیال رکھتے رہے اور تعلیمی سلسلے میں کافی مدد بھی کرتے رہے۔ پادری ہیوز صاحبزادہ کی ہمت افزائی کرتا رہا۔ پادری کا تو یہ خیال تھا کہ صاحبزادہ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ عیسائیت کی طرف مائل ہو جائے گا۔ مگر اس کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اگرچہ وہ آخر تک پر امید رہا۔

صاحبزادہ صاحب بڑی محنت سے مشن ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد ۳۔ دسمبر ۱۸۸۷ء کو نائب تحصیلداری کے کورس کے لئے منتخب ہوئے۔ یہ کورس مکمل کرنے کے بعد آپ پشاور کے چیف کمشنر کے دفتر میں منشی مقرر ہو گئے۔ آپ پشتو سے انگریزی اور انگریزی سے پشتو میں ترجمہ کرنے میں بہت ہی ماہر ہو چکے تھے اس لئے آپ نے چیف کمشنر کے دفتر میں کافی اہمیت حاصل کر لی۔

۱۸۸۸ء میں جب کوہ سیاہ کی مہم شروع ہوئی تو ہزارہ کے ڈپٹی کمشنر کرنل اونی کو ایک ایسے مترجم کی ضرورت پڑی جو پشتو اور انگریزی دونوں زبانوں پر قابو رکھتا ہو۔ اس نے چیف کمشنر کو لکھا۔ چیف کمشنر نے صاحبزادہ عبدالقیوم کی خدمات ڈپٹی کمشنر ہزارہ کے حوالے کر دیں۔ چنانچہ آپ کو کرنل اونی کے ساتھ ہزارہ میں میر منشی مقرر کر دیا گیا۔ آپ اوگی چلے گئے جہاں کوہ سیاہ کی مہم پر قابو پانے کے لئے انگریز حکام مختلف تدبیروں کو بروئے کار لا رہے تھے۔ اس کوہ سیاہ کی مہم میں صاحبزادہ صاحب نے نہایت عقلمندی اور تدبر کا ثبوت دیا جس کے صلے میں انگریز حکومت نے آپ کی خدمات کو خوب سراہا گیا۔ جب کوہ سیاہ کی مہم ختم ہو گئی تو آپکو دوبارہ چیف کمشنر پشاور کے دفتر میں میر منشی مقرر کیا گیا۔

۲۱ جنوری ۱۸۹۰ء کو آپ کو محکمہ مال کے بندوبست اراضی کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے آپکو منتخب کیا گیا چنانچہ آپکو تین ماہ کے لئے اس کورس کی تکمیل کے لئے سیالکوٹ بھیج دیا گیا۔ یہ کورس مکمل کرنے کے بعد آپ واپس پشاور آئے اور کوہاٹ میں گرداور مقرر ہو گئے۔

۱۸۹۱ء میں جب سمانہ کی جنگ شروع ہوئی تو آپ کو سمانہ یعنی میران زئی میں نائب تحصیلدار مقرر کیا گیا۔ میران زئی مہم میں اپنے فرائض میں اہم کامیابی حاصل کرنے کے بعد آپ نے کرم ایجنسی میں تحصیلدار، بندوبست افسر مال اور افسر خزانہ کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیئے۔ ان علاقوں میں چونکہ انگریزوں کے خلاف انتہائی کشیدگی تھی اور ان علاقوں میں مجاہد مسلسل انگریزوں کے خلاف مصروف جہاد تھے اس لئے صاحبزادہ صاحب نے کشیدگی دور کرنے کے لئے اہم کردار ادا کیا۔ اسی دوران آپکی دوستی میجر روس کیپل کے ساتھ قائم ہوئی جو آخر تک قائم رہی۔ آپ دونوں سگے بھائیوں کی طرح رہتے سہتے اور ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔ اسی دوران صاحبزادہ صاحب کا ۲۵ ہزار روپیہ کا ڈربی انعام نکل آیا جس کے بعد ان کی مالی حالت اور زیادہ مستحکم ہو گئی۔

صاحبزادہ صاحب کرم ایجنسی میں ہی انگریزوں کی طرف سے اپنے خصوصی فرائض سرانجام دے رہے تھے کہ آپکو سرجان ڈانلڈ کے ساتھ افغان باؤنڈری کمیشن میں بطور اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کیا گیا جہاں آپ نے ملکی حقوق کے تحفظ کے لئے شاندار خدمات سرانجام دیں جس کے صلے میں حکومت انگریزی نے آپکو سونے کی ایک گھڑی انعام میں دی۔ ۱۸۹۵ء میں ہندوستان اور افغانستان کی حد بندی مشن کے سلسلے میں اسمار کے علاقے میں آپ کو سر رچرڈ ایڈی

کا میر منشی اور پولیٹیکل اسسٹنٹ مقرر کیا گیا۔ حد بندی کمیشن کا کام جب ختم ہوا تو آپکو واپس پشاور کے چیف کمشنر کے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ مقرر کر دیا گیا۔

۱۸۹۶ء میں جب مہمند مجاہدین نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا تو اس موقع پر مہمندوں اور انگریزوں کے درمیان تعلقات کو استوار کرنے کے لئے انگریزوں نے آپکی اہم خدمات حاصل کیں اور آپکو شبقدر میں متعین کیا گیا آپکی کوششوں سے مہمند مجاہدین کو کافی مراعات دی گئیں۔ صلح کی شرائط پر مہمندوں نے انگریزوں کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کر لئے جس کے صلے میں آپکو ایک تلوار اور قیمتی خلعت انعام میں دیا گیا۔

۱۸۹۷ء میں تیراہ کے مجاہدین اسلام نے انگریزوں کے خلاف اعلان جہاد کیا تو اس وقت آپکو چیف پولیٹیکل ایجنٹ کا میر منشی بنا دیا گیا۔ اس جنگ میں صاحبزادہ صاحب نے درپردہ یہ کوشش کی کہ انگریز تیراہ پر قبضہ نہ کر سکیں۔ یہ کوششیں آپ نے ایسی پالیسی کے تحت کیں کہ انگریزوں کو آپکی دوستی پر ذرا بھی شبہ پیدا نہ ہوا چنانچہ ایسا ہی ہوا انگریزوں کی فوج تیراہ سے واپس چلی آئی اور آفریدیوں کے درمیان خوشگوار تعلقات پیدا کرنے کے صلے میں انگریز حکومت نے آپ کو ۱۸۹۷ء میں خان بہادر کا خطاب دیا۔ ۱۸۹۸ء میں آپکی خدمات خاص کر حکومت پنجاب کے سپرد کر دی گئیں، پنجاب کی حکومت میں بھی آپ میر منشی کے عہدے پر رہ کر اپنے فرائض سر انجام دیتے رہے۔ کچھ عرصہ پنجاب میں کام کرنے کے بعد آپکو خیبر ایجنسی کا اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کیا گیا۔ ان دنوں آپکے قریبی اور عزیز دوست میجر روس کیپل خیبر کے پولیٹیکل ایجنٹ تھے۔ ان دونوں کی ہمیشہ یہ خواہش تھی کہ دونوں ایک محکمے میں اکٹھے کام کر سکیں دونوں کی خواہش پوری ہوئی، صاحبزادہ صاحب نے اپنے صوبے کی بہتری اور بہبودی کیلئے روس کیپل سے سب سے بڑا کام یہ لیا کہ انھوں نے دوستی کے پردے میں روس کیپل کو کہا

کہ سرحد کو تعلیمی پسماندگی سے نکالنے کیلئے یہاں پر ایک دارالعلوم کے قیام کے لئے سرکاری سطح پر مدد دیں۔ روس کیپل نے اپنے دوست کی اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے دارالعلوم کے قیام کے سلسلے میں سرکاری سطح پر انتہائی کوششیں کیں۔

میجر روس کیپل کو پشتو زبان سے بہت گہرا لگاؤ تھا چنانچہ وہ خود اکثر پشتو میں باتیں کیا کرتا تھا اور پشتو بولنے پر انتہائی فخر محسوس کرتا تھا۔ چنانچہ روس کیپل نے صاحبزادہ عبدالقیوم اور قاضی عبدالغنی کی مدد سے پشتو مینول گرامر کتاب لکھی جو ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی۔ روس کیپل نے اس کتاب کے دیباچے میں یہ اظہار کیا ہے کہ اس کتاب کی ترتیب کے سلسلے میں صاحبزادہ عبدالقیوم اور قاضی عبدالغنی نے انتہائی تعاون کیا ہے۔

۱۹۰۴ء میں ہندوستان اور افغان کمیشن کے سلسلے میں آپ نے اسسٹنٹ کمشنر کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیئے۔ ۱۹۰۹ء میں تیراہ کے مجاہدین نے انگریزوں کے خلاف اعلان جہاد کیا اور انگریزوں کے ساتھ ایک زبردست جنگ کی جو جنگ بازار کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ میں صاحبزادہ عبدالقیوم کی خدمات سے انگریزوں نے بہت فائدہ اٹھایا آفریدیوں اور انگریزوں کے درمیان آپ کی کوششوں سے باعزت سمجھوتہ عمل میں آیا۔ اس خدمت کے سلسلے میں انگریزوں نے آپکو تین ہزار روپے ماہانہ کی جاگیر اور سی آئی ای کا خطاب دیا۔

۱۹۰۹ء میں جب ہندوستان کو آئینی اصلاحات ملیں تو صوبہ سرحد کو ان اصلاحات سے محروم رکھا گیا۔ اہالیان سرحد نے اصلاحات کے نہ ملنے پر انگریزوں کے خلاف نفرت کا اظہار کیا۔ انگریزوں نے سرحد کو آئینی اصلاحات نہ دینے کے سلسلے میں یہ وجوہات بتلائیں کہ صوبہ سرحد کے لوگ جاہل اور وحشی ہیں۔ صاحبزادہ نے انگریزوں کی اس دلیل کو ختم کرنے کے لئے یہ کوشش شروع کر دی کہ سرحد کے لوگ مغربی

تعلیم سے بہرہ ور ہوسکیں تاکہ یہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے انگریزوں سے مراعات حاصل کرسکیں۔ چنانچہ آپ نے روس کیپل کو جو ان دنوں سرحد کا چیف کمشنر تھا یہ کہا کہ سرحد میں دارالعلوم کے قیام کے لئے سرکاری سطح پر کوشش کی جائے۔

۹ اگست ۱۹۰۹ء کو پشاور میں اسلامیہ ہائی سکول میں انجمن حمایت اسلام کا سالانہ جلسہ تھا اس جلسے کی صدارت سرحد کے چیف کمشنر روس کیپل نے کی جلسے کے دوران حاضرین نے روس کیپل سے درخواست کی کہ سرحد میں دارالعلوم کے قیام کے لئے سرکاری سطح پر مناسب کاروائی عمل میں لائی جائے تاکہ سرحدی بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کرسکیں۔ روس کیپل نے حاضرین جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے ان کی درخواست پر ہمدردانہ غور کرنے کا وعدہ کیا ساتھ ہی یہ کہا کہ دارالعلوم کے قیام کے سلسلے میں آپ لوگ صوبہ سرحد کے لوگوں کی رائے معلوم کریں کیونکہ سرحد کے لوگ انگریزی تعلیم کے مخالف ہیں ایسا نہ ہو کہ دارالعلوم کے قیام سے انگریزی حکومت کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے۔ چنانچہ انجمن حمایت الاسلام کے دبیر قاضی محمد اکبر نے سرحد کے عوام کے نام ایک اپیل لکھ کر شائع کرائی اور عوام سے کہا گیا کہ وہ سرحدی طلباء کی اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم کے قیام کے سلسلے میں پوری پوری مدد کریں۔ اس اپیل کا یہ اثر ہوا کہ سرحد کے کونے کونے سے دارالعلوم کے قیام کے لئے عوام نے ہر ممکن مدد دینے کا وعدہ کیا بلکہ زمیندار طبقہ یہاں تک بھی راضی ہوگیا کہ اگر زمین کے لگان کے ساتھ ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے دارالعلوم کے قیام کے سلسلے میں تعلیمی ٹیکس لگا دیا جائے تو وہ بخوشی ادا کریں گے۔

۱۹۰۹ء میں سر جارج کیپل اور صاحبزادہ عبدالقیوم کلکتے جا رہے تھے۔ راستے میں علیگڑھ کالج کے سرحدی طلباء نے انہیں ایک تقریب میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ تقریب منعقد ہوئی۔ اس تقریب میں سرحدی طلباء نے ایک سو روپیہ

چندہ کر کے روس کیپل اور صاحبزادہ صاحب کے حوالے کیا اور یہ درخواست کی کہ سرحدی طلبا کے لئے علیگڑھ کالج میں یا تو ایک ہوسٹل تیار کرایا جائے یا پھر سرحد میں دارالعلوم قائم کیا جائے تاکہ سرحدی طلبا دور دراز علاقوں میں جا کر تعلیم کے سلسلے میں جو مشکلات برداشت کر رہے ہیں ان سے انہیں نجات مل سکے۔ جارج روس کیپل نے علیگڑھ میں تعلیم حاصل کرنے والے سرحدی طلبا کو یقین دلایا کہ وہ سرحد میں دارالعلوم کے سلسلے میں پہلے سے ہی کوششیں شروع کر چکے ہیں۔

قاضی محمد اکبر صاحب نے سرحدی عوام کے نام جو اپیل شائع کی تھی اس کے خاطر خواہ نتیجے سے مسٹر مرک قائم مقام چیف کمشنر کو مطلع کیا گیا۔ قاضی صاحب ایک وفد کی صورت میں مرک کے پاس گئے۔ وفد نے چیف کمشنر سے درخواست کی کہ اہالیان دارالعلوم کے قیام کے منتظر ہیں لہٰذا حکومت اس سلسلے میں ہر ممکن مدد دے تاکہ سرحدی طلباء کو تعلیم کے سلسلے میں جو مشکلات درپیش ہیں وہ دور ہو سکیں چنانچہ سرحدی عوام کے جذبات کو مدنظر رکھتے ہوئے دارالعلوم کے قیام کے لئے ابتدائی انتظامات شروع ہوئے دارالعلوم کے اسلامی نصاب کے لئے علیگڑھ مسلم کالج کے معلّم دینیات کو ۱۹۱۰ء میں پشاور بلایا گیا۔ اس کے بعد ۱۸ جنوری ۱۹۱۰ء کو ڈاکٹر انصاری پشاور تشریف لائے سرحد کے چیدہ چیدہ لوگوں نے آپ سے ملاقات کر کے دارالعلوم کے اسلامی نصاب کے لئے مشورہ کیا۔ انصاری صاحب اس سلسلے میں چیف کمشنر سے ملے اور اپنی تجاویز پیش کیں۔ چیف کمشنر نے ملاقات کے دوران انصاری صاحب سے کہا کہ سب سے پہلے دارالعلوم کے لئے زمین حاصل کرنے کی مشکل کو حل کیا جائے اس کے بعد دارالعلوم کی تعمیر اور پھر نصاب کی تجویزوں پہ عمل درآمد کیا جائے گا جو وفد ڈاکٹر انصاری صاحب کے ساتھ چیف کمشنر کو ملنے گیا تھا اس نے چیف کمشنر کی تجویز سے اتفاق کیا۔ اب پشاور کے علم دوست حضرات نے دارالعلوم

کے لئے زمین پسند کرنے کی طرف قدم اٹھایا۔ سب سے پہلے وزیر باغ میں دارالعلوم کی عمارت تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا مگر چیف کمشنر نے اس سے اتفاق نہیں کیا اور کہا کہ یہ ایک یادگار جگہ ہے اگر یہاں کالج تعمیر ہوا تو اس یادگار کے مٹ جانے کا احتمال ہے۔ چنانچہ اس کے بعد داؤدزئی کی سڑک کے کنارے مکھڑی بازار کے نزدیک جگہ پسند کی گئی مگر لرم کلی کے لوگوں نے یہ جگہ دینے سے انکار کر دیا کوہاٹ جانے والی سڑک کے کنارے مہمندوں کی زمین پسند کی گئی مگر پانی کی کمی کی وجہ سے یہ جگہ ناپسند کی گئی۔ نوشہرہ کے خان بہادر میاں رحیم شاہ کاکاخیل نے دریائے کابل کے کنارے کافی زمین وقف کر دی تاکہ وہاں کالج قائم ہو سکے۔ مگر چونکہ یہ جگہ پشاور سے دور تھی اس لئے یہ جگہ بھی ناپسند کی گئی مچنی کی طرف جانے والی سڑک کے کنارے دازنگی گاؤں کے لوگوں نے کالج کے لئے زمین دینے کا اعلان کیا مگر یہ جگہ بھی کالج کے لئے موزوں نہ سمجھی گئی۔ آخر کار یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک منتظم کمیٹی قائم کی جائے جو زمین کو حاصل کرنے اور کالج کی عمارت تعمیر کرنے کا انتظام کر سکے۔ اس کمیٹی کا آنریری سیکرٹری صاحبزادہ عبدالقیوم کو مقرر کیا گیا کمیٹی کے قیام کے بعد پشاور کے علاقہ یکہ توت میں محلہ منڈی بیری میں پشاور شہر کے معززین کا ایک جلسہ منعقد ہوا صاحبزادہ صاحب نے صدارت کی اور کالج کی تعمیر کے لئے بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اپیل کی گئی یہ جلسہ پشاور شہر کے مشہور ٹھیکیدار عبدالکریم کے گھر میں منعقد ہوا۔ اس جلسے میں ٹھیکیدار عبدالکریم۔ خان بہادر غلام سرور خان الکوزئی حبیب اللہ خان خوشحال خان اور سیٹھی کریم بخش نے شرکت کی۔ جلسے کے اختتام میں جب چندے کی اپیل کی گئی تو اسی وقت کافی روپیہ جمع ہو گیا اور مزید چندہ دینے کے لئے حاضرین نے وعدہ کیا۔

۱۹۱۱ء میں تہکال بالا میں کالج کی عمارت کے لئے ایک وسیع اور چٹیل میدان پسند کیا گیا۔ زمین کے مالکوں نے ۹۱۶ کنال ۷ مرلے زمین کی قیمت ۳۰۱۶۶ روپے مانگی۔ زمین کی قیمت خریدنے کے لئے پشاور شہر کے مشہور ٹھیکیدار سیٹھی کریم بخش نے دس ہزار روپیہ سب سے پہلے چندے میں دیا۔ خان بہادر میاں رحیم شاہ کاکا خیل نے ایک لاکھ روپیہ کالج کے لئے دینے کا اعلان کیا جس میں سے انہوں نے نصف رقم ابتدائی انتظامات کے لئے فوری طور پر ادا کر دی اور نصف روپیہ کالج کی تعمیر کے وقت دینے کا وعدہ کیا۔ ان کے علاوہ سیٹھی کریم بخش نے مزید ۱۵ ہزار روپے، امب کے نواب خان زمان خان نے ایک لاکھ روپیہ، نواب دیر نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ اور میر شاہ کاکا خیل نے بیس ہزار روپے دینے کا اعلان کیا۔ ان کے علاوہ پڑانگ کے حاجی صحبت خان نے ۴ ہزار روپے۔ تنگی کے خان عبدالمجید خان نے ۷ ہزار روپے دیئے۔ ہشت نگر کے عام لوگوں نے ایک لاکھ روپیہ چندہ اکٹھا کر کے دیا۔ ان عطیوں کے علاوہ نوشہرہ، ہزارہ، مردان، ڈیرہ اسمٰعیل خان، بنوں اور قبائلی علاقوں سے کافی چندہ جمع ہوا۔ مئی ۱۹۱۲ء تک چندے کی مجموعی رقم آٹھ لاکھ ۱۲ ہزار ۴ سو ۷۶ روپے پانچ آنے اور دو پائی تھی اس کے بعد بھی سرحد کے علم دوست اصحاب برابر کالج کی تعمیر کے لئے عطیات دیتے رہے۔

۱۹۱۰ء میں صاحبزادہ عبدالقیوم چترال کے پولیٹیکل ایجنٹ مقرر ہوئے تھے مگر کالج کی تعمیر اور ابتدائی انتظامات کے پیش نظر روس کیپل نے تھوڑے دنوں کے بعد چترال کی بجائے خیبر کا پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کر دیا۔ خیبر کے پولیٹیکل ایجنٹ کی حیثیت سے آپ نے آفریدیوں اور انگریزوں کے درمیان دوستانہ مراسم پیدا کرانے کی انتہائی کوشش کی۔ صاحبزادہ صاحب کا یہ موقف تھا کہ انگریزوں سے لڑنے کی بجائے ان سے مفاد حاصل کئے جائیں۔ صاحبزادہ صاحب نے خیبر کے پولیٹیکل ایجنٹ

کی حیثیت سے اپنی یادگار کے طور پر خیبر کے قافلے والوں کو پانی مہیا کرنے کیلئے
خیبر کی سڑک کے کنارے ایک کنواں بھی تعمیر کرایا۔
۲۹ مئی ۱۹۱۱ء کو پشاور کے عجائب گھر کے وکٹوریہ میموریل ہال میں دارالعلوم
کے قیام اور تعمیر کے سلسلے میں عارضی عہدیدار منتخب ہوئے اسی اجلاس میں
۱۲ مارچ ۱۹۱۲ء کو دارالعلوم کے سنگ بنیاد رکھنے کا فیصلہ ہوا۔ سرحد کے
علماء و مشائخ اور خان خوانین کو تقریب میں شرکت کی دعوت دی گئی چنانچہ
افتتاح کے دن سرحد کے کونے کونے سے تقریباً تیس ہزار آدمی تہکال بالا
کی چٹیل زمین میں جمع ہوئے معززین علماء و مشائخ کے لئے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا
حاضرین میں بام خیل ضلع مردان کے مشہور بزرگ عبدالقیوم باچا اور حاجی صاحب
ترنگزئی اپنی گھوڑی پر سوار مع اپنے مریدوں کے تشریف لائے، مولانا سیّد
عبداللہ قطب شاہ عباسی نے تقریب کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے کیا۔ تلاوت
کلام پاک کے بعد انہوں نے تعلیم کے موضوع پر ایک مدلل اور جامع تقریر کی۔ اس
کے بعد صاحبزادہ عبدالقیوم نے کھڑے ہو کر بام خیل ضلع مردان کے مشہور روحانی
بزرگ عبدالقیوم باچا سے درخواست کی کہ وہ سنگ بنیاد کی علمی تختی کو نصب
کرنے کے لئے جگہ ہموار کریں۔ چنانچہ باچا صاحب بام خیل نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
کہہ کر ایک جگہ کو ہموار کیا اور اس کے بعد علمی تختی رکھنے کے لئے چند اینٹیں ہموار
کر کے جگہ بنائی۔ جب جگہ ہموار ہو چکی تو صاحبزادہ عبدالقیوم نے حضرت حاجی
صاحب ترنگزئی سے درخواست کی کہ وہ آ کر اپنے دست مبارک سے علم کی
تختی نصب کریں۔ حاجی صاحب نے علمی تختی کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور پھر قرآن
مجید کی کچھ آیات بلند آواز سے پڑھنا شروع کیں۔ جونہی وَقُل رَّبِّ زِدنِی
علمًا تک پہنچے تو انہوں نے تختی مقررہ جگہ پر رکھ دی۔ اس کے بعد

علماء و مشائخ کو کہا گیا کہ وہ اس بنیاد پہ ایک ایک اینٹ اپنے ہاتھوں سے رکھیں چنانچہ سب نے ایک ایک اینٹ نصب کی پھر حاضرین میں سیٹھی کریم بخش نے مٹھائی تقسیم کی۔ اسی اثناء میں روس کیپل مع چند انگریز افسروں کے میدان میں آن پہنچا روس کیپل اور دوسرے انگریزوں کو دیکھتے ہی حاجی صاحب ترنگزئی نے صاحبزادہ صاحب سے کہا کہ یہ ہم مسلمانوں کی ایک مذہبی تقریب ہے اس میں روس کیپل اور انگریزوں کے آنے کا کیا مقصد؟ حاجی صاحب نے جونہی بھرے مجمع میں یہ احتجاج کیا تو ایک افراتفری پیدا ہو گئی حاجی صاحب یہ کہتے ہی احتجاجاً فوراً اپنی گھوڑی پر سوار ہوئے اور اپنے مریدوں کو لیکر انگریزوں کو گھورتے ہوئے وہاں سے چل پڑے۔ صاحبزادہ عبدالقیوم نے دارالعلوم کا سنگ بنیاد رکھ جانے کے بعد دارالعلوم کی تعمیر کا نقشہ انجنیر کے حوالے کیا۔ حکومت نے دارالعلوم کی عمارت کی تعمیر کے لئے دو لاکھ روپے دیئے۔ ۲۳ مئی ۱۹۱۲ء کو دارالعلوم کی انتظامیہ کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں ایک قرارداد کے ذریعے حکومت سے درخواست کی گئی کہ وہ دارالعلوم کی امداد کیلئے ابتدائی اخراجات کے طور پہ مزید رقم منظور کرے۔ اس قرارداد کے ساتھ ہی سعدالدین خان ایڈوکیٹ نے ایک قرارداد کے ذریعے صاحبزادہ عبدالقیوم کی کوششوں کا شکریہ ادا کیا کہ وہ آنریری طور پہ دارالعلوم کے لئے انتھک خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ تہکال بالا کے خان بہادر غلام حیدر خان الکوزئی نے اس قرارداد کی تائید کی۔

صاحبزادہ عبدالقیوم زندگی کے آخری لمحے تک اسلامیہ کالج کے آنریری سیکرٹری رہے انھوں نے کالج کے نام پر جمع ہونے والے ایک ایک پیسے کا باقاعدہ حساب کتاب رکھا اور آخر وقت تک کالج کی ترقی کے لئے کوشاں رہے۔

شروع شروع میں اسلامیہ کالج کا نام دارالعلوم اسلامیہ سرحد تھا جو بعد میں

اسلامیہ کالج کے نام مشہور ہوا۔ صاحبزادہ صاحب کی کوششوں سے ہر سال ہندوستان کے چیدہ چیدہ علماء کو مدعو کر کے ایک سالانہ اجتماع منعقد ہوتا رہا جس میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے رہے۔

صاحبزادہ صاحب نے ایک مخصوص پالیسی کے تحت انگریزوں سے دوستی کے پردے میں اہالیان سرحد کے لئے بہت سے فائدے حاصل کئے جن میں اسلامیہ کالج خاص کر قابل ذکر ہے۔ قبائلیوں کو مواجب دلانے میں بھی صاحبزادہ صاحب ہی کا ہاتھ تھا انہی کی تجویز سے قبائلیوں کو ہر ممکن مراعات دی گئیں۔ اس لحاظ سے بہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ صاحبزادہ صاحب کی ذات اس صوبہ کے لئے ایک عظیم سرمایہ تھا وہ صحیح معنوں میں محسن سرحد تھے۔ جن کی زندگی کا نصب العین یہ تھا کہ وہ سرحد کے لئے زندہ رہیں اور سرحد کے مفاد کے لئے جان دیں۔

ٹوپی گاؤں میں انہوں نے ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کی۔ اس مسجد کے صحن میں وہ ہمیشہ کی زندگی سو رہے ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں دہلی کے دربار میں انہیں برطانوی حکومت نے اعلیٰ خدمات کے صلے میں اعزازی تمغہ دیا ۱۹۱۳ء کے آخر میں اسلامیہ کالج کی عمارت جب تعمیر ہو چکی تو اس میں باقاعدہ کلاسوں کا اجراء ہوا سب سے پہلا طالب علم جسے دارالعلوم کے رجسٹر میں درج کیا گیا وہ حضرت سید امیر باچا کے نواسے صاحبزادہ محمد خورشید تھے جو قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۹ء میں صوبہ سرحد کے گورنر مقرر ہوئے تھے

۱۹۱۷ء میں حکومت انگلستان نے آپکو نوابی کا خطاب دیا۔ سر جارج روس کیپل کے ساتھ آپ کے بہت ہی گہرے دوستانہ اور برادرانہ مراسم تھے۔ چنانچہ پہلی جنگ عظیم میں سر جارج روس کیپل کا بھائی فوت ہو گیا تو پشاور شہر میں ایک تعزیتی دربار منعقد ہوا۔ جس میں سر جارج روس کیپل نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میرا ایک

ایک بھائی فوت ہو گیا ہے مگر میں خوش قسمت ہوں کہ میرا دوسرا بھائی صاحبزادہ عبدالقیوم میرے سامنے موجود ہے۔

۱۹۱۹ء میں صاحبزادہ عبدالقیوم اور سر جارج روس کیپل اکٹھے ریٹائر ہوئے سر جارج روس کیپل انگلستان روانہ ہوئے تو صاحبزادہ صاحب بھی ان کے ساتھ انگلستان گئے وہاں سے واپسی کے وقت آپ سائبیریا، چین، جاپان، ہانگ کانگ اور ملایا سے ہوتے ہوئے واپس آئے۔

۱۹۲۰ء میں ہندوستان کے مسلمانوں نے افغانستان کی طرف جب ہجرت کرنا شروع کی تو صاحبزادہ صاحب نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے یہ کہا کہ اس ہجرت سے ہندوستان کے ہندوؤں کو فائدہ پہنچے گا اور مسلمانوں کی اقتصادی حالت اور زیادہ خراب ہو جائے گی صاحبزادہ صاحب نے کہا کہ افغانستان اقتصادی لحاظ سے اس قابل نہیں ہے کہ وہ ہندوستان کے مہاجرین کا بوجھ برداشت کر سکے۔ اگر یہ ہجرت جاری رہی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ مہاجر آخر کار اقتصادی مشکلات میں پھنس جائیں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ ادھر کے رہینگے نہ ادھر کے رہیں گے کیونکہ ہندوستانی مسلمانوں کی جائیدادیں ہندو کوڑیوں کے مول خرید رہے ہیں اور اگر افغانستان سے یہ واپس آئے تو ان کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا صاحبزادہ صاحب کے نظریے کی تو اس وقت قدر نہ کی گئی البتہ کچھ دنوں کے بعد افغانستان کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی حالت واقعی ابتر ہو گئی اور وہ جب واپس آئے تو پھر طرح طرح کی مصیبتوں کا شکار ہو گئے۔

۱۹۲۱ء میں صاحبزادہ عبدالقیوم مصر اور شمالی افریقہ سے ہوتے ہوئے انگلستان گئے واپسی کے وقت آپ نے ہسپانیہ، قرطبہ اور غرناطہ کے تاریخی مقامات کی سیر کی۔ اور پھر شام اور بیت المقدس سے ہوتے ہوئے حجاز پہنچے خانہ خدا اور مدینہ منورہ کی زیارت کرنے کے بعد واپس تشریف لائے۔

بیت المقدس سے آپ نے پشاور کے مشن کالج کے عربی کے پروفیسر مولانا عبدالمجید افغانی کو ایک خط لکھا جس میں آپ نے علامہ جمال الدین افغانی کے متعلق مولانا کو بہت سی معلومات بہم پہنچائیں اور ساتھ ہی آپ نے اپنی قوم کی تعلیمی حالت کے ساتھ جس دلچسپی اور امید کا اظہار کیا وہ اس خط سے صاف عیاں ہے

خط بنام مولانا عبدالمجید افغانی عربک پروفیسر مشن کالج پشاور

مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۲۱ء از بیت المقدس

مکرم بندہ جناب مولانا صاحب ۔ السّلام علیکم ۔

سید جمال الدین صاحب افغانی کی شخصیت اس وقت مجھے آپ کی طرف کھینچ رہی ہے ۔ میں مصر میں ان کے حالات سن کر حیران ہوا علامہ دہر تھے ۔ صرف وہی شخص ان کے اثرات کا اندازہ کر سکتا ہے جو ان اطراف میں سفر کرے ۔

فرانس سے اسکندریہ آتے ہوئے چند کبرائے مصر ساتھ تھے افغان کا نام سن کر انہوں نے سید صاحب کی بابت دریافت کرنا شروع کیا اور تقریباً کل سفر میں صرف ان کا ہی ذکر خیر چل رہا تھا ۔ وہ مجدد زمانہ شمار کئے جاتے ہیں ۔ موجودہ احرار مصر کا طبقہ ان کو پیشوا اور رسول جانتے ہیں اور بہت سی تصانیف ان کے اپنے قلم سے اور نیز شاگردوں اور پیروکاروں کے لکھے ہوئے مضامین حریت پر شائع ہو چکے ہیں جن کی کاپیاں مہیا کرنے کی سعی میں ہوں لیکن بازار میں نہیں ملتیں اور جن کی کاپیاں کوئی شخص فروخت نہیں کرتا ہے اس لئے ملنا دشوار ہے خیر یہاں سے واپسی پر دوبارہ کوشش کروں گا ۔ آپ انکے رسوخ کا اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب زغلول پاشا موجودہ سرگروہ احرار مصر کی نسبت اخبارات میں کچھ ذاتی حالات نکلتے تھے تو انہوں نے اپنی ایک پبلک سپیچ میں کہا کہ میں سید جمال الدین افغانی کا شاگرد ہوں اور کل دنیا کو معلوم ہے کہ سید صاحب کسی شخص کا ہاتھ بیعت میں نہیں

لیتے تھے۔ جب تک ان کو اس شخص کے اخلاق۔ چال چلن اور لیاقت کا پورا اطمینان نہ ہوتا تھا پھر اس سے بڑھ کر میرے لئے اور کیا سند ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد معترضین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ سید صاحب کی بدولت کل افغان یہاں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ میں نے ان بزرگوں سے عرض کیا کہ ہمارے ملک میں بڑی بے قدری ہے اور اس واسطے سید صاحب کے حالات سے بہت کم لوگ واقف ہیں البتہ ایک روشن خیال مولوی صاحب نے جو ایک کالج میں پروفیسر ہیں سید صاحب کی لائف لکھنی شروع کی ہے اور اس سے کچھ نہ کچھ واقفیت لوگوں میں پیدا ہوگئی ہے جس کی برکت سے میں بھی کچھ سید صاحب کے حالات سے واقف ہوا۔ یہ سن کر بہت خوش ہونگے کہ رسول زمانۂ جدید کے خیالات لوگوں پر کچھ نہ کچھ ظاہر ہوئے ہیں

میں نے عرض کیا کہ میں مولوی صاحب کی امداد کروں گا۔ کہ وہ مصر تشریف لاسکیں اور پورے حالات دریافت کریں۔ تو بہتر ہوگا۔ انہوں نے ہر طرح کی امداد کی امید دلائی۔

جناب مولانا! خواہ سید صاحب کے پولٹیکل خیالات کچھ بھی ہوں اور افغانوں کی موجودہ حالت کے موافق ہوں یا نہ مگر ایک امر ضرور قابل غور ہے کہ انہوں نے اپنے زمانہ میں اس قرب و جوار میں ایک اہم انقلاب پیدا کیا ہے اور ان کو مصر کا مجدّد کہنا چاہیئے۔

میرا ایک انگریزی خواں پرانا گائیڈ ہے جس نے مجھ کو افغان معلوم کر کے مجھ سے سید صاحب کے خاندانی حالات دریافت کئے۔ اور بڑے غور سے میری باتیں سنتا رہا اس نے کہا کہ میری حیثیت اس قدر نہ تھی کہ خود سید صاحب تک رسائی پا سکوں لیکن ان کے ایک مرید کا شاگرد ہوں اور ان کو ولی اور رہبر جانتا ہوں اور وہی بانی حرّیت فی المصر ہیں

آپ اس سے لوگوں کے خیالات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کاش! اس وقت آپ میرے ساتھ ہوتے۔ اور ہم اس نادر شخصیت کے مزید حالات معلوم کر سکتے ہم اور آپ خیال

کرتے ہیں کہ سلسلۂ حریت نیا ہے اگر افغان قوم بجائے اس موجودہ جدوجہد کے تعلیم کی طرف خیال کرے اور سید موصوف کی نصیحت پر کاربند ہو کر اپنے لئے قومی ہستی وضع کرے تو اب بھی یہ بہت کچھ کر سکتے ہیں اس موقع پر مجھے ایک شاعر کا شعر یاد آیا ہے ؎

سالہا دل طلب جام جم از ما میکرد
آنچہ خود داشت ز بیگانہ تمنا می کرد

افغانوں کی اپنی قوم میں ایسے اشخاص گذر چکے ہیں اور ان کو خبر نہیں زیادہ کیا عرض کروں۔

کل بروز جمعہ حرم شریف بیت المقدس گیا اور دوگانہ ادا کرنے کے بعد اپنے لئے اپنی قوم کے لئے عزیزوں اور رشتہ داروں کے لئے اور آپ کے لئے دعا مانگی۔ خداوند کریم قبول فرمائے اور مجھے درِ نبوی تک پہنچنے کا موقع عنایت کرے

فقط آپکا صادق دوست

عبدالقیوم عفی عنہٗ

سفر سے واپسی کے بعد صاحبزادہ صاحب کی طبیعت میں سیاسی بیداری کا ایک نیا شعور پیدا ہو چکا تھا۔ اب آپکی توجہ کا مرکز صرف یہ تھا کہ وہ اپنے صوبے کو اصلاحات دلائیں جس سے انگریزوں نے جان بوجھ کر اس صوبے کو محروم کر رکھا ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا۔ ۱۹۲۴ء میں آپ مرکزی اسمبلی کے ممبر منتخب کیے گئے۔ اس دوران آپ نے اپنے صوبے کی بہترین طریقے سے نمائندگی کرتے ہوئے صوبہ سرحد کو اصلاحات دلانے کے لئے بیحد کوشش کی۔ آخر کار آپ اپنی جدوجہد میں کامیاب ہوئے۔ ۱۹۳۱ء میں آپنے لندن میں گول میز کانفرنس میں شرکت کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ ہندوستان کے تمام صوبوں کو اصلاحات دی جاچکی ہیں، صوبہ سرحد کو ان اصلاحات سے کیوں محروم رکھا گیا ہے۔ آپ نے اپنے صوبے

کو اصلاحات دلانے کے لئے کانفرنس میں مدلل تقریر کی آخر کار آپکی کوششوں سے صوبہ سرحد کو اصلاحات ملیں جس کے نتیجے میں پہلے تو لیجسلیٹو کونسل قائم ہوئی پھر ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت صوبہ سرحد کو اسمبلی کا حق دیا گیا۔

۱۹۲۹ء میں حکومت ہند نے آپکی علمی خدمات کے صلے میں قیصر ہند کا تمغہ دیا ۱۹۳۰ء میں آپ نے ٹوپی میں ایک دوسری مسجد تیار کرائی۔ ۱۹۳۱ء میں جب آپ لندن کی گول میز کانفرنس میں سرحد کو اصلاحات دلانے کے لئے کوشش کر رہے تھے تو سرحد کے ہندوؤں نے حکومت سے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ سرحدی صوبے کو اصلاحات نہ دی جائیں۔

سرحد کو اصلاحات کے تحت جب قانون ساز کونسل کا حق ملا تو ۲۸ اپریل ۱۹۳۲ء کو آپکو سرحد کا سب سے پہلا وزیر مقرر کیا گیا۔ کونسل کا پہلا اجلاس ایبٹ آباد کے ٹاؤن ہال میں ۱۲ مئی ۱۹۳۲ء کو ہوا جس میں آپنے ایک مدلل تقریر کی۔ ۸ نومبر ۱۹۳۴ء کو آپکی وزارت کے دوران شریعت بل پاس ہوا۔ ۱۹۳۵ء میں آپکی کوششوں سے صوبہ سرحد میں ریڈیو سٹیشن قائم ہوا اور اس کا پہلا سٹیشن ڈائریکٹر ایک مسلمان مقرر کیا گیا۔

ہندو اور سکھ مسلمانوں کی زمین کوڑیوں کے مول خرید رہے تھے۔ آپ نے نہایت دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے ایسا بل پاس کیا جس کی رو سے غیر زراعت پیشہ لوگوں کو زراعت پیشہ لوگوں سے زمینیں خریدنے پر پابندی لگا دی گئی۔

۱۹۳۶ء میں صاحبزادہ عبدالقیوم نے سکولوں کے نصاب سے ہندی اور گورمکھی کو خارج کرنے کا سرکلر جاری کیا۔ آپ کی کوششوں سے ملاکنڈ ہائیڈرو الیکٹرک سکیم کا آغاز ہوا آپنے اپنی وزارت کے دوران انگریز حکومت پر مسلسل زور دیا کہ سرحد میں یونیورسٹی قائم کی جائے۔

آپ مسلمان قوم کے انتہائی بہی خواہ اور سرحد کے حقیقی ہمدرد تھے یہی وجہ تھی

کہ ہندو اور کانگرسی عنصر ہمیشہ آپ کے خلاف رہا۔

سرحد کے ہندو ہمیشہ اس بات کی کوشش میں لگے رہے کہ سرحدی صوبہ اصلاحات سے محروم رہے۔ صاحبزادہ صاحب نے ہندوؤں اور کانگرسیوں کے ان خطرناک عزائم کو دیکھتے ہوئے سرحد مسلم ایسوسی ایشن کے نام سے ایک جماعت بنائی تاکہ سرحدی مسلمان ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو کر اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے جدوجہد کر سکیں۔ ان کی ہمدردیاں ہمیشہ مسلمان قوم کے مفاد سے وابستہ رہیں تحریک خلافت میں انہوں نے درپردہ ہر ممکن مدد دی۔ پرنس آف ویلز کی آمد کے موقع پر جب سرحدی عوام نے اس کے استقبال کے لئے بائیکاٹ کی تحریک کے لئے جدوجہد شروع کی تو صاحبزادہ صاحب نے نہایت تدبر سے کام لیا۔

صاحبزادہ صاحب انتہائی بردبار اور دور اندیش تھے قومی یا سیاسی معاملوں میں وہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتے تھے۔ وہ ان دنوں صوبہ سرحد کے وزیر بنے جن دنوں صوبہ سرحد کو مکمل اصلاحات ابھی نہیں ملی تھیں مگر انہوں نے کبھی بھی ڈکٹیٹرانہ یا آمرانہ رویہ اختیار نہیں کیا انہوں نے سرحدی عوام سے کبھی یہ امید نہیں رکھی کہ وہ ان کی قیادت کو تسلیم کریں بلکہ ہمیشہ یہ کوشش کی کہ سرحد کے مسلمان جس بہتر راستے پر گامزن ہوں وہ اس راستے پر چلنے کے لئے ان کی مدد کر سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب قائداعظم ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلے میں سرحد تشریف لائے اور انہوں نے آپ کو کہا کہ ۱۹۳۷ء کے ہونیوالے الیکشن پارٹی بنیاد پر لڑے جائیں تو انہوں نے قائداعظم سے صاف کہدیا تھا کہ الیکشن میں صرف تین ماہ باقی ہیں کسی جماعت کی طرف سے الیکشن میں حصہ لینے کے لئے سب سے پہلے اس جماعت کی تنظیم ضروری ہے پھر بھی اگر سرحد کے مسلمانوں نے کانگرس کے اثر سے نکل کر مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑنے کی جدوجہد کی تو میری تمام کوششیں مسلم لیگ کے ساتھ ہوں گی سرحد کے ہندو، سکھ اور کانگرسی مسلمان آپ کے

محض اس لئے مخالف تھے کہ آپ نے سرحد کے مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور سرحدی مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھیں۔ ہندو مہاسبھائی فرقہ تو حد درجے تک آپ کا مخالف بن چکا تھا۔ کانگرس آپ کے خلاف پروپیگنڈے میں مصروف تھی چنانچہ ۱۹۳۷ء میں جب سرحد اسمبلی کے پہلے انتخابات ہوئے تو آپ نے دو حلقوں سے انتخاب لڑا ایک حلقہ تو آپ کا اپنا یوسفزئی حلقہ تھا۔ دوسرا حلقہ جہاں سے آپ نے انتخاب لڑا وہ ہزارے کا ایک گاؤں خانپور تھا کانگرس نے آپ کے مقابلے میں دونوں حلقوں سے کانگرسی امیدوار کھڑے کئے۔ یوسف زئیوں کے حلقے سے آپکے مقابلے میں زیدہ کا کانگرسی امیدوار عبدالعزیز خان اور خانپور کے حلقے میں آپکے مقابلے میں کانگرسی امیدوار صاحبزادہ سلطان العارفین تھا۔ یوسف زئی حلقے سے تو آپ ناکام ہو گئے مگر خانپور کے اسلام پرست مسلمانوں نے آپ کے مخالف کو شکست فاش دی چنانچہ آپ خانپور کے حلقے سے سرحد اسمبلی کے لئے ممبر منتخب ہو گئے انتخابات کے بعد گورنر سرحد نے آپکو وزارت بنانے کی پیش کش کی آپنے جب سرحد میں پہلی وزارت بنائی تو اس میں آپ نے باوجود اس کے کہ ہندو مہاسبھائی اور عام ہندو آپکے انتہائی مخالف تھے مگر آپنے اسی مخالفت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہندو مہاسبھا کے ایک لیڈر مہر چند کھنہ کو اپنی وزارت میں لیا۔ چنانچہ سر صاحبزادہ عبدالقیوم وزیر اعظم مہر چند کھنہ اور خان بہادر سعد اللہ خان پر مشتمل سرحد کی پہلی وزارت نے حلف وفاداری اٹھایا صاحبزادہ کی وزارت بنتے ہی کانگرسیوں نے اس وزارت کے خلاف مختلف طریقوں سے جدوجہد شروع کردی ہزارہ کے منتخب ممبروں نے اسمبلی میں ڈیموکریٹک گروپ قائم کر لیا۔ شروع میں گروپ بھی صاحبزادہ صاحب کے ساتھ تھا۔ کانگرس نے اس گروپ کو الگ کرنے کے لئے یہ چال چلی کہ اس گروپ کو یہ کہہ کر اکسایا کہ صاحبزادہ نے وزارت کی تشکیل میں ہزارے

کو بالکل محروم کر دیا ہے لہٰذا صاحبزادہ وزارت پر دباؤ ڈالا جائے کہ ہزارے کا ایک ممبر بھی وزارت میں شامل کیا جائے۔ چنانچہ ڈیموکریٹک گروپ نے کانگرس کی سازش سے صاحبزادہ صاحب پر جب ہزارے کا ایک وزیر لینے پر دباؤ ڈالا تو صاحبزادہ صاحب نے کہا۔

"میں خود ہزارے سے منتخب ہو کر سرحد کا وزیر اعظم بن کر ہزارے کی نمائندگی کر رہا ہوں اگر ایک اور وزیر ہزارے سے لے لیا جائے گا تو دوسرے اضلاع بھی اس مثال کو سامنے رکھ کر احتجاج کریں گے"

ڈیموکریٹک گروپ کی پشت پر چونکہ کانگرس حاوی ہو چکی تھی لہٰذا راجندر پرشاد، مولانا آزاد اور ڈاکٹر خان صاحب اور دوسرے کانگرسی لیڈروں نے ستمبر ۱۹۳۷ء میں اسمبلی کے اجلاس کے موقع پر ایبٹ آباد پہنچ کر صاحبزادہ صاحب کی وزارت کے خاتمے کے لئے گٹھ جوڑ شروع کر دیا۔ آخر ۴ ستمبر ۱۹۳۷ء کو کانگرسی لیڈر راجندر پرشاد کی کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایبٹ آباد کے میونسپل ہال میں جب اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا تو ڈاکٹر خان صاحب نے صاحبزادہ صاحب کی وزارت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی۔ ڈیموکریٹک گروپ اور کانگرسی اتحاد سے یہ تحریک کامیاب ہوئی اور صاحبزادہ صاحب کی وزارت کا خاتمہ ہو گیا۔

کانگرس نے نئی وزارت بنائی جس میں راجندر پرشاد کے وعدے کے مطابق ڈیموکریٹک گروپ کا ایک ممبر وزارت میں لیا گیا۔

سر صاحبزادہ نے عدم اعتماد کی تحریک کے کامیاب ہو جانے کے بعد الوداعی تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"آج اسمبلی کے اجلاس میں جو کچھ ہوا ان واقعات کو دیکھ کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پہلے آزادی کی ہوائیں میرے صوبے پر شمال مغرب سے آیا کرتی تھیں مگر اب

یہ ہوائیں وادی ہا سے آیا کریں گی خدا میرے صوبے کی خیر کرے ۔"

مسلم لیگ کا قیام

ایبٹ آباد میں اسمبلی کے اجلاس سے چند دن پہلے آپنے کانگرسی گٹھ جوڑ کو دیکھتے ہوتے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ کانگرس اپنے ارادے میں کامیاب ہو جائے گی ساتھ ہی آپکو یہ بھی خیال تھا کہ کانگرس اگر کامیاب ہو گئی تو وزارت کے پردے میں تمام صوبے پر کانگرسی اثر مکمل طور پر چھا جائے گا۔ لہٰذا آپنے مسلم ایسوسی ایشن کے ممبروں سے صلاح مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ایبٹ آباد میں ہی مسلم لیگ کی تنظیم کی ابتدا کی جائے یہ بھی فیصلہ ہوا کہ اس تنظیم کا آغاز بجائے اسمبلی کے ممبروں کے عوامی حلقوں سے کرایا جائے کیونکہ کانگرس نے یہ پروپیگنڈا شروع کر رکھا تھا کہ مسلم لیگ انگریزوں کی ٹوڈی جماعت ہے لہٰذا آپنے جلوزئی کے ایک ٹھیکیدار قاضی عبد الحکیم کو جو ان دنوں ایبٹ آباد میں ایک سڑک کے ٹھیکے کے سلسلے میں مقیم تھے پشاور بھیجا تا کہ چیدہ چیدہ بااثر مذہبی رہنماؤں کو ایبٹ آباد بلا کر مسلم لیگ کی تنظیم کا آغاز کیا جائے ۔ قاضی عبد الحکیم پشاور آئے اور یہاں سے مولانا محمد شعیب ۔ عبد الخالق خلیق ، سلطان شاہ اور مولانا شاکر اللہ کو لیکر ایبٹ آباد پہنچے ۔ صاحبزادہ صاحب کی مکمل حمایت سے ایبٹ آباد کے اسلامیہ ہائی سکول ہال میں ہزارہ ، پشاور اور مردان کے علماء اور دوسرے لوگ اکٹھے ہوئے ، عبد الخالق خلیق کی صدارت میں جلسہ ہوا اور مسلم لیگ کے عہدیدار منتخب کئے گئے ۔ یہ مسلم لیگ کی صوبائی تنظیم تھی اسی اجلاس میں صوبائی انتخابات کے ساتھ ساتھ ضلع وار مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے لائحہ عمل مرتب کیا گیا

ایبٹ آباد میں مسلم لیگ کی تنظیم اور قیام کے سلسلے میں پشاور مردان اور نوشہرہ سے جو لوگ ایبٹ آباد بلائے گئے تھے ان کی آمد و رفت اور رہائش اور طعام کا تمام خرچ صاحبزادہ صاحب نے ہی برداشت کیا ۔

وزارت کے خاتمے کے بعد ملک پورہ میں اپنی قیام گاہ پہ اپنے دوستوں اور مسلم ایسوسی ایشن کے ممبروں سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلے میں ہر ممکن کوشش کریں چنانچہ پشاور میں مسلم لیگ کی کانفرنس منعقد کرانے کیلئے سرحد کے چیدہ چیدہ لوگوں کو مدعو کرنے کے لئے دعوت نامے بھیجنے کا بھی مشورہ دیا۔ آپ نے میاں ضیاء الدین بار ایٹ لاء کو یہ اختیار دیا کہ وہ پشاور میں مسلم لیگ کی کانفرنس کے لئے ابتدائی انتظامات کر کے مقررہ تاریخ اور مقام کا اعلان کریں۔ اس فیصلے کے بعد صاحبزادہ صاحب کچھ دن ایبٹ آباد میں ٹھہرنے کے بعد اپنے گاؤں ٹوپی چلے گئے۔

میاں ضیاء الدین بار ایٹ لاء صاحبزادہ صاحب کے کہنے کے مطابق پشاور میں مسلم لیگ کانفرنس کے لئے ابتدائی تیاریوں میں مصروف تھے سرحد کے کونے کونے میں چیدہ چیدہ لوگوں کو دعوت نامے بھیجے گئے۔ مسلم ایسوسی ایشن کے ارکان کو بھی اس کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے خصوصی دعوت نامے بھیجے گئے تاکہ وہ مسلم لیگ کے قیام کے سلسلے میں اپنی اپنی تجاویز بھیجیں ابھی یہ ابتدائی انتظامات شروع تھے کہ صاحبزادہ صاحب سخت بیمار ہو گئے ان کی بیماری کے دوران ان کی خواہش کے مطابق میاں ضیاء الدین کے بنگلے پہ سرحد کے سرکردہ لوگ جمع ہوئے سر صاحبزادہ صاحب بیماری کی وجہ سے اجلاس میں شریک نہ ہو سکے۔ میاں ضیاء الدین کے بنگلے پہ میٹنگ ہوئی اور سرحد میں مسلم لیگ کی تنظیم اور قیام کے لئے اجلاس کی تاریخ مقرر کی گئی اور صاحبزادہ صاحب کو کارروائی سے مطلع کیا گیا مگر اس پروگرام میں شرکت سے پہلے ہی صاحبزادہ ۴ دسمبر ۱۹۳۷ء کو فوت ہو گئے انہیں ٹوپی کی مسجد کے صحن میں سپرد خاک کیا گیا۔

سر صاحبزادہ انگریزوں سے حکمت عملی سے کام لیتے رہے پرنس آف ویلز کی آمد کے موقع پر انگریز ول

کے حواری خوانین ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ شہزادے کا شایان شان استقبال ہو
ان خوانین میں سے محمد اکبر خان ہوتی اور طوروکے نواب حمید اللہ خان پیش پیش تھے
صاحبزادہ عبدالقیوم خان ان دنوں پشاور میں مقیم تھے آپ بڑی ٹھنڈی طبیعت
کے مالک تھے فہم و فراست اور سیاسی معاملات میں صحیح رائے قائم کرنے میں بہت
ہی زیادہ عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ سرحدی عوام کے بے حد
غمخوار تھے آپ صوبہ سرحد کو دوسرے صوبوں کے ساتھ مساوی حقوق دلانے کے
دل سے متمنی تھے۔

شہزادہ ویلز کی آمد کے موقع پر آپ دل سے تو یہی چاہتے تھے کہ استقبال کا
ڈٹ کر بائیکاٹ کیا جائے مگر منہ پر بات نہ لاتے تھے تاکہ انگریزوں کے حواری
خوانین کو چغلیاں کھانے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ کیونکہ آپ سرحد کی خدمت کرنا چاہتے
تھے انگریزوں کے ہر اس حربے کو ناکام بنانا چاہتے تھے جس سے سرحدی عوام کو
کچلا جا سکے۔ لہٰذا انہوں نے جہاں زندگی بھر ایسے موقعوں پر تدبّر سے کام لیا اس وقت
بھی اعلیٰ تدبّر کا ثبوت دیا چنانچہ تحریک خلافت کے رضاکاروں کو اپنے پاس بلا کر
نہایت عجیب الفاظ میں کہا "ہر قدم سوچ کر اٹھانا چاہیئے کامیابی کی امید ہو تو ہڑتال
کرانے اور استقبال کو ناکام بنانے کی کوشش کرو ورنہ طاقت ضائع کرنے سے کوئی فائدہ
نہیں"۔ صاحبزادہ صاحب آغا لعل بادشاہ اور علی گل خان اور بعد مسلم لیگ کے بہی خواہوں
اور قائداعظم کے مداحوں کو ہمیشہ تلقین کرتے تھے کہ "خطرناک، عیار، چالاک اور مضبوط
دشمن کا مقابلہ دو صورتوں میں ہو سکتا ہے۔" طاقت سے یا تدبیر سے" طاقت سے
مقابلہ کرنا یعنی آمنے سامنے مورچے بنا کر انگریزوں سے لڑائی لڑ کر آزادی حاصل
کرنے کے لئے ان کا خیال تھا کہ یہ ناممکن ہے کیونکہ ایسا اسی صورت میں ممکن ہو
سکتا ہے جبکہ مقابلے میں قوم کے پاس بھی اسلحہ ہو ٹینک ہوں اور مسلح فوج ہو، لہٰذا

آپ اپنے بہی خواہوں اور آزادی کے پروانوں کو یہ کہا کرتے تھے کہ "تم جدوجہد کرو میں تدبیر سے اس دشمن کا ظاہری ساتھی بن کر تمہیں تقویت دوں گا تاکہ ہماری مشترکہ کوشش سے ہمیں کامیابی حاصل ہو سکے۔

ایک خواب جو حقیقت بنا: قاضی مہند اللہ ایڈووکیٹ کہتے ہیں کہ میرے والد بیان کیا کرتے تھے کہ شیخان کے ارباب غلام حیدر خان نے اپنی طالب علمی کے زمانے کا ایک اہم واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں اور صاحبزادہ عبدالقیوم مشن ہائی سکول میں اکٹھے پڑھتے تھے مشن سکول کوہاٹی کے دروازے کے اندر تھا اور اس کا بورڈنگ ہاؤس ڈبگری دروازے کے باہر مشن ہسپتال کے پاس تھا جہاں آج کل الزبتھ گرلز ہائی سکول ہے۔ غلام حیدر خان نے کہا بورڈنگ ہاؤس میں صاحبزادہ عبدالقیوم اور میں ایک ہی کمرے میں رہتے تھے۔ صاحبزادہ کو تعلیم کا بیحد شوق تھا وہ رات کو بڑی دیر تک بیٹھ کر سکول کا کام کیا کرتے تھے۔ اس محنت کا نتیجہ تھا کہ صاحبزادہ کلاس میں ہمیشہ امتیازی نمبر لیکر کامیاب ہوتے تھے۔

ایک رات ایسا ہوا کہ صاحبزادہ سکول کا کام کرنے کے بعد سو گئے تقریباً آدھی رات کے وقت انہوں نے مجھے جھنجھوڑ کر نیند سے بیدار کیا اور کہنے لگے بھائی! میں نے ابھی ابھی خواب دیکھا ہے کہ ایک سفید ریش بزرگ میرے پاس آئے میں خواب میں اپنی کتابوں کے مطالعے میں مصروف تھا بزرگ نے قریب آکر مجھے کہا" صاحبزادہ تم اتنے بڑے آدمی بنو گے کہ اٹک سے اس طرف تمام صوبہ سرحد میں کوئی بھی تمہارا ہم پلہ نہیں ہوگا کیونکہ تیری وجہ سے صوبہ سرحد کو روشنی عطا ہوگی"۔

غلام حیدر خان نے کہا کہ میں نے صاحبزادہ کی یہ باتیں سنتے ہی ہم درس طالب علم کے انداز میں بے تکلف کہا۔" یار تم اور تمہاری صوابی والی ٹوپی" اور پھر سرحد میں تمہاری شعاعیں سبحان اللہ! تم تو پہلے ہی نیند کے عادی نہیں کتابوں کے کیڑے بنے رہتے ہو خدا کیلئے

مجھے تو سونے دو۔ یہ تو وہی بات ہے کہ "بلی کو خواب میں بھی چوہے نظر آتے ہیں۔"
ارباب صاحب کہتے ہیں کہ میں اکثر کلاس میں بھی صاحبزادہ کو اس کا خواب یاد دلا کر چھیڑا کرتا تھا اور پھر ہم دو تین ہمدرس مل کر اس خواب کا خوب مذاق اڑایا کرتے تھے۔ مجھے صاحبزادہ کا یہ خواب اس لئے بھی تمام عمر یاد رہا کہ صاحبزادہ نے مجھے گہری نیند سے بیدار کیا تھا جس کی وجہ سے مجھے سخت کوفت ہوئی تھی۔ انٹرنس پاس کرنے کے بعد ہم اپنے اپنے راستوں کی طرف الگ الگ روانہ ہو گئے۔ قدرت کا تماشا دیکھئے کہ کچھ عرصے کے بعد میں نے سنا کہ صاحبزادہ کو خان صاحب، پھر خان بہادر اور پھر سر کے خطاب یکے بعد دیگرے ملے۔ میں انہیں مبارک باد دینے ان کے پاس گیا۔ صاحبزادہ بڑے تپاک سے ملے اور کہنے لگے "ارباب دیکھو میرا خواب کتنا سچا تھا۔ پھر وہ سرحد کے وزیر بنے اور اس کے بعد صوبہ سرحد کو جب اصلاحات ملیں تو سرحد کے وزیر اعظم بنے میں ہر بار ان کے پاس مبارک باد کے لئے گیا وہ ہر بار اپنے خواب کی تصدیق بیان کرتے ہوئے کہتے کہ ارباب! بعض خواب واقعی سچے ہوتے ہیں۔" میں نے کہا "نواب صاحب اگر آپ کوشش نہ کرتے تو سرحد کو انگریز کبھی بھی اصلاحات نہ دیتے اسی طرح سرحد میں پٹھان قوم کو تعلیمی زیور سے آراستہ کرنے کے لئے آپ نے جو جد و جہد کی ہے ان کاوشوں کو سامنے رکھتے ہوئے میں تو یقیناً آپ کے خواب کا قائل ہو چکا ہوں اور اعتراف کرتا ہوں کہ جب تک صوبہ سرحد کی سرزمین رہے گی آپ کے فیض کی شعاعیں اسے منور کرتی رہیں گی۔"

سر صاحبزادہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ سرحد کے باشندے اپنی مخصوص تہذیب تمدّن اور مخصوص رسم و رواج کے تحت کانگرس کی سیاست سے الگ تھلگ رہیں اس نظریئے کے تحت صاحبزادہ صاحب نے ہر اس سیاسی تحریک کی درپردہ حمایت کی جو محض سرحدی اقوام کے مفاد کے لئے تھی اس کے مقابلے میں سر صاحبزادہ نے کانگرس تحریک کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا جس کے نظریات سرحد کے باشندوں پر ٹھونسے جا رہے تھے۔

۱۹۲۰ء میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا تو ہندوستان کے مسلمانوں کے قافلے سرحد کے راستے افغانستان کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ ان قافلوں کے قیام و طعام اور رہنمائی کیلئے سرحد میں جگہ جگہ ہجرت کمیٹیاں بنیں پشاور کے حاجی جان محمد اور آغا لال بادشاہ ہجرت کمیٹیوں کے روح رواں تھے۔ رضا کاروں کے دستے تیار کئے گئے۔ قافلے والوں کے آرام و آسائش کیلئے مکانات اور سرائیں کرایہ پر لی گئیں۔ ظاہر ہے کہ اس کام کے لئے سرحد کی خلافت کمیٹی کو مالی امداد کی ضرورت تھی حاجی جان محمد اور آغا لال بادشاہ سر صاحبزادہ کے خاص مداحوں میں سے تھے اور حالات اور واقعات یہ بتاتے ہیں کہ اگر سر صاحبزادہ کی اعانت اور درپردہ ہمدردی ان دونوں کے ساتھ نہ ہوتی تو وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوتے سر صاحبزادہ نے قدم قدم پر ان کو ایسے مشورے دیئے جن سے ایک طرف تو یہ سیاسی تحریک اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اور دوسری طرف سرحد کے سیاسی رہنما سرحد کے حکمرانوں کی گرفت سے بھی بچے رہیں اگر کبھی کبھی انگریز حکمرانوں سے سرحد کے ان قومی کارکنوں پر کوئی آفت نازل بھی ہوئی تو سر صاحبزادہ کی کوششوں سے اس آفت کے دور کرنے کے راستے بھی نکلتے رہے۔

خان عبدالغفار خان نے سرحد کے افغانوں کی معاشرتی اصلاح اور قومی بیداری کے لئے افغان جرگے کی بنیاد ڈالی۔ اسی افغان جرگے کو بعد میں سرخپوش تحریک کا نام دیا گیا انگریز اس تحریک سے بہت ہی زیادہ خائف تھے۔ انگریز نہیں چاہتے تھے کہ افغان قوم اپنی اجتماعی شکل میں متحد ہوسکے یا وہ معاشرتی اصلاح کے پردے میں انگریز قوم کے لئے اپنے دل میں نفرت کے جذبات کا بیج بو سکے۔ لہٰذا انگریزوں نے اس تحریک کو ختم کرنے کے لئے مکمل منصوبہ بنایا۔ انگریزوں کے دلوں میں یہ بھی وہم پیدا ہو گیا تھا کہ یہ تحریک روسی اثر کا نتیجہ ہے اور روس ہی اس تحریک کو مالی امداد فراہم کر کے اس کے ذریعے ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے خاتمے کے لئے کوشش کر رہا ہے اس نظریے کے تحت سرحد کے حکمرانوں نے سنٹرل گورنمنٹ کے اشارے پر اس تحریک کو

کچلنے اور تحریک کے سرپرستوں کو سخت سے سخت ترین سزائیں دینے کے منصوبے کو جب آخری شکل دے دی تو سر صاحبزادہ نے درپردہ خان عبدالغفار خان کو انگریزوں کی تیار کی ہوئی تمام سکیم سے مطلع کیا اور ساتھ ہی انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنی سیاسی ہستی اور اہمیت کو برقرار رکھنے کے لئے ہندوستان کی بڑی سیاسی جماعت میں شامل ہو جائیں ان دنوں انگریزوں اور کانگریس کے درمیان مفاہمت کے امکانات پیدا ہو چکے تھے لہذا سر صاحبزادہ کی یہ دلی آرزو تھی کہ افغانوں کی معاشرتی اصلاح کا یہ مصلح انگریزوں کی گرفت سے بچا رہے اور اس کی سیاسی حیثیت پر کوئی آنچ نہ آ سکے۔ اس کے بعد سرحد میں سرخپوش تحریک کے سرکردہ لیڈروں کو ہر ممکن طریقے سے سرکاری طور پر ہر ممکن سہولت فراہم کرنے کے لئے سر صاحبزادہ ہی مسلسل کوشش کرتے رہے۔

۱۹۳۰ء میں انگریزوں نے سرحدی باشندوں پر بے پناہ مظالم کئے۔ صوبے کے مختلف مقامات پر اندھا دھند فائرنگ کر کے کئی بے گناہ نہتے اور مظلوم سرحدیوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ فوج اور پولیس کو جس گاؤں کی تباہی کا آرڈر ملا اس گاؤں کو تباہ کیا گیا۔ مکانوں کو آگ لگائی گئی۔ حجروں کو جلایا گیا۔ گھروں کی تلاشیاں لی گئیں عورتوں کی بے حرمتی کی گئی معصوم بچوں کو ان کے ماں باپ کے سامنے قتل کیا گیا گاؤں کے محاصرے کئے گئے۔ شہروں میں پانی بند کر دیا گیا۔ بچے پیاس سے بلک بلک کر جاں بحق ہوتے۔ ۲۳ر اپریل ۱۹۳۰ء کو پشاور کے مشہور بازار قصہ خوانی میں خون کی ہولی کھیلی گئی۔ نہتے شہریوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ لاشوں کو ٹرکوں میں بھر کر اٹک کے دریا میں بہایا گیا یا پھر کئی کئی لاشوں کو اکٹھا کو ہاٹی دروازے کے باہر گڑھوں میں کھود کر دبایا گیا۔ انگریزوں کا خیال تھا کہ ان خونیں واقعات کو دیکھ کر سرحدی مرعوب ہو جائیں گے مگر "آگ بھڑکتی گئی جوں جوں بجھاتے گئے" انگریز گورنر نے تہیہ کر لیا تھا کہ سرحدیوں کے خون کے دریا بہا کر انگریزی اقتدار کو سرحد میں مستحکم بنایا جائیگا۔

انگریز گورنر نے شہر میں مارشل لاء نافذ کر دیا سرحد کے واقعات سے بیرونی دنیا کو بے خبر رکھنے کے لئے کڑی پابندی عائد کر دی گئی تاکہ ہندوستان کے دوسرے حصوں کے باشندے سرحدی واقعات سے مشتعل نہ ہونے پائیں۔ انگریز گورنر کے ان ظالمانہ پروگراموں سے یہی ترشح ہو رہا تھا کہ وہ سرحد کے باشندوں کی مکمل ناکہ بندی کرنے کے بعد سرحدی لوگوں کو موت کی نیند سلا کر حکومت برطانیہ سے بڑے سے بڑا اعزاز حاصل کرنے کا خواہشمند ہے۔

صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب ان دنوں پشاور کے علاقہ یکہ توت میں قیام پذیر تھے۔ انہوں نے انگریز گورنر کے اس ظالمانہ رویے اور اس کے خطرناک عزائم کو بھانپتے ہوئے خفیہ طور پہ ایک طویل مراسلہ لکھا جس میں سرحدی باشندوں پہ کئے گئے مظالم کی خونچکاں داستان لکھ کر وائسرائے ہند کو سرحدی حکام کے ظلم و ستم بیان کرتے ہوئے لکھا کہ اگر یہ مظالم بند نہ کئے گئے اور ان کا ازالہ نہ کیا گیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ انگریز کو صرف سرحد میں ہی نہیں بلکہ تمام ہندوستان میں سرحدی عوام پہ کئے گئے مظالم کی سزا بھگتنا ہو گی۔" مراسلے میں سرحد کے ہر حصے کے عوام پہ ہونے والے مظالم کی مفصل رپورٹ تھی سر صاحبزادہ نے یہ مراسلہ خفیہ طور پہ مولانا عبدالقادر کے حوالے کیا۔ مولانا عبدالقادر فرماتے ہیں کہ میں نے بارہ صفحے پر مشتمل یہ خط تہہ کر کے جرابوں میں اس طرح ڈالا کہ وہ پنڈلی کے ساتھ محفوظ طریقے سے محفوظ ہو گیا۔ تمام اسٹیشنوں پہ پولیس اور فوج کا کڑا پہرہ تھا۔ اخبارات پہ سنسر شپ تھی۔ نامہ نگاروں کی کڑی نگرانی تھی۔ ڈاک خانے میں ہر خط کی چیکنگ کی جاتی تھی۔ تار گھروں پہ فوج کے پہرے تھے لہٰذا ان حالات میں اس مراسلے کو خفیہ طور پہ رکھنا اور پھر احتیاط سے سرحد سے پار کرنا ایک کٹھن کام تھا۔ مولانا عبدالقادر فرماتے ہیں کہ میں یہ مراسلہ لیکر خیبر میل میں بیٹھا اور سیدھا دہلی جا پہنچا۔ مراسلہ وائسرائے کے نام تھا میں نے یہ مراسلہ جا کر وائسرائے کے سیکرٹری کو پہنچایا۔ اس مراسلے کا یہ نتیجہ نکلا کہ وائسرائے نے

نئے گورنر کو تیسرے دن جہاز میں سوار کر کے سرحد بھیجا جس نے آتے ہی سرحد کے گورنر سے چارج لیکر اسے سرحد سے نکال دیا۔

سر صاحبزادہ نے مرکزی اسمبلی کے ممبر کی حیثیت سے انگریزوں پر ہمیشہ یہ دباؤ ڈالا کہ سرحد اور قبائلی علاقوں کے لوگوں کو جبر اور تشدد کے ذریعے دبانے کی بجائے انہیں تعلیمی زیور سے آراستہ کیا جائے۔ چنانچہ ۴ مارچ ۱۹۲۶ء کو مرکزی اسمبلی میں بجٹ سیشن میں تقریر کرتے ہوئے سر صاحبزادہ نے فرمایا۔

"جناب عالی! میرے دوست کرنل کرافورڈ نے صوبہ سرحد کے متعلق اپنے جو ریمارکس پیش کئے ہیں ان ریمارکس نے مجھے صوبہ سرحد کے متعلق اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا ہے۔ جناب عالی! صوبہ سرحد کے مسائل کے متعلق یہ اسمبلی اتنی متاثر نہیں ہوئی جتنا کہ اسے ہونا چاہیئے۔ صوبہ سرحد کے متعلق صرف بجٹ پیش کرنے وقت کچھ کہہ دیا جاتا ہے یا پھر کسی خاص موقع پر اس کا تذکرہ آجاتا ہے مگر حقیقت ہے کہ میرے خیال میں ان مسائل پر اسمبلی کو انتہائی غور و فکر کرنا چاہیئے۔

صوبہ سرحد کے باشندے دو حصوں میں تقسیم ہیں' ایک تو وہ لوگ ہیں جو انتظامی اضلاع میں رہتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو قبائلی علاقوں میں رہتے ہیں جہاں تک انتظامی اضلاع کی آبادی کا تعلق ہے اس کے متعلق اصلاحات کے نفاذ کے لئے اسمبلی میں ایک قرارداد زیر بحث ہے جس کے دوبارہ بھی زیر بحث آنے کے امکانات ہیں مگر جہاں تک قبائلی علاقوں کا تعلق ہے اس کے متعلق ابھی تک سکوت ہے۔

جناب عالی! میرا قبائلی علاقوں کے ساتھ کافی عرصہ تک تعلق رہا ہے اور میرے ذاتی تجربات کی بناء پر یہ خیال ہے کہ برطانوی حکومت ہر ممکن طریقہ اختیار کر رہی ہے تاکہ ان علاقوں کے مسائل کو حل کیا جا سکے۔ فوج کشی پر فوج کشی ان علاقوں کی طرف بھیجی گئیں تاکہ جو مجرم پائے جائیں انہیں سزا دی جائے' دوسرے بڑے جرائم

جو ضلعوں میں یا انتظامی علاقوں میں پائے گئے ان پر حکومت کو بہت بڑی رقم خرچ کرنا پڑی لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے جو میرے علم میں کبھی بھی غور کیساتھ یہاں سوچا نہیں گیا وہ یہ ہے کہ کس طرح زیادہ پر امن زندگی اس علاقے میں گزاری جائے بسا اوقات یہ سوچا جاتا ہے کہ پر اثر طاقت یا کنٹرول لائن کو ڈیورنڈ لائن تک وسیع کیا جائے اسے ہم فارورڈ پالیسی کہتے ہیں۔ میرا یہ خیال نہیں ہے کہ مجھے یہ کہنے کی ضرورت پڑے گی۔ اس بات پر سوائے یہ کہ اگر آپ اپنا پر اثر کنٹرول اس لائن تک وسیع کر دیں تو حکومت کو کبھی بھی ان قبائیلوں جیسے پر امن ہمسائے نہیں ملیں گے لیکن تم اپنے پڑوسی ایسے لوگ پاؤ گے جو ان سے زیادہ تکلیف دہ ہوں گے ــــ جتنے کہ موجودہ قبائلی علاقے میں پڑوسی ہیں یہ بات اتنی آسان نہیں ہو گی کہ کسی طرح سے یہ انتظامی کنٹرول قبائلی علاقوں تک ہم کر سکیں شاید ہاؤس کو یہ معلوم ہو کہ وہاں پر آدھ ملین آبادی مسلح لوگوں کی ہے جو اچھے لڑاکا بھی ہیں ان علاقوں میں مزید خرچ کی ضرورت ہو گی تاکہ ان لوگوں کی اچھی اور موثر تربیت کی جا سکے۔ پہلے آپ انہیں غیر مسلح کریں گے جب یہ کام ہو چکے گا تو حکومت نے انہیں تعلیم دینا ہو گی۔ اور انہیں یہ بتانا ہو گا کہ کس طرح سے وہ پر امن ذرائع کے ذریعے اپنی روزی تلاش کر سکتے ہیں اور پھر آدھی صدی کے بعد انہیں اصلاحات کی ضرورت ہو گی۔ مجھے یہ سوچنا چاہیئے اور شاید مجھے ان کے حصول میں تکلیف کا سامنا بھی کرنا پڑے جس طرح کہ ہمیں انتظامی اضلاع میں کرنا پڑتی ہے' فارورڈ پالیسی نے اپنی قیمت کھو دی ہے جسے کسی طریقے سے بھی دوبارہ زندہ نہیں کیا جا سکتا مجھے یقین نہیں ہے کہ آپ کے یہ موثر کنٹرول کرنے کا ذریعہ اس علاقے میں عمدہ ثابت ہو جہاں تک سرحدوں کو بند کرنے کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ ان سے وہ علاقہ حاصل کر کے اکٹھا کر لیا جائے گا اور اس کے ساتھ قدرتی سرحد بنائی جائے انتظامی اضلاع میں اللہ قبائلی علاقوں میں یہ ایک دوسرا سوال ہے جو نہیں اٹھایا جا سکتا اتنی دیر سے

موجودہ حالات میں ہم نے اپنی ذمہ داریاں زیادہ کردی ہیں اور ہم نے کچھ ذمہ داریاں قبائلی علاقوں کی اپنے ذمے سونپ لی ہیں اور ہم بلا وجہ انہیں یہ نہیں دے سکتے اور وہ ان ذمہ داریوں کے ساتھ نبرد آزما نہیں ہو سکتے۔ میرا خیال ہے کہ موجودہ حالات حقیقت پسندانہ نہیں ہیں کہ ہم ایجنسیوں کو واپس لے لیں اور وہ تمام علاقے بھی ہمیں انہی موجودہ حالات میں بہترین کوشش کرنا چاہیئے۔ جنگ کے دوران میں ہمیشہ یہ ڈر ہوتا ہے کہ اگر پالیسی بدل دی جائے تو یہ برطانوی حکومت کی کمزوری ثابت ہوگی مگر اب خوش قسمتی کے ساتھ نہیں بڑا اچھا پرامن وقت گذارا ہے۔ سرحد پر اب تمام حالات پرامن ہیں جیسے کہ موجودہ حال میں ہو سکتے ہیں میرا یہ خیال ہے کہ اب بہترین وقت ہے کہ قبائلی علاقوں کے لئے نئی پالیسی اور نئے تجربات کئے جائیں جو سابقہ پالیسیوں سے مختلف ہوں یہ تجربات میرے بہت ہی قیمتی ہیں اور یہ بہترین موقع ہے کہ ان علاقوں میں تعلیم کو پھیلایا جائے۔"

سر صاحبزادہ نے اپنی زندگی صوبے کے عوام کی خدمت کے لئے وقف کردی تھی ملازمت کے دوران اور ملازمت کے بعد انھوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ صوبہ سرحد کے عوام کی بہتری اور بہبودی کے لئے نئے نئے راستے تلاش کرنے میں گذارا۔ وہ صرف سرحد میں نہیں بلکہ ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتے تھے وہ جب تک زندہ رہے ہندوستان کے مختلف صوبوں کے غریب مسلمان طلباٗ کو ہر ماہ اپنی جیب سے معقول وظیفہ دیتے رہے تاکہ وہ زیور علم سے آراستہ ہو کر ہندوستان میں اپنا مقام حاصل کر سکیں۔ سرحد کے لوگوں سے ہزاروں روپیہ چندہ اکٹھا کر کے علیگڑھ یونیورسٹی کے قیام میں مدد دی۔ خود بھی ہر ممکن مالی امداد دی۔ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے ان کے لگاؤ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد انہیں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کی وائس چانسلری کا عہدہ سنبھالنے کے لئے دو دفعہ پیش کش کی گئی مگر انھوں نے یہ کہہ کر اس پیش کش کو مسترد کر دیا

کہ "میں سرحد کے باشندوں کو جہالت کے گڑھے سے نکالنے کے لئے سرحد میں رہ کر تگ و دو جاری رکھنا چاہتا ہوں اگر میں علیگڑھ میں مقیم ہو گیا تو میرے صوبے کے لوگوں کو پستی سے نکالنے میں سہارا کون دے گا؟" چنانچہ اسی مقصد کی خاطر پولیٹیکل ایجنٹ خیبر کے عہدے سے ریٹائر ہونے کے بعد انہوں نے اپنی زندگی سرحد کے لوگوں کی خدمت اور سرحد کی ترقی کے لئے وقف کر دی تھی۔ آپ نے پشاور میونسپل کمیٹی کے نامزد ممبر کی حیثیت پشاور شہر کو خوبصورت بنانے اور پشاور کے شہریوں کے مسائل کو حل کرنے میں کافی مدد دی سر صاحبزادہ نے سرحد کو اصلاحات دلانے کے لئے ہندوستان کی مرکزی اسمبلی اور انگلینڈ کی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شاندار کردار ادا کیا اس سلسلے میں یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر سر صاحبزادہ عظیم جد و جہد نہ کرتے تو نہ تو انگریز سرحد کو اصلاحات دینے کے لئے تیار تھے اور نہ ہی سرحد میں تعلیم کا دیا روشن ہوتا۔ کانگرس سر صاحبزادہ سے صرف اس لئے مخالف تھی کہ سر صاحبزادہ الہ آباد اور بمبئی کے کانگرس ہیڈ کوارٹر کے اثرات سے سرحد کو بچانا چاہتے تھے۔ صاحبزادہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کانگرس اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے سرحد کے پٹھانوں کو آلۂ کار بنائے۔ وہ مسلمانوں کو کسی دوسری قوم کے لیڈر کی قیادت میں سیاسی اور تمدنی راستوں پر چلنے کے سراسر خلاف تھے سر صاحبزادہ اس بات پر سختی سے عمل پیرا تھے کہ مسلمان قوم اپنی تہذیب اور اپنے تمدن کے دائرے میں رہ کر اپنے حقوق کے لئے جد و جہد کرے۔

سر صاحبزادہ نے شمال مغربی سرحدی صوبے کو اصلاحات دلانے کی جد و جہد کے ساتھ ساتھ سندھ کو بمبئی سے الگ کر کے مسلمان اکثریت والا صوبہ بنانے کے لئے انتہائی جد و جہد کی۔ لندن کی گول میز کانفرنس میں ان کے دلائل اس قدر ٹھوس تھے کہ برطانوی حکومت کو آخر کار سندھ کو بمبئی سے الگ کر کے ایک صوبہ بنانے کا اعلان کرنا پڑا۔

~~سر صاحبزادہ مشرقی تہذیب و تمدن کے ایک مجسم نمونہ تھے انہوں نے مشرقی وضع قطع~~

کو لندن کی گول میز کانفرنس میں بھی برقرار رکھا وہ وہی لباس زیب تن کر کے اس اہم اجلاس میں شریک ہوتے جو ان کا روایتی لباس تھا۔ انہوں نے یورپ کے دورے کے دوران یورپ کے ہر باشندے کو اپنی قومی روایت سے متاثر کیا۔

سر صاحبزادہ نے میدان سیاست میں وہ کامیابی حاصل کی جو ہندوستان کے چوٹی کے لیڈروں کو حاصل نہ ہوئی، ہندوستان کے تمام لیڈر لندن کی گول میز کانفرنس سے ناکام واپس آئے مگر سر صاحبزادہ اپنے صوبے کو اصلاحات دلانے میں کامیاب ہو کر آئے۔ کانگرس ان کی سیاسی بصیرت اور ان کے قومی جذبے سے خائف تھی مگر ساتھ ہی مسلمان کانگرسی لیڈر ان کی عظیم سیاسی بصیرت اور قومی جذبے کی انتہائی قدر کرتے تھے۔ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں ٹوپی کے حلقے سے کانگرس نے ان کے مقابلے میں کاکا عبدالعزیز کو کھڑا کیا تھا جنہوں نے مصنف کے سامنے سر صاحبزادہ کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ یہ ہے۔

"نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے۔ میں اگرچہ ٹوپی کے حلقے سے ان کے مقابلے میں سرحد اسمبلی کا امیدوار کھڑا ہوا تھا مگر جب اسمبلی میں نواب صاحب نے مجھے دیکھا تو دور سے اٹھ کر میرے پاس آئے اور مجھے گلے لگا لیا۔ نواب سر صاحبزادہ صوبہ سرحد کے حقیقی معنوں میں بہی خواہ تھے انہوں نے ہی صوبہ سرحد کو اصلاحات دلائیں اور وہی وہ شخصیت تھے جن کی وجہ سے آج سرحد میں علم کی شعاعیں چمک رہی ہیں۔"

آپ کی وفات کے بعد کانگرس صوبے کے مالک بن گئی تھی اور اس پودے کے سائے میں جس کا بیج سر صاحبزادہ نے لگایا تھا۔ کانگرس وزارت کی کرسیوں کے لئے دن رات جوڑ توڑ میں مصروف رہی اور قیام پاکستان تک کانگرس اس صوبے کے عوام کی قسمت سے کھیلتی رہی۔ اسلامیہ کالج پشاور جو سر صاحبزادہ کی ساری زندگی کی محنتوں کا سرمایہ تھا کانگرس کے لئے ایک کانٹا بن کر آنکھوں میں چبھ رہا تھا۔ کانگرس نے اسلامیہ

کالج کو اس کے بنیادی مقاصد سے دور رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اس کالج کو ہندو مسلم سکھ عیسائی وغیرہ سب قوموں کا تعلیمی ادارہ بنانے کی کوشش کی گئی مگر کانگرس کو قدم قدم پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ سر صاحبزادہ اسلامیہ کالج کے لئے زندہ رہے اور کالج کے لئے ہی فوت ہوئے انہیں زندگی میں سب سے بڑا صدمہ یہ پہنچا کہ کانگرس وزارت نے اسلامیہ کالج کی مالی امداد میں تخفیف کر دی تھی۔ دوسرا بڑا صدمہ یہ پہنچا کہ سرحد کے مسلمان کانگرسی ممبروں نے یہاں تک اسلامیہ کالج کے ساتھ دشمنی کا مظاہرہ شروع کر دیا تھا کہ اسلامیہ کالج کے چمن کو ملنے والی باڑے کا پانی بھی بند کرنے کے لئے اسمبلی میں قرار دادیں پیش کرنا شروع کر دی تھیں۔ سر صاحبزادہ جنوری ۱۹۳۸ء میں کالج کی سلور جوبلی منانے کی تیاریوں میں مصروف تھے مگر موت نے انہیں یہ خوشی نہ دیکھنے دی

سر صاحبزادہ کی وفات کی خبر سے ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو سخت صدمہ پہنچا۔ سرحد میں تو ان کی وفات کی خبر سنتے ہی صف ماتم بچھ گئی تھی۔ سر صاحبزادہ کی نماز جنازہ میں شرکت کیلئے سرحد کے کونے کونے سے لوگ ٹوٹ پڑے پہنچے۔ گورنر سرحد اعلیٰ سول اور فوجی حکام اسمبلی کے ممبر، سر صاحبزادہ کے کئی ہندوستانی اور یورپین دوست، اسلامیہ کالج کے پرانے اور نئے طلبا نماز جنازہ میں شرکت کے لئے نمناک آنکھوں کے ساتھ ٹوٹ پڑے پہنچے۔ سر صاحبزادہ کی لاش کو پورے فوجی اور سرکاری اعزاز کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا۔ اسلامیہ کالج پشاور کے نئے اور پرانے طلبا نے سرحد کے اور مسلمانان ہندوستان کے اس عظیم محسن کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔

سر صاحبزادہ کی وفات صوبہ سرحد کے باشندوں کے لئے اور ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے لئے ایک عظیم المیہ تھی۔ ان کی وفات پر صوبہ سرحد اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر تعزیتی جلسے منعقد ہوئے اور مسلمانوں کے اس عظیم رہنما کی موت پر رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔

" گورنر سرحد نے انتہائی رنج و غم کے ساتھ صاحبزادہ کے انتقال کی خبر سن کر یہ سرکاری بیان جاری کیا۔

" صاحبزادہ سر عبدالقیوم نے صوبہ سرحد کے لئے لافانی کارنامے سرانجام دیئے ہیں پولیٹیکل ایجنٹ خیبر کی حیثیت سے بھی صوبہ سرحد کے لئے ان کی تمام خدمات بے مثال تھیں وہ انتہائی فرض شناس اور مخلص انسان تھے۔ اپنی سرکاری ملازمت میں اور ملازمت سے باہر رہ کر سر عبدالقیوم نے اپنی زندگی اپنے صوبے کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی۔ انہوں نے اپنے صوبے کے لوگوں میں سیاسی اور تمدنی بیداری پیدا کرنے میں انتھک محنت کی۔ سر صاحبزادہ نے دل کی گہرائیوں کے ساتھ اپنے صوبے کو ترقی پہ پہنچانے کے لئے عہد کر لیا تھا اور وہ اس صوبے کو ترقی کی منزل پہ دیکھنا چاہتے تھے۔ صاحبزادہ کی موت سے صوبہ سرحد ایک انتہائی قابل سیاستدان سے محروم ہو گیا ہے۔ ہم دونوں نے اکٹھے کئی سال تک کام کیا۔ نواب صاحب کے اخلاص۔ نیک نیتی اور بربادی نے ان کے کئی دوست پیدا کئے میں بھی ان کے دوستوں میں تھا مگر افسوس کہ میں بھی ایک مخلص دوست سے محروم ہو گیا۔"

• جمخانہ کلب پشاور میں نواب صاحب کی وفات پر ایک تعزیتی اجلاس ہوا جس میں کلب کے ممبروں نے سر صاحبزادہ کو خراج عقیدت پیش کیا اور ان کی موت کو عظیم قومی المیہ قرار دیا۔

دائرہ ادبیہ پشاور نے بھی اپنے تعزیتی اجلاس میں صاحبزادہ کے انتقال پہ گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ سر صاحبزادہ کی موت سے سرحد کے ادیب ایک اہم سرپرست سے محروم ہو گئے۔

چرچ ہائی سکول نے جہاں سر صاحبزادہ نے تعلیم حاصل کی تھی ایک تعزیتی اجلاس میں قرارداد پاس کی کہ سر صاحبزادہ کا فوٹو سکول میں آویزاں کیا جائے تاکہ سرحد کے اس عظیم محسن کو طلباء ہر وقت دیکھ سکیں۔

فرنٹیئر ہاکی کلب پشاور میں ایک تعزیتی اجلاس ہوا جس میں مندرجہ ذیل قرارداد پاس کی گئی۔
"یہ کلب صاحبزادہ کی موت کی غمناک خبر سے جو اس کلب کے سربراہ تھے انتہائی رنج و غم محسوس کرتا ہے۔ صاحبزادہ کی موت سے نہ صرف کلب میں ایک خلا پیدا ہوا۔ بلکہ یہ نوعمر کھلاڑیوں کے لئے بھی ایک بہت بڑا صدمہ ہے۔ صاحبزادہ اگرچہ فوت ہوگئے مگر ان کے کارناموں کی وجہ سے وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ صاحبزادہ کی یادگار کے طور پر آل انڈیا بنیادوں پر ہاکی ٹورنمنٹ شروع کیا جائے۔"

بنوں میں سول آفیسرز کلب کے ممبرس کا ایک تعزیتی اجلاس ہوا جس میں صاحبزادہ کی موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ اجلاس میں کہا گیا کہ صاحبزادہ کی موت سے نہ صرف اس صوبے کو نقصان پہنچا ہے بلکہ ہندوستان کے تمام باشندوں کے لئے یہ ایک عظیم صدمہ ہے۔

ضلع پشاور مسلم لیگ کا ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس میں سر سید سرحد کی موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا اور کہا گیا کہ صاحبزادہ کی موت سے سرحد کے مسلمانوں کو نہیں بلکہ ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو عظیم نقصان پہنچا ہے۔

ایڈورڈ کالج میں تعزیتی جلسہ ہوا۔ ایم عبدالماجد نے اپنی بھرائی ہوئی تقریر میں صاحبزادہ کی سیاسی اور تعلیمی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا۔ پروفیسر سری رام نے کہا کہ صاحبزادہ نے زندہ یادگار کارنامے چھوڑے ہیں جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ پرنسپل ریوڈ اے ایم ڈلایا نے کہا صاحبزادہ میں جو قابلیت اور خصوصیات تھیں وہ میں نے بہت کم آدمیوں میں دیکھی ہیں۔ صاحبزادہ کا اخلاص ناقابل بیان تھا ان کی وہ شاندار خدمات ہیں جو کبھی بھی اوجھل نہ ہوسکیں گی اس اجلاس میں صاحبزادہ کے غم میں دو منٹ کی خاموشی اختیار کی گئی۔

گورنمنٹ ٹریننگ سکول فاربوائے میں ایک تعزیتی جلسہ ہوا جس میں صاحبزادہ کی موت کو سرحد کے لئے "ناقابل تلافی نقصان" قرار دیا گیا۔

اسلامیہ ہائی سکول پشاور کے طلبا اور سٹاف کا ایک تعزیتی جلسہ ہوا جس میں سکول کی

انتظامیہ اور کالج کے لائف اعزازی سیکرٹری صاحبزادہ عبدالقیوم کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا اور صوبہ سرحد کے لئے ان کی خدمات کو لافانی قرار دیا گیا۔

میونسپل کمیٹی کے ہال میں ایک خاص تعزیتی اجلاس منعقد ہوا جس میں یہ ریزولیوشن پاس ہوا۔ "صاحبزادہ عبدالقیوم خان کی ہندوستان میں خاص خدمات اور سرحد میں خاص کر ان کی سیاسی اور تعلیمی خدمات اور کمیٹی کے سابق ممبر اور ٹرانسفرڈ ڈیپارٹمنٹ کے سابق وزیر ہونے کی حیثیت سے جو انہوں نے صوبے کی خدمات کی ہیں۔ وہ سر صاحبزادہ کے اہم کارنامے ہیں۔ ان کے کارناموں کی یاد تازہ رکھنے کے لئے میونسپل کمیٹی پشاور کے ہال میں ہندوستان کے دوسرے رہنماؤں کے ساتھ ان کی فوٹو بھی لگائی جائے۔

لدھیانہ میں اسلامیہ ہائی سکول کے سٹاف اور طلباء کا ایک تعزیتی جلسہ ہوا جس میں سر صاحبزادہ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ یہ جلسہ خان صاحب ڈاکٹر میر رستم علی کی صدارت میں ہوا جو انجمن اسلامیہ لدھیانہ کے صدر تھے۔

خیبر یونین ہال میں خیبر یونین کے زیر اہتمام اسلامیہ کالج پشاور کے طلبا اور سٹاف کا تعزیتی جلسہ پرنسپل مسٹر ایچ ایل ہولڈس ورتھ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ صدر جلسہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ سر عبدالقیوم کی وفات کالج اور صوبہ سرحد کے لئے عظیم المیہ ہے کیونکہ کالج کی سلور جوبلی مارچ ۱۹۳۸ء میں ہونے والی تھی۔ میں اس سلسلے میں صاحبزادہ کے پاس ملاقات کے لئے گیا ہوا تھا۔ ان کی موت کے ایک گھنٹہ پہلے میں نے اس ضمن میں ان سے سلور جوبلی کے متعلق مختلف موضوعات پر تبادلہ خیالات کیا۔ مگر افسوس کہ وہ سلور جوبلی کو نہ دیکھ سکے۔ پرنسپل نے صاحبزادہ کی تعلیمی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ

سر صاحبزادہ کی یہ بہت بڑی آرزو تھی کہ وہ اسلامیہ کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دیں وہ چاہتے تھے کہ سرحد کے لوگ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ترقی کر سکیں۔ مگر صاحبزادہ کا وہ

خواب ابھی تک پایہ تکمیل تک نہ پہنچا۔

اس تعزیتی جلسے میں متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ طلبا ایک وفد کی صورت میں صاحبزادہ کے رشتہ داروں کے پاس جائیں اور ان سے مطالبہ کریں کہ صاحبزادہ کی لاش کو پشاور لانے کی اجازت دیں تاکہ انکی لاش کو اسلامیہ کالج کی مسجد کے صحن میں لا کر دفن کیا جائے چنانچہ پرنسپل کی معیت میں سٹاف اور طلبا کا ایک وفد ٹوپی گیا اور انہوں نے صاحبزادہ صاحب کے رشتہ داروں سے ملاقات کر کے ان سے درخواست کی کہ وہ صاحبزادہ کی لاش کو پشاور لے جانے دیں۔ سر صاحبزادہ نے خود ہی ٹوپی میں اپنی قبر بنا چکے تھے اس لئے لاش پشاور لیجانے کی اجازت نہ ملی۔

گورنمنٹ ہائی سکول ٹانک میں تعزیتی جلسہ ہوا۔ سٹاف اور طلبا نے صاحبزادہ کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔

خالصہ ہائی سکول پشاور۔ ہائی سکول ہنگو اور مانسہرہ میں تعزیتی جلسے ہوئے اور سر صاحبزادہ کی خدمات کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوتے ان کی موت کو ناقابل برداشت صدمہ قرار دیا گیا۔

زمیندارہ ایسوسی ایشن ڈیرہ اسمٰعیل خان نے تعزیتی قرار داد پاس کرتے ہوتے کہا۔ سر صاحبزادہ نے سرحد کے وزیر ہونے کی حیثیت سے سرحد کی زرعی ترقی اور زمینداروں اور کاشتکاروں کی بہبودی کے لئے جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی۔ کرک ہائی سکول پاڑہ چنار ہائی سکول۔ لکی ہائی سکول ہری پور ہائی سکول مردان ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل کمیٹی نے تعزیتی قرار دادیں پاس کیں۔ اور صاحبزادہ کو ان کے کارناموں پہ زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔

علیگڑھ مسلم یونیورسٹی نے تعزیتی قرار داد میں کہا" ہندوستان نے مسلمان قوم کی حقیقی ترقی کے لئے دو عظیم رہنما پیدا کئے ان عظیم رہنماؤں میں ایک سر سید احمد خان اور دوسرے سر صاحبزادہ عبدالقیوم تھے ان دونوں عظیم رہنماؤں نے مسلمان قوم کو ترقی کے

راستے پر گامزن کرنے کے لئے علم کی شمعیں روشن کیں جس روشنی کے ذریعے ہندوستان کی مسلمان قوم نے اپنی ترقی کی راہیں متعین کیں۔ سر صاحبزادہ نے نہ صرف سرحد کو زیور علم سے آراستہ کرنے کی جدوجہد کی بلکہ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کی بھی سرپرستی کی سیاست کے میدان میں جس طرح سرحد کو اصلاحات دلانے میں انہوں نے کامیابی حاصل کی اسی طرح وہ خیبر یونیورسٹی کے قیام کے لئے بھی عملی جدوجہد کرتے رہے مگر افسوس کہ موت نے انہیں اتنی مہلت نہ دی کہ وہ یہ خوشی بھی دیکھ پاتے۔ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کی سلور جوبلی کے موقع پر سر صاحبزادہ نے اپنی صدارتی تقریر میں ہندوستان کے مسلمانوں کو حقیقی ترقی سے ہمکنار ہونے کے لئے تعلیم کے موضوع اور اسلامی اقتدار کے اپنانے پر جو جامع تقریر کی تھی اسے مدنظر رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان ایک عظیم مدبّر، سیاستدان اور اسلام پسند لیڈر سے محروم ہو گیا ہے۔"

سرحد اسمبلی کا سر صاحبزادہ کو خراج عقیدت

سر صاحبزادہ کے انتقال کے بعد یکم مارچ ۱۹۳۸ء کو جب سرحد اسمبلی کا تیسرا اجلاس شروع ہوا تو سپیکر نے سر صاحبزادہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ "معزز ممبران اسمبلی! اسمبلی کے پچھلے اجلاس کے خاتمے کے بعد موت کے ہاتھ خفیہ کام کرتے رہے موت کے اس سانحے نے آج صبح کو سارے ہاؤس کو غم کی لپیٹ میں لے لیا جس نے ہم میں سے ایک اہم شخصیت جدا کر دی وہ ایک ایسی شخصیت تھی جو کہ نہ صرف صوبہ سرحد اور ہندوستان میں بلکہ ساری دنیا میں شہرت کی مالک تھی۔ غمناک و دل فگار غموں سے بھری ہوئی سر صاحبزادہ عبدالقیوم کی خالی کرسی اُن کی روح کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

معزز ممبران! آپ تمام سر صاحبزادہ کی زندگی اور اُن کے کارناموں کو بخوبی جانتے ہیں لہٰذا میں اس سلسلے میں زیادہ گہرائی میں نہیں جاؤں گا۔ سر صاحبزادہ بحیثیت ایک بہت بڑے مفکّر اور پکے مسلمان ہونے کے اُن میں دو خوبیاں تھیں یہ دونوں خوبیاں کو ملا

اور ٹوپی سے خاص تعلق رکھتی تھیں۔
آپ کے آباؤ اجداد مسلمانوں کے ایک خاص فرقے کی نمائندگی کرتے رہے جو کسی قوم میں ایک نئی قسم کی تبدیلی لانے اور رسم و رواج کے طریقوں کو خالص اسلامی رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کرتے رہے اس سلسلے میں انہوں نے بڑی بڑی تکلیفیں بھی اٹھائیں۔
اگرچہ نواب صاحب نے اپنے آباؤ اجداد کی طرح ایک اسلامی مبلغ کی حیثیت سے کوئی کردار ادا نہیں کیا مگر انہوں نے جو قومی کردار ادا کیا ہے وہ اتنا بلند کردار ہے جو انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ آپ کو اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر سب سے پہلے مسجد میں قرآن مجید اور اسلامی کتابیں پڑھانے کے لئے بٹھایا گیا۔
جس طرح دنیا کی اہم شخصیتوں کے ساتھ ایسے واقعات پیش آتے رہے اسی طرح وہ بھی اپنے والد کے سائے تلے پرورش نہ پا سکے۔ چنانچہ آپ کمسن ہی تھے کہ آپ کی پرورش کا بوجھ آپ کی والدہ ماجدہ کے کندھوں پر پڑا۔ آپ ابھی بچے ہی تھے کہ آپ کو مسجد میں قرآن مجید اور دینی تعلیم سیکھنے کے لئے ایک عالم باعمل کے پاس بٹھایا گیا۔
مسجد میں اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر اسلامی علوم حاصل کر رہے تھے جب کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ماں نے جب دیکھا کہ زمانہ تبدیل ہو رہا ہے اور تعلیمی سرگرمیاں بھی وقت کے سانچے میں ڈھل رہی ہیں تو اس نے بیٹے کی تعلیمی بنیاد کا رخ زمانے کے ساتھ ساتھ موڑنے کی پہل کی۔ چنانچہ ماں نے انہیں اجازت دے دی کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق علم حاصل کریں چنانچہ سر صاحبزادہ کو پشاور کے مشن ہائی سکول میں داخل کیا گیا میٹرک پاس کرنے کے بعد سر صاحبزادہ نے گورنمنٹ کی ملازمت اختیار کی اس ملازمت کے دوران وہ اپنی قدرتی صلاحیتوں کی وجہ سے فرض شناسی محنت اور تندہی کے ساتھ قدم قدم پر ترقی حاصل کرتے گئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے ہم عصر ہندوستانیوں سے بھی زیادہ اہمیت حاصل کر لی۔ جو وہ کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے اتنا اثر و

رسوخ اور شہرت حاصل کر لی تھی کہ انہیں دنیا بھر میں حالات کا آقا کہا جانے لگا تھا۔
سر صاحبزادہ کی یہ خاص بات قابل ذکر ہے کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر پہنچے انہوں نے خوشی اور انبساط کی منزل پر قدم رکھا مگر مخصوص اسلامی طرز زندگی اور اس حیثیت کو کبھی بھی نہیں بھولے۔ جس سے وہ تعلق رکھتے تھے یا جس معاشرے سے وہ منسلک تھے خاص کر اسلامی طرز زندگی کو انہوں نے کبھی نہیں چھوڑا۔ انہوں نے اسلامی رسم و رواج کو اور اسلامی طرز زندگی کو اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر پہنچنے کے باوجود اپنائے رکھا۔ انہوں نے سرحد کے چیف کمشنر سر جارج روس کیپل کی مدد سے دارالعلوم اسلامیہ یعنی اسلامیہ کالج کی بنیاد رکھی جس کے ذریعے کئی تعلیم یافتہ افراد مہیا ہوئے جن میں سے کئی اسمبلی میں موجود ہیں اور کئی وکیل اور جج ہیں۔
معزز ممبران اسمبلی، نواب صاحب ایک معمولی گورنمنٹ ملازم نہ تھے۔ بلکہ اپنے زمانے کے ہمعصروں میں ایک چمکتا ہوا ستارہ تھے۔ انہوں نے جس کام میں ہاتھ ڈالا یا جس بات کا ارادہ کیا اُسے ہمیشہ پایہ تکمیل تک پہنچایا۔
ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد انہوں نے سیاسی زندگی کا آغاز کیا وہ دو دفعہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے لئے صوبہ سرحد کے نمائندے نامزد کئے گئے باوجود گورنمنٹ کے نامزد ممبر ہونے کے انہوں نے اسمبلی میں آئینی طور پر اکثر ان مقاصد کے لئے جنگ لڑی جو ان دنوں گورنمنٹ کے نامزد ممبر کیلئے ناممکن تھی۔
یہ آئینی جنگ ان دنوں اسمبلی میں وہی لڑ سکتے تھے جنہیں قومی مفاد عزیز تھا یا جو قوم و ملک کے لئے قربانی دینے کا جذبہ رکھتے تھے۔ اس آئینی جنگ کے ذریعے سر صاحبزادہ نے مرکزی اسمبلی میں صوبہ سرحد کو اصلاحات دینے کے لئے کوششیں کیں۔ اس طرح سر صاحبزادہ نے لندن میں گول میز کانفرنس میں دو دفعہ سرحد کی نمائندگی کی وہ خود یہ کہا کرتے تھے کہ لندن کی گول میز کانفرنس کے دوسرے ہندوستانی ممبر تو خالی

جب واپس آئے مگر میں اپنی جیب میں صوبہ سرحد کے لئے اصلاحات لیکر آیا ہوں۔
سر صاحبزادہ فطری طور پر آئین کے علمبردار اور بہترین مقرر تھے اور بہت بلند رتبے کے مالک تھے۔ وہ صوبہ سرحد کے پہلے وزیر بنے۔ آئین ساز اسمبلی میں ایک بہترین آئین ساز متحمل مزاج اور نڈر ہونے کی حیثیت سے اپنے جو فرائض سرانجام دیئے وہ انتہائی اہمیت رکھتے ہیں۔
اسمبلی میں اُن پر سوالات کی بوچھاڑ کی جاتی رہی مگر کبھی بھی انہوں نے نہ تو کبھی غلط جواب دیا اور نہ ہچکچاہٹ محسوس کی باوجود اس کے کہ یہ عہدہ ان کے لئے ایک نیا تھا قانون فطرت کبھی بدل نہیں سکتا ہر ترقی کے ساتھ تنزل اور ہر خوشی کیساتھ غم بھی ہوتا ہے سورج طلوع ہوتا ہے اور غروب ہو جاتا ہے۔
صوبہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کے ساتھ ساتھ ایک نئے دور کا آغاز ہوا نواب صاحب نے مخصوص نظریات اور خیالات کی نمائندگی کی۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنی طرف سے بہترین کوشش کی کہ وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ سیاسی تقاضوں کو پورا کریں۔ جب وہ وقت پہنچا کہ وہ اپنے کردار کا مظاہرہ کریں تو اپنے گروپ کے ساتھ بہترین کردار کا مظاہرہ کیا جو ان کی سیاسی مخالفت میں خاص مقصد میں کمربستہ ہو چکے تھے۔
ان کی دلی تمنا تھی کہ وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ وہ ایسے پروگرام پر عمل درآمد کریں کہ انہیں اس صوبے کی خدمت کرنے اور وسیع بنیادوں پر اس صوبے کی ترقی اور خوشحالی کے لئے کام کرنے کا کچھ موقع مل سکے۔

گذشتہ ستمبر میں ایبٹ آباد میں اسمبلی کے اجلاس کے دوران ہم نے انہیں صرف انہی مخصوص خیالات میں ڈوبا ہوا دیکھا میں اُس جمعہ کے دن کے اُن لمحات کو کبھی نہیں بھول سکتا جبکہ وہ عدم اعتماد کے تحریک کے پیش ہونے کے بعد اس کا جواب دینے کے لئے کھڑے ہوئے تھے اور قدرتی طور پر اُن کے منہ سے جو الفاظ نکلے، وہ

ایک پیش گوئی کی حیثیت رکھتے تھے

انہوں نے جو کچھ کہا وہ بالکل ٹھیک کہا اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اُن لوگوں کے دلوں کو چیر پھاڑ رہے تھے جو اسمبلی میں اُن کی تقریر سن رہے تھے۔ جبکہ انہوں نے یہ کہا۔

زندگی اور سیاست کی جدوجہد میں اور بے صبر جوانی میں۔

سر صاحبزادہ خود ان خیالات کے اظہار پر مطمئن نہ تھے۔ انہوں نے تھوڑی تقریر کی اور پیش گوئی کی۔ اپنی تقریر کے خاتمے پر انہوں نے فرمایا کہ میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ زمین میرے قدموں سے دور ہوتی جا رہی ہے۔

آخر میں انہیں حزب مخالف کا کردار ادا کرنا پڑا۔ جس سے وہ بالکل مانوس نہ تھے اور اب انہیں آئینی طور پر مجبور کر دیا گیا تھا کہ وہ حزب مخالف کی بینچوں پر بیٹھے ہوئے نہ حکومت کریں نہ رہنمائی کریں۔ بلکہ وہ صرف مخالفت کریں۔ یہ نیا کردار بھی انہوں نے امتیازی حیثیت سے اور خلوص کے ساتھ ادا کیا۔

مجھے سر صاحبزادہ کی وہ پیشگوئی یاد ہے۔ جو انہوں نے کہی تھی ایک دفعہ جب میں نے انہیں یاد دلانے کا حکم دیا۔ ان کی تقریر کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ تو انہوں نے اپنی تقریر فارسی کا ایک شعر پڑھتے ہوئے ختم کر دی۔

اُن کی یہ تقریر اور فارسی کا شعر حقیقت میں اُنکے اُن دلی جذبات کی عکاسی کر رہے تھے۔ جو صحیح معنوں میں ان کے دل پر گذر رہے تھے۔ اس کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ :۔

غم عالم فراواں است و من یک غنچۂ دل دارم
چساں در شیشہ ساعت کنم یک بیاباں را !

یہی وہ پیش گوئی تھی جو آخر کار پوری ہوئی۔ سر صاحبزادہ حزب اختلاف

کے قائد کی حیثیت سے باہر نکلے اور خاموشی کے ساتھ فوت ہو گئے۔ آخر کار وہ جمعہ کے دن اپنے گاؤں میں جو کہ ان کی شہرت کی وجہ سے تاریخ میں مشہور ہے وہاں ہمشیرہ کے قبر کے ساتھ ہی اُس مسجد میں دفنائے گئے جو انہوں نے ۱۹۱۳ء میں بنائی تھی آج وہ اسی قبر میں سوئے ہوئے ہیں۔

میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ گہری اور پرسکون نیند سوتے ہوئے ہیں جب تک کہ قیامت کا بگل اسرافیل نہ بجاتے اس وقت تک وہ اس میں آرام کی نیند سوئے رہیں گے ہماری یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی روح کو آرام پہنچاتے۔ ہم تمام اُن کے غم میں غمزدہ ہیں ہم سے ایک اہم شخصیت جدا ہو گئی ہے جو آج اسمبلی کے اجلاس میں شریک نہیں ہے۔

سر صاحبزادہ کی زندگی ہم تمام کے لئے ایک سبق ہے اُن کی زندگی خود اُن کی بنائی ہوئی زندگی تھی۔ راستہ انہوں نے خود تلاش کیا اور خود ہی اُسے بنایا۔

میں دعا کرتا ہوں کہ ہم سب سر صاحبزادہ کی زندگی سے ایک سبق سیکھیں اُن کی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہو میں ممبران اسمبلی سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی نشستوں پہ کھڑے ہو کر سر صاحبزادہ کو خراج عقیدت پیش کریں۔

دنیائے اسلام کے عظیم مفکر علامہ مشرقی نے سر صاحبزادہ کی موت پر ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا"

سر صاحبزادہ کو علامہ مشرقی کا خراج تحسین

"وہ مقتدر وجود جس کی مثال سر سید کے بعد اسلامی ہندوستان کامل چالیس سال تک پیدا نہ کر سکا۔ رحمت ایزدی کے اشارے پہ ۴ دسمبر ۱۹۳۷ء رات ڈیڑھ بجے اس دنیا سے چل بسا۔ جس کے برابر کا نتیجہ خیز کام کرنے والا ہندی مسلمانوں میں پیدا کرنے کے لئے شائد ایک سو چالیس سال لگیں۔ کیونکہ خدا کی رحمت ایسے انسانوں کو بدبخت اور غضب زدہ قوموں میں جلد جلد نہیں بھیجا کرتی۔"

صاحبزادہ عبدالقیوم اور سرحد میں تعلیم

ہندوستان کے مسلمانوں کو جہالت کے گڑھے سے نکالنے میں جن شخصیتوں نے انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان میں سر سید احمد خان، اور صاحبزادہ عبدالقیوم اور ڈھاکہ کے نواب سلیم اللہ خان کو منفرد مقام حاصل ہے ان تینوں کا ایک جیسا نظریہ تھا کہ جب تک ہندوستان کے مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی دور نہیں ہو گی۔ اس وقت تک یہ ترقی نہیں کر سکتے ہندوستان کی دوسری قوموں نے تعلیمی پسماندگی میں ترقی کر کے ملک کے انتظامی ڈھانچے میں اور سیاسی میدان میں خاص قعت اور منزلت حاصل کر لی تھی مگر مسلمان قوم اپنے زوال پر آنسو بہاتی رہی اور اسی پر اکتفا کر کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے خاموش تماشائی بنی ہوئی تھی۔ مولانا حالی کی مسدس ہندوستان بھر کے مسلمانوں کی پستی کی پوری عکاسی کرتی ہے۔ اسی مسدس کو ثبوت طور پر پیش کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی سلطنت کے زوال کے بعد مسلمان قوم پر بے حسی کا سایہ اس طرح غالب آچکا تھا کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں پستی کا شکار ہو رہے تھے۔ انگریزوں نے مسلمان قوم سے اقتدار چھینا تھا اسلئے مسلمان قوم انگریزی دور حکومت میں انگریزوں کی طرف سے دی گئی مراعات کو بھی مشکوک نگاہوں سے دیکھتی تھی جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے انگریزوں نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد ہندوستانیوں کو اپنے رنگ میں رنگنے کے لئے مخصوص بنیادوں پر تعلیم کا نظام رائج کیا۔

چونکہ یہ تعلیم انگریزی زبان میں تھی اس لئے مسلمان قوم کی اکثریت نے انگریزی زبان میں تعلیم حاصل کرنے سے بھی گریز کیا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے مسلمان جہالت کا شکار ہونے لگے ہندو سکھ اور ہندوستان کی دوسری قوموں نے وقت کی نزاکت سے فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے مروجہ تعلیم کے حصول کی طرف توجہ دی اور تعلیمی ڈگریاں حاصل کر کے ملک کے انتظامی ڈھانچے کا جزو بنتی گئیں مگر مسلمان وہیں کے وہیں رہے۔

نواب سلیم اللہ خان نے ڈھاکہ میں سر سید احمد خان نے علیگڑھ میں اور صاحبزادہ عبدالقیوم نے سرحد میں اور بمبئی کے چند مخیر حضرات نے سندھ میں مثالی دارالعلوم قائم کر کے

مسلمانوں کو جہالت کے گڑھے سے نکالنے کے لئے زبردست جدوجہد کی

۱۹۲۱ء کی مردم شماری رپورٹ کے مطابق سرحد کے اضلاع کے ۲۲،۳۷۹،۱۱ مسلمانوں میں سے صرف ۳۹۷۹ افراد تھوڑے بہت تعلیم یافتہ تھے ان کے مقابلے میں ہندو اور سکھ جن کی مجموعی آبادی ۳۷۲۸۳ تھی ان میں سے ۱۴۰۴۶ افراد تعلیم یافتہ تھے مذکورہ تعلیم یافتہ مسلمانوں میں سے صرف ۱۳۹۹ وہ لوگ تھے جن کی عمریں بیس سال یا اس سے زیادہ تھیں باقی سکولوں کے طلباء تھے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں ہندو اور سکھ ۴۷۶۹ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور باقی تعداد طلباء کی تھی۔ اس تجزیے سے یہ بات بخوبی سامنے آجاتی ہے کہ ہندو اور سکھ باوجود اس کے کہ آبادی کے لحاظ سے کم تھے مگر تعلیمی میدان میں چھائے ہوئے تھے یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی تعلیمی قابلیت کی بنا پر سیاسی اور انتظامی معاملات میں برتری چاہتے تھے۔

سر صاحبزادہ عبدالقیوم کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ سرحد کے باشندوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کر کے انہیں ملک کے ہر شعبے میں خاص مقام دلائیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے صاحبزادہ نے اپنی ملازمت کے دوران بھی کوشش کی اور ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد بھی وہ مسلسل اس کوشش میں لگے رہے۔ مرکزی اسمبلی کے ممبر ہونے کی حیثیت سے انہوں نے بجٹ کے موقع پر سرحد میں تعلیم کے لئے رقم مخصوص کرانے کے لئے ہمیشہ حکومت پر زور دیا۔ صاحبزادہ جس طرح سرحد کے مقامی اضلاع کے باشندوں کو تعلیمی ترقی کی منزل پر دیکھنا چاہتے تھے اس طرح وہ سرحد کے قبائلی باشندوں کو بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتے تھے۔ سرحد میں ۱۹۳۲ء کے کونسل کے انتخابات کے بعد صاحبزادہ صاحب سرحد کے واحد وزیر مقرر ہوئے۔ اگرچہ حکومت کا نگران گورنر سرحد تھا مگر صاحبزادہ نے ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۶ء کے آخر تک انتہائی یہی کوشش کی کہ سرحد کے مختلف مقامات پر لڑکوں اور لڑکیوں کے سکول اور کالج قائم کرنے کے لئے بجٹ کا زیادہ تر حصہ وقف کیا جا سکے۔ ان کی ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرحد میں کئی نئے سکول

قائم ہوئے اور کئی سکولوں کا درجہ بڑھایا گیا۔ ۱۹۲۷ء کی مرتب شدہ سرکاری تعلیمی رپورٹ مرتبہ ایچ اے ایف مٹکاف کے مطابق سرحد میں انتہائی تعلیمی پسماندگی تھی۔ جب سر صاحبزادہ صاحب نے ۱۹۳۲ء میں ٹرانسفرڈ ڈیپارٹمنٹ چارج سنبھالا انہوں نے ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۶ء تک زیادہ تر یہ کوشش کی کہ سرحد کے انتظامی اضلاع اور قبائلی علاقوں میں زیادہ سے زیادہ تعلیمی ادارے کھولے جائیں۔ ان کی کوششوں سے سرحد کے اسلامیہ سکولوں کو بھاری سرکاری امداد دلائی گئی اسلامیہ کالجیٹ سکول اور اسلامیہ کالج پشاور کو وسعت دی گئی۔ نصاب تعلیم میں ہم آہنگی پیدا کی گئی۔ سرحد کے سکولوں میں بہترین نصابی کتابوں کا سلسلہ رائج ہوا اور مندرجہ ذیل تعلیمی ادارے مقامی انتظامی اضلاع اور قبائلی علاقوں میں کھولے گئے۔

لڑکوں کے لئے پرائمری سکول	۴۶
لڑکیوں کے لئے پرائمری سکول	۱۲
لڑکوں کے لئے لوئر مڈل سکول	۴
لڑکیوں کے لئے لوئر مڈل سکول	۲
لڑکوں کے لئے مڈل سکول	۱
لڑکیوں کے لئے مڈل سکول	۳
لڑکوں کے لئے ہائی سکول	۲
لڑکیوں کے لئے ہائی سکول	۱

اس طرح صاحبزادہ صاحب کے دور اقتدار میں سرحد میں اور قبائلی علاقوں میں ان تعلیمی اداروں سے تعلیم کا دیا جلایا گیا جس سے سرحد کے لڑکے جہاں فیضیاب ہو رہے تھے وہاں سرحد کی لڑکیاں بھی زیور علم سے آراستہ ہونے لگیں۔

۱۹۳۲ء میں صوبہ سرحد میں لڑکیوں کے مڈل سکول مندرجہ ذیل تھے۔

انگریزی مڈل:

۱۔ میونسپل بورڈ ہندی سکول کریم پورہ
۲۔ میونسپل بورڈ اردو سکول بجہ توت پشاور شہر
۳۔ گورمنٹ اردو ورنیس کنیا پاٹھ شالا کریم پورہ پشاور
۴۔ دانش مشن سکول ہوتی مردان
۵۔ خالصہ سکول ہوتی مردان
۶۔ آریہ سکول ایبٹ آباد

ورنیکلر مڈل سکول مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ آریہ سکول پشاور صدر (۲) ویدک پتری پاٹھ شالا نوشہرہ صدر
۳۔ رکمانی سکول ہری پور (۴) سناتن دھرم سکول ہری پور
۵۔ ایم بی اردو سکول ایبٹ آباد (۶) ایم بی گنتر اردو سکول بنوں
۷۔ دولت رام آریہ سکول بنوں (۸) ایم بی اردو سکول کوہاٹ شہر
۹۔ ایم بی گورمکھی سکول کوہاٹ (۱۰) ایم بی ناگری سکول ڈیرہ اسمٰعیل خان
۱۱۔ ایم بی اردو سکول ڈیرہ اسمٰعیل خان (۱۲) آریہ کنیا پاٹھ شالا ڈیرہ اسماعیل خان
۱۳۔ آریہ کنیا پاٹھ شالا کلاچی (۱۴) ڈی بی اردو سکول کلاچی
۱۵۔ آریہ کنیا پاٹھ شالا ڈیرہ اسمٰعیل خان (۱۶) آریہ سکول اندر شہر پشاور
۱۷۔ دیانند آریہ سکول تخام گنج مردان

صوبے میں کل ۱۴۴ مدرس عورتیں تھیں جن میں سے ۱۳۵ ان ٹرینڈ تھیں۔ ان ٹرینڈ استانیوں میں سے تین گریجوایٹ، ۱۷ میٹرک پاس ۷۶ پرائمری پاس اور تین لوئر پرائمری پاس تھیں۔ ان طالبات میں سے پشاور کی صرف ۴۹ طالبات تھیں۔ لڑکیوں کے ان تمام سکولوں میں سے صرف ۱۰ سکول لوکل باڈیز کے تحت چلائے جا رہے تھے باقی تمام سکول پرائیویٹ تھے جو اکثر غیر مسلم چلا رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمان طالبات

حصول تعلیم سے محروم تھیں۔ طالبات کے لئے سارے صوبے میں صرف دو ہائی سکول تھے۔ جن میں سے پشاور میں ایک نارمل سکول تھا جسے حکومت سرحد کی طرف سے ۷۰۵۶ روپے سالانہ کی گرانٹ منظور کی گئی۔ دوسرا ہائی سکول ایبٹ آباد میں تھا جس کے لئے حکومت سرحد نے ۳۴۳۲ روپے سالانہ کی امداد منظور کی۔ ۱۹۳۱ء میں صوبہ سرحد کے گرلز سکولوں سے صرف ۱۷ طالبات میٹرک کے امتحان میں شریک ہوئی جن میں سے صرف نو طالبات پاس ہوئیں۔ پرائیویٹ طور پر ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۲ء تک ۴۹۶ طالبات نے میٹرک کا امتحان دیا جن میں سے ۱۷۳ پاس ہوئیں۔ پرائیویٹ طالبات میں اور ریگولر طالبات میں بھی اکثریت غیر مسلم طالبات کی تھی اسی طرح کونسل میں ایک ریزولیوشن پاس کیا گیا کہ پشاور میں طالبات کے لئے ایک ہائی سکول کھولا جائے۔ صوبے کی مسلمان عورتوں کو تعلیمی سہولیات بہم پہنچانے کے لئے صاحبزادہ عبدالقیوم نے ایبٹ آباد میں طالبات کے لئے بورڈنگ ہاؤس کی منظوری دی۔ اس سے پہلے ۱۹۲۷ء میں پشاور میں طالبات کے لئے ایک بورڈنگ ہاؤس قائم کیا گیا تھا مگر اس میں صرف سی ای ریڈمشن ہائی سکول کی آٹھ طالبات تھیں۔ پشاور کا یہ بورڈنگ ہاؤس بند کر دیا گیا تھا۔ ایبٹ آباد کے بورڈنگ ہاؤس میں ۱۹۳۲ء میں جو طالبات رہائش پذیر تھیں ان میں سے ایک جماعت دہم کی، ایک جماعت نہم کی، دو سپیشل انگریزی جماعتوں کی۔ دو ساتویں کلاس کی۔ ایک چھٹی کلاس کی اور ایک چوتھی کلاس کی طالبہ تھی۔

سر صاحبزادہ سرحد کے مسلمانوں کو زیورِ علم سے آراستہ کرنے کے لئے زندگی کے آخری لمحات تک جدوجہد کرتے رہے وہ اپنی جیب سے ہزاروں روپیہ ہندوستان کے مختلف مقامات کے غریب طلبا کو وظائف کی صورت میں دیتے رہے تاکہ وہ تعلیم حاصل کر کے مسلمانوں کی سربلندی کا باعث بن سکیں۔ اسلامیہ کالج پشاور کے قیام کے علاوہ انہوں نے پشاور میں یونیورسٹی کے قیام کے لئے عملی جدوجہد کی مگر کانگریس کی مخالفت کی وجہ سے وہ کامیاب

نہ ہو سکے۔ پشاور میں یونیورسٹی ان کی آخری اور بلند ترین آرزو تھی۔ سر صاحبزادہ نے ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں انگریزوں سے اکثر یہی مطالبہ کیا کہ سرحد پر بیس لاکھ روپیہ جنگی مہموں پر خرچ کیا جاتا ہے وہ سرحد کے انتظامی اضلاع اور قبائلی علاقوں کی تعلیمی ترقی پر خرچ کیا جائے۔

سر صاحبزادہ انگریزوں کی پالیسی کے خلاف سرحد کو اصلاحات دلانے کی جدوجہد کرتے رہے اور انگریزوں کی اس پالیسی کے خلاف رہے جو انگریزوں نے سرحدی عوام کے لئے بنا رکھی تھی مگر باوجود اس کے انگریز سر صاحبزادہ کی فرض شناسی اور دیانتداری کے قائل رہے۔

چنانچہ سر صاحبزادہ کو ان کی خداداد صلاحیتوں، ذاتی قابلیت اور دیانتداری اور فرض شناسی کے صلے میں مندرجہ ذیل خطابات سے نوازا گیا۔

۲۱ مئی ۱۸۹۸ء کو سر صاحبزادہ کو خان بہادر کا خطاب دیا گیا۔

۱۸۹۸ء سے ۱۹۱۷ء تک آپ خیبر ایجنسی کے اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ اور ۱۹۱۷ء سے ۱۹۱۹ء تک آپ خیبر ایجنسی کے پولیٹیکل ایجنٹ رہے۔

یکم جنوری ۱۹۱۴ء کو حکومت برطانیہ کی طرف سے آپ کو نواب کا خطاب دیا گیا۔ ۴ جون ۱۹۱۷ء کو حکومت برطانیہ نے آپکو سی آئی۔ای یعنی نائب کمانڈر آف دی انڈین ایمپائر کا خطاب دیا۔ ۳ جون ۱۹۲۹ء کو حکومت برطانیہ نے آپ کو فسٹ کلاس قیصر ہند کا گولڈ میڈل عطا کیا۔ ۱۹۲۴ء میں آپ کو ہندوستان کی فیڈرل اسمبلی کا ممبر نامزد کیا گیا۔ ۱۹۱۹ء میں ریٹائرمنٹ کی رخصت لے کر یورپ کے دورے پر گئے۔

خان عبد القیوم خان بار ایٹ لاء

خان عبدالقیوم خان بارایٹ لاء

خان عبدالقیوم خان کے والد خان عبدالحکیم خان صوبائی سول سروس میں سینئر سب جج تھے ۱۹۱۸ء میں ان کا انتقال ایبٹ آباد میں ہوا۔ خان عبدالحکیم خان سرصاحبزادہ کی طرح اگرچہ سرکاری ملازم تھے مگر انتہائی قوم پرست اور انگریزی اقتدار کے سخت مخالفین میں سے تھے وہ افغانستان کے امیر عبدالرحمان کی خصوصی ملازمت میں تھے ترقی کرنے لگے تو حاسدوں نے ان کے راستے میں روڑے اٹکانے شروع کر دیئے جب حالات کو ناسازگار پایا تو چھٹی لے کر پشاور چلے آئے اور اٹھارہ ماہ کی تنخواہ حکومت افغانستان کو واپس کر کے ملازمت سے استعفیٰ دے کر چترال میں ملازمت اختیار کر لی۔

خان عبدالقیوم خان کے والد کشمیر کے رہنے والے تھے بارہ مولا کے ضلع میں انہیں تین گاؤں جاگیر کے طور پر ملے ہوئے تھے۔ کشمیر میں گلمرگ کی پہاڑی کے نیچے وانی گام میں ان کا ایک خوبصورت بنگلہ تھا جس کے ساتھ ایک شاندار باغ بھی تھا یہ بنگلہ سامان، آرائش اور زیبائش کے ساتھ آراستہ تھا۔ تقسیم ملک کے وقت اس بنگلے میں خان عبدالقیوم خان کے بھائی خان عبدالحمید خان مقیم تھے سکھوں نے اس بنگلے کو لوٹ کر آگ لگا کر خاکستر کر دیا تھا۔

خان عبدالقیوم خان ۱۶ جولائی ۱۹۰۱ء کو چترال میں پیدا ہوئے آپکی والدہ انتہائی دیانتدار، پارسا اور صوم وصلوٰۃ کی پابند خاتون تھیں۔ والدہ نے اپنے سب بیٹوں کی اسلامی اصولوں کے مطابق تربیت کی۔ سب بچوں کی طرح عبدالقیوم خان کو بھی سب سے پہلے قرآن مجید گھر پر پڑھایا اور اس کے بعد سکول میں تعلیم کے لئے داخل کیا۔ والد چونکہ صوبائی سول سروس میں تھے اس لئے جہاں جہاں ان کی تبدیلی ہوتی گئی وہ بھی اپنے

والدین کے ساتھ رہے چنانچہ انہوں نے دسویں جماعت تک سرحد کے مختلف سکولوں میں تعلیم حاصل کی ۱۹۱۶ء میں میٹرک کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے امتیازی حیثیت سے پاس کر کے قابلیتی وظیفہ حاصل کیا۔ میٹرک کے بعد اسلامیہ کالج پشاور میں داخل ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں اسلامیہ کالج پشاور سے ایف اے کا امتحان پاس کیا ان دنوں اسلامیہ کالج میں یونین بنانے کی اجازت نہ تھی۔ آپکی جدوجہد سے اسلامیہ کالج میں خیبر یونین قائم ہوئی جس کے آپ پہلے صدر منتخب ہوئے۔ اسلامیہ کالج میں آپکی وجہ سے طلبا میں سیاسی رجحان پیدا ہوا۔ اس رجحان کا یہ نتیجہ نکلا کہ جب پشاور میں تحریک عدم تعاون نے زور پکڑا تو آپ نے انگریزوں کے خلاف بھرپور تقریریں شروع کر دیں۔ اسلامیہ کالج کا پرنسپل انگریز تھا سرحد کے انگریز حکمران یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ کہ سرحد میں کوئی طالب علم دوسرے طلبا کو انگریزوں کی مخالفت میں اکسائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو اور آپ کی پارٹی کے سرکردہ طلبا کو کالج سے نکال دیا گیا۔ آپ ان طلبا کو اپنے ساتھ لے کر دہلی میں مولانا محمد علی جوہر کے پاس پہنچے۔ مولانا نے آپ کو اور دوسرے طلبا کو جامعہ ملیہ میں داخل کرا لیا تاکہ وہ اپنی تعلیم کی تکمیل کر سکیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ مولانا محمد علی جوہر نے خان عبدالقیوم خان کو خلافت تحریک کے لئے مختلف مقامات پر بھیجا تاکہ لوگوں کو تحریک خلافت کے پرچم کے نیچے انگریزوں کے خلاف سرگرم عمل کیا جا سکے۔ آپ کے ساتھ گوجرانوالہ کا ایک طالب علم رؤف پاشا سرکردہ طلبا میں شمار ہوتا تھا۔ خان عبدالقیوم خان نے تعلیم کے ساتھ ساتھ مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں دہلی، بمبئی، آگرہ، یوپی سہارنپور اور ہندوستان کے دور دراز کے علاقوں میں تحریک خلافت کے لئے انتھک کام کیا۔ ۱۹۲۲ء میں مولانا محمد علی جوہر کی ہدایت پر آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے جہاں سے آپ نے اکنامکس میں بی ایس سی اور پولیٹیکل سائنس میں امتیازی ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۹۲۶ء میں بارایٹ لاء کا امتحان پاس کرنے کے بعد اپنے وطن واپس

چلے آئے اور پشاور میں وکالت شروع کر دی۔ ان دنوں سرحد میں انگریزوں نے ظلم و تشدد کا بازار گرم کر رکھا تھا سرحد میں انگریزوں کے خلاف خدائی خدمتگار تحریک اور کانگرس صرف دو سیاسی جماعتیں مصروف عمل تھیں۔ آپ نے خان برادران کے ساتھ مل کر سیاسی جدوجہد شروع کر دی تاکہ وطن کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلائی جاسکے۔ ۱۹۳۷ء میں جب ڈاکٹر خان صاحب سرحد کے وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے تو مرکز میں ان کی سیٹ خالی ہوئی۔ اس مرکزی سیٹ کے لئے آپ کانگرس کے ٹکٹ پر پشاور سے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۴ء تک آپ ہندوستان کی مرکزی قانون ساز اسمبلی میں پشاور کی طرف سے نمائندگی کرتے رہے ستیامورتی کے انتقال کے بعد آپکو ہندوستان کی مرکزی آئین ساز اسمبلی میں کانگرس پارٹی کا ڈپٹی لیڈر منتخب کیا گیا ایک سیشن میں بھولا بھائی ڈیسائی کی عدم موجودگی میں آپ نے کانگرس کے پارلیمانی پارٹی کے لیڈر کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔

قائد اعظم گرمیوں میں اکثر کشمیر جایا کرتے تھے وہاں خان عبدالقیوم خان کے ساتھ ان کی اکثر ملاقاتیں ہوتی تھیں جہاں قائد اعظم خان عبدالقیوم خان کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتے۔ قائد اعظم خان عبدالقیوم خان کو یہ بتاتے کہ ہندوں کو مسلمان قوم کا مفاد بالکل عزیز نہیں ہے وہ مسلمانوں کو دھوکا دیں گے اس لئے نیشنلسٹ مسلمانوں کو کانگرس کے پنجے سے نکل کر مسلمان قوم کی بہبودی بہتری اور سربلندی کیلئے عملی جدوجہد کرنا چاہیئے۔ خان عبدالقیوم خان ان دلائل کے ثبوت کے انتظار میں تھے۔ وہ کانگرس سے محض اس لئے منسلک تھے کہ کانگرس ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانا چاہتی تھی۔ کانگرس کے مقابلے میں مسلم لیگ مسلمانوں کی بڑی سیاسی پارٹی تھی جس کا منشور یہ تھا کہ انگریز جب ہندوستان سے جائیں تو وہ اقتدار صرف ہندوں کے حوالے نہ کریں۔ بلکہ

مسلمانوں کے لئے ایک الگ ملک تسلیم کر کے مسلمانوں کو بھی اقتدار میں حصہ دار بنائیں مسلم لیگ نے پاکستان کے حصول کا مطالبہ اسی لئے پیش کیا تھا کیوں کہ قائداعظم ہندوؤں کے نظریات سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ قائداعظم نے اپنی زندگی کا قیمتی وقت کانگرس میں گذارا تھا جب کانگرس میں رہ کر قائداعظم کو ہندوؤں کی سیاست کے داؤ پیچ معلوم ہو گئے تو آپ نے کانگرس کو چھوڑ کر مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی تاکہ ہندوستان کے مسلمانوں کے مستقبل کو تابناک بنایا جا سکے۔ قائداعظم نیشنلسٹ مسلمانوں پہ بار بار واضح کر چکے تھے کہ کانگرس ہندوستانی قومیت کے سبز باغ دکھا کر مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا رہی ہے یہ محض دھوکا ہے فریب ہے اس سے ایک طرف کانگرس انگریزوں پر یہ واضح کرنا چاہتی ہے کہ کانگرس ہندوستان کی تمام قوموں کی متحدہ جماعت ہے اس لئے اس کے مطالبات منظور کئے جائیں۔ دوسری طرف کانگرس مسلمانوں کو دھوکا دے رہی ہے تاکہ مسلمان اپنے لئے آزادی کی جداگانہ جدوجہد نہ کر سکیں اور انگریز صرف کانگرس کو ہی اقتدار حوالے کرے تاکہ انگریزوں کے جانے کے بعد ہندوستان میں ہندو راجیہ قائم ہو سکے اور مسلمان ایک محکوم قوم کی حیثیت سے ہندوؤں کے ہمیشہ غلام بن کر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو سکیں"

قائداعظم نے کانگرس کے ان مذموم نظریات کو بھانپ کر نیشنلسٹ مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے متحد ہو کر اپنے لئے ایک الگ وطن کا مطالبہ کریں تاکہ ہندوستان کی آزادی کے بعد وہ ہندوؤں کی غلامی کی زنجیروں میں نہ جکڑے جا سکیں۔

قائداعظم ایک بلند مرتبہ سیاست دان تھے وہ تو کانگرس کے عزائم کو سمجھ گئے تھے مگر نیشنلسٹ مسلمان جو کانگرس سے چمٹے ہوئے تھے وہ ہندوؤں کے عزائم اور منصوبوں کے متعلق ٹھوس ثبوت کا مطالبہ کرتے تھے۔ خان عبدالقیوم خان بھی ان

نیشنلسٹ مسلمانوں کیساتھ تھے جو اس بات کے منتظر تھے کہ کانگرس کے عزائم اور منصوبوں کے متعلق مسلم لیگ کے خدشات کو حقائق کی کسوٹی پر پرکھا جا سکے۔ چنانچہ ۱۹۴۵ء کی شملہ کانفرنس میں کانگرس کے عزائم اور منصوبے جب کھل کر سامنے آگئے۔ اور کانگرس نے مسلمانوں کو ایک قوم صاف صاف انکار کر دیا تھا۔ تو خان عبدالقیوم خان نے نہ صرف مسلم لیگ میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا بلکہ کشمیر ٹائمز میں اپنا ایک اہم مضمون بھی شائع کرا کر نیشنلسٹ مسلمانوں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ کانگرس ہندوستان کے مسلمانوں کو دھوکا دے رہی ہے اس لئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ کانگرس کے فریب میں نہ آئیں

خان قیوم نے کانگرس سے استعفیٰ بھی دے دیا ان دنوں مرکزی قانون ساز اسمبلی میں آپ کانگرس کی پارلیمانی پارٹی کے ڈپٹی لیڈر تھے اس کے علاوہ کانگرس کے ممتاز مقررین اور سیاستدانوں میں ان کا شمار تھا جونہی خان عبدالقیوم خان نے مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کیا، کانگرسی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی تو آل انڈیا کانگرس کے سرکردہ لیڈروں نے خفیہ طور پر خان عبدالقیوم خان کے ساتھ رابطہ قائم کیا کہ وہ اپنا فیصلہ واپس لے لیں کانگرس نے انہیں ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں پارٹی ٹکٹ دینے کے علاوہ صوبے میں وزارت سازی میں انہیں نمایاں مقام دینے کی پیش کش کی مگر خان عبدالقیوم خان نے کانگرس کی تمام پیشکشوں کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ مسلمان قوم کے مفاد کے لئے مجھے اپنی جان کی بھی قربانی دینا پڑے تو دوں گا ~~مگر کانگرس کا ساتھ کبھی بھی~~ نہ دوں گا کیونکہ کانگرس مسلمان قوم کو دھوکا دے رہی ہے اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ہندوؤں کا غلام بنانے کی خفیہ جدوجہد کر رہی ہے۔

کانگرس سے استعفےٰ دینے کے بعد آپنے سرحد میں آکر مسلم لیگ کو منظم کرنے کی کوشش شروع کر دی سرحد پر کانگرس کا بے پناہ اثر تھا، مسلم لیگ میں آنے کے ساتھ ہی ان کے کئی دیرینہ سرحدی ساتھی بھی کانگرس کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل

ہو گئے۔ سرحد میں ان دنوں سرخ پوش تحریک زوروں پر تھی۔ اس تحریک نے کانگرس کے ساتھ الحاق کر لیا تھا اس لئے کانگرس کے اور سرخپوشوں کے سیاسی مقاصد ایک ہی تھے سرحد میں مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلے میں جہاں کانگرس رکاوٹ تھی وہاں سرخپوش تحریک بھی زبردست رکاوٹ تھی۔ باوجود ان دشواریوں کے خان قیوم نے اپنی جدوجہد جاری رکھی اور مسلم لیگ کو اتنا منظم کیا کہ نومبر ۱۹۴۵ء میں جب قائد اعظم پشاور پہنچے تو سرحد کے باشندوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر نے مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے پاکستان زندہ باد اور لے کے رہیں گے پاکستان کا مطالبہ کرتے ہوئے قائد اعظم کی آواز پر لبیک کہا۔

خان عبدالقیوم خان کے مسلم لیگ میں آنے کا اثر صرف سرحد پر ہی نہیں پڑا بلکہ ہندوستان بھر میں اس کا خاصا اثر ہوا۔ ہندوستان میں جگہ جگہ خان عبدالقیوم خان کو شیر سرحد کا لقب دیا گیا آپ کی پیروی کرتے ہوئے ہندوستان کے کئی نیشنلسٹ مسلمان کانگرس کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ قائد اعظم نے آپکو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا۔

"مسلمان قوم کے مفاد کے لئے آپکی کوششیں یقیناً قابل مبارک باد ہیں"

سرحد میں مسلم لیگ کو منظم کرنے میں آپ نے نہایت اہم کارنامہ سرانجام دیا ۱۹۴۶ء میں آپ سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اسمبلی میں آپکو مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کا لیڈر منتخب کیا گیا۔ فروری ۱۹۴۷ء میں سرحد میں مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی کے دوران آپکو مردان کے ایک جلسے سے گرفتار کیا گیا۔ قیام پاکستان تک آپ جیل میں رہے صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کے بعد جب کانگرس وزارت کا خاتمہ ہوا تو آپکو سرحد کا وزیر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ ۱۹۵۱ء میں سرحد اسمبلی کے تیسری بار انتخابات ہوئے تو

اس بار بھی آپ بھاری ووٹوں سے سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور دوسری بار بھی سرحد کے وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اپریل ۱۹۵۳ء میں آپکو مرکزی کابینہ میں وزیر لیا گیا۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء میں جب خواجہ ناظم الدین کی وزارت کا خاتمہ ہوا تو آپکو بھی وزارت سے الگ کر دیا گیا۔ جب مسلم لیگ میں دھڑے بندی شروع ہو گئی تو آپنے ۱۹۵۵ء میں مسلم لیگ سے بھی استعفےٰ دے دیا۔ جب سکندر مرزا کی صدارت کے دوران فیروز خان نون وزیر اعظم پاکستان مقرر ہوئے تو عوامی لیگ نے پر پرزے نکال کر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی خفیہ تحریک شروع کی تو آپ نے ایک محب وطن شہری کی حیثیت سے ملک کے اتحاد اور سالمیت کے لئے دوبارہ عملی سیاست میں حصہ لینے کا عزم کیا۔ پاکستان کے تقریباً ۷۰ فی صدی لوگوں نے آپکی قیادت میں مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے متحد ہو کر ملک کی سالمیت اور تحفظ کے لئے عملی جدوجہد شروع کر دی۔ خان عبدالقیوم خان نے شیخ مجیب الرحمٰن کے ارادوں سے اور عوامی لیگ اور دوسری ملک دشمن تنظیموں کے خطرناک عزائم سے آگاہ کرتے ہوئے عوام کو خبردار کیا کہ وہ ملک کے مستقبل کے تحفظ کے لئے قومی یکجہتی کے جذبے سے سرشار ہو کر میدان میں نکلیں تاکہ وطن دشمن طاقتوں کا مقابلہ کیا جا سکے ابھی ان کی یہ جدوجہد جاری تھی کہ ۱۹۵۸ء میں ملک میں مارشل لاء کا نفاذ ہو گیا سیاسی پارٹیوں پہ پابندی عائد کر دی گئی، اور ملک کے سرکردہ سیاستدانوں کو ایبڈو کے تحت پابند کر دیا گیا کہ وہ ایک خاص مدت تک سیاست میں حصہ نہ لیں گے۔ خان عبدالقیوم خان پر سخت پابندی عائد کر دی گئی کہ وہ تقریر و تحریر یا اشاروں کنایوں کے ذریعے کسی طرح بھی سیاست میں حصہ نہ لیں گے، ملک کے وہ سیاستدان جنہوں نے فوجی حکومت کو خوش آمدید کہا انہیں سیاست میں حصہ لینے کی اجازت دے دی گئی بلکہ بعض کو وزراء کی کونسل کا رکن بھی مقرر کر دیا گیا۔ جب فوجی حکومت کے زیر سایہ ملک میں بنیادی جمہوریتوں کا نظام رائج کیا گیا تو وہ سیاستدان جن کی سیاست کا

دارو مدار چڑھتے سورج کی پوجا اور وزارتوں کا حصول تھا انہوں نے فوجی حکومت کی ہاں میں ہاں ملا کر وزارتیں بھی حاصل کیں اور سفارتوں کے عہدے بھی قبول کر لئے مگر خان عبدالقیوم خان جو جمہوریت کے صحیح اصولوں پہ کاربند تھے انہوں نے نہ تو فوجی حکومت میں کسی عہدے کو قبول کیا نہ سفارتی پیش کش قبول کی اور نہ ہی فوجی آمریت کو خوش آمدید کہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پہ ایبڈو کی پابندیاں سخت کر دی گئیں، مادر ملت جب ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لئے میدان عمل میں نکلیں تو خان عبدالقیوم خان پہ کڑے پہرے بٹھا دیئے گئے تاکہ وہ مادر ملت کا ساتھ نہ دے سکیں صدر محمد ایوب خان نے ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے ساتھ ساتھ ملک کی سیاست کو بھی اپنے قبضۂ قدرت میں لینے کے لئے مسلم لیگ کی صدارت کا عہدہ بھی اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا، صدر ایوب نے ان مسلم لیگیوں کو جو ایوب خان کو اپنی حمایت کا یقین دلا چکے تھے اکٹھا کیا اور کنونشن مسلم لیگ کی بنیاد ڈال کر مسلم لیگ کو اپنے صدارتی محل کی لونڈی بنا دیا چند مسلم لیگی لیڈروں نے الگ ایک گروپ قائم کیا جس کا نام کونسل مسلم لیگ رکھا گیا، خان عبدالقیوم خان فوجی حکومت کی کڑی نگرانی کی وجہ سے بظاہر عملی سیاست میں حصہ لینے سے مجبور تھے مگر خفیہ طور پر ان کا تعاون کونسل مسلم لیگ سے تھا وہ دلی طور پہ چاہتے تھے کہ مسلم لیگ نے پاکستان قائم کرنے کی جدوجہد کی اور مسلم لیگ ہی اس پاکستان کا تحفظ کر سکتی ہے اس لئے وہ دل سے کوشش کر رہے تھے کہ سرکاری مسلم لیگ کے مقابلے میں صحیح مسلم لیگ منظم ہو تاکہ ملک میں جمہوریت قائم ہو سکے۔

صدر محمد ایوب خان کے بعد جنرل یحییٰ خان نے ملک کی باگ ڈور سنبھالی ملک میں پہلی بار جمہوری بنیادوں پر انتخابات کرانے کا انتظام کیا گیا، انتخابات سے پہلے خان عبدالقیوم خان نے ملک کے مخلص مسلم لیگیوں کو اپنے ساتھ ملا کر قیوم مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی ملک بھر میں وہ مسلم لیگی جو قیوم خان کی تحریک پاکستان کی خدمات کا دلی اعتراف کرتے تھے انہوں

انہوں نے خان قیوم کا ساتھ دیا اور قیوم مسلم لیگ ملک بھر کی ایک مضبوط سیاسی پارٹی بن کر ابھری۔ اب خان قیوم نے یہ کوشش شروع کر دی کہ مسلم لیگ جو مختلف دھڑوں میں بٹ چکی ہے اسے متحد کر کے اسے مضبوط سیاسی جماعت بنایا جائے چنانچہ اس ضمن میں کونسل مسلم لیگ کے صدر کے ساتھ رابطہ قائم کیا گیا مگر خان قیوم کو اس سلسلے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ البتہ صدر محمد ایوب خان کے اقتدار سے ہٹنے کے بعد کنونشن مسلم لیگ جو پاکستان مسلم لیگ کے نام سے مشہور تھی اس کے کئی کارکن اور لیڈر خان قیوم کے ساتھ شامل ہو گئے حتیٰ کہ کنونشن مسلم لیگ برائے نام رہ گئی اور اس کے کرتا دھرتا کئی لیڈر خان قیوم خان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ خان قیوم خان نے قیوم مسلم لیگ کے خاتمے کا اعلان کیا اور پاکستان مسلم لیگ کے متفقہ طور پر صدر منتخب کر لئے گئے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں پاکستان مسلم لیگ نے صوبوں میں اور مرکز میں کافی سیٹیں حاصل کیں قیوم خان سرحد کے دو حلقوں سے مرکزی اسمبلی کے لئے اور ایک صوبائی سیٹ کے لئے پشاور کے شہری حلقے سے امیدوار کھڑے ہوئے۔ وہ مرکزی اسمبلی کیلئے تو دونوں حلقوں سے کامیاب ہو گئے مگر سرحد اسمبلی کی سیٹ حاصل نہ کر سکے کیونکہ ان کے مقابلے میں پیپلز پارٹی اور نیپ نے اتحاد کر لیا تھا جس کے نتیجے میں پیپلز پارٹی کے امیدوار کے حق میں نیپ کے امیدوار نے نام واپس لے لیا اور نیپ اور پیپلز پارٹی دونوں نے متحد ہو کر خان قیوم خان کا سرحد کی شہری سیٹ پر مقابلہ کیا باوجود اس اتحاد کے خان قیوم خان نے کافی ووٹ حاصل کئے مخالف امیدوار بہت تھوڑے ووٹوں کی اکثریت سے سرحد اسمبلی کا رکن منتخب ہوا۔

مشرقی پاکستان کا بازو کٹ جانے کے بعد جب پیپلز پارٹی نے مرکز میں وزارت قائم کی تو خان قیوم خان کو مرکز میں وزارت داخلہ کا قلمدان سپرد کیا گیا۔ وزارت میں آنے کے بعد آپ نے کچھ اصولوں کی بنیاد پر مسلم لیگ کو پیپلز پارٹی کا خصوصی

معاون بنا دیا تاکہ ملکی تعمیر و ترقی میں برسر اقتدار پارٹی کے ہاتھ مضبوط بنائے جاسکیں۔ ان دونوں سیاسی جماعتوں کا باہمی اتحاد یہاں تک رنگ لایا کہ سرحد میں جہاں قیوم خان کے حامیوں کی تعداد خاصی تھی سینٹ کے انتخابات کے موقع پر قیوم خان نے کسی مسلم لیگی کو سینٹ کے لئے انتخاب لڑنے کے لئے ٹکٹ نہیں دیا بلکہ مسلم لیگیوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ سینٹ کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کے امیدواروں کو کامیاب بنائیں مقصد یہ تھا کہ سرحد اسمبلی میں پیپلز پارٹی کو چونکہ اکثریت حاصل نہیں تھی اس لئے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اور سرحد میں پیپلز پارٹی کو فعال بنانے کے لئے سرحد کی طرف سے سینٹ میں پیپلز پارٹی کی نمائندگی کا خاص اہتمام کیا گیا سرحد کے کئی مسلم لیگیوں نے قیوم خان کی اس سیاسی چال کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا مگر خان قیوم خان کا موقف یہی تھا کہ ملک کی کشتی کو بھنور سے نکال کر کنارے پر بحفاظت لانے کی جدوجہد میں برسر اقتدار پارٹی کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرنا حب الوطنی کی بہترین مثال ہو سکتی ہے۔ ان نظریات کی وجہ سے خان قیوم خان نے اپنے بیگانوں کے طعنے سنے مگر وہ بے لوث اور بے غرض سیاستدان کی طرح اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے۔

خان قیوم کی سرحدی خدمات:- خان عبدالقیوم خان تقریباً چھ سال تک صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ رہے اس دوران انہوں نے سرحد کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے اہم کارنامے سرانجام دیئے۔ پشاور یونیورسٹی ان کی کوششوں کی ایک بہترین یادگار ہے سرحد کے کونے کونے میں سکولوں کے جال بچھانے میں خان قیوم خان نے بہترین کردار ادا کیا ہے۔ سرحدی عوام کی بہتری اور بہبودی کے لئے آپ نے اپنے دور حکومت میں ہر ممکن عملی اقدامات کیئے۔ سرحد میں جگہ جگہ ہسپتال اور ڈسپنسریاں قائم کیں

صنعتی مرکز قائم کرکے بے روزگاروں کے لئے روزگار فراہم کیا۔ سرحد کی بنجر زمینوں
کو سیراب کرنے کے لئے نہری سکیمیں منظور کرکے ان پر عمل درآمد کرایا۔ زرعی لحاظ
سے سرحد کو خود کفیل بنانے کے لئے خان قیوم نے کئی زرعی اصلاحات کا نفاذ کیا
پاکستان کے قیام کے بعد سرحد ہی وہ واحد صوبہ تھا جس کے وزیر اعلیٰ خان قیوم خان
نے اپنے صوبے میں آٹھویں جماعت تک مفت تعلیم کے پروگرام کو عملی جامہ پہنایا۔
اس طرح تمام اسلامی سکولوں کو سرکاری تحویل میں لیا تاکہ یہ سکول حکومت کی بھرپور
امداد سے اچھے طریقے سے چلائے جاسکیں اور ان سکولوں کے اساتذہ حکومت کی ہر
ممکن مراعات حاصل کرسکیں۔

سرحد میں محکمہ اوقاف قائم کرکے اسلامی درسگاہوں، یتیم خانوں اور محتاج
خانوں کو سرکاری تحویل میں لیا، سڑکوں کو قومی ملکیت میں لیکر سرحدی عوام کو سفری سہولیات
بہم پہنچانے کے لئے گورنمنٹ ٹرانسپورٹ بسوں کا انتظام کیا۔ سینکڑوں نئے سکول کھولے
گئے۔ کئی پرائمری سکولوں کو مڈل اور مڈل سکولوں کو ہائی کا درجہ دیا گیا۔ طلبا کے لئے
کئی ہاسٹل تعمیر کرائے گئے۔ وہ مجاہدین آزادی جنہیں انگریز حکومت نے جلا وطن
کرکے ان کی جائیدادیں ضبط کردی تھیں، انہیں دوبارہ سرحد میں آباد ہونے کیلئے
ہر قسم کی مراعات دی گئیں ان کی ضبط شدہ جائیدادوں کو واگزار کرکے ان کے حوالے
کیا گیا۔ سرحد کے علماء کو ان کا شایان شان مقام دلانے کے لئے ڈسٹرکٹ خطیب مقرر
کرکے ان کی معقول تنخواہیں مقرر کی گئیں، غریب مزارعین کو زمینداروں کے چنگل سے
نجات دلانے کے لئے عملی اقدامات کئے، عرصے سے زمینداروں کے رحم و کرم پر
زندگی گزارنے والے کاشت کاروں کو زمینوں کا مالک بنایا گیا غرض یہ کہ خان قیوم
خان کے دور حکومت میں سرحد نے ہر شعبے میں شاندار ترقی حاصل کی تاریخ نویس
اس بات سے قطعاً انکار نہیں کرسکتا کہ خان قیوم خان کے دور حکومت میں سرحد نے

جو شاندار ترقی کی یا سرحد میں کوئی تعمیری اور ترقیاتی پروگراموں پر عمل ہوا وہ بعد میں سرحد میں بننے والی حکومتوں کے دور میں ۱۹۵۲ء سے ۱۹۷۲ء تک یعنی ۱۹ سال کے عرصے میں قطعاً دیکھنے میں نہیں آیا۔ تاریخ نویس اس بات سے کبھی انکار نہیں کر سکتے کہ سرحد کے باشندوں کی فلاح و بہبود کے لئے اور سرحد کی تعلیمی ترقی کو چار چاند لگانے میں سر صاحبزادہ عبدالقیوم اور خان عبدالقیوم خان بار ایٹ لاء کی کوششیں یقیناً قابل ستائش ہیں سر صاحبزادہ کے خوابوں کو خان عبدالقیوم خان نے جو عملی جامہ پہنایا ہے اس کی خوشی کا احساس سر صاحبزادہ کی روح جو ہو رہا ہو گا۔ اس کا احساس کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ سر صاحبزادہ اور خان عبدالقیوم خان میں ایک اور قدرتی مماثلت ہے وہ یہ کہ سر صاحبزادہ کی بھی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اور خان عبدالقیوم خان کی بھی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے۔ سر صاحبزادہ تکبر اور غرور سے مبرا تھے ہر ایک کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا اور ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہونا سر صاحبزادہ کی بہترین انسانی صفات تھیں۔ خان عبدالقیوم خان بھی اس سلسلے میں سر صاحبزادہ کی طرح بہترین انسانی صفات کے مالک ہیں ان دونوں کو قدرت نے بہترین انتظامی صلاحیتوں کا مالک بنایا۔ دونوں انتہائی قوم پرست اور اخلاص کے پیکر واقع ہوئے ہیں۔

پشاور یونیورسٹی

سر صاحبزادہ کی آخری اور بڑی دلی خواہش یہ تھی کہ سرحد کے طلبا کے لئے اپنی یونیورسٹی ہو۔ سرحدی عوام یونیورسٹی کا مطالبہ عرصے سے کرتے چلے آ رہے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر جب پشاور میں جشن منائے جا رہے تھے تو سرحد کے چیدہ چیدہ افراد گورنمنٹ ہاؤس پہنچے اور انتہائی عاجزی سے گورنر اور سرکاری اعلیٰ حکام سے درخواست کی کہ فتح کی خوشی میں سرحد میں یونیورسٹی کے قیام کی منظوری دی جائے۔ باوجود ان کوششوں کے سرحدی عوام یونیورسٹی سے محروم تھے سر صاحبزادہ نے ٹرانسفرڈ ڈیپارٹمنٹ کے وزیر اور پھر سرحد میں وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے سرحدی

یونیورسٹی کے قیام کی کافی کوشش کی ابھی ان کی کوشش ابتدائی مرحلے ہی میں تھی کہ کانگرس کی سازشوں سے ان کی وزارت کا خاتمہ ہو گیا۔ وزارت کے خاتمے کے بعد سر صاحبزادہ نے روس کیپل میموریل فنڈ کھول کر سرحد کے مخیر حضرات سے اپیل کی کہ وہ دل کھول کر عطیات دیں تاکہ قوم کے بچوں کے لئے ایک یونیورسٹی قائم کی جا سکے۔ روس کیپل کے نام سے میموریل فنڈ کے قیام کی یہ وجہ تھی کہ سر صاحبزادہ انگریز حکمرانوں سے بھی اس سلسلے میں مدد حاصل کرنا چاہتے تھے سر صاحبزادہ کی یہ کوشش جاری تھیں کہ اچانک ان کا انتقال ہو گیا۔

سر صاحبزادہ کے انتقال کے بعد روس کیپل میموریل فنڈ میں جمع شدہ رقم کا بھی آج تک کوئی علم نہیں ہو سکا کہ وہ رقم کہاں گئی۔

۱۹۴۷ء میں سرحدی عوام کے اصرار پر وزیر تعلیم یحییٰ جان نے اسمبلی میں یونیورسٹی بل پیش کیا۔ یہ بل ایک سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔ مرکزی وزارت تعلیم نے سرحد میں یونیورسٹی کے قیام کیلئے ہر ممکن مدد دینے کا وعدہ کیا ابھی ابتدائی انتظامات ہو رہے تھے کہ پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ سرحد میں خان عبدالقیوم خان وزیر اعلیٰ بنے۔ اسمبلی میں میاں قائم شاہ نے تقریر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ کو یاد دلایا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر مجھے موقع ملا تو سرحد میں یونیورسٹی کے قیام کیلئے ہر ممکن کوشش کروں گا۔ لہٰذا چیف منسٹر کو چاہیئے کہ وہ اپنے وعدے کو پورا کریں اور سرحدی باشندوں کی اس دیرینہ خواہش کی تکمیل کے لئے پہل کریں۔" خان عبدالقیوم خان نے جواب میں کہا کہ فنڈ کی کمی یونیورسٹی کے قیام میں رکاوٹ کا باعث ہے۔

۱۹۴۸ء میں قائد اعظم گورنر جنرل کی حیثیت سے سرحد کے دورے پر تشریف لائے اسلامیہ کالج کے طلباء اور خیبر یونین کے عملے نے قائد اعظم کی خدمت میں عرضداشت پیش کی کہ سرحد کو یونیورسٹی دی جائے۔ قائد اعظم نے یونیورسٹی کے قیام میں بھرپور مدد دینے کا وعدہ کیا۔ اور فرمایا کہ میری سب سے بڑی خواہش یہ ہی ہے کہ سرحدی عوام کے لئے اپنی یونیورسٹی ہو کیونکہ سرحد وہ جگہ ہے جہاں سے ہندوستان میں علم اور تہذیب کی شعاعیں پھیلیں۔"

قائد اعظم نے واپس جانے ہی سرحد میں یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں وزیر اعظم لیاقت علی خان کو ہدایات جاری کیں۔ اس اثنا میں مارچ ۱۹۵۰ء میں مارچ کے سیشن میں سرحد اسمبلی میں سرحد کے وزیر تعلیم میاں جعفر شاہ نے یونیورسٹی بل پیش کیا جو بلا کسی اختلاف کے پاس ہوا۔ یہ بل سرحد کے گورنر کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ گورنر نے ۱۷ مارچ ۱۹۵۰ء کو اس بل کی منظوری دی۔

۱۳ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو شہید ملت لیاقت علی خان نے پشاور یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا۔ قائد اعظم کی وصیت کے مطابق ان کی جائیداد کا کثیر حصہ پشاور یونیورسٹی اور اسلامیہ کالج کو دیا گیا ہے۔

خان عبدالقیوم خان کی وزارت کے کارنامے

قیام پاکستان کے بعد شمال مغربی سرحدی صوبے میں صنعتی ترقی کے لئے اہم اقدامات کئے گئے۔ مردان میں چینی کے کارخانے کو وسعت دی گئی۔ اگرچہ یہ کارخانہ پہلے سے موجود تھا مگر اس میں جدید مشینری لگوائی گئی تاکہ زیادہ سے زیادہ چینی تیار ہو سکے۔ صوبے کے مختلف دیہات اور قصبوں کو سستے داموں بجلی مہیا کی گئی۔ قیوم خان کو صوبائی اسمبلی میں تمام نمائندہ پارٹیوں کی تائید و حمایت حاصل تھی۔ صوبے کے عوام کے اقتصادی معاشرتی اور مذہبی معیار کو بلند کرنے کے لئے نہایت اہم اور دور رس قوانین نافذ کئے گئے چند خاص قوانین جو قیام پاکستان کے بعد اس صوبے میں اسمبلی کے ذریعے نافذ کئے گئے وہ مندرجہ ذیل تھے۔

وزارت سرحد نے ۱۹۴۸ء میں ایک قانون پاس کیا جس کے ذریعے صوبہ سرحد کے زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ افراد میں غیر منصفانہ امتیاز کو ختم کیا گیا اس صوبے کے غیر زراعت پیشہ افراد زمین خریدنے سے محروم تھے۔ اس امتیاز کو ختم کرنے کے لئے یہ قانون نافذ کیا گیا کہ غیر زراعت پیشہ افراد کو وہی شہری حقوق حاصل ہیں جو

زراعت پیشہ افراد کو ہیں۔ چنانچہ اس قانون کے نفاذ کے ساتھ ہی کئی غیر زراعت پیشہ لوگوں نے زمین خرید کر ان پر مکانات بنوائے۔ یا ان زمینوں سے پیداوار حاصل کر کے اپنے کنبے کی کفالت کے قابل بنے۔

۱۹۴۹ء میں صوبے کے تمام خیراتی اداروں کا نظم ونسق حکومت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ان خیراتی اداروں کے نظم ونسق کو چلانے کے لئے ایک ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا گیا۔ ایڈمنسٹریٹر کے ماتحت ایک جداگانہ شعبہ قائم کر کے تمام خیراتی اداروں کا انتظام اس شعبے کے حوالے کر دیا گیا۔ ان اداروں کی آمدنی کو متولی یا مجاور اپنے ذاتی اغراض کے لئے استعمال کرتے تھے مگر اس قانون کے نفاذ سے متولیوں اور مجاوروں کی اجارہ داری کو ختم کر کے خیراتی اداروں کو صحیح بنیادوں پر چلایا جانے لگا۔ صوبائی حکومت نے اس محکمہ کا نام محکمہ اوقاف رکھا اور اس کی آمدنی سے یتیم خانوں، رفاہی کے اداروں اور ہسپتالوں کے قیام کیلئے ایک جامع سکیم مرتب کی گئی۔ اس قانون کے نفاذ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سرحد کی مسجدوں کے اماموں اور خطیبوں کی تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ ان تنخواہوں کے مقرر ہونے کی وجہ سے امام مسجد اور خطیب ذریعہ معاش کی فکر سے آزاد ہو گئے۔ اوقاف کے محکمے میں مذہبیات کا ایک خاص شعبہ قائم کیا گیا اس شعبے کے ذریعے مسجدوں کے اماموں اور خطیبوں کی تقرری اور ان کی تنخواہوں وغیرہ کے ساتھ ساتھ مسلمان قوم میں مذہبی اصولوں کی اہمیت کو فروغ دیا گیا۔

قیوم خان کی وزارت کے دوران حکومت سرحد نے ان تمام جاگیروں کو واپس لینے کے احکامات نافذ کئے جو انگریز اور سکھ حکمرانوں نے ان جاگیرداروں کو ان کی حکومت کی مضبوطی کے لئے کوشش کرنے کے عوض عطا کی تھیں۔

شریعت ایکٹ اس صوبے میں ۱۹۳۵ء میں لیجسلیٹو کونسل نے پاس کیا تھا مگر

اسپر عمل در آمد نہیں ہوتا تھا۔ اس قانون میں بیواؤں اور بیٹیوں کے حقوق کے سلسلے میں ایک سقم تھا۔ اس سقم کو دور کرنے کیلئے ۱۹۵۰ء میں ایک ترمیم کی گئی جس کی رو سے بیواؤں اور یتیم بچے بچیوں کا وہ جائز حق تسلیم کیا گیا جو شریعت اسلامیہ کے عین مطابق تھا

سرحد اور پنجاب میں شفعہ کا قانون محض رواج پر مبنی تھا۔ صوبہ سرحد کی حکومت نے اس قانون کو منسوخ کر کے شفعہ کا ایسا قانون پاس کیا جو شریعت اسلامیہ کے عین مطابق تھا۔ اس نئے قانون کی بدولت اس صوبے کے لوگوں نے مقدمہ بازیوں سے کافی حد تک چھٹکارا حاصل کیا۔ نئے قانون کے تحت غیر منقولہ جائیدادوں پر شفعہ کا حق صرف ملکیت کے حصہ داروں اور متصلہ جائیدادوں کے مالکوں کو دیا گیا۔

۱۹۵۱ء میں روڈ ٹرانسپورٹ بل پاس کیا گیا جس کی رو سے حکومت کو یہ اختیار حاصل ہوا کہ وہ سفر کرنے والوں کی سہولت کے پیش نظر صوبے کی تمام سڑکوں کو قومی ملکیت میں لے۔ اس قانون کی رو سے صوبے کی تمام سڑکوں پر سرکاری بسیں چلانے کا اہتمام کیا گیا تاکہ مسافر مناسب کرایہ ادا کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ آرام اور سہولت سے سفر کر سکیں

اپریل ۱۹۵۱ء میں صوبہ سرحد کے لئے الیکشن کمیٹی قائم کی گئی۔ اس کمیٹی کے چیئرمین لفٹننٹ کرنل اللہ داد خان ریونیو کمشنر صوبہ سرحد تھے۔ نوابزادہ شیر افضل خان ڈپٹی کمشنر پشاور اور خان بہادر ہدایت اللہ خان ڈپٹی کمشنر ہزارہ مذکورہ کمیٹی کے ممبر تھے کمیٹی کی رپورٹ کے بعد مرکز کی منظوری کے بعد صوبہ سرحد میں جنرل انتخابات ہوئے۔

قیوم خان کی وزارت کے دوران تعلیمی ترقی کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔ سر صاحبزادہ تقریباً ۱۹ سال تک یہ جدوجہد کرتے رہے کہ اس صوبے کی اپنی یونیورسٹی ہو مگر انگریزی دور حکومت میں مرکزی حکومت قبائلیوں کو ختم کرنے کے لئے بجٹ کا بیشتر حصہ خرچ کرتی رہی مگر صوبے کو یونیورسٹی دینے کیلئے اس نے ہمیشہ بجٹ کی کمی کا بہانہ بنایا۔ سر صاحبزادہ جب مرکزی حکومت سے ناامید ہو گئے تو انہوں نے خیبر یونیورسٹی فنڈ

قائم کرکے مخیر لوگوں سے اپیل کی کہ وہ سرحد میں یونیورسٹی کے لئے فراخدلانہ عطیات دیں۔ ابھی یہ سلسلہ شروع ہی تھا کہ سر صاحبزادہ فوت ہوگئے ان کی یہ آرزو قیام پاکستان کے بعد خان عبدالقیوم وزیراعلیٰ سرحد کے زمانہ حکومت میں بر آئی ۔ وزارت سرحد نے صاحبزادہ عبدالقیوم کی اس آرزو کو پورا کرنے کے لئے یونیورسٹی کے قیام کا لازمی قانون پاس کیا جس کے نتیجے کے طور پہ پشاور یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا۔

جنگلی جانوروں اور پرندوں کی حفاظت کا قانون پاس کرکے سرکاری زمینوں میں ایسے ممنوعہ علاقے قائم کئے جہاں پرندوں اور جنگلی جانوروں کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا۔ قانون فوجداری میں بھی عوام کی بہتری کے لئے اہم تبدیلیاں کی گئیں۔ زناکاری اور شادی شدہ عورت کو ورغلانا اور اغوا کرنا سنگین جرم قرار دیا گیا۔ اغوا کے معاملوں میں نابالغوں کی عمر کی حد بھی بڑھا دی گئی اور اغوا کرنے والوں کیلئے سنگین سزائیں رکھی گئیں۔

۱۹۵۰ء میں قانون مزارعین نافذ کیا گیا۔ اس قانون کی رو سے دخیل کار مزارعین کو یہ حق دیا گیا کہ وہ واجبی معاوضہ قسطوں میں ادا کرکے اس زمین کے مکمل مالکانہ حقوق حاصل کرلیں جو ان کی زیر کاشت ہے۔ یہ قانون انقلابی نوعیت کا تھا جس سے تقریباً ایک لاکھ سے زائد کاشتکار زمین کے مالک بنے۔ اس قانون کے ذریعے غیر موروثی کاشتکاروں کے حق قبضہ کی حفاظت بھی اس طرح کی گئی کہ تین سال تک انہیں زمینوں سے بے دخل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کاشتکاروں کو خوانین اور بڑے بڑے زمینداروں کی بیگاروں اور ٹیکسوں سے بھی نجات دلائی گئی۔ ۱۹۵۱ء میں مرہونہ زمینوں کی واگذاری کا قانون پاس کیا گیا جس سے زمینداروں کی حالت بہتر بننے میں کافی مدد ملی۔ اس قانون کی رو سے راہن اپنی زمینوں کو کوئی قیمت ادا کئے بغیر واپس لینے کے حقدار قرار دیئے گئے۔ یہ قانون ایسی رہن زمینوں کے لئے تھا جو یکم جنوری ۱۹۲۰ء سے پہلے رہن رکھی گئی تھیں۔ اس قانون

کی رو سے ان تمام راہنوں کو فائدہ پہنچا جو غربت اور افلاس کی وجہ سے اپنی مرہونہ زمینوں کو واپس لینے کے قابل نہ تھے۔

صوبائی حکومت نے شہروں کی صفائی اور اصلاح کی غرض سے سابق میونسپلٹی ایکٹ کو از سر نو وضع کیا۔ نئے ایکٹ کی رو سے میونسپل کمیٹیوں کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ جدید طریقوں کے مطابق شہروں کی اصلاح اور صفائی کی سکیموں کا آغاز کریں۔

سردار اورنگ زیب خان

سردار اورنگزیب خان

آپ ۱۸۹۹ء میں ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کی تحصیل کلاچی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام محمد ایاز خان تھا۔ آپ پٹھانوں کے مشہور گنڈاپور قبیلے سے تعلق رکھتے تھے والد زمیندار تھے۔ اورنگزیب خان نے ابتدائی تعلیم کلاچی میں حاصل کرنے کے بعد ڈیرہ اسمٰعیل خان سے مشن سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ میٹرک کرنے کے بعد آپ پشاور چلے آئے۔ سر صاحبزادہ ہونہار طلباء کی تعلیم کے سلسلے میں انتہائی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ اورنگزیب چونکہ انتہائی ہوشیار تھے اس لئے سر صاحبزادہ نے ان کی پوری سرپرستی کی یہاں تک کہ سردار اورنگزیب نے پشاور کے مشن کالج سے بی اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ بی اے کے بعد سر صاحبزادہ نے انہیں علیگڑھ میں داخل کرایا جہاں سے آپ نے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ علیگڑھ میں تعلیم کے دوران آپ علیگڑھ مسلم سٹوڈنٹس یونین کے صدر بھی رہے۔ اعلیٰ دماغی صلاحیتوں اور بہترین طالب علم کی حیثیت سے آپنے علیگڑھ کا سپیشل انعام بھی مبلغ پانچسو روپے حاصل کیا۔ یہ انعام انتہائی لائق ترین طالب علم کو دیا جاتا تھا۔ آج بھی علیگڑھ یونیورسٹی کے انعامی بورڈ پر آپ کا نام نمایاں طور پر موجود ہے۔ آپ کی قابلیت اور ہر دلعزیزی اور خوش اخلاقی اور بلند ہمتی کی وجہ سے یونیورسٹی کے پروفیسر سے لیکر یونیورسٹی کے اعلیٰ حکام تک آپکو قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ بیدار مغز طالب علم کے ساتھ ساتھ آپ بلند پایہ مقرر بھی تھے۔ علیگڑھ سے ایل ایل بی کی ڈگری لینے کے بعد پشاور میں آکر آپ نے وکالت کا پیشہ شروع کیا مگر سر صاحبزادہ کے مشوروں پہ پورا عمل کرتے ہوئے سرحد کے

لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے پوری دلچسپی لیتے رہے۔

سر صاحبزادہ کو بھی آپ پر پورا اعتماد تھا۔ وہ آپ جیسے قابل ترین انسانوں کی دل و جان سے قدر کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ سر صاحبزادہ ہمیشہ اہم معاملوں میں سردار اورنگ زیب سے مشورہ ضرور لیا کرتے تھے۔ لندن میں گول میز کانفرنس کے موقع پر سردار اورنگزیب سر صاحبزادہ کے پرسنل سیکرٹری کی حیثیت سے کانفرنس میں شریک رہے۔ انگلینڈ میں تعلیم حاصل کرنیوالے طلباء کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مختلف طریقوں سے برطانوی حکمرانوں پہ دباؤ ڈالیں کہ سرحد کو اصلاحات دی جائیں ۱۹۳۷ء میں آپ سر صاحبزادہ ہی کے ایما سے مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور ۱۹۳۷ء میں ہی سرحد لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے کانگرسی وزارت کے قیام کے بعد سر صاحبزادہ اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر تھے جب سر صاحبزادہ کا انتقال ہو گیا تو آپ حزب اختلاف کے لیڈر منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۳ء میں آپکی قیادت میں صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی وزارت بنی یہ وزارت ۱۹۴۵ء تک رہی۔ قیام پاکستان کے بعد آپ سرحد میں مسلم لیگ کے نائب صدر منتخب ہوئے۔ آپ سرحد میں مسلم لیگ کے بانیوں میں سے تھے۔ سید لال بادشاہ۔ اللہ بخش یوسفی۔ ملک شاد اور اللہ بخش برقی اور میاں غلام حسین آپکے وہ مددگار تھے جن کی حمایت سے آپنے سرحد میں مسلم لیگ کے نام سے عوام کا ہر ممکن تعاون حاصل کیا مگر عملی جد و جہد میں آپ نے مسلم لیگ کو مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ تحریک پاکستان کے دوران آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے ہدایات پر ہر ممکن عمل کیا۔ پاکستان کے قیام کے بعد ۴۹ء میں آپکو برما میں سفیر مقرر کیا گیا ۱۹۵۳ء تک آپ برما میں سفیر رہے خالص اسلامی طرز معاشرت میں رنگے ہوئے تھے۔ جس پارٹی یا دعوت میں شراب و کباب بیرونی مہمانوں کو پیش کیا جاتا تھا اس پارٹی میں آپ کبھی بھی شرکت نہیں کرتے تھے۔

ڈاکٹر خان صاحب

آپ اتمان زئی کے مشہور لینڈ لارڈ بہرام خان کے بیٹے تھے۔ آپ کا اصل نام عبدالجبار تھا۔ آپ ۱۸۸۲ء میں اتمان زئی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اتمان زئی میں حاصل کرنے کے بعد آپ کو پشاور کے مشن سکول میں داخل کیا گیا۔ ان دنوں مشن سکول سے ایف اے تک تعلیم دی جاتی تھی۔ آپ اسی سکول سے ایف اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد بمبئی کے گرانٹ میڈیکل کالج میں داخل ہوئے، ۱۹۰۶ء میں آپ ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے۔ انگلینڈ کے تھامسن میڈیکل کالج سے آپ نے ایم بی۔ ایم آر
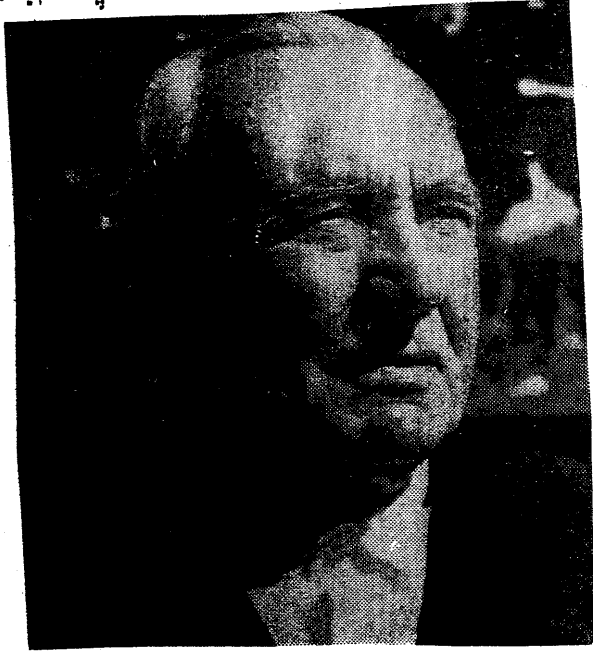
سی پی ایم او سی ایس کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ برطانوی فوج میں بھرتی ہوگئے۔ فوج میں آپ کو کپتان کے عہدے پر ترقی دی گئی۔ مسلسل چودہ سال تک آپ لندن کی فوج میں رہے۔ چودہ سال کے بعد آپ کو مردان کی گائیڈ رجمنٹ میں تبدیل کیا گیا۔ ۱۹۲۱ء میں آپ نے فوجی ملازمت سے استعفیٰ دیا اور پرائیویٹ طور پر ڈاکٹری کا پیشہ شروع کیا۔ ابتدا میں آپ کا کلینک پشاور کے مشہور بازار منڈی بیری میں تھا۔ کچھ سالوں کے بعد آپ نے اپنا کلینک قصہ خوانی بازار میں افغان بلڈنگ کے نیچے کھولا۔ ہجرت اور خلافت کی تحریک کے دنوں میں آپ ان تحریکوں سے منسلک زخمیوں اور بیماروں کا مفت علاج اور مرہم پٹی کرتے تھے۔ ۱۹۳۰ء میں جب انگریزوں نے قصہ خوانی اور بازار کلاں میں بے گناہ لوگوں پر اندھا دھند گولیاں برسا کر سرحدی عوام کے خون سے ہولی کھیلی تو ڈاکٹر خان صاحب نے زخمیوں کی دن رات مفت خدمت کی اس واقعہ سے متاثر ہوکر آپ نے سیاست میں قدم رکھا۔ زخمیوں کی مرہم پٹی اور علاج کے جرم میں آپکو بنگال ریگولیشن کے تحت چھ سال کے لئے نظر بند کر دیا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں جب سرحد کانگرس نے سول نافرمانی کی تحریک شروع کی تو آپ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حکومت نے آپ کو گرفتار کر کے نینی تال جیل میں ایک سال کے لئے بند کر دیا۔ ۱۹۳۴ء میں سرحد اسمبلی نے آپکو راجہ حیدر زمان کے مقابلے میں مرکزی اسمبلی کا ممبر منتخب کیا۔ ۱۹۳۷ء میں آپ سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوتے۔ ستمبر ۱۹۳۷ء میں آپ نے کانگرس کے ایما پر ہزارہ کی ڈیموکریٹک پارٹی کے تعاون سے صاحبزادہ وزارت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی۔ صاحبزادہ کی وزارت کے خاتمے کے بعد آپ نے سرحد میں پہلی کانگرسی وزارت مرتب کی۔ دسمبر ۱۹۳۹ء میں کانگرس کی ہائی کمان کی ہدایت کے تحت آپ نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ ۱۹۴۵ء میں سرحد کی مسلم لیگی وزارت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی جو اٹھارہ کے مقابلے میں بائیس (۲۲) ووٹوں سے کامیاب ہوئی۔ مسلم لیگی

وزارت کے خاتمے کے بعد آپ نے سرحد میں دوسری بار کانگرس وزارت مرتب کی فروری ۱۹۴۶ء
میں سرحد میں دوسری بار جنرل انتخابات ہوئے تو آپ پھر سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ۱۹۴۶ء
میں سرحد میں تیسری بار آپکی قیادت میں کانگرس وزارت قائم ہوئی ۲۲ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان
کے گورنر جنرل حضرت قائد اعظم نے سرحد سے جب کانگرسی وزارت کے خاتمے کا اعلان کیا تو آپ
کی وزارت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

پاکستان کے قیام کے بعد آپ کافی عرصے تک خانپور میں نظر بند رہے۔ ڈاکٹر خان صاحب
اس لحاظ سے ایک بلند پایہ سیاستدان تھے کہ ان کی سیاست چالاکی اور مکاری سے مبرّا
تھی۔ وہ جیسے ظاہر تھے ویسے ہی ان کا باطن بھی تھا۔ سیاسی میدان میں انہوں نے کبھی بھی
سیاسی شعبدہ بازی کا سہارا نہیں لیا۔ ایک بات پر وہ ڈٹ جاتے تو اس پہ ڈٹے رہتے۔ جب
ان کی صاحبزادی نے ایک سکھ سے سول میرج کرنے کا ارادہ کیا تو بہت سے سرحدی زعماء ان
کے پاس گئے اور کہا کہ آپ اپنی بیٹی کو منع کریں کہ وہ سکھ سے شادی نہ کرے۔ بعض کانگرسی
مسلمانوں نے ان سے دوٹوک کہا کہ اگر آپ کی بیٹی نے سکھ سے شادی کر لی تو پھر ہم
سیاسی میدان میں آپکا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ ڈاکٹر خان صاحب نے انہیں جواب میں کہا
کہ میری بیٹی ایک انگلستانی کے پیٹ سے ہے وہ انگلستان کے رسم و رواج کے مطابق
اگر شادی کے معاملے میں اپنی مرضی کو فوقیت دیتی ہے تو میں اس کے راستے میں حائل
نہیں ہونا چاہتا۔

ڈاکٹر خان صاحب انتہائی سادہ مزاج اور پروقار شخصیت کے مالک تھے، صرف
یہ کہ سیاسی میدان میں کانگرس کے ہمنوا اور بہی خواہ تھے۔ ان کے زمانہ وزارت میں سرحد کے
کسانوں میں خاص کر مفتی آباد مزارع تحریک اور غلہ ڈھیر تحریک انہی کی وزارت کے دوران
عروج پر پہنچی۔

ڈاکٹر صاحب اصول کے انتہائی پابند تھے۔ انہوں نے اپنی وزارت کے دوران اپنے

بیٹے عبید اللہ خان کو گرفتار کرا کر جیل میں بند کیا۔ جب سرحد کی صوبائی حیثیت ختم کر کے اسے مغربی پاکستان میں مدغم کیا گیا تو ڈاکٹر خان صاحب نے اس کی انتہائی تائید کی کیونکہ ان کا نظریہ یہ تھا کہ اس طرح سرحد کو ترقی کرنے کے مواقع میسر آئینگے ان کے بھائی خان عبد الغفار خان نے جب وحدت مغربی پاکستان کی مخالفت کی تو ڈاکٹر خان صاحب نے انہیں گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا۔ مغربی پاکستان کے قیام کے بعد آپ کو مغربی پاکستان کا پہلا وزیر اعلیٰ مقرر کیا گیا آپ نے مغربی پاکستان کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے مغربی پاکستان کو ترقی کے راستے پہ گامزن کرنے کے لئے ان تھک جدوجہد کی۔ نومبر ۱۹۵۴ء میں آپ کو مرکزی وزارت میں وزیر مواصلات مقرر کیا گیا۔ ستمبر ۱۹۵۶ء میں آپکو مغربی پاکستان کی مشہور ری پبلک پارٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ پاکستان کی وزارت عظمیٰ کے عہدے کی آپ کو پیش کش کی گئی مگر آپ نے قبول نہ کیا

۹ مئی ۱۹۵۸ء کو جمعہ کے دن آپ لاہور میں اپنے بیٹے سعد اللہ خان وزیر محکمہ آبپاشی کے بنگلے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ میانوالی کے ایک سفاک اور ظالم شخص عطا محمد نے بنگلے میں داخل ہو کر آپ پہ چاقو کے پے در پے وار کئے آپ قاتل کے پیچھے بھاگے مگر چاقو ان کے دل میں پیوست ہو چکا تھا اس لئے دل سے زیادہ خون بہ جانے کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ انتہائی زخمی اور بیہوشی کی حالت میں جب آپکو میو ہسپتال لاہور لے جایا جا رہا تھا کہ راستے میں فوت ہو گئے۔ آپ کی لاش کو احترام کے ساتھ ہوائی جہاز کے ذریعے آپکے آبائی گاؤں اتمان زئی پہنچایا گیا۔ ہزاروں اشکبار آنکھوں کی موجودگی میں آپکو اپنے بنگلے کے قریب ہی دفن کیا گیا۔

سردار عبدالرشید خان

آپ ۱۹۰۶ء میں ڈیرہ اسمٰعیل خان میں پیدا ہوئے۔ آپ پشاور کے مشہور سردار خاندان
سے تعلق رکھتے ہیں جن کے آباؤ اجداد کسی زمانے میں سرداران پشاور کے نام سے مشہور رہے

اور وہ پشاور پر حکمرانی کر رہے تھے آپ نے ایڈورڈز کالج پشاور سے اور اسلامیہ کالج
پشاور سے تعلیم حاصل کی۔ پشاور کے اسلامیہ کالج سے بی اے کی ڈگری لی۔ ۱۹۳۰ء میں آپ نے
پولیس کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا ۱۹۳۶ء میں آپ کو

ایس پی بنایا گیا ۱۹۴۲ء میں آپ کو آنڈین پولیس میں لیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے موقع پر آپنے اے آئی جی ٹریفک اور ڈپٹی سیکرٹری ہوم ڈیپارٹمنٹ کے فرائض سرانجام دیئے ۱۹۴۷ء میں آپ کو پشاور کا سنیئر سپرنٹنڈنٹ پولیس بنایا گیا ۱۹۴۷ء میں آپ کو سرحد کا ڈی آئی جی بنا یا گیا۔ ۱۹۴۸ء میں آپ کو فرنٹیئر کنسٹبلری کا کمانڈنٹ مقرر کیا گیا ۱۹۵۱ء میں آپکو سرحد کا انسپکٹر جنرل پولیس بنایا گیا۔ ۱۹۵۱ء میں آپ سرکاری دورے پر کینیڈا برطانیہ اور امریکہ گئے تاکہ وہاں پولیس کے نظم ونسق کے جدید اصولوں کا مشاہدہ کرسکیں ۲۳ اپریل ۱۹۵۳ء کو خان عبدالقیوم خان کی جگہ آپ کو سرحد کا وزیر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ جون ۱۹۵۵ء میں آپ کو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر سرحد سے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا ممبر منتخب کیا گیا۔

سردار بہادر خان

آپ ضلع ہزارہ کی تحصیل ہری پور کے ایک گاؤں ہریانہ میں ۵ جولائی ۱۹۰۸ء کو پیدا -

ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سرائے صالح میں حاصل کی۔ میٹرک ہری پور ہائی سکول سے کیا ۱۹۳۶ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ علیگڑھ میں تعلیم کے دوران آپ نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ممبر کی حیثیت سے مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے کافی جدوجہد کی۔ وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ نے ایبٹ آباد میں پریکٹس شروع کی ایک کامیاب وکیل کی حیثیت سے آپ نے ہزارہ اور سرحد میں کافی شہرت حاصل کی ۱۹۳۹ء میں ہزارہ کے ضمنی انتخاب میں سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اگست ۱۹۴۳ء سے مارچ ۱۹۴۶ء تک آپ سرحد اسمبلی کے سپیکر رہے۔ ۱۹۴۶ء میں سرحد اسمبلی کے دوبارہ ممبر منتخب ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں آپ سرحد اسمبلی میں مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے چیف وہپ منتخب ہوئے۔ ۱۹۵۱ء میں سرحد اسمبلی کے تیسری بار ممبر منتخب ہوئے۔

پیرس میں آپ نے پاکستان کے ڈیلی گیٹ کی حیثیت سے انجمن اقوام متحدہ کے جنرل اسمبلی کے اجلاس میں پاکستان کی نمائندگی کی اگست ۱۹۴۸ء میں آپ کو پاکستان کی مرکزی حکومت میں وزیر مواصلات لیا گیا اکتوبر ۱۹۵۴ء تک اسی عہدے پر فائز رہے آپ نے مواصلات کے وزیر مملکت کی حیثیت سے ہزارہ میں ٹیلیفون فیکٹری کے قیام کے لئے عملی کوشش کی۔ نومبر ۱۹۵۴ء میں آپکو بلوچستان میں گورنر جنرل کا ایجنٹ مقرر کیا گیا۔ جولائی ۱۹۵۵ء میں آپ کو سرحد کا وزیر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ وحدت مغربی پاکستان کے قیام کے بعد آپ کو مغربی پاکستان کی کابینہ میں وزیر ترقیات مقرر کیا گیا۔ ۶ مئی ۱۹۵۶ء کو وزیر اعظم سے اختلافات کی بنیاد پر اپنے عہدے سے استعفےٰ دے دیا مگر مسلم لیگ کا دامن نہ چھوڑا۔ ۱۹۶۲ء میں جب بنیادی جمہوریتوں کے نظام کے تحت ملک میں انتخابات ہوئے تو آپ قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔

اس کے کہ آپکے بھائی جنرل ایوب خان پاکستان کے صدر تھے مگر آپ نے اسمبلی میں انتہائی

صداقت دیانتداری اور پارلیمانی روایات کے مطابق اپنے علاقے کی نمائندگی کی حق بات کہنے میں آپ نے کبھی تامل نہیں کیا۔ حکومت کی جو بات ملک اور عوام کے مفاد میں ہوتی اس کی آپ تعریف کرتے اور حکومت کی جو بات ملک اور عوام کے مفاد میں نہ ہوتی اس پر احتجاج کرتے ہوئے اسے نشانہ تنقید بنانے میں آپ نے کبھی دریغ نہیں کیا۔

سردار بہادر خان نے پاکستان کے قیام کے بعد مسلم لیگ کو مضبوط اور فعال بنانے کی کوشش کی مگر بعض مفاد پرست مسلم لیگی عناصر کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے وہ مسلم لیگ کی بہترین طریقے سے تنظیم نہ کر سکے۔

مارچ ۱۹۶۵ء میں آپ نے سیاست سے استعفیٰ دے دیا اور ہری پور میں خیبر ٹیکسٹائل ملز کے نام سے کپڑے کا ایک کارخانہ قائم کر کے اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

مولانا مفتی محمود

مولانا مفتی محمود افغان قوم کے قبیلہ ناصر کی مشہور شاخ یحیٰی خیل کے علم خیل خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے والد خلیفہ مولانا محمد صدیق بہت بڑے عالم باعمل اور صوفی باطریقت تھے آپکے والد قیام پاکستان سے بہت عرصہ پہلے افغانستان سے ہجرت کر کے ڈیرہ اسمٰعیل خان آئے اور پنیالہ کے مقام پر آکر مستقل سکونت اختیار کی اور تقریباً دو ایکڑ زمین خرید کر زمینداری کر کے زندگی بسر کرنے لگے۔

مولانا مفتی محمود ۱۹۱۹ء میں ڈیرہ اسمٰعیل خان کے گاؤں پنیالہ میں پیدا ہوئے۔ پنیالہ کے پرائمری اور ہائی سکول میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۴ء میں آپ نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ میٹرک کرنے کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ کچھ عرصہ دیوبند میں گذارنے کے بعد آپ سہارنپور کے مدرسہ قاسمیہ میں داخل ہوئے جہاں سے آپ نے معانی، علم الکلام اور اصول فقہ کی تکمیل کے بعد علم الحدیث کی تکمیل کی۔

حصول تعلیم کے بعد آپ ۱۹۴۱ء میں ڈیرہ اسمٰعیل خان چلے آئے۔

سہارن پور میں تعلیم کے دوران آپ نے ۱۹۳۷ء کے آل انڈیا انتخابات میں جمعیۃ العلماء کے رہنماؤں کے ساتھ انتخابی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۴۲ء میں ہندوستان چھوڑ دو تحریک میں آپ نے جمعیت العلمائے ہند کی زیر ہدایت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

پاکستان کے قیام کے بعد ۱۹۴۹ء میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے ملتان میں جمعیت العلمائے اسلام کے نام سے ایک کنونشن منعقد کرایا جس میں آپ نے بھی شرکت کی ۱۹۵۱ء میں آپ مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے مدرس بنے اور کچھ عرصے کے بعد آپ کو اس مدرسے میں شیخ الحدیث صدر مدرس اور ناظم تعلیمات کے عہدے سپرد کئے گئے۔ مدرسہ

قاسم العلوم میں دار الافتاء کی ذمہ داری بھی آپکو سونپی گئی۔

۱۹۵۲ء میں جمعیت العلمائے اسلام کی طرف سے از سر نو تنظیم کے لئے ایک کنونشن منعقد ہوا جس میں مولانا احمد علی لاہوری صدر اور مولانا احتشام الحق تھانوی جنرل سیکرٹری اور آپ کو مجلس عاملہ کا ممبر بنایا گیا۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں آپکو ملتان سے گرفتار کیا گیا اور ایک سال تک جیل میں قید رہے۔ ۱۹۵۴ء میں مولانا احتشام الحق تھانوی جمعیت سے الگ ہو گئے تو ان کی جگہ پہلے مفتی محمد حسن کو صدر بنایا گیا اور بعد میں مفتی محمد شفیع صاحب کو قائم مقام صدر بنایا گیا۔

۱۹۵۶ء میں گورنر جنرل غلام محمد کی قائم کردہ دستور ساز اسمبلی میں ایک دستور وضع کیا گیا جس کو سکندر مرزا کے حکم سے نافذ کیا گیا۔ اگرچہ اس دستور میں عقیدی طور پر اسلام کی رہنمائی کو تسلیم کیا گیا تھا مگر اس دستور میں بعض ایسی دفعات تھیں جن سے ارتداد اور اسلام سے انحراف کا دروازہ کھلنے کے امکانات تھے۔ اس صورت حال پر غور کرنے کے لئے آپ نے ملتان میں جمعیت العلمائے اسلام کا ایک کنونشن طلب کیا اس کنونشن کے ناظم بھی آپ ہی تھے۔ اس کنونشن میں علماء نے مولانا احمد علی لاہوری کو صدر اور آپکو نائب صدر منتخب کیا۔ جب مولانا احمد علی لاہوری پر حکومت نے چھ ماہ کے لئے زبان بندی کی پابندی لگا دی تو آپ کو جمعیت العلمائے اسلام پاکستان کا قائم مقام امیر منتخب کیا گیا۔ ۲۲ سے ۲۴ جون تک مردان میں مغربی پاکستان کی دستوری کمیٹی کا اجلاس ہوا جس کے موقع پر آپ نے ۱۹۵۶ء کے آئین کی خامیوں کی مکمل نشاندہی کی۔

اکتوبر ۱۹۵۸ء میں صدر ایوب نے ملک میں مارشل لاء لگایا تو جمعیت العلمائے اسلام پر بھی دوسری سیاسی پارٹیوں کے ساتھ پابندی لگا دی گئی۔ ۱۹۶۰ء میں آپ حج کے لئے تشریف لے گئے اور آتے جاتے وقت امیر الحجاج کے فرائض سرانجام

ڈبیے۔ ۱۹۶۲ء میں بنیادی جمہوریتوں کے نظام کے تحت ڈیرہ اسمٰعیل خان کے حلقہ ۱ سے آپکو قومی اسمبلی کا ممبر منتخب کیا گیا۔ اس اثنا میں مولانا احمد علی لاہوری کا انتقال ہو گیا اور آپکو جمعیت العلمائے اسلام کا نائب امیر منتخب کیا گیا۔ ۱۹۶۵ء میں دوبارہ قومی اسمبلی کا انتخاب ہؤا تو اس بار بھی آپ ڈیرہ کے حلقہ ۱ سے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ قومی اسمبلی کے ممبر کی حیثیت سے آپ نے دستور کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے بھرپور جدوجہد کی۔ عائلی قوانین کے تنسیخ کے لئے آپنے اسمبلی میں اسلامی اصولوں کی روشنی میں کافی کوشش کی۔ ۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخاب میں صدر ایوب کی آمریت سے ملک کو نجات دلانے کے لئے جب مادر ملت صدارتی انتخاب میں حصہ لینے کے میدان میں آئیں مفتی صاحب نے دیگر علمائے کے ساتھ یہ فتویٰ صادر کیا کہ کسی عورت کو ملک کا سربراہ مقرر کرنا شریعت کے خلاف ہے۔ گویا آپ نے عوام کو یہ تاثر دیا کہ وہ مادر ملت کے حق میں ووٹ نہ دیں ڈیرہ سے ۱۹۷۰ء میں مفتی محمود صاحب نے قومی اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لیا۔ آپکے مقابلے میں پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو بھی تھے مفتی صاحب نے بھاری ووٹوں سے کامیابی حاصل کی۔

فروری ۱۹۷۱ء میں متحدہ عرب جمہوریہ کی دعوت پہ آپنے مشرق وسطیٰ کا دورہ کیا اس دورے میں آپنے عرب لیگ کے جنرل سیکرٹری عبدالخالق حسونہ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ تمام ممالک اسلامیہ میں عربی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا جائے تاکہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں لسانی یکجہتی پیدا ہو سکے۔ اس سلسلے میں انہوں نے شیخ الازہر سے بھی تفصیلی گفتگو کی جس کے جواب میں شیخ الازہر نے یہ تجویز پیش کی کہ عربی زبان کو عام کرنے کے لئے عالم عرب کو مختلف ممالک میں عرب مدرسین بھیجنے چاہئیں۔ ۱۹۶۴ء میں مفتی صاحب نے قاہرہ میں بین الاقوامی اسلامی کانفرنس میں مسئلہ کشمیر اور مسئلہ فلسطین کی طرف مسلمانان عالم کی توجہ مبذول کرائی جس کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے

مصر کے جمال عبدالناصر نے فرمایا" عالم اسلام کو ان دونوں مملکتوں کے مسائل سے جو پریشانی لاحق ہے اس کا اصلی ذمہ دار امریکی سامراج ہے۔

۱۹۶۵ء میں اسلامی ممالک کی دوسری کانفرنس میں شرکت کے لئے مفتی صاحب کو دوبارہ خصوصی دعوت دی گئی اس کانفرنس میں بھی مفتی صاحب نے دنیائے اسلام کو کشمیری مسلمانوں کی حالت زار سے آگاہ کرتے ہوئے عالم اسلام کو متوجہ کیا کہ کشمیر سے بھارتی جارحیت کے خاتمے کے لئے مؤثر اقدام کیا جائے۔ اس کے علاوہ اس کانفرنس میں مفتی صاحب نے افریقہ اور ایشیا میں یورپی ہتھکنڈوں سے مسلمانان عالم کو آگاہ کیا۔ ۱۹۶۹ء میں مفتی صاحب نے ایوب خان کی آمریت سے ملک کو نجات دلانے کے لئے ملک کی مختلف سیاسی جماعتوں کو متحد کرنے میں اہم کردار ادا کیا عرب اسرائیل جنگ کے موقع پر مفتی صاحب نے ہزاروں روپیہ چندہ اکٹھا کر کے کراچی میں شام اور مصر کے سفیروں کے ذریعے مظلوم عربوں کی امداد کے لئے بھیجا جس کے جواب میں متحدہ عرب جمہوریہ کے صدر جمال عبدالناصر نے ایک پیغام کے ذریعے مفتی صاحب کا خصوصی شکریہ ادا کیا۔

مفتی صاحب نے سیاست میں اس لئے قدم رکھا کہ وہ اپنی سیاسی بصیرت کے ذریعے ملکی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے اور ڈھلوانے کی جدوجہد کر سکیں تاکہ یہ ملک جس نام سے حاصل کیا گیا ہے اس کا مفہوم پورا ہو سکے۔ چنانچہ مفتی صاحب نے انہی اصولوں پہ کاربند رہ کر سرحد کی وزارت بنانے کے سلسلے میں نیپ سے اتحاد کیا۔ اس اتحاد سے ایک طرف تو یہ ہوا کہ نیپ جو سیکولرازم کی حامی تھی اسے مفتی صاحب نے اسلامی قوانین کی حمایت پہ آمادہ کیا دوسری طرف مفتی صاحب نے سرحد کی وزارت کی قیادت سنبھال کر معاشرے سے غیر اسلامی رسومات اور حرکات اور غیر اسلامی احکام کو کالعدم قرار دینے کی عملی جدوجہد کی چنانچہ مفتی صاحب نے اپنے دور وزارت میں شراب

جوا، رقص و سرود سود وغیرہ کی بندش کے قانونی احکامات جاری کئے، انہوں نے حتی الامکان یہ کوشش کی کہ لوگ اسلامی شعار کو اپنائیں۔ رمضان شریف کے مقدس مہینے کے احترام کے لئے آپ نے ہوٹل والوں پہ پابندی لگائی کہ جو بھی ہوٹل رمضان شریف میں کھلا ہوا پایا جائے گا اس کے مالک پہ بھاری جرمانہ کیا جائے گا۔ عورتوں کی بے پردی اور بے حیائی کے خاتمے کے لئے احکامات جاری کئے گئے۔ تعلیمی اداروں میں طلبا اور طالبات کے ناچ گانوں پہ پابندی لگائی گئی۔ غریب سے لیکر امیر تک اور چپراسی سے حاکم اعلیٰ تک کو پاکستانی تہذیب اور پاکستانی تمدن کے دائرے میں پابند رکھنے کے لئے مفتی صاحب نے سادہ لباس پہننے کے احکامات نافذ کئے۔ افسروں کے لئے حکم دیا گیا کہ وہ دفتری اوقات میں شلوار قمیض استعمال کریں تاکہ یورپی اثر سے دفتر بھی محفوظ رہیں۔

مفتی صاحب نے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے شاندار کوٹھی میں قیام کرنے سے سرکٹ ہاؤس میں رہنے کو ترجیح دی اور وزیر اعلیٰ کے عہدے کی تنخواہ لینے سے انکار کیا اور اس پر عمل بھی کیا انہوں نے اس عہدے پہ رہ کر قومی خزانہ سے ایک پائی تک بھی تنخواہ وصول نہیں کی۔

مفتی صاحب یکم مئی ۱۹۷۲ء سے ۱۵ فروری ۱۹۷۳ء تک سرحد کے وزیر اعلیٰ رہے اس ۹ ½ ماہ کے عرصے میں مفتی صاحب نے سرحد کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے پوری کوشش کی کہ سرحد کے لوگ سادگی اختیار کریں۔ اسلامی اصولوں کو اپنائیں اور غیر اسلامی رسومات کو ترک کریں مفتی صاحب کے زمانہ حکومت میں سرحد کے سیکرٹریٹ میں سول حکام، وزراء، چیف سیکرٹری، سیکرٹری انتہائی تہذیب کا نمونہ بنے ہوئے تھے یہی حال صوبہ سرحد کے ہر ایک سرکاری افسر کا تھا سول حکام نے مغربی جامے اتار پھینکے تھے اور سب کے سب ایشیائی تہذیب کا مکمل نمونہ بنے ہوئے تھے۔

سردار عنایت اللہ خان گنڈاپور

آپ صوبہ سرحد کے مشہور سیاستدان سردار اسد جان کے بیٹے ہیں ۲۷ اگست ۱۹۱۹ء کو آپ ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان کی تحصیل کلاچی میں پیدا ہوئے۔ آپنے ابتدائی تعلیم کلاچی کے پرائمری
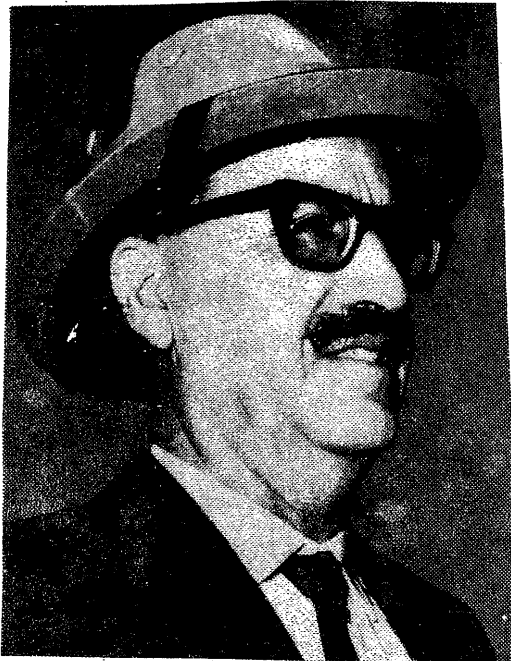
سکول میں حاصل کی پرائمری پاس کرنے کے بعد کلاچی کے گورنمنٹ ہائی سکول میں داخل ہوئے جہاں سے آپنے ۱۹۳۶ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا میٹرک کرنیکے بعد آپ گورنمنٹ کالج ڈیرہ اسماعیل خان میں داخل ہوئے جہاں سے آپ نے ۱۹۴۱ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا بی اے کرنیکے بعد آپنے کراچی میں ایل ایل بی کیلئے داخلہ لیا۔ مگر بعض حالات کی بنا پر ایل ایل بی

کی تکمیل نہ کر سکے۔

آپکے والد سردار اسد جان ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان کے بہت بڑے لینڈ لارڈ تھے۔ باوجود ایک بڑے زمیندار ہونے کے انہوں نے زندگی بھر سوشل نظریات کے پرچار کا کام کیا ان کا شمار سرحد میں سوشل مساوات کے داعیوں میں سے تھا آپ نے سرحد اسمبلی کے ممبر ہونے کی حیثیت سے بھی ہمیشہ یہی کوشش کی کہ سرحد میں سوشل مساوات پر مبنی نظام رائج ہو تاکہ غربت اور افلاس کا خاتمہ ہو سکے۔ ۱۹۴۸ء میں آپ کو سرحد کی طرف سے پاکستان کی دستور یہ کا ممبر منتخب کیا گیا گورنر جنرل غلام محمد نے جب دستور ساز اسمبلی کو معطل کیا تو اس کے بعد آپ نے پاکستان کی سیاست میں حصّہ نہیں لیا کیونکہ وہ اس قسم کی سیاست میں حصّہ نہیں لینا چاہتے تھے جس کی بنیاد محض برسر اقتدار طبقے کی دلی منشاء کے مطابق ہو۔

سردار عنایت اللہ خان گنڈاپور نے سیاست کا درس اپنے سیاستدان والد سے حاصل کیا آپکے والد نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سردار عنایت اللہ بھی صاف ستھری سیاست پر یقین رکھتے ہیں ان کا نظریہ یہ ہے کہ کسی سیاستدان کی سیاست کا مطمع نظر یہ ہونا چاہیئے۔ کہ اس کی سیاست سے ملک اور عوام کو کیا فائدہ پہنچ رہا ہے اس میدان میں سردار عنایت اللہ گنڈاپور کا نظریہ ہے کہ وہ سیاست دان صحیح معنوں میں سیاست دان کہلانے کا مستحق نہیں ہے جس کی سیاست کا دارومدار محض ذاتی اقتدار حاصل کر کے ذاتی مفادات حاصل کرنا ہو۔

سردار عنایت اللہ گنڈاپور نے عملی سیاست میں ۱۹۵۴ء میں حصہ لیا جب کلاچی کے عوام کے اصرار پر انہوں نے اسمبلی کے امیدوار کی حیثیت سے آزاد امیدوار کی حیثیت سے الیکشن میں حصہ لیا۔ اگرچہ اس انتخاب میں آپ ناکام ہو گئے۔ تھے مگر انہیں اس الیکشن سے یہ احساس ہو گیا کہ انتخابات میں کامیابی کا دارومدار موجودہ سیاست میں کن باتوں پر منحصر ہے

اس الیکشن کے نشیب فراز اور دھاندلیوں کو مدنظر رکھ آپ بھی عملی سیاست سے بددل ہو گئے تھے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جب ملکی سیاست میں کچھ صحیح سیاسی فضا پیدا ہوتے دیکھی تو آپنے کلاچی اور ڈیرہ کے حلقے سے سرحد اسمبلی کے امیدوار کی حیثیت سے آزاد امیدوار کی حیثیت سے حصہ لیا اور کامیاب ہوئے۔

سرحد میں جب نیپ اور جمعیت کی وزارت بنی تو آپ کو اس کابینہ میں وزیر مال لیا گیا۔ نیپ اور جمعیت کی وزارت نے جب مرکز سے اختلافات کی بنیاد پہ استعفیٰ دے دیا تو آپ نے نیپ اور جمعیت سے اس معاملے میں اختلاف کی بنیاد پہ استعفیٰ نہ دیا کیونکہ آپ کا موقف یہ تھا کہ مرکز سے اختلاف سے سرحد کی تعمیر کو نقصان پہنچے گا۔

چنانچہ آپ بدستور اپنے عہدے پر کام کرتے رہے۔ نیپ اور جمعیت کی وزارت کے مستعفی ہونے کے باوجود آپکے استعفیٰ نہ دینے کی ایک دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ سرحد اسمبلی میں متحدہ محاذ گروپ میں شامل تھے متحدہ محاذ کے لیڈر خان محمد اسلم خان خٹک تھے خٹک صاحب گورنر بن چکے تھے انکے گورنر بنتے ہی مفتی صاحب کی کابینہ نے احتجاجاً استعفیٰ دیا تھا چونکہ متحدہ محاذ کے قائد گورنر بن چکے تھے۔ اس لئے سردار عنایت اللہ خان گنڈاپور اپنے لیڈر کے ایماء سے مستعفی نہ ہوئے۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ مفتی صاحب نے اپنی کابینہ کا استعفیٰ پیش کرتے وقت آپ سے مشورہ بھی نہ لیا اور نہ ہی انہیں مشورے میں شامل کیا گیا۔

متحدہ محاذ کے قائد جب سرحد کے گورنر بن گئے تو محاذ نے مشترکہ طور پہ آپ کو پارٹی لیڈر منتخب کیا۔ پارٹی لیڈر منتخب ہونے کے بعد گورنر سرحد نے آپ کو دعوت دی کہ اپنی کابینہ کے ناموں کی فہرست پیش کریں۔ ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو آپ نے اپنی کابینہ کے وزیروں کی فہرست گورنر سرحد کو پیش کی۔ چنانچہ آپکی قیادت میں سرحد میں متحدہ محاذ کی وزارت قائم ہوئی جس میں آپ وزیر اعلیٰ مقرر کئے گئے۔

اسمبلی کے ممبر ہونے کی حیثیت سے آپ نے پارٹی مفاد سے زیادہ ملکی اور قومی مفاد کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔

نیپ اور جمعیت کی وزارت کے دوران نیپ کی طرف سے نجی املاک بغیر معاوضہ دیئے گورنمنٹ کی تحویل میں لینے کا بل جب سرحد اسمبلی میں پیش ہونے لگا تو باوجود اس کے کہ آپ نیپ اور جمعیت کی کابینہ میں شامل تھے۔ آپ نے اصولی طور پہ نیپ سے مخالفت کی اور اس بات پہ زور دیا کہ صنعت کاروں کی اس طرح حوصلہ شکنی ہوگی اس لئے یہ بل نہ پیش کیا جائے۔ آپ نے پارٹی میٹنگ میں نیپ اور جمعیت کے ممبروں سے کہا کہ ہمیں چاہیئے کہ صنعت کاروں کی حوصلہ افزائی کریں تاکہ وہ اپنا سرمایہ صنعتوں میں لگائیں تاکہ ملکی مصنوعات میں ترقی ہو اور بے روزگاری کا خاتمہ ہو سکے۔ چنانچہ آپ کے اس موقف کی بنا پہ جمعیت اور نیپ کی طرف سے اسمبلی میں وہ بل پیش نہ ہو سکا۔

آپکے مشغلوں میں شکار، نیزہ بازی، والی بال، ٹینس اور گھوڑوں کا شکار کھیلنا ہے۔

آپ انتہائی حلیم الطبع ملنسار اور پروقار شخصیت کے مالک ہیں۔ اسلامی اصولوں پر سختی سے کاربند ہیں آپ امریکہ، برطانیہ، افغانستان، ایران، عراق، کویت اور دوسرے مشرق وسطیٰ کے ممالک کی سیر کر چکے ہیں۔ پانچ بار حج کے فرض کی ادائیگی کا بھی آپ کو شرف حاصل ہو چکا ہے۔

وزیر مال کی حیثیت سے آپ نے سرحد کے کسانوں اور زمینداروں کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کی۔ وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے آپ نے صوبہ سرحد کے مفاد کو ہمیشہ عزیز رکھا۔ آپ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ مصائب میں مبتلا ہر سرحدی فرد کی داد رسی کی جائے یہی وجہ ہے کہ ان کے دفتر میں ہر فرد بلا کسی روک ٹوک آتا رہا اور ان کے دفتر سے جاتے وقت ہشاش بشاش دکھائی دیتا رہا۔ انھوں نے وزیر مال کی حیثیت سے یا وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے سرحدی عوام کو خوشحال بنانے

کی کوشش کی اور ہر ایک فرد کو پیش آنے والی مشکل سے اسے نجات دلانے کی کوشش کی۔

سرحدی عوام کی خدمت کرنے کے سلسلے میں انہوں نے بعض سیاستدانوں کی طرح کبھی بھی کسی مخصوص سیاسی پارٹی کے افراد کے مفاد کو مدنظر نہیں رکھا۔ بلکہ انہوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو اس معاملے میں غیر جانبدار رکھا۔

بہترین سیاستدان کی خاص خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ انتہائی منکسر المزاج اور عوام کے ہر طبقے کا خاص نباض ہوتا ہے۔ جب اس قسم کا سیاستدان برسر اقتدار آتا ہے تو انتظامی لحاظ سے وہ ہمیشہ کامیاب رہتا ہے۔ یہ خوبی سردار عنایت اللہ خان گنڈاپور میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ ان کے دور اقتدار میں کئی جلوس نکلے۔ جلسے ہوئے انہیں برا بھلا کہا گیا۔ مگر انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے عوام کا سامنا کیا۔ یہی بات ان کی انتظامی کامیابی کا سب سے اہم باعث رہی۔ آپ کا نظریہ یہ ہے کہ عوام ہی ہر فرد کو جوش و خروش اور نعروں کی گونج میں سیاست کے چاند پر پہنچا کر اسے اقتدار کا مالک بناتے ہیں۔ اس لئے جب کوئی فرد عوامی طاقت سے سیاستدان بن کر ابھرے اور اقتدار کی کرسی پر جلوہ افروز ہو تو پھر اگر کسی معاملے میں عوام کسی وقت اس سے اختلاف رکھتے ہوئے اس کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے ہنگامہ آرائی کریں تو اسے برہم ہو کر عوام کو کچلنے کا حق نہیں ہے۔

سردار عنایت اللہ خان گنڈاپور کی وزارت کے دوران تمام صوبے میں امن وسکون رہا۔ اس وزارت سے پہلے صوبے میں عوامی زندگی میں افراتفری پیدا ہو گئی تھی۔ نیپ اور جمعیت کے وزراء کو کام کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اسلحہ کے لائسنس کے حصول کے لئے گاؤں کے لوگوں کا سیکرٹریٹ میں جمگھٹا لگا رہتا تھا اندازہ یہ ہے کہ نیپ اور جمعیت کی وزارت کے دوران اسلحہ کے جتنے لائسنس جاری ہوتے وہ سرحد کی تمام سابقہ

حکومتوں کے زمانے کے جاری شدہ اسلحہ کے لائسنسوں سے کئی گنا زیادہ تھے اسی اسلحہ نے سرحد میں بدامنی پھیلا دی تھی دن دھاڑے دیدہ دلیری کے ساتھ چوری اور ڈاکہ زنی کی وارداتیں ہونے لگی تھیں سڑکوں پہ بسوں اور ویگنوں کو لوٹا جانے لگا اتنا خوف وہراس پیدا ہو گیا تھا کہ کاروباری اور تجارتی لوگ سرشام ہی اپنا کاروبار بند کر کے اپنے گھروں کی حفاظت کیلئے اپنے اپنے گھروں میں پہنچ جاتے تھے اغوا کی وارداتوں میں بھی اضافہ ہو چکا تھا جس کی وجہ سے ہر ایک آدمی اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگا تھا میرے اپنے گھر میں دن دھاڑے ڈاکہ ڈالا گیا چور تمام زیور اور قیمتی اثاثہ لوٹ کر لے گئے پھر جب ان چوروں کو پکڑا گیا تو انہوں نے سفارش کے ذریعے پولیس کی گرفت سے اپنے آپ کو بچا لیا۔ غرض یہ کہ انتہائی بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ شہری علاقے سرشام ہی ویران اور سنسان ہو جاتے تھے اس افراتفری اور بدامنی کے ساتھ ساتھ مرکز اور صوبے کے درمیان رسہ کشی شروع ہو گئی۔ مرکز یہ چاہتا تھا کہ صوبائی نظم ونسق مرکز کی ہدایات کے مطابق قائم رکھا جائے اور مرکزی احکامات کی تکمیل کی جائے۔ مگر صوبے کی وزارت اس بات پر مصر تھی کہ صوبائی حکومت اپنی مرضی کے مطابق جو چاہے کرے مرکز کی مداخلت ضروری نہیں۔ ان تمام واقعات کا اثر صوبے پہ لامحالہ یہ پڑا کہ نیپ اور جمعیت کی حکومت اور مرکزی حکومت کے درمیان انتہائی شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔ ان اختلافات نے آخر یہ رنگ جمایا کہ مرکز نے صوبہ سرحد کے گورنر کو معزول کر دیا اس معزولی کا یہ نتیجہ ہوا کہ نیپ اور جمعیت کی حکومت مستعفی ہو گئی متحدہ محاذ کے ایک رکن اسلم خٹک کو گورنر بنا دیا گیا۔

سردار عنایت اللہ خان گنڈاپور کی قیادت میں متحدہ محاذ کی حکومت قائم ہوئی جس کے قیام کے ساتھ ہی صوبے کی بدامنی اور افراتفری ختم ہو گئی۔

نیپ اور جمعیت کی وزارت کے دوران مفروروں نے جو عرصہ سے قبائلی علاقوں

میں روپوش تھے ضمانتوں پر رہائی حاصل کر کے شہری علاقوں میں داخل ہو چکے تھے اور تاجروں اور صنعت کاروں کو دھمکی آمیز خطوط بھجوا کر ہراساں کرنا شروع کر دیا تھا ان خطوط میں وہ کھلم کھلا چیلنج کرتے کہ اگر کثیر متعینہ رقم فلاں مقام پر نہ بھجوائی گئی تو تمہیں قتل کر دیا جائیگا یا تمہارے بچوں کو یا تمہیں اغوا کر دیا جائیگا۔

سردار عنایت اللہ خان گنڈا پور نے سرحد کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے سرحد اور سرحد کے عوام کی بہتری خوشحالی اور بہبودی کے لئے جو کارنامے سرانجام دیئے ان میں مندرجہ ذیل خاص کر قابل ذکر ہیں۔

ہزارہ میں حویلیاں کے مقام پر اور مردان میں درگئی کے مقام پر بناسپتی گھی کے کارخانے قائم کئے گئے تاکہ سرحد کے عوام کو گھی کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

ہزارہ میں سوڈا ایش پروجیکٹ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس پروجیکٹ کے قیام کی وجہ سے سرحد کو کافی مالی آمدنی ہونے کا امکان پیدا ہوا۔

سوات میں سیدو شریف کے مقام پر اور ڈیرہ اسمٰعیل خان میں سمال انڈسٹریز سٹیٹس کا قیام عمل میں لایا گیا کوہاٹ میں مزری سنٹر اور زیارت کا کا صاحب میں عورتوں کے لئے دستکاری کے سنٹر قائم کئے گئے تاکہ سرحد کی گھریلو منوعات کو ترقی دی جا سکے۔

صوبہ سرحد کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے کے لئے ڈیرہ اسمٰعیل خان میں گومل یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا گیا ۷۴-۱۹۷۳ء کے دوران صوبے میں بارہ سو نئے پرائمری سکول اور چھ کمپری ہنسو سکول قائم کئے گئے تعلیمی وظائف میں اضافہ کیا گیا اور مستحق اور قابل طلباء کی حتی الامکان حوصلہ افزائی کی گئی۔

۴۵۱ نئے پرائمری سکولوں کی تعمیر کے لئے ۷۴-۱۹۷۳ء میں ۴۴.۶۴ لاکھ روپیہ دیا گیا ہری پور اور ڈیرہ اسمٰعیل خان میں دو پولی ٹیکنک اداروں کے قیام کی منظوری

دی گئی۔ پشاور کے پولی ٹیکنک کالج میں توسیع کے احکامات جاری کئے گئے ان رقوم کے علاوہ ۷۴-۱۹۷۳ء میں ۵۲.۵۵ لاکھ روپیہ مختلف تعلیمی سکیموں کے لئے اور تعلیمی اداروں کی عمارتوں کے لئے خرچ کیا گیا۔

خیبر میڈیکل کالج میں ۱۳.۴۰ لاکھ روپے کے خرچ سے مزید کمرے تیار کرائے گئے تاکہ زیادہ سے زیادہ طلباء میڈیکل تعلیم حاصل کر سکیں۔ کالج کی لیبارٹریز میں وسعت کی گئی اور عملی سائنس کے سامان کی خرید کے لئے ۹.۵۵ لاکھ روپے کی رقم مہیا کی گئی۔ ۲.۵۰ لاکھ روپے سائنسی کتب کی خرید کے لئے، ۴.۰۳ لاکھ روپے فرنیچر کے لئے مہیا کئے گئے۔ ان اخراجات کے علاوہ ۱۴.۰۲۲ لاکھ روپے کالج کے مختلف شعبوں کی وسعت کے لئے مہیا کئے گئے۔ ان شعبوں میں کالج کا اناٹومی بلاک بایوکیمسٹری بلاک اور کولڈ سٹوریج شامل ہیں۔

خیبر ٹیکنیکل ہسپتال کی عمارت کے لئے مزید ۲.۶۳ لاکھ روپے کی رقم کی منظوری دی گئی پشاور میں ۱۱.۵۰ لاکھ روپے کی رقم نیوکلیر میڈیسن اور ریڈیو تھراپی سنٹر کے لئے منظور کی گئی یہ سنٹر پاکستان اٹامک انرجی کے تعاون سے قائم ہو رہا ہے جس پہ مجموعی خرچ کا تخمینہ ۴۸ لاکھ روپے ہے۔

چشمہ رائٹ بنک کینال کے لئے سرحد ڈیویلپمنٹ ورکنگ پارٹی نے ۱۰۰ لاکھ روپے کے خرچ کے تخمینہ کی منظوری دیکر سنٹرل ڈویلپمنٹ ورکنگ پارٹی سے آخری منظوری حاصل کرنے کی درخواست کی۔

پہاڑپور ہائی لیول لنک کینال پروجیکٹ کے لئے ۱۳۲.۸۹ لاکھ روپے منظور کئے گئے۔ اس رقم میں سے ۵۰ لاکھ روپیہ صرف لنک کینال کی تعمیر کے لئے منظور کیا گیا۔ گومل زام کے منصوبے کے لئے ۸ لاکھ روپے کی منظوری دی گئی۔ نپکالی خیل آبپاشی سکیم کے لئے ۱۰.۷۰ لاکھ روپے کی رقم منظور کی گئی اس سکیم پہ کل خرچ کا تخمینہ

۵۰ لاکھ روپیہ ہے اس سکیم کی تکمیل کے بعد ۹۰۰ ایکڑ بارانی زمین اور ۲۵۰۰ ایکڑ نہری زمین کی سیرابی سے پیداوار میں کافی اضافہ ہوگا۔

پاور سیکٹر کے سلسلے میں ڈیرہ اسمٰعیل خان میں کورٹ اڈو لائن اور مردان کے راستے کے وی لائن تربیلہ سے پشاور تک سکیموں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی گئی

زراعت کے میدان میں ۷۴-۱۹۷۳ء میں ۶۱۰۰۰ ٹن کھاد سرحد کے کاشتکاروں کو مہیا کی گئی جس پر مجموعی خرچ ۳۲۲.۵۰ لاکھ روپیہ خرچ آیا۔

پودوں اور پھلوں کو کیڑے مکوڑوں سے نجات دلانے کے لئے مختلف بہترین سکیموں کو عمل میں لایا گیا ان احتیاطی تدابیروں اور دواؤں پر ۷۴-۱۹۷۳ء میں صرف تقریباً ۳ لاکھ روپیہ خرچ کیا گیا۔ سرحد کی قابل کاشت زمینوں کی ترقی کے لئے تقریباً ۴۰۰ ٹیوب ویل لگائے گئے۔ سیلاب سے تباہ ہونے والی زمینوں کو سیلاب کے پانی سے محفوظ رکھنے کے لئے سرحد کے مختلف علاقوں میں ۱۲۰ بند تعمیر کرائے گئے۔ اس کوشش کا خاطر خواہ نتیجہ یہ نکلا کہ تقریباً ۲۷۱۰ ایکڑ زمین قابل کاشت بنائی گئی۔

محکمہ جنگلات کی حفاظت اور وسعت کے لئے کافی احتیاطی تدابیر اختیار کی گئیں۔ ری فارسٹ سکیم کے تحت تقریباً ۱.۰۳۸ لاکھ ایکڑ کا رقبہ گھنے سایہ دار اور کارآمد درختوں کا مرکز بنایا گیا۔

سرکاری ملازمین جو عرصے سے رہائشی مشکلات میں مبتلا تھے ان کی رہائشی مشکلات کو دور کرنے کے لئے جمرود روڈ پر زمین کا وسیع رقبہ خرید کر اس پر کالونی بنانے کا حکم دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ پشاور شہر کی بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر جمرود روڈ پر زمین حاصل کر کے ایک سٹیلائٹ ٹاؤن کی تعمیر کے لئے حکم دیا گیا۔

سوات کو ضلعی حیثیت دینے کے بعد ضلعی ہیڈ کوارٹر کی عمارات کی کمی تھی اس کمی

کو پورا کرنے کے لئے ڈویژنل اور ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر کی عمارات کی تعمیر کے لئے سکیم تیار کی گئی۔

پشاور میں صوبائی حکومت کے مختلف دفاتر کی تعمیر کے احکامات جاری کئے گئے۔

جمرود روڈ پہ سرحد کے لئے شاندار اسمبلی ہال کی تعمیر کے لئے جگہ حاصل کی گئی جس کی تعمیر کے لئے مرکز سے منظوری کی درخواست کی گئی۔

مردان اور پشاور میں عوام کو پینے کے پانی کی مشکلات کو دور کرنے کی غرض سے واٹر سپلائی سکیموں پہ عملی کام کیا گیا جس سے ان دونوں شہروں کے مکینوں کو عرصے سے پینے کے پانی کی جو مشکلات درپیش تھیں ان کا خاتمہ ہوا۔

ٹرانسپورٹ اور مواصلات کے سلسلے میں گنڈاپور وزارت کے عہد میں کاغان کی وادی میں بالاکوٹ سے کاغان تک پختہ سڑک تیار کرائی گئی۔ تاکہ سیاحوں کو آمد و رفت میں سہولت ہو اور اس علاقے کے لوگ بھی سفری سہولتوں سے مستفید ہوں۔ اگرچہ کاغان روڈ پہ مارچ ۱۹۷۱ء سے کام کا آغاز ہوا تھا مگر کام کی رفتار یہ تھی کہ دو سال تک صرف ۱۰ میل تک سڑک تیار ہوئی تھی۔ گنڈاپور وزارت کے عہد میں اس سڑک کی تیاری کے لئے خصوصی توجہ دی گئی سڑک پہ کل ۲۷.۰۲ لاکھ روپے خرچ آئے ہیں۔

ہزارہ میں ایک دوسری سڑک تعمیر کی گئی۔ جو خانپور ٹیکسٹائل روڈ اور مقصود پورا روڈ کو ملاتی ہے۔ اس سڑک پہ بھی ۱۹۷۰ء سے کام شروع ہوا تھا مگر عدم توجہی کی بنا پہ یہ سڑک مسلسل پی ڈبلیو ڈی کا ذریعہ بنی ہوئی تھی۔ اس سڑک کی فوری تعمیر کا حکم دیا گیا۔ جس کے تحت یہ سڑک قلیل عرصے میں تیار ہو گئی۔ اس سڑک کی تعمیر سے اس علاقے کے لوگ آمد و رفت میں سہولت کے علاوہ تجارتی ترقی میں

بھی بھرپور حصہ لینے لگے ہیں۔

نوشہرہ میں دریائے کابل پر عرصے سے کشتیوں کا پل بنا ہوا تھا۔ دریا جب اپنی موج میں آتا تھا تو کشتیاں بہا کر لے جاتا تھا۔ اس طرح ہر سال کئی جانیں تلف ہو جاتی تھیں۔ رتانگے موٹر اور لاریاں اس کشتی کے پل سے بڑی دقت سے گذرتے تھے۔ گنڈاپور وزارت نے نوشہرہ کے عوام کے اس دیرینہ مطالبے کو پورا کرنے کے لئے پختہ پل کی تعمیر پر کام شروع کرایا جس کی تعمیر کے لئے بھاری رقم کی منظوری بھی دی گئی۔

ڈیرہ اسمٰعیل خان سے چشمہ تک سڑک کی تعمیر کے احکامات جاری کئے یہ پہلا منصوبہ ہے جس سے ایک پختہ پل کے ذریعے ڈیرہ اسمٰعیل خان کو پنجاب سے ملایا گیا ہے۔ عرصے سے مردان صوابی روڈ کی ناگفتہ بہ حالت تھی سڑک کی بدحالی کی وجہ سے موٹر لاریوں اور بسوں کے ذریعے دس میل کا فاصلہ بمشکل ایک گھنٹے میں طے ہوتا تھا علاقے کے عوامی مطالبے کے پیش نظر اور سفری سہولیات کو بہتر بنانے کے لئے اس سڑک کے پختہ کرنے کے احکامات جاری کر کے اس پر عمل درآمد کرایا گیا۔

غرض یہ کہ صوبے کے سب اضلاع میں سڑکوں کی حالت کو بہتر بنانے اور عوام کی سفری مشکلات کو دور کرنے کے لئے اس وزارت کی توجہ اور دلچسپی نے سرحد کے مواصلاتی اور ٹرانسپورٹ کے نظام کو بہتر بنانے میں کافی جدوجہد کی سوات چترال اور دیر میں کچی سڑکیں تھیں کیونکہ عرصے تک یہ ریاستیں شخصی حکمرانی کے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھیں جہاں عوام کے ساتھ مال مویشیوں اور جانوروں کی طرح سلوک کیا جاتا تھا۔ اس لئے ان علاقوں کے لوگ جہاں تعلیمی لحاظ سے پسماندہ تھے وہاں طبی اور سفری سہولتوں سے بھی قطعاً محروم تھے۔ ان ریاستوں سے شخصی حکمرانی کے خاتمے کے بعد انہیں ضلعی حیثیت گنڈاپور وزارت سے بہت

پہلے دی جا چکی تھی مگر ان اضلاع میں ترقیاتی پروگراموں کا آغاز حقیقت میں گنڈاپور وزارت کے دوران میں ہوا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کی یہ خواہش تھی کہ ملک کے پسماندہ علاقے ملک کے دوسرے حصوں کی طرح ترقی کریں۔ چنانچہ وزیر اعظم کی ہدایت کے مطابق گنڈاپور وزارت نے چترال دیر اور سوات کے ترقیاتی پروگراموں کی طرف خصوصی توجہ دی جس کی بنا پر ان اضلاع میں سکول اور ہسپتال بنے۔ ڈسپنسریاں قائم ہوئیں ان علاقوں میں عوام کی سفری دشواریوں کو دور کرنے کے لئے سڑکوں کے جال بچھائے گئے، چترال میں لواری ٹاپ سرنگ کی تعمیر کی ابتدا کر کے ایک شاندار کارنامہ سرانجام دیا گیا۔

گنڈاپور وزارت کے دوران سرحد اسمبلی کی برسر اقتدار پارٹی اور حزب اختلاف نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی قرارداد پاس کر کے مرکزی حکومت سے پرزور سفارش کی کہ اس فرقے کو پاکستان کا غیر مسلم اقلیتی فرقہ قرار دیا جائے۔

۱۷ فروری ۱۹۷۵ء تک آپ سرحد کے وزیر اعلیٰ رہے۔

سرحد اسمبلی کے سپیکر

ملک خدا بخش خاں

آپ اسلامی سیاست کے علمبردار تھے۔ آپ نے استعمارِ غیر کے خلاف نعرۂ جہاد بلند کیا آپ استعمارِ غیر کو بہر طور ختم کرنا چاہتے تھے اس لئے ہر اس جماعت سے تعاون کرتے رہے جو انگریز حاکم کے خلاف نبرد آزما ہوتی، ہندو کانگریس کو برسوں تک چندہ دیتے رہے، مسلم لیگ کی بھی مالی اعانت کرتے رہے، لیکن دونوں میں سے کسی میں بھی شامل نہیں ہوئے۔ تحریک خلافت ان کے سیاسی افکار کے مطابق تھی۔ اس میں بڑے جوش سے حصہ لیا۔ اور تین سال تک قید بھی رہے۔ اسلامی سیاست کا ہمیشہ پرچار کیا۔ اور اسی سیاست کو اپنی قوم میں رائج کرنے کی کوشش فرماتے رہے۔ اسلامی کردار کی عظمت ان کے قلب و نظر پر منقش ہو چکی تھی، ان کا نعرہ آخر دم تک اسلامی تفوق کا نعرہ تھا۔

ملک صاحب ڈیرہ اسمٰعیل خان کے ایک متوسط گھرانے میں ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں میٹرک، ۱۹۰۷ء میں ایف اے اور ۱۹۰۹ء میں بی اے کے امتحان پاس کئے اور ہر امتحان میں یونیورسٹی بھر میں اوّل آئے۔ دو سال بعد ایل ایل بی ہوئے۔ اسی سال وکالت کا کام شروع کیا۔ ملتان، بھکر، بنوں تین مقامات پر وکالت کا سلسلہ چلایا۔ بالآخر ڈیرہ اسمٰعیل خان آ گئے۔ تحریک خلافت میں حصہ لیا۔ تین سال قید رہے۔ ان کے قید کے ساتھی کئی داستانیں بیان کرتے ہیں جو ان کی اخلاقی جرأت کے ثبوت ہیں۔ قید کے دوران قرآن حکیم کا مطالعہ اس شوق اور انہماک سے کیا کہ جلد ہی قرآنی بصیرت کا مقام پا لیا۔

پانچ برس سرکاری وکیل رہنے کے بعد ۱۹۳۲ء میں سرحد لیجسلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے

آزاد پارٹی کے لیڈر بنے اور شریعت بل پاس کرانے کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ ۱۹۳۷ء میں سرحد اسمبلی کے سپیکر چنے گئے۔ اور کئی سال تک اس عہدے پر فائز رہے قانونی قابلیت کی بنا پر ایڈووکیٹ جنرل بنائے گئے۔ اس کے بعد ایڈیشنل جوڈیشنل کمشنر ہوئے۔ وائسرائے کی نیشنل ڈیفنس کونسل کے رکن بنے اور اپنی اصابت رائے کے سہارے ملک گیر شہرت حاصل کی بلوچستان ریفارم کمیشن کے ممبر بنائے گئے اور اپنی آئینی قابلیت کا لوہا منوایا۔ آخر میں زکوٰۃ کمیٹی کے صدر ہوتے اور اپنی قرآنی بصیرت کی دھاک بٹھادی جنوری ۱۹۵۱ء میں وفات پائی۔

یہ پورے چالیس برس کی کارگزاری کا مختصر خاکہ تھا اس عرصہ میں ملک صاحب نے ملت کی کشت ویران کو اپنے خون پسینے سے سیراب کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ملک کی آزادی دلانے کی خاطر آپ نے تین سال جیل میں گزارے ترکی میں خلافت کے خاتمے اور جمہوریت کی بحالی کے بعد جب خلافت تحریک ختم ہوگئی تو مسلمان پھر ایک بار سو گئے لیکن یہ دردمند رہنما جاگتا رہا اور سوتوں کو جگانے کی کوشش کرتا رہا۔

چنانچہ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۲ء تک کے دس سال ملک صاحب نے اصلاح احوال میں گزارے اس ضمن میں انہوں نے کیا کچھ کیا اس کی داستان طویل ہے مختصر یہ کہ تعلیمی مدارس کی روش بدلنے کی کوشش کی، سکول کے اساتذہ کے کردار پر خاص توجہ دلائی، طلباء کی ذہنی سطح بلند رکھنے پر زور دیا۔ تلاش و تحقیق کا اسلامی مسلک پھر سے سامنے لائے۔

اس کے علاوہ سماجی انجمنوں میں تندہی سے حصہ لیا اور اپنی فکر و نظر سے ان کی رہنمائی کی۔ علماء کو ان کے منصب سے کماحقہ آگاہ کیا۔ اور انہیں سماجی میدان میں اصلاحات کا علم بلند کرنے پر آمادہ کیا۔ دین کے سربراہوں نے پہلی بار دنیوی زندگی کو بھی دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی پھر ادبی انجمنوں کی سرپرستی فرمائی اور ان کے سامنے ادب کے عظیم مقاصد کی وضاحت کی۔ انہیں ان مقاصد کے حصول کی طرف قدم بڑھانے کی ہمت دلائی۔ غرض ہر منزل میں اسلامی شعور پیدا کرنے اور اسے عملی صورت دینے کی حتی الامکان کوشش کی۔ گویا یہ دور فکر و نظر کی تطہیر کا دور تھا پاکئی وطن کے اس حامی نے پوری قوم کے باطن کو سنوارنے

کا عزم کر لیا وَیُزَکِّیۡھِمۡ وَیُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ کے مقام پر پڑاؤ ڈالے رہا۔

۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۵ء تک کے چار سال عملی سیاست میں گزرے۔ سرحد کونسل کی رکنیت آزاد پارٹی کی قیادت، شریعت بل کی منظوری بڑے ہنگامہ پرور ایام تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ ایک شخص پورے صوبہ سرحد پر رومی کلاسس کی مانند چھا گیا ہے۔ اسی کے ارشادات اخباروں میں آتے، اسی کے افکار زیر بحث لائے جاتے اسی کی قیادت کے چرچے ہر کہ ومہ کی زبان پر ہوتے۔ سچ پوچھئے تو شاہ ولی اللہ کی تحریک انقلاب کے بعد یہ پہلی آئینی کوشش تھی جس کے ذریعہ اسلامی نظریہ حیات کو عملی شکل میں لانے کا اقدام کیا گیا تھا ابو الکلام آزاد کے مجلے "الہلال"، "البلاغ" اسلامی سیاست کی نظری صورت تک ہی محدود رہے تھے ان کا اپنا مسلک ان کی تحریروں سے مختلف تھا مولانا محمد علی جوہر کا "کامریڈ" اسلامی لبادے میں ہندوستانی سیاست کا داعی اور مبلغ رہا۔ اس کے بعد مولانا ظفر علی خان نے ملکی سیاست کو اسلامی جذبات میں سمو کر پیش کیا، اسلامی سیاست کا میدان خالی رہا۔ ملک خدا بخش مرحوم نے شریعت بل کے اقدام سے پوری قوم کے سامنے عمل کی راہیں کھول دیں۔ ان کا کہنا تھا آج ہم سماجی زندگی کو اسلامی سانچے میں ڈال رہے ہیں۔ انشاء اللہ کل ہم اپنی پوری زندگی کو شریعت اسلامی کی سرپرستی میں دے دیں گے چنانچہ اس تحریک کا اثر یہ ہوا کہ ملک صاحب پورے خطے کی نگاہوں امیدوں اور ولولوں کا مرکز بن گئے۔ ذرا غور تو کیجیے کہ مقابلہ کس کس کے درمیان تھا۔ ایک طرف مسلمان عوام کا یہ ہیرو تھا دوسری طرف انگریزی راج کے پیدا کردہ نسلی گروہ کے سربراہ تھے، گویا اسلامی حقائق رواجی نظریات سے ایک بار پھر ٹکرا رہے تھے۔

رواج کے مضبوط بندھن، ملکیت جائداد کی لذت، ہم جنسوں پر غلبے کی ہوس انگریزی اقتدار کا سہارا یہ سب اسلامی نظام فکر سے نبرد آزما تھے مگر ملک صاحب اپنی مومنانہ فراست اور حق اندیش سیاست کے زور سے سب پر غالب آتے، شریعت بل پاس ہوا مسلمانوں

کو اپنی قومی خودی کا بھرپور احساس ہوا اور اپنے سفرِ آزادی میں انہوں نے پہلا سنگ میل نصب کیا۔ سوال یہ کہ اتنی بڑی کامیابی انہیں کیسے حاصل ہوئی۔ جواب صرف اتنا ہے کہ ملک صاحب نے سنعدی اور اعتدال پسندی کے دو زریں اصولوں کو اپنایا اور وہ کامیاب ہو گئے۔ غور سے دیکھا جاتے تو اس دور میں ملک صاحب کے ذمہ ایک عجیب منصب تھا۔ وہ استعمار غیر کے قلعے میں شگاف بھی ڈال رہے تھے اور دوسری طرف شگاف ڈالنے والی قوتوں کو آگے بھی نہیں بڑھنے دیتے تھے۔ وہ آزادیِ قوم اور سربلندیِ ملت کا نعرہ بھی لگاتے تھے۔ اور دوسرے نعرے لگانے والوں کی روش سے بیزار بھی تھے۔ غرض وہ چپ وراست دونوں بازوؤں کی سیاست سے مطمئن نہیں تھے۔ انہیں اپنی قوم کے لئے ایک الگ راستہ پسند آیا، اور وہ تھا اسلامی ریاست کا راستہ۔ چنانچہ وہ قوم کو اسی راستے پر لے جا کر منزلِ مقصود تک پہنچانا چاہتے تھے۔ اس دور میں کانگریس کی لادینی سیاست زوروں پر تھی۔ وہ بڑے سیاسی کارکنوں کو اپنی لپیٹ میں لئے جاتی تھی۔ اسلامی سیاست طاقِ فراموشی کی زینت بنادی گئی تھی کوئی آواز ادھر سے اٹھتی بھی تھی تو نعرہ بازی کی حد سے آگے نہیں بڑھتی تھی۔ ملک صاحب کے اسلامی نظریہ کو یہ صورت حال سخت ناگوار تھی۔ کانگریس ہی کے دورِ اقتدار میں وہ کانگریس کے قول و عمل کے سب سے بڑے نقاد بن گئے تھے اور پھر اپنی سرکاری پوزیشن بھی برقرار رکھی۔ دراصل یہ بہت ہی نازک مقام تھا۔ جہاں عام آدمی تو کیا خواص کے لئے بھی دیر تک رہنا مشکل تھا۔ لیکن ملک صاحب کی ذہانت اور اعتدال پسندی نے انہیں اس مقام پر سالہا سال تک قائم رہنے دیا۔

اسی طرح دائیں بازو پر مسلم لیگ اپنے طبقاتی میلانات کے ساتھ مسلمان قوم کی قیادت کا علم بلند کر چکی تھی۔ وہ جاگیرداری نظام سے وابستہ تھی۔ انگریز حاکم کا دامن تھامے تھی، عوام کو اپنے ساتھ لینا زیادہ ضروری نہیں سمجھتی تھی اور ملت کی تنظیم سے زیادہ ملت کی جذباتی زندگی کو ابھارنا چاہتی تھی۔ ملک صاحب ایک حقائق پسند اور عوام دوست رہنما تھے

ان کے لئے اس جماعت کے ساتھ قدم ملا کر چلنا دشوار تھا۔ لہٰذا انہوں نے اپنے لئے اسلامی سیاست ہی کو پسند کیا۔ ان کے نزدیک اسلامی سیاست کی بنیادی خصوصیت آزادی پسندی تھی۔ جہاں انہیں اس خصوصیت کی جھلک نظر آئی وہ ساتھ ہو گئے۔ کانگریس برطانوی استعمار سے ٹکراتی، وہ اس کا ساتھ دیتے۔ اس کے اندر ہندو نیشنلزم کے آثار دکھائی دیتے۔ تو وہ اس سے بیزاری کا اعلان کر دیتے۔ مسلم لیگ کے رہنما آزادی کی منزل کی طرف بڑھتے تو وہ خوش ہو جاتے اور ان کی اعانت پر کمربستہ ہو جاتے، وہ اپنے غیر عوامی مسلک کا مظاہرہ کرتے تو یہ بیزار ہو جاتے۔ یہ ممکن تھا کہ وہ مسلم لیگ کو ایک عوامی جماعت بنانے کی کوشش کرتے اور اسے مسلم مفاد کا امین بنا کر کانگریس کا ایک مؤثر مدمقابل بناتے۔ جیسا کہ بعد میں قائداعظم نے کیا لیکن جو لوگ اس وقت مسلم لیگ پر چھائے ہوئے تھے اور جس مسلک کے ساتھ وہ بڑھنا چاہتے تھے ان سے تعاون ایک خالص مسلم سیاست دان کے لئے مشکل تھا اور اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ ملک صاحب خود عوامی سطح سے اٹھے تھے۔ عوامی نظریے کے حامل تھے، عوامی فلاح و بہبود کے دل سے قائل تھے اور عوامی رہنما بننا چاہتے تھے۔

ملک صاحب کی اسلامی سیاست کا مقصد مسلمان کے اندر اسلامی روح پیدا کرنا تھا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے، مسلمان کا دل صحیح ہے، اگر ضرورت ہے تو اس کے ذہن کو اسلامی رنگ دینے کی ہے اور اس کے جذبات کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی۔ غالباً ان کا نظریہ یہ تھا کہ قوم جس چیز کو دیکھے مسلمان کی نگاہ سے دیکھے اور جس چیز کا مقام متعین کرے مسلمان ذہن سے متعین کرے۔ جذبات کی اس کے ہاں فراوانی ہے لیکن جذبات میں ضبط اور ڈسپلن نہیں ہے، اس کے جذبات کو ضبط کیش بنا دیا جائے تو وہ پتھر کو بھی موم کر سکتا ہے۔ اس ریت کے ٹیلوں پر گل و گلزار اُگا سکتا ہے، غرض جذبات اور ذہن کو اسلامی رنگ دینا ان کی سیاست کا سنگ بنیاد تھا

کم گوئی، اختصار پسندی، سادہ نفسی، خندہ روئی، تیز نگاہی، وسیع النظری یہ ہیں

وہ خصوصیات جو ملک صاحب کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھیں اور جنہیں وہ اسلامی کردار کی بنیادی صفات سمجھتے تھے، انہی صفات کو وہ قوم کے اندر بھی رائج کرنے کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔

ملک صاحب ایک عظیم پارلیمانی رہنما تھے۔ ان کی پارلیمانی زندگی دس بارہ سال سے زیادہ نہیں ان کے ہمعصروں نے پارلیمانی میدان میں زیادہ عرصہ گذارا تھا۔ لیکن ان سب پر سبقت انہی کو حاصل رہی ۱۹۳۲ء میں سرحد لیجسلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوتے ہی انہوں نے ایک آزاد پارٹی کی بنیاد ڈالی، خود اس پارٹی کے لیڈر چنے گئے۔ اور حزب اختلاف کی قیادت سنبھالی چار سال تک اس منصب پر فائز رہے اس عرصہ میں کئی معرکتہ الآرا تقریریں کیں کئی آئینی گتھیاں سلجھانے میں مدد دی، کئی بل پیش کئے اور انہیں کامیابی سے ایکٹ کی صورت دلوائی شریعت بل جس کا ذکر پہلے تفصیل سے آچکا ہے جو ان کی پارلیمانی مساعی کا ایک یادگار اور تاریخی کارنامہ ہے۔

آئینی اصلاحات کے بعد سرحد اسمبلی بنی۔ وہ اس کے ممتاز رکن چنے گئے، کانگرس اور مسلم لیگ دو حریفوں کی مانند اسمبلی میں داخل ہوتی تھیں۔ کانگریس کی تعداد زیادہ تھی لہٰذا وزارت اسی نے بنائی جب سپیکر کے انتخاب کا مسئلہ سامنے آیا تو دونوں پارٹیوں نے ملک صاحب پر اتفاق کیا۔ انہیں بھی ایک بلند پایہ قائم، غیر جانبدار سیاستدان نظر آتے۔ ظاہر ہے کہ یہ انتخاب ملک صاحب کی پارلیمانی عظمت کی ایک بیّن دلیل تھا۔ وہ اپنی سیاسی ذہانت کا سکّہ دونوں پارٹیوں کے دلوں میں بیٹھا چکے تھے لیکن یہ نیا منصب خود ان کے لئے ایک بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ تھا مگر صورت حال کے پیش نظر انہوں نے اس بوجھ کو خوشی سے اٹھالیا

سپیکر کی حیثیت سے ملک صاحب نے جس فراست، جرأت اور ذہانت کا ثبوت دیا وہ پارلیمانی تاریخ میں آب زر سے لکھا جاتے گا۔ دو متضاد نظریوں کی حامل پارٹیوں کے درمیان ہر قدم پر الجھاؤ اور تصادم کے امکانات ہوتے ہیں اس ایوان میں بھی

ایسی صورتیں کئی بار پیش آئیں۔ ایوان کا کام رک جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا مگر ملک صاحب ان الجھنوں کو بڑی ہوشمندی سے سلجھاتے رہے۔ اور اپنی غیر جانبدارانہ روش کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ دراصل یہ ملک صاحب کی وسعت علم و نظر ہی تھی کہ جس مسئلے پر اظہار خیال کرنے اٹھتے اس قدر دلائل و براہین پیش کرتے کہ فریقین ان کے نقطۂ نظر کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے انہیں دکھ اس بات کا تھا کہ فریقین کے طفلانہ اختلافات سے انگریزی حکومت ناجائز فائدہ اٹھائے گی اور پارلیمانی روش مضحکہ خیز بن جائے گی وہ اپنی کمزوریوں کو غیر کے سامنے لانا باعث ننگ سمجھتے تھے۔

غرض وہ انتہائی کوشش سے فریقین کو پابند ضبط کرتے رہے اور پارلیمانی امور مناسب ماحول میں طے ہوتے رہے۔ وہ لوگ جنہیں مرحوم کے ساتھ اس ایوان میں کام کرنے کا موقع ملا ہے اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ پارلیمانی آداب کا درس اگر اس خطہ میں کسی نے دیا تھا اور موثر طریق پر دیا تھا۔ تو وہ ملک خدابخش مرحوم نے دیا تھا۔ دراصل یہ کام ان کے لئے اس واسطے سہل ہو گیا تھا کہ وہ فطرتاً معقول پسند، کم گو، منصف مزاج اور جرأت کیش واقع ہوئے تھے۔ ان کی کامیابی کا ضامن خود ان کا کردار تھا۔ اگر یہ سوانحی خاکہ اس کا متحمل ہو سکتا تو ہم شواہد سے ثابت کر دیا جاتا کہ ملک صاحب مرحوم دنیا کے بلند پایہ سپیکروں کی صف اوّل سے تعلق رکھتے تھے۔ پارلیمانی تاریخ میں ان کا کردار ایک لازوال حیثیت رکھتا ہے۔

پارلیمانی حدود سے ملحق عدالت عالیہ کی فضا ہے۔ جو شخص پارلیمانی ذہنیت سے پورا پورا استفادہ کر لیتا ہے اور پارلیمانی آداب کا خوگر ہو جاتا ہے اس کے لئے عام سیاسی میدان میں کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ اس میدان کی عامیانہ ریل پیل اور دھکم دھکا کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے اب کوئی شائستہ ماحول ہونا چاہیئے جس میں وہ اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکے۔ عدالت عالیہ کی فضا اس کے لئے موزوں میدان ہوتی ہے۔ ملک صاحب مرحوم کی بھی یہی کیفیت تھی وہ پارلیمانی

حدود سے نکلے تو عدالت عالیہ کی فضا میں داخل ہوئے۔ ایڈووکیٹ جنرل کا عہدہ سنبھالا
کئی سال تک قانونی موشگافیاں کرتے رہے اور اپنی ذہانت کی داد پاتے رہے مختلف
وزارتوں سے سابقہ پڑا۔ مختلف مزاجوں نے تعاون طلب کیا۔ مختلف احوال کا سامنا
ہوا مگر یہ مرد حق اپنے مسلک پہ ڈٹا رہا حق گوئی اور بیباکی کی روایت کو قائم رکھا اور اپنی
روش سے ثابت کر دیا کہ مومن جہاں ہو جس حیثیت میں ہو وہ پہلے مومن ہی گا اور بعد میں کچھ اور۔
کانگریسی وزارت نے لاکھ چاہا کہ ملک صاحب اس کے مسلک کی نہیں تو اس کے مصالح
کی ضرور رعایت کریں مگر وہ اس پر راضی نہیں ہوئے مجرم اور تختہ دار کے درمیان اقتدار
نے حائل ہونا چاہا۔ ملک صاحب نے اپنی بصیرت سے راستہ صاف کر دیا۔

ملک صاحب ایڈیشنل جوڈیشنل کمشنر بنا دیئے گئے۔ جج کی حیثیت سے ان کی قابلیت
کے جوہر اور بھی کھلے انہوں نے ماتحت عدالتوں کے نشیب و فراز کو اچھی طرح دیکھا تھا
عام وکیلوں کی روش سے خوب واقف تھے مقدمہ بازی کے پیچ وخم ان پر واضح تھے عدالتی
عملے کے حسن وقبح سے آشنا تھے۔ ان کے لئے عدالتی نظام کی کوئی بات پوشیدہ نہ تھی لہذا
وہ جج کے بلند منصب کی ذمہ داریاں خوب سمجھتے تھے۔ جج عدالتی نظام کا واحد نگراں
ہوتا ہے۔ اس کی ایک ادنی سی لغزش پورے عدالتی نظام کو درہم برہم کر سکتی ہے۔ ملک
صاحب فرمایا کرتے۔ اعتیاط، اختصار، انہماک جج کے لئے یہ تین ایسے ہتھیار ہیں جو اس
کی ہر محاذ پر حفاظت کر سکتے ہیں۔ اور اگر ان کے ساتھ ساتھ اسے انسان دوستی کی صفت
بھی حاصل ہو جائے تو وہ عدلیہ خداوندی کا رکن بن جایا کرتا ہے

ملکی قانون اور انگریزی عدالتی نظام کے سائے میں کام کرنے کے باوجود ملک صاحب اپنے
اسلامی انداز نظر کو کبھی ترک نہ کر سکے۔ وہ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے کہ اسلامی سیرت
عدالتی کارروائی پر حاوی رہے اور عدالتی نظام کے لادینی عنصر کو ابھرنے نہ دیا جائے
ان کے نزدیک انصاف اپنی مکمل صورت میں جب ظاہر ہوتا ہے جب کہ جج ان کی

فطرت کا پورا پورا لحاظ رکھتا ہو، جب وہ خود اپنے آپ کو اس صورت حال میں ڈھال سکے جس کے اندر واردات رونما ہوئی ہے وہیں آکر کردہ واردات کی حقیقت جان سکتا ہے غرض عدالتی نظام کیسا بھی تھا ملک صاحب نے ہمیشہ اپنے اسلامی انداز نظر کو اس پر حاوی کرنے کی کوشش کی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے فیصلوں میں انسانی فکر کی گہرائی نمایاں طور سے دکھائی دیتی ہے اور ان فیصلوں میں اسلامی عدل جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔

ملک صاحب کی بلند پایہ شخصیت کے نیین اور میدان عمل بھی تھے۔ آپ وائسرائے کی نیشنل ڈیفنس کونسل کے رکن بنائے گئے یہ کونسل ملک بھر کے بیس نامور سیاستدانوں پر مشتمل تھی اور اس کا کام تھا عالمگیر جنگ دوم میں ملک کے حفاظتی امور پر غور کرنا تھے۔ اس جنگ میں پورے قومی کردار کی راہیں متعین کرنا تھے اور ان کی خاطر حکومت کے ہاتھ مضبوط کرنا، چنانچہ اس کونسل میں ملک صاحب نے بڑے انہماک سے حصہ لیا اور اپنی عمدہ تجاویز سے ملک و قوم کی خدمت کی، مگر انہوں نے اس کونسل میں شرکت کا مقصد اشارتاً یوں بیان کیا ہے۔ ایک دوست کو لکھتے ہیں "نہ خواہش تھی نہ کوشش اور نہ خیال تھا کہ یہ منزل طے کرنی پڑے گی۔ یہ چیز ایسے طریقے سے پیش آئی کہ باوجود انکار اور پیہم انکار کے اس سے بچ نہ سکے۔ ممکن ہے کہ کبھی مسلمانوں کے لئے کلمۂ خیر کہہ سکوں فریق مخالف مسلمانوں کو فوج میں سے دھکیل کر نکالنا چاہتا ہے شاید میری زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکلے جو مفید ثابت ہو۔

بلوچستان ریفارم کمیشن کی رکنیت بھی ایک اہم منصب تھا ملک صاحب ایسے قانون دان اور پارلیمانی امور کے ماہر ہی اس فریضے کو کما حقہ ادا کر سکتے تھے، چنانچہ آپ نے بڑی محنت سے ایک بسیط لائحہ عمل کا مسودہ تیار کیا۔ اس مسودے کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ کس کاوش اور دقت نظر سے مواد فراہم کیا گیا ہے اور پھر اس مواد پر کتنی بصیرت کے ساتھ کام ہوا ہے۔ یہ پورا کارنامہ بڑی حد تک ملک صاحب کی آئینی حیثیت صلاحیت کا مرہون منت ہے۔ یہاں پھر ایک بار مسلمان نظر حقیقت کو بے نقاب کرتی دکھائی

دیتی ہے اور مسلمان ذہن فکر کی نئی راہیں کھولتا نظر آتا ہے۔

زندگی کے آخری ایام میں جب وہ دستور ساز اسمبلی کے ممبر تھے ایک اور قومی فریضہ آپ کے سپرد ہوا تھا۔ قومی اصلاح و تعمیر کے سلسلے میں حکومت پاکستان نے ایک زکوٰۃ کمیٹی کی تشکیل کی تھی۔ ملک صاحب اس کمیٹی کے صدر بنائے گئے تھے یہ کمیٹی علمائے دین اور دوسرے ارباب بصیرت پر مشتمل تھی۔ کام یہ تھا کہ زکوٰۃ کی قانونی اور سماجی حیثیت پر غور کیا جائے اور اس بات پر غور ہو کہ اسے کیونکر جماعتی ادارے کی تحویل میں دے دیا جائے تاکہ اس کی وصولی اور مصرف دونوں ایک منظم صورت اختیار کر سکیں۔ اس کمیٹی میں دو مختلف الخیال گروہ تھے، علمائے دین اور ارباب بصیرت۔ علمائے دین کا عقیدہ تھا کہ زکوٰۃ ایک دینی فریضہ ہے جس میں بندے اور خدا کا براہ راست معاملہ ہے یہ فرد ہی کی تحویل میں رہنی چاہیئے کسی اور کا دخل اس میں ناجائز ہے۔ البتہ اسلامی حکومت ایک فرد کو اس فریضے کی ادائیگی پر مجبور کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ علمائے دین شرعی لحاظ سے اس بات پر زور دے رہے تھے کہ زکوٰۃ کی رقم محض ان چیزوں پر صرف ہو سکتی ہے جن کی وضاحت قرآن و سنت میں کر دی گئی ہے اس سے تجاوز ممکن نہیں۔ ارباب بصیرت کہتے تھے کہ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کا عائد کردہ ٹیکس ہے جو فرد حسب حیثیت جماعت کو ادا کرنے کا پابند ہے یہ رقم جماعت کی بہبود پر صرف ہو سکتی ہے اور جماعت کا برسراقتدار طبقہ اس کی وصولی اور مصرف کا ذمہ دار ہے۔ ظاہر ہے کہ ان خیالات میں بڑا تضاد تھا اور اس تضاد کو قرآن و سنت کی روشنی میں دور کرنا تھا چنانچہ صدر کی حیثیت سے ملک صاحب کا کام بیحد دشوار تھا۔ انہوں نے ابتدائی بحث و تمحیص کے بعد ایک قرارداد منظور کرائی جو اجتہاد کے بارے میں تھی۔ اس کے بعد ایک مبسوط سوالنامہ تیار کیا گیا جسے ملک بھر کے چالیس اکابر علماء اور دینی اداروں کو بھیجا گیا تاکہ اس مسئلے میں ان کی رائے معلوم کی جائے۔ یہ سوالنامہ ان کی ذہانت اور تبحر علمی پر شاہد ہے۔ چنانچہ جس محنت اور دیانت سے آپ کام کر رہے تھے اس کا اندازہ محترمہ بیگم شاہنواز

کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ہو سکے گا۔ آپ لکھتی ہیں:

"ملک صاحب کی شاندار خدمات کے لئے جتنا بھی ہماری قوم شکریہ ادا کرے کم ہو گا۔ کیا میں یہ کبھی بھول سکتی ہوں کہ زکوٰۃ کمیٹی کے کام کے دوران جب علمائے دین نے ایک آیت کا حوالہ دیا تو اس کے جواب میں مرحوم نے دو تین آیتیں اسی وقت پیش فرما دیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ اسلام کی سپرٹ کو سمجھ جانے والے چند بزرگوں میں سے ملک صاحب مرحوم ایک تھے۔ سب سے زیادہ شاندار خدمت جو انہوں نے سرانجام دی وہ ریزولیشن ہے جو زکوٰۃ کمیٹی نے بالاتفاق رائے پاس کیا یعنی یہ کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو نہیں سکتا۔ وہ کھلا ہے اور کھلا رہے گا"

ابھی اس کام کو کتنی منزلیں آگے جانا تھا کہ ملک صاحب کی زندگی کی آخری منزل آ گئی۔ ۲۷ جنوری ۱۹۵۱ء کو انہیں داعئی اجل کا پیغام ملا اور انہوں نے اس فکر و نظر کے مورچے پر سپاہیانہ انداز میں اپنی جان عزیز حضرت آفریں کی نذر کر دی ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

جمال اسلامی کا یہ آفتاب ترسٹھ سال تک چمکتا رہا اور اپنے پیچھے کتنے رنگین افق چھوڑ گیا۔ چنانچہ آج بھی وہ افق رنگین ہیں اور ملت کی پیشانی پر رنگ و نور کے دھارے بکھیر رہے ہیں۔ ملت اسلامیہ کو اپنے اس فرزند جلیل پر ناز ہے کہ اس نے نہایت کٹھن منزل میں اس کی کشتی کی نگہبانی کی اور اسے ساحل مراد تک پہنچایا۔

نوابزادہ اللہ نواز خان

آپ ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قدیم نواب خاندان کی اولاد سے پٹھانوں کے مشہور قبیلے علی زئی سے تعلق رکھتے ہیں جو درانی خاندان کی شاخ سدوزئی کی ذیلی شاخ ہے۔

برطانوی حکومت نے آپکو نواب کا خطاب وراثت کے طور پر دیا تھا کیونکہ آپ ڈیرہ اسمٰعیل خان کے قدیم نواب خاندان سے تعلق رکھتے ہیں آپکے آباؤ اجداد کو سکھوں نے نوابی سے معزول کر کے ڈیرہ پر اپنا تسلط جمایا تھا۔

اللہ نواز خان ۷ دسمبر ۱۹۰۲ء کو ڈیرہ اسمٰعیل خان میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم ڈیرہ میں حاصل کرنے کے بعد آپ شملہ کے کرائسٹ چرچ اور بشپ کاٹن سکول میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ اعلیٰ تعلیم کیلئے انگلینڈ چلے گئے۔ لندن میں قانون کی تعلیم کے علاوہ آپ نے سیاسیات اور صحافت پر گہرا عبور حاصل کیا چنانچہ تعلیم کے دوران انگلینڈ کے اخبارات میں آپ کے بیش قیمت مضامین شائع ہوتے رہے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ اپنے وطن واپس تشریف لائے تو آپ نے ملکی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ اصلاحات کے نفاذ کے بعد ۱۹۳۲ء میں آپ کو سرحد کی آئین ساز کونسل کا سرکاری ممبر نامزد کیا گیا۔ پھر جب ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت جب ۱۹۳۷ء میں سرحد میں جنرل انتخابات ہوئے تو آپ ڈیرہ اسماعیل خان کے حلقے سے سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے بعد آپ کو سرحد اسمبلی کا سپیکر منتخب کیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۱ء میں پھر سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہونے کے بعد دوبارہ سرحد اسمبلی کے سپیکر منتخب کئے گئے۔ اس طرح آپ ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء تک متواتر دس سال تک سرحد اسمبلی کے سپیکر رہے حزب اختلاف اور حزب اقتدار دونوں کا آپ پر مساوی اعتماد رہا۔ اپنے زمانہ سپیکری

میں انصاف کے اصولوں پر عمل پیرا رہے۔

جنوری ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۱ء تک آپ مغربی پاکستان پبلک سروس کمیشن کے ممبر اور چیئرمین رہے۔ جولائی ۱۹۶۸ء میں آپکو پاکستان ٹیکسٹ بک بورڈ کا چیئرمین مقرر کیا گیا۔ سات سال تک آپ نے اس منصب پر رہ کر ملک کو تعلیمی میدان میں آگے بڑھانے کے لئے اور طلبائ کے معیار تعلیم کو بڑھانے کے لئے اہم خدمات سرانجام دیں۔

۲۹ مارچ ۱۹۷۴ء کو جب گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسمٰعیل خان کی رسم افتتاح کا اعلان ہوا تو اس اعلان کے ساتھ ساتھ یہ اعلان بھی کیا گیا کہ نواب اللہ نواز خان سدوزئی کو گومل یونیورسٹی کا وائس چانسلر اور نگران مقرر کیا گیا۔

محمد حنیف خان
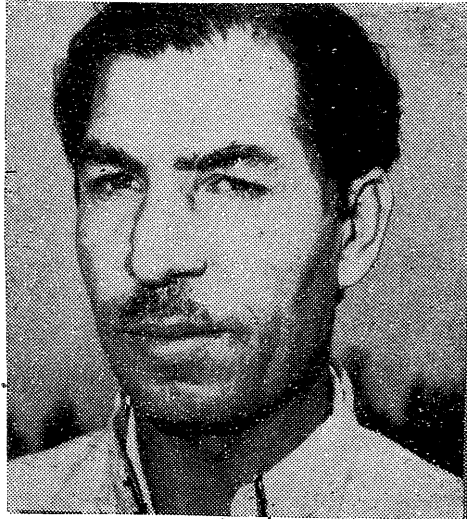
آپ ۷ دسمبر ۱۹۳۳ء کو بمقام ڈھیری جوگرام ملاکنڈ ایجنسی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے

والد کا نام حاجی شاہجہان خان ہے جو تحریک آزادی کے دوران مسلم لیگ میں تھے۔

محمد حنیف خان نے ابتدائی تعلیم ملاکنڈ ایجنسی میں اور میٹرک کا امتحان ۱۹۵۱ء میں سوات سے پاس کیا۔ آپ کا تعلق افغان قبیلے عثمان خیل سے ہے جو یوسف زئی قبیلے کی ایک شاخ ہے آپ ایک متوسط زمیندار طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ چونکہ آپ کے والد مسلم لیگ میں تھے اس لئے زمانہ طالب علمی سے ہی آپ نے مسلم لیگ نیشنل گارڈ ملاکنڈ میں سالار کی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

پنجاب میں خضر حیات کی وزارت کے خلاف تحریک پاکستان کی حمایت میں آپ کے پورے خاندان نے بھرپور حصہ لیا اور قیام پاکستان کے لئے عملی جدوجہد کی۔

۱۹۶۷ء میں جب پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو نے ایوب خان کی آمریت کے خلاف تحریک شروع کی تو محمد حنیف خان نے آپ کا ساتھ دیا اپنے علاقے کے تمام لوگوں کو اس پارٹی میں شامل کرنے کی جدوجہد کی اور کامیاب ہوئے۔

۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں پارٹی کی طرف سے ملاکنڈ ایجنسی پی ایف ۳۳ سے انتخابات میں حصہ لیا۔ آپ کے مقابلے میں سات امیدوار تھے۔ آپ نے ۱۰۲۰۷ ووٹ حاصل کر کے اپنے حریفوں کی شکست دی نیپ اور آزاد امیدوار عبدالخالق کے سوا سب کی ضمانتیں مطلوبہ ووٹ (۱/۸ حصہ) حاصل نہ کرنے کی وجہ سے ضبط ہوئیں۔

سرحد میں نیپ اور جمعیت کی مخلوط حکومت کے دوران مسٹر محمد اسلم خٹک سپیکر تھے جب نیپ اور جمعیت کی وزارت مستعفی ہو گئی اور صوبہ سرحد میں متحدہ محاذ کی حکومت قائم ہوئی تو اسلم خٹک صوبہ سرحد کے صوبائی گورنر مقرر ہوتے۔ اس طرح جون ۱۹۷۳ء میں نئے سپیکر کے عہدے کا انتخاب ہوا تو اسمبلی نے متفقہ طور پر محمد حنیف خان کو سپیکر منتخب کیا

آپ نے زمانہ طالب علمی سے ہی سیاسی کاموں میں دلچسپی لینا شروع کی تھی، ملاکنڈ ایجنسی میں جرگہ سسٹم رائج تھا۔ خوانین ہی غریبوں کی قسمت کا فیصلہ کرتے تھے انگریزی

دورِ حکومت سے ہی غریبوں کو دبایا جا رہا تھا۔ آپ کے والد بھی برطانوی دورِ حکومت سے جرگہ ممبر چلے آرہے تھے اور حکومت کے وظیفہ خوار تھے۔ ان وجوہات کی بنا پر شروع میں حنیف خان کو غریبوں کے حق میں آواز اٹھانے کے لئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ آپکے مقابلے میں خان خوانین تھے جو ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ غریبوں کو ابھرنے کا موقع دیا جائے۔ لیکن آپکی انتہائی ”کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ غریب عوام نے آپ کا ساتھ دیا اور پیپلز پارٹی کی شاخیں ملاکنڈ ایجنسی کے کونے کونے میں قائم ہوگئیں صوبہ سرحد میں ملاکنڈ ایجنسی کو یہ فخر حاصل ہے کہ پیپلز پارٹی کے منشور سے ایجنسی کے عوام واقفیت رکھتے ہیں۔ آپ کی سب سے بڑی خوبی جذبۂ انسانیت اور انسانی ہمدردی ہے خلوص اور دیانتداری کے جذبے کے تحت عوام کی خدمت کیلئے ہمہ تن مصروفِ عمل رہتے ہیں پارٹی کے منشور کے مطابق کام کرتے ہوئے اگر کسی دوسری پارٹی سے منسلک کوئی فرد آپکے پاس آیا تو آپ نے اس کے ساتھ ہمیشہ انسانیت کا برتاؤ اور ہر ممکن مدد دی۔ غریبوں کی امداد کا جذبہ آپ میں شروع سے ہی تھا آپ کے والد جو انگریزی دورِ حکومت سے انگریزی جرگہ سسٹم کے ممبر چلے آرہے تھے خاصی اہم شخصیت تھے اس لئے جرگہ کے اجلاس آپ کے گھر ہوا کرتے تھے اس سسٹم کے مطابق خوانین کا کام غریب عوام کو دبا کر رکھنا تھا انگریز خوانین کو اپنا آلۂ کار بنا کر حکومت کی جڑیں مضبوط کر رہے تھے۔ ان اجلاسوں میں جب کوئی فیصلہ انگریزوں کی مرضی کے مطابق اور غریبوں کے خلاف ہوتا تو حنیف خان اس سے بہت زیادہ متاثر ہوتے اور والد کو برملا کہتے کہ آپکو غریبوں پر تشدد کرنے کا آلۂ کار کیوں بنایا جا رہا ہے؟ والد چونکہ زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھے اس لئے انہیں انگریزوں کے ہتھکنڈوں کا زیادہ تجربہ نہ تھا۔ اس طرح شروع سے ہی آپ کے دل میں غریبوں کی ہمدردی اور انسانیت کے جذبات موجزن تھے۔ اس دوران جب آپ مسلم لیگ میں شامل ہوئے آپکی کوشش ہمیشہ یہی رہی کہ مسلم لیگ غریبوں کی بہبودی کے لئے کام کرسکے لیکن باوجود

کوشش کی مسلم لیگ کے نصب العین میں غریبوں کے لئے کوئی کامیاب قدم اٹھاتے نہ دیکھا تو اس وقت کی سیاست سے دل برداشتہ ہو گئے۔ جب پیپلز پارٹی اپنا نصب العین لیکر میدان سیاست میں آئی تو آپکی دلی مرادیں بر آئیں۔ آپ نے دن رات یہ کوشش کی کہ پیپلز پارٹی کے پروگرام کے مطابق غریبوں کو ان کے حقوق دلائے جائیں۔

ذوالفقار علی بھٹو جب پہلی بار ملاکنڈ آئے تو عوامی امنگوں اور خواہشات کا احترام کرتے ہوئے یہاں سے ایف سی آر کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا جس سے غریب عوام کو ابھرنے کا موقع ملا۔ یہ کامیابی بھی محمد حنیف خان کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ دنیا پرست لوگ دنیا میں جاہ و جلال اور مال و منال پاکر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ مگر میں حقیقی خوشی اور مسرت اس وقت حاصل کرتا ہوں جب کسی غریب کو مسکراتے ہوئے دیکھوں اور ایک مصیبت زدہ کو اس کی مصیبت سے نجات دلاؤں۔

آپ کا کہنا ہے کہ میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ میرے بچوں کا مستقبل کیا ہو گا؟ میں صرف اپنی قوم کے مستقبل کو بہتر اور تابناک دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر قوم کا مستقبل تابناک ہو گا تو میرے بچوں کا مستقبل بھی تابناک ہو گا کیونکہ میرے بچے بھی میری قوم میں شامل ہیں

زندگی کے دکھ، تکالیف اور دشواریوں کے متعلق کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ انسان جب زندگی کی مشکلات کا مقابلہ کرنا سیکھ لے تو وہی انسان صحیح معنوں میں انسان کہلانے کا مستحق ہے۔ آپکے نزدیک جب تک ملکی پالیسی کی بنیادیں صحیح اور مکمل سوشلزم پر استوار نہیں کی جاتیں اس وقت تک ملک و قوم کی ترقی کے دعوے بے بنیاد ہیں۔ غریبوں کو ان کے حقوق دلوانے کی جدوجہد میں خان خوانین کی طرف سے آپ پر کئی قاتلانہ حملے ہوئے لیکن قدرت نے ہر موقع پر آپکا ساتھ دیا۔ آپکی زندگی کا مقصد دوسروں کے لئے زندہ رہنا ہے اس مقصد کے تحت آپ عملی جدوجہد کر رہے ہیں تاکہ دوسروں کو یہ نمونہ دیں کہ وہ بھی اپنی زندگی کا یہی مقصد اپنائیں۔

ان سپیکروں کے علاوہ سردار بہادر خان اور خان محمد اسلم خان خٹک بھی سرحد اسمبلی کے سپیکر رہے ہیں۔ سردار بہادر خان سرحد کے وزیر اعلیٰ اور اسلم خٹک سرحد کے گورنر بھی رہ چکے ہیں اس لئے سردار بہادر خان کے حالات سرحد کے وزیر اعلیٰ اور اسلم خٹک کے حالات سرحد کے گورنر کے ضمن میں دیئے گئے ہیں۔

سرحد کے گورنر

سر الف ایڈورن ہوچکن گرفتھ

آپ ۴ مارچ ۱۸۸۲ء کو انگلینڈ میں پیدا ہوئے بلنڈلز سکول اور آر ایم سی سنڈھر سیٹ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ملٹری تعلیم حاصل کرنے کے بعد شاہی فوج میں شامل ہوئے اور اعلیٰ خدمات کی بنا پر نائٹ۔ کے سی ایس آئی اور سی آئی ای کے اعزازات اور خطابات حاصل کئے۔ کچھ عرصہ آپ سرحد کے لیفٹیننٹ گورنر کے عہدے پر رہے جب صوبہ سرحد گورنری صوبہ بنایا گیا تو آپ کو صوبہ سرحد کا پہلا گورنر بنایا گیا۔ آپ سرفروری ۱۹۳۷ء تک سرحد کے گورنر رہے۔

۱۸ اپریل ۱۹۳۲ء کو گورنر سرحد آر۔ ای۔ ایچ گرفتھ گورنر سرحد نے سرحد لیجسلیٹو کونسل کے رول ۔۵ کے تحت شیخ عبد الحمید کو کونسل کا سیکرٹری مقرر کیا۔ اسی دن گورنر نے ایک دوسرے حکم کے ذریعے زیدہ کے خان بہادر عبد الغفور خان کو کونسل کا صدر مقرر کیا۔ گورنر کی طرف سے کونسل کے صدر کی تقرری کا حکم کونسل کے سیکرٹری نے ممبران کو پڑھ کر سنایا۔

سر جارج کننگھم

آپ ۲۳ مارچ ۱۸۸۸ء کو انگلستان میں پیدا ہوئے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری لی۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں انڈین سول سروس کے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت اختیار کی۔ آپ نے اپنی ملازمت کا زیادہ حصہ سرحد میں گذارا۔ جنوری سنہ ۱۹۱۷ء سے سنہ ۱۹۱۸ء تک صوبہ سرحد کے چیف کمشنر کے پرسنل اسسٹنٹ اور ٹانک کے پولیٹیکل افسر رہے۔ ۱۰ مئی ۱۹۱۹ء سے ۲۷ مئی سنہ ۱۹۱۹ء تک فیلڈ فورس کے پرائیویٹ سیکرٹری رہے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں ہنگو کے اسسٹنٹ کمشنر بنے۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں میران شاہ میں پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ سے منسلک ہوئے ۴ جنوری ۱۹۲۴ء سے ۵ فروری ۱۹۲۴ء تک وانا کے ریذیڈنٹ کے ساتھ سپیشل ڈیوٹی سرانجام دیتے رہے۔ ۵ نومبر ۱۹۲۵ء کو کابل میں کونسلر بنا کر بھیجے گئے۔ ۷ جون ۱۹۲۶ء کو سنٹرل گورنمنٹ میں ہوم ڈیپارٹمنٹ سے منسلک ہوئے۔ بعد میں آپ کو وائسرائے کا پرائیویٹ سیکرٹری بنایا گیا۔ جون ۱۹۳۲ء کو آپ نے سرحد میں ایگزیکٹو کونسل کے ممبر کی حیثیت سے چارج لیا۔ ۱۹۳۲ء میں آپکو سرحد کا گورنر بنایا گیا ۲۵ فروری ۱۹۳۷ء کو سرحد کے دوبارہ گورنر بنائے گئے۔ ۱۲ مارچ ۱۹۳۷ء تک آپ سرحد کے گورنر رہے۔ برطانوی حکومت نے آپ کو اعلیٰ پولیٹیکل خدمات کے صلے میں سی ایس آئی، سی آئی ای اور او بی ای کے اعلیٰ خطابات سے نوازا۔

اولف کیرک پیٹرک کیرو

آپ ۱۸۹۲ء میں انگلستان میں پیدا ہوئے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ تعلیم کے بعد ملٹری میں کیپٹن کے عہدے پر بھرتی ہوئے۔ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۹ء تک ملکہ وکٹوریہ کی خصوصی رجمنٹ میں رہے۔ ۱۹۱۹ء میں آپ کو انڈین سول سروس میں لیا گیا۔ آپ ۱۹۲۳ء تک صوبہ پنجاب میں ملازمت کرتے رہے۔ ۱۹۲۳ء میں آپکو شمال مغربی سرحدی صوبے کے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں پولیٹیکل افسر مقرر کیا گیا۔ بعد میں آپ مردان کے اسسٹنٹ کمشنر بنے۔ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۹ء تک آپ کوہاٹ کے ڈپٹی کمشنر رہے۔ اور ۱۹۲۹ء میں پشاور کے ڈپٹی کمشنر رہے۔ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۲ء تک آپ سرحد گورنمنٹ کے چیف سیکرٹری رہے۔ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۴ء تک آپ امور خارجہ اور پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے ڈپٹی سیکرٹری رہے۔ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۷ء تک آپ سرحد کے گورنر رہے۔ آپ نے سرحد میں رہ کر سرحد کی تاریخ پر ایک کتاب لکھی جس کا نام "دی پٹھان" ہے یہ کتاب سرحد کی تاریخی اہمیت پر مشتمل ہے۔

ڈنڈاس

آپ سرحد کے چوتھے انگریز گورنر تھے۔ ۱۹۴۸ء سے ۱۶ جنوری ۱۹۴۹ء تک آپ سرحد کے گورنر رہے۔

صاحبزادہ محمد خورشید

پاکستان کے قیام کے بعد سرحد کے سب سے پہلے مسلمان گورنر صاحبزادہ محمد خورشید بنے۔ آپ کے والد کا نام خلیل الرحمان باچا تھا جو صوبہ سرحد کے مشہور مذہبی رہنما سید امیر عرف کوٹھا ملا کے پوتے تھے۔ آپ ۱۹۰۱ء میں ضلع مردان کے تحصیل صوابی کے کوٹھا گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ اسلامیہ کالجیٹ سکول کے پہلے طالب علم تھے جن کا نام سب سے پہلے کالجیٹ
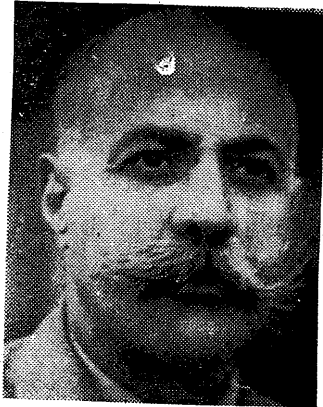
سکول کے رجسٹر میں اندراج کیا گیا۔ اسلامیہ کالج سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ رائل ملٹری سنڈھرسٹ کالج میں داخل ہوئے۔ ۱۹۲۰ء میں آپ کیڈٹ بنے اور ۱۹۲۲ء میں آپ کمیشن لیکر کنگز رائفل فورس میں شامل ہوئے، ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۷ء تک آپ نے پنجاب رجمنٹ میں خدمات سرانجام دیں۔ اس کے بعد آپ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں تبدیل ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں آپ کوئٹہ کے کمپ کمانڈر اور پھر قلات میں افسر بکار خاص اور وزیر اعظم بنے۔ ۱۹۳۹ء میں آپ ملاکنڈ کے پولیٹیکل ایجنٹ اور ۱۹۴۰ء میں ہندوستان اور ایران کی سرحد کے

پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کئے گئے۔ ۱۹۴۵ء میں پشاور کے ڈپٹی کمشنر بنے اس کے بعد آپ کو خیبر کا پولیٹیکل ایجنٹ اور ریذیڈنٹ بنایا گیا۔ ۱۹۴۳ء میں آپ کو بلوچستان کا چیف کمشنر مقرر کیا گیا۔ جولائی ۱۹۴۹ء میں آپ کو صوبہ سرحد کا گورنر بنایا گیا۔ ۱۶ ر جولائی ۱۹۴۹ء کو آپ نے سرحد کے گورنر کی حیثیت سے چارج لیا۔

صوبہ سرحد کا گورنر بننے کے بعد آپ نے سرحدی عوام کو اسلامی طرز زندگی میں رنگنے کی بھرپور جدوجہد کی۔ آپ نے گورنری کے دوران پشتو زبان میں معیاری حکومت کے نام سے ایک کتابچہ لکھا جس میں آپ نے افسران حکومت پاکستان اور پاکستانی عوام کو یہ تاثر دیا کہ بہترین حکومت کونسی ہوتی ہے اور بہترین معاشرے کی بنیاد کن باتوں پر منحصر ہے۔ آپ نے عمال حکومت کو اس کتاب کے ذریعے آگاہ کیا کہ بہترین حکومت وہ ہوتی ہے جس میں عوام کی خوشحالی اور غریبوں بیکسوں اور بے سہارا لوگوں کی زندگی کو بہتر بنانے اور سنوارنے کی طرف بھرپور توجہ دی جائے اور شہریوں کو مساوی انصاف حاصل ہو جس طرح آپ نے عمال حکومت کو ان کے فرائض کی طرف نشاندہی کی اسی طرح آپ نے اس کتاب میں عوام کو بھی یہ بتایا کہ محب وطن شہری ہونے کی حیثیت سے ان کے کیا کیا فرائض ہیں۔ آپ نے ان سب باتوں کا نچوڑ یہ بتایا کہ اگر قرآن مجید اور آنحضرت صلعم کے بتلائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کی جائے تو پھر معاشرے میں کسی قسم کی برائی جنم نہیں لے سکتی۔ آپ نے اس کتاب میں یہ لکھا کہ اگر ہم پاکستانی قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو پھر یہ پاکستان خالص اسلامی ریاست بن سکتی ہے۔

آپ نے سرحد کے گورنر کی حیثیت سے زندگی کے آخر دم تک بھی کوشش کی۔ کہ معاشرہ خالص اسلامی رنگ میں رنگا جاتے۔ زندگی نے دفانہ کی اور آپ ۱۴ ر جنوری ۱۹۵۰ء کو حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے فوت ہو گئے۔ آپ کی میت کو بڑے اعزاز کے ساتھ ہزاروں اشکبار آنکھوں کی موجودگی میں کوٹھا میں سید امیر کی زیارت

کے بالکل قریب دفن کیا گیا۔

صاحبزادہ خورشید کی انتہائی آرزو تھی کہ سر صاحبزادہ عبدالقیوم کی آرزو کو پورا کرنے کے لئے کسی طرح سرحد میں یونیورسٹی قائم ہو جائے۔ وہ اکثر ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتے تھے کہ انگریز سے یونیورسٹی کا مطالبہ کیا جائے۔

دوسرا جنگ عظیم میں فتح اور کامیابی کی خوشی میں انگریزوں نے سرحد میں بھی خوشی منائی۔ جگہ جگہ تقریبات منعقد ہوئیں۔ ۱۴ مئی ۱۹۴۵ء کی شام کو پشاور میں چراغاں کیا گیا جرمنوں کی شکست اور انگریزوں کی فتح کی خوشی میں سرحد کی کانگرسی وزارت نے اسی ہزار روپیہ کا بجٹ منظور کیا تاکہ جشن مسرت منایا جا سکے۔ صاحبزادہ محمد خورشید ان دنوں پشاور کے ڈپٹی کمشنر تھے انہوں نے سر صاحبزادہ کی آرزو کی تکمیل کے لئے سرحد کے چیدہ چیدہ خواتین کو در پردہ یہ رائے دی کہ میں اپنے بنگلے پر جشن کے دن ایٹ ہوم دوں گا گورنر سرحد اس دعوت میں مہمان خصوصی ہوں گے اس لئے آپ لوگ وفد کی صورت میں بنگلے پر آئیں اور گورنر سرحد کو عرضداشت پیش کریں کہ فتح اور جشن مسرت کے موقع پر صوبہ سرحد کے لئے یونیورسٹی کی منظوری دی جائے۔ چنانچہ رات کے وقت جب پشاور میں ہر طرف انگریز خوشیاں منا رہے تھے سرحد کے خواتین کا ایک وفد گورنر سرحد کے پاس پہنچا اور عرضداشت پیش کی کہ آپ نو سال سے سرحد میں رہ رہے ہیں ہم اہالیان سرحد آپکے کارناموں کو زندہ رکھنے کے لئے یادگار کے طور پر سرحد میں یونیورسٹی کے قیام کے لئے پر التماس کرتے ہیں آپ اس جشن مسرت کے موقع پر سرحد یونیورسٹی کے قیام کی منظوری دیں تاکہ ہمارے بچے اس یونیورسٹی سے فیض حاصل کریں اور سرحد سے جہالت کا خاتمہ ہو سکے گورنر سرحد جارج کننگھم نے وفد کو یقین دلایا کہ اس سلسلے میں مرکز سے رابطہ قائم کیا جائے گا تاکہ آپکے مطالبے کو پورا کیا جا سکے۔

ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر رہ کر آپ نے پشاور سے رشوت کے خاتمے کے لئے

کافی سدباب کیا۔ جرگہ سسٹم میں عام طور پر رشوت اور سفارش کا اثر چھایا ہوا تھا آپ نے رشوت اور سفارش کے خاتمے کے لئے یہ اقدام کیا کہ جو مقدمہ جرگہ سپرد ہونے کے قابل ہوتا اس مقدمے کے لئے جرگہ ممبر مقررہ دن بلاتے اور ممبروں کو تاکید کی جاتی کہ اس مقدمے کا فیصلہ آج ہی ہو۔ اس طریقے سے یہ نتیجہ نکلا کہ ممبر رشوت اور سفارش کے راستوں کو بند پاتے۔ پشاور کا ڈاک بنگلہ عیاشی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ حکام نے ڈاک بنگلے کو عیش پرستی اور بدکاری کا اڈہ بنایا ہوا تھا آپ نے ڈاک بنگلے کے ٹھیکیدار کو فوری طور پر الگ کر کے اس کی جگہ اس کا ٹھیکہ خان محمد ایوب خان ساکن چراٹ کے حوالے کیا۔ خان محمد ایوب خان چھپر علاقہ چراٹ کے رئیس زادے تھے اور اسلامی اصولوں پر کاربند تھے انہوں نے ڈاک بنگلے کا ٹھیکہ لینے کے بعد عیاش حاکموں اور افسروں کے لئے عیاشی کا راستہ بند کیا۔

صاحبزادہ خورشید انتہائی نیک سیرت اور خوش خلق انسان تھے۔ آپ اپنے جدِ اعلیٰ کے حقیقی پیروکاروں میں سے تھے۔ نماز روزے کے بیحد پابند تھے۔ شرعی اصولوں پر خود بھی کاربند تھے اور اپنے ملنے والوں سے اور دائرہ احباب میں ہر ایک کو یہی نصیحت کیا کرتے تھے کہ دنیا میں اگر انسان کی کوئی چیز باقی رہے گی تو وہ صرف اس کے اچھے کام باقی رہیں گے جو اس نے دنیا میں سرانجام دیئے ہیں اس انسان کو بہت بلند انسان سمجھتے تھے جس کی زندگی کا دارومدار مخلوق خدا سے ہمدردی ہو۔ صاحبزادہ صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ جس انسان کے دل میں مخلوق خدا سے ہمدردی کا جذبہ ہوتا ہے وہ انسان دوسروں کو کبھی نہ تو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ ہی کسی کے ساتھ فریب کر سکتا ہے نہ ہی وہ کسی سے لڑائی جھگڑا کرتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے انسان سے الجھتا ہے۔ صاحبزادہ صاحب کہا کرتے تھے کہ معاشرتی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے کے سب افراد میں باہمی انس ہمدردی

اور محبت ہو اسی قسم کے جذبات رکھنے والے افراد پر مشتمل معاشرہ بہترین معاشرہ کہلاتا ہے۔

انگریزوں کے دورِ حکومت میں ڈپٹی کمشنر کی کچہری جمعہ اور جمعرات کے دن لگتی تھی۔ صاحبزادہ صاحب نے جمعہ کی مقدس اہمیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے کچہری کے انعقاد کے لئے منگل اور بدھ کے دن مقرر کئے۔

خان بہادر محمد ابراہیم خان

صاحبزادہ محمد خورشید کے اچانک انتقال کے بعد خان بہادر محمد ابراہیم خان کو سرحد کا قائم مقام گورنر مقرر کیا گیا۔ آپ ۱۳ رمئی ۱۸۹۵ء میں پشاور کی تحصیل چارسدہ کے گاؤں چینہ میں پیدا ہوئے۔ مشن سکول پشاور سے ۱۹۱۱ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۱۶ء میں آپ نے ایم اے او کالج علیگڑھ سے بی اے کی ڈگری لی۔ ۱۹۱۸ء میں آپ نے الہ آباد یونیورسٹی سے وکالت کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۱۹ء میں آپ نے پشاور کے جوڈیشنل کمشنر کے کورٹ میں وکالت کا آغاز کیا۔ ۱۹۳۳ء میں آپ کو ڈسٹرکٹ سیشن جج بنایا گیا۔ ۱۹۴۶ء میں آپ کو عارضی طور پر جوڈیشنل کمشنر کورٹ کا جج بنایا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں آپکو منتقل کیا گیا۔ صاحبزادہ محمد خورشید کی اچانک وفات کے بعد آپ کو صوبہ سرحد کا گورنر بنایا گیا۔ آپ ۱۵ رجنوری ۱۹۵۰ء سے ۲۶ رفروری ۱۹۵۰ء تک سرحد کے قائم مقام گورنر رہے۔

ابراہیم اسمٰعیل چندریگر

آپ ۱۵ رستمبر ۱۸۹۷ء کو پیدا ہوئے۔ تعلیم کے دوران ہمیشہ امتیازی حیثیت سے پاس ہوتے رہے۔ زمانہ طالب علمی میں اپنے کالج کے ذہین طلباء میں سے تھے۔ بمبئی یونیورسٹی

کے ایل ایل بی کے امتحان میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد الہ آباد میں پریکٹس شروع کی۔ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۷ء تک آپ احمد آباد میونسپل کارپوریشن کے ممبر رہے۔ سوشل تحریکوں میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔ احمد آباد کے انجمن

اسلامیہ ہائی سکول کے سیکرٹری رہے۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۷ء تک آپ احمد آباد کے مختلف تعلیمی اور سوشل اداروں کے سیکرٹری رہے۔ ۱۹۳۷ء میں احمد آباد کے حلقے سے بمبئی کی قانون ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ستمبر ۱۹۳۷ء میں آپ احمد آباد سے بمبئی منتقل ہوئے جہاں آپ نے ہائیکورٹ کے کامیاب وکیل کی حیثیت سے خوب شہرت حاصل کی۔ ۱۹۳۸ء میں آپ کو صوبہ بمبئی کی قانون ساز اسمبلی میں مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کا ڈپٹی لیڈر منتخب کیا گیا۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۵ء تک آپ صوبہ بمبئی مسلم لیگ کے صدر رہے۔ ۱۹۴۳ء میں آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا ممبر منتخب کیا گیا۔ اکتوبر ۱۹۴۶ء سے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء تک آپ مسلم لیگ کی طرف سے ہندوستان کی عبوری حکومت میں نامزد وزیر رہے ستمبر ۱۹۴۷ء میں آپ نے ہندوستانی نمائندے کی حیثیت سے جنیوا میں اقوام متحدہ کی دوسری

تجارتی اور ملازمتی کانفرنس میں شرکت کی۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے مئی ۱۹۴۸ء تک آپ حکومت پاکستان کی مرکزی حکومت میں وزیر صنعت اور وزیر مواصلات رہے۔ مئی ۱۹۴۸ء سے فروری ۱۹۵۰ء تک آپ افغانستان میں پاکستان کے سفیر رہے۔ ۲۱ فروری ۱۹۴۸ء سے ۲۵ نومبر ۱۹۵۱ء تک آپ صوبہ سرحد کے گورنر رہے۔

خواجہ شہاب الدینؒ

آپ ڈھاکہ کے مشہور نواب خاندان میں پیدا ہوئے۔ خواجہ ناظم الدین کے چھوٹے بھائی تھے۔ ۱۹۳۶ء میں آپ کو گورنر بنگال کی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر مقرر کیا گیا۔ ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۵ء تک آپ بنگال کے وزیر مواصلات اور وزیر صنعت رہے۔ بنگال میں مسلم لیگ کی تحریک اور تحریک پاکستان کے لئے آپ نے انتھک جدوجہد کی۔ پاکستان کے قیام کے بعد آپ کو پاکستان کی دستور ساز میں چیف وہپ

مقرر کیا گیا۔ ڈھاکہ کی کئی سماجی اور سوشل تنظیموں کی آپ نے سرپرستی کی ۱۹۳۶ء میں آپ کو ڈھاکہ یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کیا گیا۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے پانچ سال خزانچی بھی رہے۔ ۱۹۴۹ء میں آپ نے سعودی عرب میں پاکستانی وفد کی قیادت کی مئی ۱۹۴۸ء میں آپ کو پاکستان کی حکومت میں وزیر لیا گیا۔ ۱۹۵۱ء میں آپ کو صوبہ سرحد کا گورنر بنایا گیا۔ ۱۹۵۴ء میں آپ نے سرحد کی گورنری سے استعفٰی دیا۔

خان قربان علی خان

آپ ایک اعلیٰ پائے کے ایڈمنسٹریٹر تھے۔ قبائلی علاقوں میں امن و امان بحال رکھنے
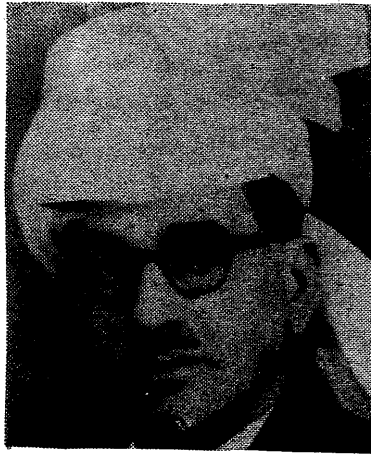
اور قبائلی علاقوں میں اثر و رسوخ بڑھانے میں انہیں کافی دسترس حاصل تھی۔ سرحد کے رسم و رواج اور تہذیب و تمدن سے وہ کافی روشناس تھے۔ آپ سرحد کے پہلے گورنر تھے جن کی آمد پر سترہ توپوں کی سلامی دی گئی اور توپوں کی گھن گرج میں آپ نے گورنمنٹ

ہاؤس میں ۱۷ر نومبر ۱۹۵۴ء کو سرحد کے گورنر کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ آپ وحدت مغربی پاکستان کے قیام تک صوبہ سرحد کے گورنر رہے۔

لیفٹننٹ جنرل کے ایم اظہر

وحدت مغربی پاکستان کے خاتمے کے بعد صوبہ سرحد کی جب صوبائی خودمختاری بحال کی گئی تو یکم جولائی ۱۹۷۰ء کو ایک فوجی جنرل لیفٹننٹ جنرل کے ایم اظہر خان کو صوبہ سرحد کا گورنر بنایا گیا آپ یکم جولائی ۱۹۷۰ء سے ۲۳ر دسمبر ۱۹۷۱ء تک

سرحد کے گورنر رہے۔ آپ کے زمانہ میں سرحد میں امن و امان رہا۔

وحدت مغربی پاکستان میں ضم رہنے کی وجہ سے صوبہ سرحد میں صوبائی نظم و نسق میں جو خرابی پیدا ہو گئی تھی اسے دور کیا اور صوبائی لحاظ سے صوبہ سرحد کو دوبارہ نظم و ضبط کے ڈھانچے میں ڈھالا۔

شہید حیات محمدؐ خان شیرپاؤ

پاکستان پیپلز پارٹی صوبہ سرحد کے صدر مسٹر حیات محمد خان شیرپاؤ نے ۵ ستمبر ۱۹۷۴ء کو صوبہ سرحد کی کابینہ کے سینئر وزیر کی حیثیت سے حلف اٹھایا تھا۔ حلف اٹھانے کی تقریب گورنر ہاؤس میں منعقد ہوئی اور صوبہ سرحد کے گورنر میجر جنرل سید غواث نے ان سے حلف لیا۔ حلف اٹھانے کی تقریب میں دوسروں کے علاوہ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ
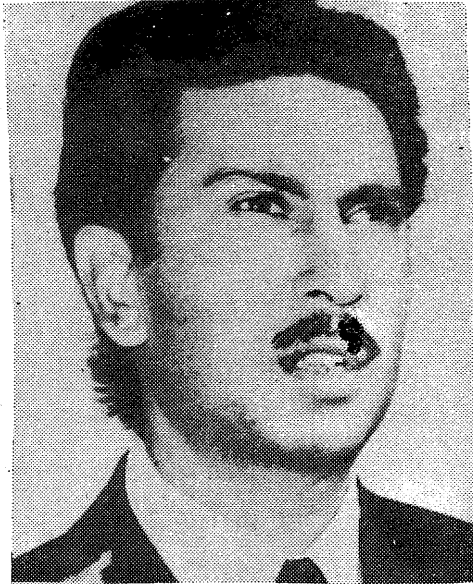
سردار عنایت اللہ خان گنڈاپور بھی موجود تھے۔ مسٹر حیات محمد خان شیرپاؤ کو منصوبہ بندی و ترقیات اور داخلہ امور کے محکمے دیئے گئے تھے جو پہلے وزیر اعلیٰ کے پاس تھے۔ مسٹر حیات

محمد خان شیر پاؤ صوبہ سرحد کی اس مخلوط حکومت میں پندرہویں وزیر تھے جو مسلم لیگ پیپلز پارٹی اور متحدہ محاذ پر مشتمل تھی مسٹر حیات محمد خان شیر پاؤ سرحد اسمبلی میں مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کی پارلیمانی پارٹی کے لیڈر ہونے کے علاوہ سرحد پیپلز پارٹی کے سربراہ بھی تھے وہ صوبہ سرحد کے گورنر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے علاوہ وفاقی حکومت میں ابندھن، بجلی اور قدرتی وسائل کے وزیر بھی رہ چکے تھے۔

مسٹر شیر پاؤ تحصیل چارسدہ کے گاؤں شیر پاؤ میں یکم فروری ۱۹۳۸ء کو حاجی غلام حیدر خان کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان نے ہمیشہ سیاست میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان کے والد حاجی غلام حیدر خان صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کے بانیوں میں سے تھے اور انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح اور شہید ملت لیاقت علی خان کے ساتھ کام کیا تھا وہ مسلم لیگ کی شملہ کانفرنس اور دوسرے کئی اہم اجلاسوں میں بھی شریک ہوئے تھے۔ مسٹر حیات محمد خان شیر پاؤ نے اسلامیہ کالجیٹ سکول پشاور سے میٹرک کیا تھا اور اسلامیہ کالج پشاور میں بی ایس سی تک تعلیم حاصل کی۔ وہ کالج اور سکول کے زمانے میں ایک ذہین اور ممتاز طالب علم تھے اور ایک اچھے مقرر کی حیثیت سے بھی شہرت رکھتے تھے وہ دوبار اسلامیہ کالج پشاور کی خیبر یونین کے رکن منتخب ہوئے اور سرحد مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے پہلے سیکرٹری منتخب ہوئے۔ بعد ازاں وہ اسی فیڈریشن کے صدر چنے گئے مسلم طلباء کی اس تحریک نے قیام پاکستان میں نمایاں حصہ لیا۔ یونیورسٹی آفیسرز ٹریننگ کورس کے کمانڈر بھی رہ چکے تھے انہوں نے فوجی تربیت بھی حاصل کی تھی۔

مسٹر شیر پاؤ نے ۱۹۶۱ء میں اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا وہ کونسل مسلم لیگ کے اہم اور سرگرم رکن تھے انہوں نے ۱۹۶۴ء کے صدارتی انتخاب میں مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کے لئے پوری سرگرمی سے کام کیا۔ انہوں نے ۳۰ نومبر ۱۹۶۷ء کو پاکستان پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کی وہ اس پارٹی کے بانی ارکین میں سے تھے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو

نے پیپلز پارٹی کے سربراہ کی حیثیت سے یکم دسمبر ۱۹۶۷ء کو انہیں سرحد پیپلز پارٹی کا چیئرمین مقرر کیا۔ ملک میں جب ایوب خان اور ان کی حکومت کے خلاف عوامی تحریک شروع ہوئی تو مسٹر شیرپاؤ نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی ولولہ انگیز قیادت میں اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۳ نومبر ۱۹۶۸ء کو سابق صدر ایوب خان کے خلاف عوامی تحریک کے سلسلے میں انہیں مسٹر بھٹو اور پارٹی کے دیگر اراکین کے ساتھ ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کیا گیا ملک میں پہلے انتخاب میں جو ۱۹۷۰ء میں ہوئے مسٹر حیات محمد خان شیرپاؤ حلقہ پشاور سے صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے وہ پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے رکن بھی تھے۔ مسٹر بھٹو نے صدر کا عہدہ سنبھالنے کے بعد انہیں ۲۲ دسمبر ۱۹۷۱ء کو صوبہ سرحد کا گورنر مقرر کیا انہوں نے ۲۵ دسمبر ۱۹۷۱ء کو گورنر ہاؤس میں اس عہدہ کا حلف اٹھایا لیکن اپریل ۱۹۷۲ء کے اواخر میں نیپ اور جمعیت کی وزارت کے قیام کے بعد گورنر کے عہدے سے سبکدوش ہو گئے اور صوبائی اسمبلی میں حزب اختلاف کے قائد چنے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں وفاقی حکومت میں ایندھن بجلی اور قدرتی وسائل کا وزیر بھی مقرر کیا گیا۔ جہاں انہوں نے گراں قدر قومی خدمات انجام دیں اور صوبہ سرحد کی تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ ہی کے زمانے میں صوبہ سرحد کے مختلف شہروں میں سوئی گیس مہیا کی گئی۔ لیکن نئے آئین کے نفاذ کے باعث انہوں نے ۱۴ فروری ۱۹۷۴ء کو وفاقی وزارت سے استعفیٰ دیا اور صوبائی اسمبلی کی رکنیت برقرار رکھی۔ صوبہ سرحد میں پیپلز پارٹی کو منظم کرنے میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا سرحد کے وزیر داخلہ کی حیثیت سے تندہی سے اپنے فرائض سرانجام دے رہے تھے کہ ۸ فروری ۱۹۷۵ء کو پشاور یونیورسٹی میں ہسٹری سوسائٹی کی رسم تاسیس کے موقع پر مہمان خصوصی کی حیثیت سے شامل ہوئے اسی تقریب کے دوران کسی وطن دشمن نے خفیہ ٹائم بم سے حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا جس کا سارے ملک میں سوگ منایا گیا۔

۴۶۲

اربابؒ سکندر خان خلیلؒ

ارباب سکندر خان خلیل ۲ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو پشاور کے ایک گاؤں تہکال میں پیدا ہوئے۔
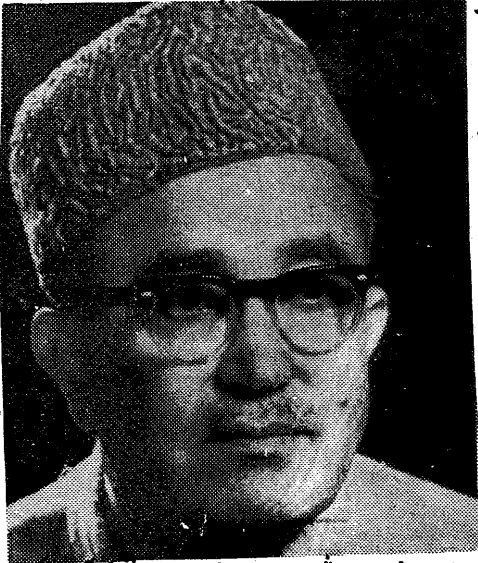
آپ کے جدِّ اعلیٰ ارباب بہرام خان وہ مشہور مردِ مجاہد تھے جنہوں نے تحریکِ آزادی کے علمبردار سید احمد شہید کے ساتھ مل کر سکھوں کے ساتھ جہاد میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ ہی کے خاندان کے ایک مجاہد نے سکھوں کے مشہور سپہ سالار ہری سنگھ نلوہ کو موت کے گھاٹ اتار کر سکھ فوجوں کے غرور کو خاک میں ملا دیا تھا۔

ارباب سکندر خان خلیل کے والد ارباب سعادت علی خان نے تحریکِ خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کے خاص معتقدین میں سے تھے۔ تحریکِ خلافت کے رضا کاروں کو ہزاروں روپے کی وردیاں بنوا کر دیں۔ عیسائی طاقتوں نے جب ترکی کو مٹانے کے لئے جنگی سلسلے شروع کئے تو آپ نے ترکوں کے امدادی فنڈ میں کثیر رقم دی۔ اسلامیہ کالج

کی تعمیر اور قیام کے سلسلے میں آپ نے سر صاحبزادہ عبدالقیوم کے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا۔ اسلامیہ
کالج کی مرکزی عمارت اسی زمین پر تعمیر کی گئی ہے جو آپ نے عطیئے کے طور پر قومی مقصد کے
لئے سر صاحبزادہ کے حوالے کی تھی۔ اسلامیہ کالج کے لئے زمین کا کافی رقبہ عطیے کے طور پر دینے کے
علاوہ آپ نے مالی لحاظ سے بھی اسلامیہ کالج کی تعمیر میں اہم حصہ لیا۔ ارباب سعادت علی خان
صوبہ سرحد کی ان سیاسی شخصیتوں میں سے تھے۔ جنہوں نے سرحد کے لوگوں میں سیاسی شعور
بیدار کیا۔ آپ ایک اچھے مقرر اور بیباک لیڈر تھے۔ ۱۹۳۰ء میں انگریزوں نے پشاور کے
مشہور بازار قصہ خوانی میں سرحد کے نہتے شہریوں کو گولیوں کا نشانہ بنانے کے بعد سرحد کی سیاسی
شخصیتوں کو گرفتار کیا تو ارباب سعادت علی خان بھی گرفتار کر لئے گئے۔ ان پر انگریز حکومت
کے خلاف بغاوت پھیلانے اور اس میں حصہ لینے کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ مقدمے کے
فیصلے کی بنا پر آپ کو تین سال قید با مشقت کی سزا دی گئی۔ ہری پور سنٹرل جیل میں ہی قید گزارتے
ہوئے ۱۹۳۲ء میں آپ فوت ہو گئے۔ ارباب سعادت علی خان کے تین بیٹے پیدا ہوئے ایک ارباب
سکندر خان خلیل دوسرے ارباب عبدالسلام اور تیسرے ارباب ہمایون خان۔ ارباب عبدالسلام
۱۵ سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ ارباب ہمایون خان پشاور کے مشہور ایڈوکیٹ ہیں ارباب سکندر
خان خلیل نے ابتدائی تعلیم تہکال کے پرائمری سکول میں حاصل کی۔ ۱۹۳۰ء میں اسلامیہ کالجیٹ
سکول پشاور سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ میٹرک کے بعد آپ اسلامیہ کالج میں فسٹ ایر
میں داخل ہوئے۔ ابھی داخل ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ دس ہزار آفریدی مجاہدین نے انگریزوں
کے اقتدار کو ختم کرنے کے لئے پشاور پر حملہ کیا۔ آفریدی مجاہدین تو اس حملے میں کامیاب نہ
ہو سکے مگر انگریزی فوج اور حکمران ہمیشہ کے لئے آفریدیوں سے ڈر اور خطرہ محسوس کرنے
لگے۔ انگریز یہ خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ آفریدی مجاہدین پشاور یا اس کے ارد گرد کے گاؤں
میں آکر چھپ کر کہیں شبخون نہ ماریں۔ اس خطرے کے پیش نظر انگریزی فوج نے تہکال کے ہر

گھر کی تلاشی لی اور جن لوگوں پر آفریدی مجاہدین کے ساتھ ساز باز کا شک گذرا انہیں گرفتار کیا گیا۔ ان گرفتار ہونے والوں میں ارباب سکندر خان خلیل بھی تھے۔ آپ کی اس گرفتاری کی وجہ سے آپ کا تعلیمی سلسلہ بھی منقطع ہو گیا مسلسل تین چار ماہ تک جیل میں رہنے کی وجہ سے کالج سے آپ کا نام خارج کر دیا گیا۔ انگریز حکمرانوں نے آپ کو جیل کی آہنی سلاخوں کے اندر محبوس رکھنے کے لئے کئی جھوٹے مقدمے بنانے کی کوشش کی مگر جب کوئی ٹھوس ثبوت نہ مل سکا تو آپ کو رہا کر دیا گیا آپ نے پرائیویٹ طور پر اپنی تعلیم کو جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا اور ساتھ ہی یہ طے کر لیا کہ اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے غیر ملکی استبداد کے خلاف ساری عمر جہاد کریں گے۔ آپ اپنے اس فیصلے کے بعد عملی طور پر سیاست میں حصہ لینے کے لئے خدائی خدمتگار تحریک میں شامل ہو گئے۔ سرحد کی حکومت نے دوبارہ آپ کو گرفتار کیا اور پانچ ماہ تک جیل میں بند رکھا

۱۹۴۲ء میں آپ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور تحریک پاکستان کے لئے انتھک جدوجہد کا آغاز کیا۔ سیاسی جدوجہد کے ساتھ ساتھ آپ اپنی تعلیمی ترقی کے لئے بھی سرگرم عمل رہے چنانچہ آپ نے پشتو آنرز کا امتحان پاس کرنے کے بعد پرائیویٹ طور پر ایف اے کا امتحان پاس کیا اور پھر ۱۹۴۵ء میں بی اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد وکالت کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے آپ علیگڑھ چلے گئے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ علیگڑھ سے وکالت کی ڈگری لے کر وطن واپس آئے اور پشاور میں وکالت شروع کی۔

علیگڑھ میں تعلیم کے دوران آپ نے آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اہم رکن کی حیثیت سے عوام کو مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے متحد کرنے کے لئے یوپی اور سی پی کے قصبوں اور گاؤں میں جا کر اہم خدمات سرانجام دیں اور مسلمانوں کو بتایا کہ وہ کانگرس کے فریب سے نجات پانے کے لئے مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں تاکہ مسلمان قوم مسلم لیگ کی جدوجہد سے اپنے

لئے ایک الگ وطن "پاکستان" حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ آپ آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی مجلس عاملہ کے رکن بھی تھے۔

قیام پاکستان کے بعد بعض مفاد پرست مسلم لیگی لیڈروں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے بنیادی اصولوں اور مسلم لیگ ہائی کمان سے انحراف کرتے ہوئے غیر جمہوری ہتھکنڈے شروع کر دیئے تھے۔ ان غیر جمہوری ہتھکنڈوں کے خلاف پیر صاحب مانکی شریف نے احتجاج کیا اور پاکستان میں سب سے پہلی اپوزیشن جماعت کی بنیاد ڈالی۔ اس جماعت کا نام عوامی مسلم لیگ رکھا گیا۔ یہ جماعت پشاور کے مشہور چرم فروش حاجی فدا محمد کے گھر میں قائم کی گئی۔

عوامی مسلم لیگ کی بنیاد ڈالنے والوں میں ارباب سکندر خان خلیل بھی تھے۔ سرحد میں اس سیاسی تبدیلی کے ساتھ ساتھ پنجاب میں بھی دولتانہ اور ممدوٹ کے درمیان اقتدار کے حصول کی کش مکش شروع ہو گئی اس اقتدار کی رسہ کشی کا آخر کار یہ نتیجہ نکلا کہ پنجاب میں نواب ممدوٹ نے بھی جناح مسلم لیگ کی بنیاد ڈال دی۔ مشرقی پاکستان میں بھی اسی طرح اقتدار کے حصول کے لئے رسہ کشی شروع تھی۔ مغربی پاکستان کے وہ لیڈر جنہوں نے مسلم لیگ سے بغاوت کر دی تھی۔ انہوں نے مشرقی پاکستان سے رابطہ قائم رکھا حسین شہید سہروردی بھی مسلم لیگ سے باغی ہو چکے تھے۔ مسلم لیگ کے تمام باغی لیڈر حسین شہید سہروردی کی قیادت میں عوامی مسلم لیگ میں کام کرتے رہے۔ بعد میں مشرقی پاکستان کے لیڈروں کے ایماء سے مسلم کا لفظ نکال کر اس جماعت کا نام عوامی لیگ رکھ دیا گیا۔ صوبہ سرحد میں عوامی لیگ کے پہلے صدر پیر صاحب مانکی شریف بنائے گئے۔ تو آپکو صوبہ سرحد کا نائب صدر مقرر کیا گیا۔

پاکستان میں اس پہلی اپوزیشن پارٹی کے قیام کے بعد پاکستان کے مختلف الخیال سیاسی لیڈروں نے پاکستانی سیاست میں باہمی اتحاد اور گٹھ جوڑ کر کے ایک نئی سیاسی پارٹی بنائی یہ نئی سیاسی پارٹی اس طرح بنی کہ خدائی خدمتگار تحریک پہ پابندی عائد تھی۔ بلوچستان

ہیں عبدالصمد اچکزئی کی تنظیم اور شہزادہ عبدالکریم اور جی ایم سید کی پارٹیاں اور میاں افتخار الدین کی آزاد پارٹی نے مل کر ۱۹۵۶ء میں ایک پارٹی کی بنیاد رکھی، جس کا نام پاکستان نیشنل پارٹی تھا۔ نیشنل پارٹی کا دائرہ مشرقی پاکستان تک وسیع کرنے کے لیے ۱۹۵۷ء میں ڈھاکہ میں مسلم لیگ کے خلاف ایک مضبوط سیاسی محاذ قائم کرنے کے لئے نیشنل پارٹی اور عوامی لیگ کو ضم کر کے نیشنل عوامی پارٹی کی بنیاد رکھی گئی تو آپ کو نیشنل عوامی پارٹی صوبہ سرحد کا پہلا صدر مقرر کیا گیا۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں آپ سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے مئی ۱۹۷۲ء میں آپ کو صوبہ سرحد کا گورنر مقرر کیا گیا۔ نیشنل پارٹی کے آئین کی رو سے آپ نے پارٹی کے عہدے سے استعفٰی دے دیا تھا۔ آپ مئی ۱۹۷۲ء تک صوبہ سرحد کے گورنر رہے۔ سرحد کے گورنر ہونے کی حیثیت سے آپ نے جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور افسر شاہی کا رجحان رکھنے والوں کی حوصلہ شکنی کے لئے ۲۳ ستمبر ۱۹۷۲ء کو اہم آرڈیننس جاری کیا جس کی رو سے کسی کی جائیداد کو یا کسی کے ذرائع آمدنی کو بغیر معاوضہ دیئے حکومت اپنی تحویل میں اور اپنے کنٹرول میں لینے کی مجاز تھی۔ اس آرڈیننس میں یہ وضاحت کی گئی تھی کہ اس آرڈیننس کے نفاذ کا یہ مطلب ہے کہ حکومت جس جائیداد یا جس ذرائع آمدنی کو اپنی ملکیت میں لے گی اس کی آمدن سے حکومت سرحد کے شہریوں کو مفت تعلیم اور مفت طبی امداد اور مفت رہائشی سہولیات فراہم کرے گی نیز اس آمدنی سے معذور، نادار، بیمار اور ضعیف لوگوں کی مدد کرے گی جن کا کوئی ذریعہ معاش یا آمدنی نہیں ہے۔

مذکورہ آرڈیننس سوشلزم کی عکاسی کرتا تھا۔ اس آرڈیننس کے نفاذ سے وہ لوگ جو قیام پاکستان کے بعد متروکہ جائیدادیں ہتھیا کر امیر سے امیر ترین بن گئے تھے یا جنہوں نے ناجائز طور پر الاٹمنٹیں کرا رکھی تھیں انتہائی خائف ہوئے۔ ایسے لوگوں نے اخبارات کے ذریعے تقریروں کے ذریعے یہ آوازیں بلند کیں کہ یہ آرڈیننس غیر اسلامی ہے۔ اس سلسلے میں ارباب صاحب نے راقم الحروف سے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔

"اسلام مساوات کا درس دیتا ہے یہ کیسے جائز ہے کہ چند آدمی ناجائز ذریعے سے زمینوں، جائیدادوں اور فیکٹریوں پر قبضہ کر کے عیش و عشرت کی زندگی بسر کریں اور باقی لوگ روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کو ترستے رہیں۔" ارباب صاحب نے تفصیلی طور پر وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ اس آرڈی ننس سے وہی زمینیں وہی جائیدادیں یا ذرائع آمدنی حکومت اپنی تحویل میں لے گی جس پر کسی نے ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے۔ اور اس جائیداد یا زمین یا ذرائع آمدنی سے غریب طلباء کو اعلیٰ تعلیم دلائی جائے گی عوام کو مفت طبی امداد مہیا کی جائے گی۔ رفاہی ادارے قائم کئے جائیں گے محتاجوں بے کسوں، بیواؤں اور یتیموں کے وظیفے مقرر کئے جائیں گے تاکہ وہ سکھ سے زندگی بسر کر سکیں۔

ارباب صاحب کا دوسرا اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے پشاور یونیورسٹی کے چانسلر کی حیثیت سے یہ حکم جاری کیا کہ یونیورسٹی کے تمام شعبوں میں قابلیت کی بنا پر طلباء کو داخلہ دیا جائے۔ اس حکم سے پہلے یونیورسٹی کے شعبوں میں گورنر۔ وی سی۔ اور حکومت کے اہم عہدیداروں کے لئے الگ الگ دو دو تین تین سیٹیں مخصوص ہوتی تھیں ان سیٹوں کے لئے قابلیت کا کوئی معیار نہ تھا۔ چاہے کوئی طالب علم تھرڈ ڈویژن میں کیوں نہ ہوتا وہ مخصوص سیٹوں کی وجہ سے آسانی سے یونیورسٹی کے اداروں میں آسانی سے داخل ہو جاتا جس کی وجہ سے قابل ترین طالب علموں کی حق تلفی ہوتی تھی۔ مگر ارباب صاحب کے اس حکم کے بعد یونیورسٹی کے اداروں میں لائق طلباء کی حق تلفی کا سدباب ہوا۔ گورنر سرحد کے لئے جو تین سیٹیں مخصوص تھیں ان تین سیٹوں پر تین یتیم بچوں نے قابلیت کی بنا پر داخل ہو کر اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اسی طرح لیڈی ریڈنگ ہسپتال کے متعلق عوام کو خاص شکایت یہ تھی کہ ڈاکٹر لوگ پشن بلاک کے مریضوں کی طرف خصوصی توجہ نہیں دیتے۔ اس شکایت کے پیش نظر ارباب صاحب گورنری کے عہدے کے دوران اکثر رات کے وقت اچانک

لیڈی ریڈنگ ہسپتال کے وارڈوں میں مریضوں کی حالت دیکھنے چلے جاتے۔ اور ڈاکٹروں کی چیکنگ کرتے۔ اس اچانک معائنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ رات کے وقت ڈاکٹر جو کتار ہنے کے لئے دار ڈوں میں موجود رہتے اس طرح مریضوں کی شکایات کا خاطر خواہ ازالہ ہوا۔

ارباب صاحب ایک بہترین مقرر اور بیدار مغز سیاستدان ہیں آپ سوشلزم کے زبردست حامی ہیں آپ نے تحریک آزادی میں اور قیام پاکستان کی جدوجہد میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ آپ انتہائی ملنسار خوش اخلاق اور پاکیزہ اوصاف کے مالک ہیں۔

محمد اسلم خان خٹک
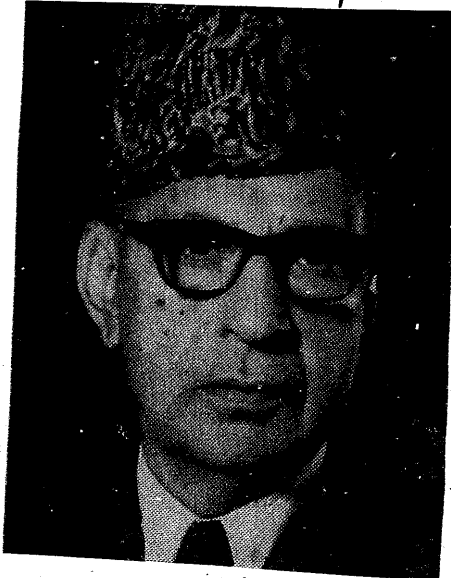
جناب محمد اسلم خان خٹک ۵ اپریل ۱۹۰۸ء کو چترال میں پیدا ہوئے انہوں نے پنجاب

یونیورسٹی سے بی اے اور آکسفورڈ یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ وہ بارایٹ لاء ہونے کے ساتھ ساتھ رائل اکیڈیمی کے اعزازی فیلو بھی ہیں۔ جناب محمد اسلم خان خٹک پشتو فارسی، اردو، پنجابی، عربی، فرانسیسی اور انگریزی میں گفتگو کر سکتے ہیں۔ وہ پاکستان کے سفیر بھی رہ چکے ہیں اور انہیں ستارۂ پاکستان کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

آکسفورڈ میں اپنے قیام کے دوران جناب محمد اسلم خان خٹک نے تحریک پاکستان میں چوہدری رحمت علی اور دوسرے زعماء کے ساتھ مل کر سرگرمی سے حصہ لیا اور ان کے دستخط اس پمفلٹ پر بھی موجود ہیں جس میں مملکت خداداد "پاکستان" کا نام تجویز کیا گیا تھا۔ انگلینڈ میں قیام کے دوران وہ "خیبر یونین" اور "تحریک پاکستان" دونوں کے صدر تھے۔

جناب محمد اسلم خان خٹک ایک ممتاز ادیب، تجربہ کار صحافی، مستقل مزاج اور با اصول ماہر نظم ونسق ہیں۔ وہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں معاشرتی اصلاح کا نقیب پشتو ڈرامہ "دوینو جام" بہت مشہور ہے اس کا ترجمہ انگریزی میں بھی کیا جا چکا ہے انہوں نے بعد از جنگ تعمیر نو کے محکمے کے سربراہ کے طور پر عوام کی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں اس سلسلے میں انہوں نے حکومت کو ترقیاتی منصوبوں صنعتوں کے قیام اور عوام کو روزگار فراہم کرنے کے ذرائع سے متعلق ایک جامع رپورٹ بھی پیش کی۔ وہ ڈائرکٹر انڈسٹریز اور رجسٹرار کوآپریٹو سوسائٹیز کے عہدوں پر بھی فائز رہ چکے ہیں اور اس طرح صنعت اور زراعت کے مسائل سے اُن کا براہ راست واسطہ رہا ہے۔ جب وہ محکمہ تعلیم کے ڈائرکٹر تھے تو انہوں نے سکولوں میں فوجی تربیت، دینیات کی تعلیم لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے یونیفارم لازمی قرار دی انہوں نے درس و تدریس کے پیشے کو پرکشش بنانے کے لئے اساتذہ اور لیکچراروں کی تنخواہوں کے سکیلوں پر نظر ثانی کی انہیں سکولوں اور کالجوں کے غیر پیشہ ورانہ فارغ التحصیل لڑکوں اور لڑکیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو مناسب روزگار فراہم کرنے حمل و نقل کے ذرائع بڑھانے صنعتی و امداد باہمی کے ادارے قائم کرنے اور کسانوں کی

پیداوار کی فروخت کے لئے انجمنیں اور ادارے قائم کرنے سے بہت دلچسپی رہی۔
جناب محمد اسلم خان خٹک ناخواندگی گداگری اور جرائم کے انسداد کے لئے بھی بہت کوشاں رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر جرائم کو بالکل ختم نہیں کیا جاسکتا تو ان کو کم از کم حد تک گھٹانے کی کوشش کرنی چاہیئے، جو کسانوں کے لئے اقتصادی اور مالی لحاظ سے تباہ کن ہے۔
سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد انہوں نے سیاست میں حصہ لیا۔ اور ضلع کوہاٹ میں اپنے انتخابی حلقے سے سابقہ مغربی پاکستان کی مجلس دستور ساز کے رکن منتخب ہوئے۔ وہ ۱۹۷۰ء میں صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور مئی ۱۹۷۲ء میں صوبائی اسمبلی کے سپیکر چنے گئے۔ ۱۵ فروری ۱۹۷۳ء کو آپ صوبہ سرحد کے گورنر بنے اور ۲۳ مئی ۱۹۷۴ء کو آپ گورنری کے عہدے سے مستعفی ہوئے۔ آپ کے والد خان بہادر قلی خان سرحد میں مسلم لیگ کے بانی کارکنوں میں سے تھے جنہوں نے سرحد میں مسلم لیگ کو منظم کرنے کے لئے انتھک جدوجہد کی۔ ان کے دل پسند مشغلوں میں پیراکی، ٹینس اور کوہ پیمائی شامل ہیں۔

میجر جنرل (ریٹائرڈ) سید غواث

ریٹائرڈ میجر جنرل سید غواث ۱۹۶۶ء میں فوج سے میجر جنرل کے عہدہ سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد عملی سیاست سے دور رہے اور انہوں نے کسی سیاسی پارٹی میں شمولیت اختیار نہ کی۔ ۲۳ مئی ۱۹۷۴ء کو انہوں نے گورنر کا حلف اٹھانے کے بعد یہ اعلان کیا کہ وہ کسی سیاسی و طبقاتی امتیاز کے بغیر انصاف کے اصولوں کے مطابق معاشرہ کے تمام طبقوں اور صوبہ کے عوام کی خدمت و فلاح و بہبود کی بھرپور کوشش کریں گے۔ آپ ۱۹۰۹ء میں مردان کے نواحی گاؤں ڈاگئی میں پیدا ہوئے آپ نے ۱۹۲۶ء میں گورنمنٹ ہائی سکول

۶ا مڑان سے میٹرک کا امتحان پاس کیا ۱۹۳۰ء میں اسلامیہ کالج پشاور سے بی اے ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ بطور روائی کیڈٹ فوج میں شامل ہوئے اور چار سال تک سپاہی کی حیثیت سے سروس کے بعد ۱۹۳۶ء میں کمیشن حاصل کر کے ملٹری کالج ڈیرہ دون چلے گئے یہاں سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے بطور سیکنڈ لیفٹنٹ برٹش رجمنٹ
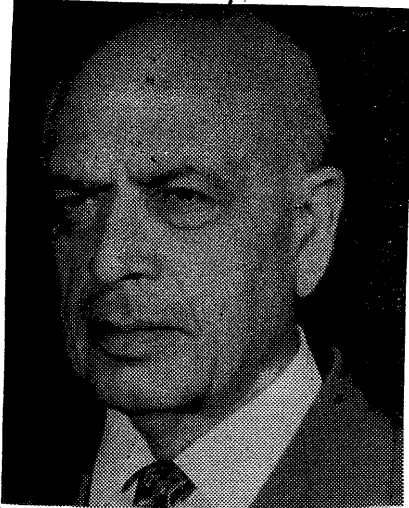
اور بلوچ رجمنٹ میں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۳ء میں آپکو ڈائریکٹر انٹیلی جنس مقرر کیا گیا۔ آپکو ۱۹۴۷ء میں لیفٹننٹ کرنل اور ۱۹۴۸ء میں کرنل کے عہدے پر ترقی ملی۔ ۱۹۵۰ء میں آپکو بریگیڈیر کے عہدہ پر ترقی دیکر کچھ عرصہ کے لئے لندن میں پاکستان ہائی کمیشن میں فوجی رابطہ افسر مقرر کر دیا گیا۔ مارچ ۱۹۵۷ء میں آپکو میجر جنرل بنایا گیا جبکہ اس سے قبل وہ انٹر سروز انٹیلی جنس کے ڈائرکٹر بھی رہے بحیثیت میجر جنرل انہوں نے پشاور اور لاہور میں پیادہ فوج کے ڈویژنوں کی کمان کی۔ وہ جولائی ۱۹۶۶ء میں اسی عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔

پاکستان سینٹ کے چیئرمین

خان حبیب اللہ خان

آپ مروت قوم کی سکندر خیل برانچ اور منیا خیل خاندان سے تعلق رکھتے ہیں آپ کے والد خان محمد اباز خان لکی کے ایک بہت بڑے لینڈ لارڈ تھے جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیت اور اعلیٰ
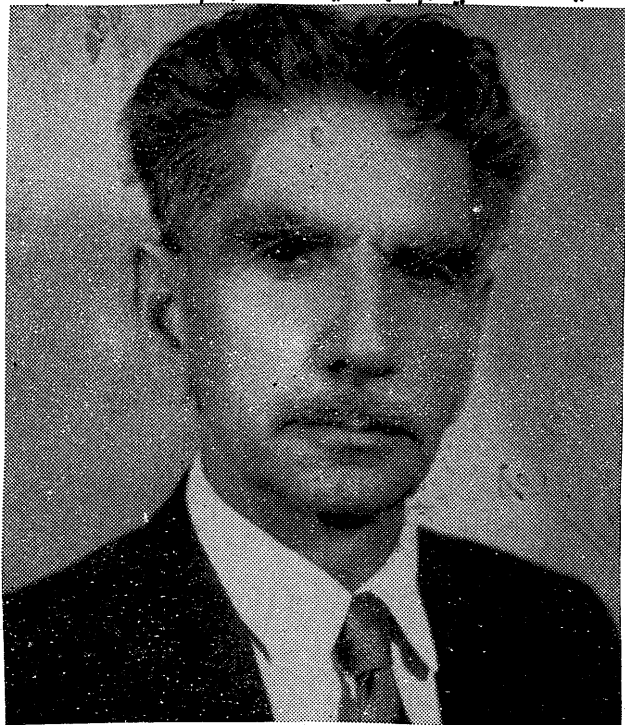
دماغی قابلیت کی وجہ سے ایک عرصے تک بنوں کے آنریری مجسٹریٹ اور جج کے فرائض

بھی سرانجام دیئے. مروت قوم ایک بڑی بہادر قوم ہے. یہ قوم قندھار اور غزنی کے راستے افغانستان سے ہوتی ہوئی لودھی خاندان کے دور میں پہلے پہل صوبہ سرحد میں داخل ہو کر پہلے درہ پکل میں آباد ہوئی بعد میں اس قوم کے کچھ قبیلے ٹانک اور ڈیرہ اسمٰعیل خان میں آباد ہو گئے اور کچھ قبیلے بنوں میں آ کر لکی میں آباد ہوئے. یہ قوم ایک آزاد منش قوم تھی بہادری میں بے مثال تھی. انگریزوں نے جب صوبہ سرحد میں اپنے پاؤں جمانا شروع کر دیئے تو اس قوم نے انگریزوں کے خلاف نہایت بہادری کے جوہر دکھائے. سکھوں کے خلاف بھی اس قوم نے کافی جد و جہد کی. انگریزوں نے بنوں پر قبضہ کرنے کے بعد کرنل لارنس کے گروہ کے ایک رکن نکلسن کو بنوں کا ڈپٹی کمشنر مقرر کر دیا تھا نکلسن تھا تو انگریز مگر اس نے بنوں کے بہادر پٹھانوں کو دام فریب میں لانے کے لئے بزرگانہ لبادہ اوڑھ رکھا تھا بظاہر وہ بہت ہی متقی اور پرہیز گار بنا ہوا تھا. آہستہ آہستہ اس نے بنوں کے بہادر پٹھانوں میں اپنے لئے یہ تاثر پیدا کر دیا تھا کہ بہت سے لوگ یہ خیال کرنے لگے تھے کہ پہلے زمانے میں جو مسلمانوں کے نامی گرامی مسلمان ہوئے ہیں وہ ایسے ہی تھے جیسے نکلسن ہے. مروت قوم کے ایک بہادر مجاہد کو ۱۸۵۶ء میں یہ راز معلوم ہوا کہ نکلسن بزرگی اور زہد و تقویٰ کے لباس میں مسلمان قوم کا خاتمہ کر رہا ہے تو اس مجاہد نے نکلسن کے خاتمے کا فیصلہ کیا چنانچہ اس بہادر مروت مجاہد نے نکلسن کے خاتمے سے پہلے اپنی تمام جائیداد خیرات کر دی اور گھر کا تمام اثاثہ خدا کی راہ میں دے دیا پھر قرآن مجید گلے میں ڈال کر ہاتھ میں تلوار لے کر نکلسن کے بنگلے پر پہنچا نکلسن اپنے بنگلے کے باغ میں بزرگوں کا چغہ پہنے ہوئے اپنے حواریوں کے درمیان کھڑا تھا مروت مجاہد اسے پہچانتا نہ تھا اس نے جاتے ہی پوچھا نکلسن کون ہے اور کہاں ہے؟ نکلسن کے ساتھ جتنے آدمی کھڑے تھے وہ مروت مجاہد کی ننگی تلوار کو دیکھ کر مجاہد کے ارادے کو بھانپ کر بولے ہم سب نکلسن ہیں مجاہد نے نکلسن کے اس محافظ کو کہا کہ تم درمیان سے ہٹ جاؤ میں آج اپنی تلوار کو نکلسن کے خون سے رنگین کرنے کا عہد

کر کے آیا ہوں اتنے میں نکلسن نے اپنے محافظ سے بندوق لے کر مجاہد پر تان لی اور کہا کہ تلوار چھوڑ دو ورنہ گولی سے اڑا دیئے جاؤ گے مجاہد نے یہ سنتے ہی پوری قوت سے تلوار اٹھا کر نکلسن پہ وار کرنا چاہا مگر ظالم اور خونخوار نکلسن نے تلوار کے وار سے پہلے ہی مجاہد کو گولیوں کا نشانہ بنا کر اسے شہید کر دیا۔ مجاہد کے سینے پر قرآن مجید لٹک رہا تھا گولی قرآن مجید میں سے گزرتی ہوئی مجاہد مروت کے سینے کو چھلنی کر کے بہادر مجاہد مروت کو شہادت کا درجہ عطا کر چکی تھی۔ اسی طرح مروت قوم آزادی کے حصول کیلئے انگریزوں کی سخت ترین دشمن رہی۔

محمد ایاز خان کے پانچ بیٹے تھے جن کے نام عبدالحمید خان، حبیب اللہ خان، نصراللہ خان، محمد عظیم خان اور عطاء اللہ خان ان سب نے تحریک آزادی میں کچھ نہ کچھ حصہ لیا ہے مگر حبیب اللہ خان نے جدوجہد آزادی میں وہ شاندار حصہ لیا ہے جو مروت قوم کی تاریخ میں ہمیشہ ایک یادگار رہے گا۔ حبیب اللہ خان ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو بنوں کی تحصیل لکی میں پیدا ہوئے یہی لکی تحصیل بنوں میں مروت قوم کا ایک اہم مرکز ہے اور تحصیل کا مرکز ہے۔

حبیب اللہ خان نے جب ہوش سنبھالا تو پہلے انہیں ایک مسجد میں قرآن مجید کی تعلیم دلائی گئی پھر لکی کے ورنیکلر مڈل سکول میں انہیں داخل کیا گیا جہاں سے آپ نے ۱۹۱۷ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا پھر جونیئر اور سنیئر کلاسوں میں دو سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ بنوں کے گورنمنٹ سکول میں داخل ہوئے جہاں سے آپ نے ۱۹۲۰ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا، بنوں میں تعلیم ختم کرنے کے بعد آپ اسلامیہ کالج پشاور میں داخل ہوئے ۱۹۲۴ء میں آپ نے اسلامیہ کالج پشاور سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔

اسلامیہ کالج پشاور میں تعلیم کے دوران آپ نے سیاسی جدوجہد میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ تحریک ہجرت کے دوران آپ نے ان مہاجرین کے قافلوں کی کافی مدد کی، جو ہندوستان کو دارالحرب سمجھ کر افغانستان کی طرف ہجرت کر رہے تھے۔ آپ نے ان مہاجرین کی کافی خدمت کی جب اسلامیہ کالج پشاور میں آپ فسٹ ایئر میں تھے تو خان

عبد القیوم خان کی قیادت میں آپ نے اسلامیہ کالج میں ہڑتال کرانے میں بھی اہم کردار بھی ادا کیا۔ یہیں سے آپ کی سیاسی بیداری کی ابتدا ہوتی ہے۔ اسلامیہ کالج سے بی اے کرنے کے بعد آپ نے ۱۹۲۴ء میں علیگڑھ چلے گئے جہاں سے آپ نے ۱۹۲۶ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا علیگڑھ کے قیام کے دوران بھی آپ سیاسی حلقوں کے سیاسی کارناموں سے وابستہ رہے علی برادران کے جلسے جلوسوں اور دوسرے سیاسی رہنماؤں کے جلسوں میں شرکت کرتے رہے۔ ۱۹۲۷ء میں آپ نے بنوں میں آکر وکالت شروع کر دی اگرچہ آپ علیگڑھ کے قیام کے دوران ہی سیاست سے وابستہ ہوگئے تھے مگر ۱۹۲۸ء میں جب کہ آپ بنوں میں وکالت کر رہے تھے تو آپ ایک ادنیٰ رضا کار کی حیثیت سے کانگرس میں شامل ہوگئے۔ کانگرس میں شمولیت کے بعد آپ نے زیادہ تر وقت جدوجہد آزادی میں صرف کرنا شروع کر دیا۔ ۱۹۲۹ء میں آپ لاہور میں آل انڈیا کانگرس کے اجلاس میں شامل ہوئے لاہور سے آنے کے بعد آپ نے ایک نئے جوش اور نئے ولولوں کے ساتھ آزادی کی تحریک میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ آپ جلسوں میں مقرر کی حیثیت سے شامل ہونے لگے آپ کی تقریروں میں بلا کا زور اور جوش ہوتا تھا۔ آپکی تقریروں میں بے پناہ اثر ہوتا تھا قدرت نے فن خطابت آپکو فطری طور پر عطا کیا ہے سرحد کی حکومت آپکی تقریروں سے بہت خائف تھی فروری ۱۹۳۰ء میں آپ نے بنوں میں پریڈی دروازے کے باہر ایک عظیم الشان جلسے سے خطاب کرتے ہوئے لوگوں کو کہا کہ وہ متحد ہوکر انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کریں۔

سرحد کی انگریزی حکومت نے آپکی اس تقریر کو باغیانہ تقریر قرار دیتے ہوئے آپکو گرفتار کر لیا اور دفعہ ۱۲۴ کے تحت آپکو تین سال کے لئے قید با مشقت کی سزا دے کر جیل میں بند کر دیا۔ آپ نے کچھ عرصہ تو بنوں جیل میں گزارا اور کچھ عرصہ پشاور جیل میں یہ سزا کاٹی ۱۹۳۱ء میں جب گاندھی ارون پیکٹ کے تحت تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کیا گیا تو آپکو بھی جیل سے رہائی ملی۔

۱۹۳۲ء میں آپ صوبہ سرحد کی لیجسلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔ آپ اپنی قابلیت
کی بنا پر اپوزیشن کے ڈپٹی لیڈر اور ڈپٹی سپیکر بھی منتخب ہوئے لیجسلیٹو کونسل میں ملک خدا بخش
اپوزیشن لیڈر تھے اور آپ کے ساتھ پیر بخش خان۔ بیرسٹر عبدالرحیم خان کنڈی عبدالحمید
خان کنڈی ایڈوکیٹ۔ عبدالقیوم خان سواتی۔ عبدالغفور خان پڑانگ، اپوزیشن میں تھے
۱۹۳۷ء تک آپ اپوزیشن میں رہ کر صوبہ سرحد کے عوام کی حمایت میں ہر اس اقدام کی مخالفت
کرتے رہے جو سرحدی عوام کو ان کے حقوق سے محروم کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا تھا۔
۱۹۳۷ء میں آپ نے کانگرس کی ہندو نواز پالیسی کو دیکھ کر کانگرس سے علیحدگی اختیار
کر لی انہی دنوں علامہ مشرقی بنوں میں تشریف لائے ہوئے تھے وہ آپ ہی کے گھر پر مقیم تھے
علامہ صاحب نے ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے جب مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ
اور انگریزوں کے غلامی سے نجات حاصل کرنے پر ولولہ انگیز تقریر کی تو آپ بھی علامہ صاحب
کی نظریہ سے متاثر ہو کر خاکسار تحریک میں شامل ہو گئے۔ خاکسار تحریک میں شامل ہونے
کے بعد آپ نے اس تحریک کی کامیابی کے لئے بنوں میں انتھک کوشش شروع کی آپکی
بے لوث کوشش کو دیکھ کر آپ کو بنوں کے ضلع کا سالار اول مقرر کیا گیا۔ خاکسار تحریک
میں سالار اول کی حیثیت سے آپ نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوئی کمی نہ کی۔ بنوں
ڈیرہ اسمٰعیل خان۔ کوہاٹ۔ اتمان زئی وغیرہ میں خاکساروں کے کیمپ منعقد کر کے اجتماعوں
سے خطاب کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاکسار تحریک نے اس علاقے میں کافی اثر و رسوخ حاصل
کیا ۱۹۳۹ء میں جب لکھنؤ میں شیعہ سنی فساد ہوا تو آپ میاں احمد شاہ بیرسٹر مولوی عبداللہ
جان۔ عبداللہ جان ایڈوکیٹ اور کئی دوسرے لیڈروں کے ساتھ لکھنؤ پہنچے۔ لکھنؤ کا یہ
شیعہ سنی فساد دراصل انگریزوں کی ایک سازش کی وجہ سے تھا۔ انگریز جہاں بھی دیکھتے
کہ مسلمان متحد ہونے کی کوشش کر رہے ہیں تو ان کے شیرازے کو بکھیرنے کے لئے انہوں نے
اپنی حکومت کے دوران اکثر اس قسم کے حربے اختیار کئے۔

خان حبیب اللہ خان اور دوسرے خاکسار لیڈروں نے لکھنؤ پہنچ کر شیعہ سنی اتحاد کیلئے کوششیں شروع کر دیں تاکہ انگریزوں کی چال کارگر ثابت نہ ہو سکے آپ نے رضا کارانہ پریڈ اور مصنوعی جنگ کے مظاہرے شروع کرا دیئے حکومت نے دوسرے لیڈروں سمیت آپ کو بھی گرفتار کر لیا ان دنوں لکھنؤ میں ولبھ بھائی پنتھ وزیر اعلیٰ تھے ہندوؤں کی اگرچہ وزارت تھی مگر پنتھ جی بھی اسی اصول پہ کار فرما تھے کہ مسلمانوں سے اتحاد نہ ہونے پائے لکھنؤ میں تین ماہ قید گزارنے کے بعد آپ کو رہا کر دیا گیا مگر رہائی کے بعد جب یوپی میں خاکساروں کے جھنڈے گاڑنے لگے تو حکومت نے آپکو دوبارہ گرفتار کر لیا اور ایک سال کے لئے جیل میں بند کر دیا۔ اس کے تھوڑے عرصے کے بعد جب دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو کانگرسی وزارتوں نے استعفے دے دیئے تو تمام قیدیوں کے ساتھ آپکو بھی رہا کر دیا گیا۔ جن دنوں آپ لکھنؤ جیل میں تھے انہی دنوں آپکی بیٹی آپکی عدم موجودگی میں فوت ہوئی جس کے جنازے میں بھی آپ شامل نہ ہو سکے۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں جب لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی اور قائداعظم نے برصغیر کے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے متحد ہو کر حصول پاکستان کیلئے جانی اور مالی قربانیاں دینے کے لئے میدان عمل میں نکلیں تو آپ خاکسار تحریک سے جدا ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ مسلم لیگی ہونے کی حیثیت سے بھی آپ نے جدوجہد آزادی کے لئے بڑھ چڑھ کر کام کرنا شروع کر دیا اپنا تمام وقت حصول پاکستان کی جدوجہد میں وقف کر دیا۔ اگرچہ آپ ایک بلند پایہ وکیل تھے مگر آپ نے ہمیشہ وکالت کو چھوڑ کر اپنا تمام تر وقت مسلم لیگ کی جدوجہد کیلئے وقف کر دیا۔ سرحد میں سرخ پوشوں کا زور تھا کانگرس اس صوبے میں پانی کی طرح روپیہ بہا کر لوگوں کے ضمیروں کو خرید کر کانگرس کا ہمنوا بنا رہی تھی آپ نے لکی میں اس زور شور سے کام شروع کیا کہ آپکی کوششوں سے لکی کے تمام کانگرسی مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے متحد ہو گئے۔ آپکی ان بے لوث اور انتھک کوششو کی بنا پہ آپکو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا ممبر اور سرحد کی صوبائی مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی

کا ممبر منتخب کیا گیا۔ آپکے تمام خاندان کی عورتیں پردے کی بیحد پابند تھیں گھروں کی چار دیواری سے ان مستورات نے قدم باہر نہیں رکھے تھے مگر تحریک پاکستان میں آپکے ایماء پر آپکی بیوی محترمہ ممتاز بیگم نے لکی اور بنوں میں زنانہ مسلم لیگ کی تنظیم کا کام بھی شروع کر دیا محترمہ ممتاز بیگم نے لاہور اور پشاور کی خواتین کو لکی میں مدعو کر کے جلسے کرائے ان تمام مہمان خواتین کو لکی میں ہر قسم کی سہولت بہم پہنچائی اور بنوں میں بھی جگہ جگہ جلسے کرا کر زنانہ مسلم لیگ کی تنظیم میں اہم مدد دی ان کی کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ لکی کی تمام عورتیں مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے متحد ہو گئی تھیں محترمہ ممتاز بیگم نے اپنے شوہر کے ایماء پر زنانہ مسلم لیگ کو منظم کرنے میں بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔

خان حبیب اللہ خان نے مسلم لیگ کی تنظیم کیلئے بے لوث خدمات سرانجام دی ہیں۔ قائد اعظم نے جب نواب محمد وٹ کی زیر صدارت صوبہ سرحد کے لئے الیکشن بورڈ مقرر کیا تو آپ کو بھی اس بورڈ کا ممبر اور سیکرٹری مقرر کیا گیا تھا آپ نے تندہی سے اپنے فرض کو نبھایا۔

۱۹۴۶ء میں آپ صوبہ سرحد کی صوبائی اسمبلی کے لئے ممبر منتخب ہوئے مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی کے دوران آپکو پھر گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں آپ اس وفد میں بطور سرگرم ممبر کے شامل تھے جس وفد نے خان ثمین جان خان کی قیادت میں دہلی جا کر قائد اعظم سے ملاقات کر کے ان سے یہ درخواست کی تھی کہ سرحد سے ڈاکٹر خان صاحب کی کانگرس وزارت کو برطرف کرانے کیلئے گورنر سے بات چیت کرنے کے لئے دباؤ ڈالا جائے کیونکہ سرحد میں مسلم لیگ اکثریت میں ہے اور کانگرسی وزارت محض برائے نام اس صوبے پر مسلط رہ کر مسلم لیگیوں پر ظلم و تشدد کر رہی ہے۔ اس کے بعد جب صوبہ سرحد میں کانگرسی وزارت کے خلاف تحریک سول نافرمانی شروع کی گئی تو آپکو بنوں سے گرفتار کر کے ایک سال کے لئے پشاور جیل میں بند کر دیا گیا مگر جولائی ۱۹۴۷ء میں چار ماہ کے بعد آپکو رہا کیا گیا۔

پاکستان کے قیام کے بعد دسمبر ۱۹۴۷ء میں سرحد کی وزارت کی طرف سے آپ کو سیاست سے ہٹانے کیلئے یہ پیشکش کی گئی کہ

اسمبلی کی ممبری کی رکنیت سے مستعفی ہو جائیں اور جسٹس رام لبھایا کے جوڈیشل کمشنر جج کے جانے تک سیشن جج رہیں اور پھر اس کے جانے کے بعد آپکو ترقی دیکر اس کی جگہ جوڈیشل کمشنر جج مقرر کر دیا جائے گا مگر جب جسٹس رام لبھایا ہندوستان چلے گئے ان کی جگہ اس وقت کے ایڈووکیٹ جنرل ملک خدا بخش کو جوڈیشل کمشنر جج مقرر کر دیا گیا۔ چونکہ وہ اسمبلی کے اپوزیشن لیڈر رہ چکے تھے اور آپ ان کے ڈپٹی لیڈر تھے اس لئے آپ نے کوئی اعتراض نہ کیا اور خاموشی اختیار کر لی۔

۱۹۵۱ء میں جبکہ آپ سیشن جج تھے آپنے نوکری سے استعفیٰ دیدیا تاکہ الیکشن میں حصہ لیکر اسمبلی میں جا کر ملک کی تعمیر کیلئے خدمات سر انجام دے سکیں آپکا استعفےٰ تین ماہ تک منظور نہ کیا گیا اسی دوران آپ پر یہ الزامات عائد کئے گئے کہ آپ نے ملازمت میں رہنے کے باوجود پبلک جلسوں سے خطاب کیا چنانچہ بجائے اس کے کہ آپکا استعفےٰ منظور کیا جاتا آپ کو معطل کر دیا گیا۔ جب الیکشن ختم ہو گئے تو ۱۹۵۲ء میں شیخ محمد شفیع جج ہائیکورٹ نے آپکے خلاف الزامات کی تحقیق کی تو ثابت ہوا کہ یہ الزامات سراسر بے بنیاد اور ذاتی چپقلش کی بنا پر عائد کئے گئے تھے چنانچہ آپکو ان الزامات سے بری کر کے آپکو بحال کر دیا گیا۔ اس کے بعد آپ سیشن جج اور پھر کچھ عرصے کیلئے جوڈیشل کمشنر کے جج بھی رہے ۱۹۵۵ء میں آپ ہائیکورٹ کے جج مقرر ہوئے اور اکتوبر ۱۹۶۱ء میں آپ نے ریٹائر ہو کر دوبارہ سیاسی زندگی کا آغاز کیا تاکہ تعمیر وطن کیلئے خدمات سر انجام دے سکیں۔

۱۹۶۲ء میں بنوں اور لکی کے حلقے سے آپ صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں آزاد امیدوار منتخب ہوئے اسی سال حکومت پاکستان نے آپکو مرکزی وزیر داخلہ و امور کشمیر کا وزیر مقرر کیا۔ ۱۹۶۵ء میں آپ کو صوبائی وزیر مال اور بحالیات کا قلمدان سپرد کیا گیا اور لیڈر آف دی ہاؤس بھی مقرر ہوئے۔ جب گورنر مغربی پاکستان ملک امیر محمد خان سبکدوش کر دیئے گئے تو ان کے ساتھ ساتھ صوبائی کابینہ کو بھی ختم کر دیا گیا تو آپ بھی سبکدوش ہو

گئے ۱۹۶۵ء سے ۱۹۶۶ء تک آپ صوبائی وزیر مال اور صوبائی اسمبلی میں ہاؤس کے لیڈر بھی رہے بنوں میں وکالت اور قیام کے دوران آپ نے پانچ چھ سال تک بنوں بار ایسوسی ایشن کی صدارت کے فرائض بھی خوبی سے سرانجام دیئے۔

اخلاق وعادات: آپ نہایت ہی حلیم الطبع اور بردبار شخصیت کے مالک ہیں بہترین مقرر ہیں جیل کی زندگی میں آپ نے اپنے دوست احباب کو جو خطوط لکھے ہیں افسانہ درد کے عنوان سے ان تمام خطوط کی نقلیں آپ کے پاس محفوظ ہیں یہ خطوط اردو ادب کا ایک بیش قیمت سرمایہ ہیں اسی جیل کی زندگی کے دوران آپ نے سینکڑوں کی تعداد میں پشتو اشعار بھی کہے ہیں ان پشتو اشعار کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کو پشتو زبان کے قدرتی شاعر ہونے کا بھی فخر حاصل ہے آپ کا پشتو کا کلام پشتو ادب کا ایک قیمتی سرمایہ ہے فریب ریاکاری اور تصنع سے آپکو بہت زیادہ نفرت ہے، بیباک اور بے لاگ گفتگو کرتے ہیں سیاسی زندگی میں ان کا کردار ہمیشہ منفرد رہا ہے وہ سیاسی گٹھ جوڑ کے سلسلہ خلاف رہے ہیں آپ کے پیش نظر ہمیشہ یہ بات رہی ہے کہ سیاستدانوں کو قیام پاکستان کے بعد سیاسی شعبدہ بازیوں سے الگ تھلگ رہ کر ملک اور قوم کی خدمت کرنا چاہیئے

آپکی طبیعت میں صبر اور تحمل بہت زیادہ ہے، ۱۹۳۰ء میں جب کہ آپ جیل میں تھے تو آپکے عزیز بھائی کا انتقال ہوگیا آپکو جنازے میں شرکت کرنے کی اجازت نہ دی گئی دوسرے دن آپکے رشتہ داروں کے اصرار پر حکومت صوبہ سرحد نے ایک دن کیلئے آپ کو پیرول پر رہا کیا اور آپ نے اپنے بھائی کی قبر پہ جاکر فاتحہ خوانی کی اور اس کے بعد پھر آپ کو جیل میں لے جاکر بند کردیا گیا۔ آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے غالب۔ ذوق، اقبال اور دوسرے اردو کے مشہور ادیب اور شاعروں کے کلام کا آپ نے گہرا مطالعہ کیا ہے قرآن مجید کی تفسیر اور اسلامی کتابوں کا بھی آپ نے گہرا مطالعہ کیا ہے۔ فن تقریر پر آپکو فطری عبور حاصل ہے

قیام پاکستان کے بعد آپ نے مسلم لیگ کو از سر نو عوامی جماعت بنانے کے لئے کافی کوشش

کی کنونشن مسلم لیگ کی بنیاد رکھنے والوں میں آپ کا بھی اہم حصہ ہے۔ کنونشن مسلم لیگ کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں ابراہیم خان آف جھگڑا، فضل قادر چودھری، مسٹر بھٹو، راجہ حسن اختر اور مسٹر خورشید کے ساتھ آپ کی کوششوں کا کافی ہاتھ ہے۔

آپ نے اپنے اقتدار کے زمانے میں لکی میں انٹرمیڈیٹ کالج کے قیام کی جدوجہد میں اہم کردار ادا کیا۔ بنوں کے ان علاقوں میں جہاں عوام کو پینے کا پانی میسر نہیں آتا ان علاقوں میں لوگوں کو پینے کے پانی کی سہولیات مہیا کرنے کے لئے مختلف تدبیروں کو بروئے کار لانے میں کوشش کی۔ اسی ضمن میں آپ نے سوا چل سکیم شروع کرائی جس سے ڈیرہ اسمٰعیل خان اور لکی تحصیل کے دونوں علاقوں میں عوام کو پینے کے پانی میں کافی سہولیات فراہم ہونے کے امکانات روشن ہوئے۔

وزارت آبادکاری کے دوران آپ نے الاٹمنٹ کے نظام کو بہتر بنانے کی کوشش کی تاکہ مہاجرین کو آبادکاری میں آسانی ہو۔ قیام پاکستان کے بعد مفاد پرست اور خود غرض لوگوں نے متروکہ زمینوں کارخانوں اور جائیدادوں کی اندھا دھند غلط الاٹمنٹ کرا کر اپنی قسمت کو چار چاند لگانے شروع کر دیئے تھے۔ آپ نے وزیر مہاجرین اور آبادکاری کی حیثیت سے یہی کوشش کی کہ کوئی شخص غلط طور الاٹمنٹ نہ کرانے پائے۔ اس ضمن میں آپ نے آبادکاری کے محکمے میں کافی اصلاح بھی کی۔ جن حقدار مہاجرین کو جائیدادوں کی الاٹمنٹ میں قسم قسم کی مشکلات پیش آ رہی تھیں ان کی مشکلات کو آپ نے دور کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

پاکستان میں پہلی مرتبہ جب سینٹ کے انتخابات ہوئے تو آپ کو بنوں کے حلقے سے سینٹ کا ممبر منتخب کیا گیا۔ سینٹ کے پہلے ہی اجلاس میں سینٹ کے ممبروں نے متفقہ طور پر آپ کو سینٹ کا چیئرمین منتخب کیا۔ آپ ایک بے لوث سیاستدان اور بہترین ادیب ہیں۔ پشتو اکیڈیمی اور انجمن ترقی اردو کو چاہیئے کہ آپ کے مجموعہ

نظم و نثر سے اردو اور پشتو ادب میں بیش قیمت ادبی اضافے کے لئے سلسلہ جنباتی شروع کریں۔

خان بہادر سعد اللہ خان

آپ ۲۹ دسمبر ۱۸۸۰ء کو عمرزئی میں پیدا ہوئے آپکے والد کا نام حاجی عبداللہ خان

تھا آپ عمرزئی تحصیل چارسدہ ضلع پشاور کے لینڈ لارڈ اور سلجھے ہوئے دماغ کے مالک تھے سعد اللہ خان نے ابتدائی تعلیم عمرزئی میں حاصل کی میٹرک مشن سکول پشاور سے اور ایف اے گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیا۔ ایف اے کے بعد ۱۹۰۳ء میں محکمہ مال میں بطور پٹواری ملازم ہوئے۔ اور ترقی کرتے کرتے ڈی سی ہو کر ریٹائر ہوئے۔

اپریل ۱۹۱۹ء میں آپ کو خان بہادر کا خطاب دیا گیا۔ جنوری ۱۹۲۲ء میں پشاور کے پولیٹیکل افسر مقرر ہوئے۔ اپریل ۱۹۲۰ء سے نومبر ۱۹۲۵ء تک نوشہرہ کے اسسٹنٹ کمشنر رہے دسمبر ۱۹۲۵ء سے مارچ ۱۹۲۶ء تک پشاور کے سٹی مجسٹریٹ اور پھر دسمبر ۱۹۲۶ء میں پشاور کے اسسٹنٹ کمشنر بنے۔ دسمبر ۱۹۲۷ء سے اپریل ۱۹۲۹ء تک مانسہرہ کے اسسٹنٹ

کمشنر رہے۔ اپریل ۱۹۲۹ء سے اکتوبر ۱۹۲۹ء تک دوبارہ پشاور کے سٹی مجسٹریٹ رہے۔
مارچ ۱۹۳۰ء سے ۹ مئی ۱۹۳۰ء تک پشاور کے سٹی مجسٹریٹ کے عہدے پہ رہے ۱۶ مئی ۱۹۳۰ء سے ۱۰ جون ۱۹۳۰ء تک ہزارہ کے ڈسٹرکٹ جج رہے۔

آپ اسلامی جذبے سے سرشار تھے مسلمان قوم کی فلاح و بہبود اور خیر خواہی کا ہمیشہ دم بھرتے رہے باوجود اس کے کہ انگریزی ملازمت میں تھے مگر آپ انگریزی ملازمت پہ قومی مفاد کو ترجیح دیتے رہے۔ ۱۹۳۰ء میں انگریزوں نے جب قصہ خوانی میں پشاور کے لوگوں کو بے گناہ موت کے گھاٹ اتارا تو اس وقت آپ پشاور کے سٹی مجسٹریٹ تھے انگریز حکومت کے اس ظلم کی بعد میں جب تحقیقات ہوئی تو آپ نے انگریزی حکومت کو قصور دار گردانتے ہوئے تحقیقاتی بورڈ کے سامنے گواہی دی جس کی پاداش میں سزا کے طور پہ آپ کو ہندوستان کے دور دراز علاقے مہو میں تبدیل کر دیا گیا۔

اس کے بعد جتنا عرصہ ملازمت میں رہے انگریزوں کے معتوب رہے آخر میں آپ بنوں کے ڈی سی ہوئے اور اسی عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔ ملازمت سے الگ ہونے کے بعد آپ نے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ سر صاحبزادہ کے ایما پہ آزاد مسلم پارٹی میں شامل ہو گئے۔ بعد میں انہوں نے اسلامی جرگے کی بنیاد ڈالی یہی اسلامی جرگہ بعد میں سرحد میں مسلم لیگ کی بنیاد کا باعث بنا۔ صاحبزادہ عبدالقیوم اور آپ دونوں کے باہمی مشورے سے سرحد میں مسلم لیگ کے قیام کے لئے جدوجہد شروع ہوئی۔ ابھی یہ پروگرام ابتدائی مرحلوں میں تھا کہ صاحبزادہ کا انتقال ہو گیا اس کے بعد آپ نے عمرزئی کے بڑے بڑے خوانین کو راضی کر کے عمرزئی میں ایک عظیم الشان جلسہ کیا اور اس جلسے میں مسلم لیگ کے قیام اور اس کی ضرورت سے عوام کو آگاہ کیا۔

جب ہندوستان کے مسلمانوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر متحد ہونا شروع کیا تو آپ اس وقت سرکاری ملازمت میں تھے مگر مسلم لیگی زعما سے باقاعدہ درپردہ

رابطہ قائم رکھا جونہی آپ ۱۹۳۶ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے آپ نے سرحد میں مسلم لیگ کی تنظیم کیلئے کوششیں شروع کر دیں۔ آپ ہی کی کوششوں سے سرحد میں مسلم لیگ کی داغ بیل پڑی۔ اگر آپ جیسی بلند ہمت شخصیت ابتدائی دنوں میں سرخ پوش تحریک کے مقابلے میں مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے آگے نہ بڑھتی تو اس صوبے میں مسلم لیگ کا نام ونشان تک نہ ہوتا۔

سرحد میں جب سر صاحبزادہ کی قیادت میں پہلی وزارت بنی تو سر صاحبزادہ نے آپکو اپنی کابینہ میں وزیر زراعت لیا آپ نے سرحد کے وزیر زراعت ہونے کی حیثیت سے سرحد میں زراعت کو ترقی دینے کے لئے اہم اصلاحات نافذ کیں۔

۱۹۳۹ء میں آپکو صوبائی مسلم لیگ کا صدر منتخب کیا گیا آپ نے بڑے آڑے دنوں میں مسلم لیگ کی صدارت کا عہدہ قبول کر کے سرحد کے کونے کونے میں جا کر مسلم لیگ کی تنظیم اور قیام کیلئے کوششیں کیں جگہ جگہ جا کر جلسے کئے اور سرحد کے مسلمانوں کو مسلمان قومیت کا احساس دلا کر انہیں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر متحد کرنے کی کوشش کی آپ ۱۹۴۱ء تک آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے۔ ۱۹۴۳ء میں جب سرحد میں مسلم لیگ وزارت بنی تو اس وزارت کے قیام میں بھی آپ ہی کا ہاتھ تھا۔ مسلم لیگ کی وزارت کے دوران آپ نے سرحد اسمبلی میں قرارداد پاکستان کی تحریک منظوری کے لئے پیش کی تاکہ اس کا اثر صوبہ سرحد کے علاوہ انگریزوں پر بھی پڑ سکے اور وہ سمجھ سکیں کہ صوبہ سرحد کے عوام پاکستان کے مطالبہ کی پرزور تائید کرتے ہیں مگر یہ قرارداد ایک مسلم لیگی وزیر کے عدم تعاون کی وجہ سے پاس نہ ہو سکی اس بات پر آپ کو شدید صدمہ پہنچا چنانچہ اس کے بعد آپ نے نام کے مسلم لیگی وزیروں کے خلاف ایک جدوجہد کا آغاز کیا تاکہ وہ قومی مفاد کو مزید نقصان نہ پہنچا سکیں۔

تحریک آزادی کے دوران آپ نے ہزاروں روپیہ خرچ کر کے ہندوستان کے

چونی ٹے کے علماء کو پشاور مدعو کر کے جلسے کراتے تاکہ سرحد کے مسلمان اسلامی قومیت کا احساس اپنے اندر پیدا کر سکیں اور کانگرسی اثر سے نجات حاصل کر سکیں۔ اسی طرح آپ نے عمر زئی کو مسلم لیگ کا گڑھ بنا کر اتمان زئی کی کانگرس نواز شخصیتوں کا مقابلہ کیا۔ آپ نے مسلم لیگ کو مقبول عام بنانے کے لئے خود ہزاروں روپیہ خرچ کر کے عمر زئی کے کاشت کاروں اور زمینداروں کو سبز وردیاں پہنائیں اور ہر دوسرے تیسرے روز عمر زئی میں مسلم لیگ کے زیر اہتمام جلسے کرا کر پاکستان زندہ باد اور قائد اعظم زندہ باد کے نعروں سے اتمان زئی کے ستونوں کو لرزایا۔ حصول پاکستان کی جدوجہد میں آپ نے برصغیر کے کئی علاقوں کا دورہ کیا۔ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان کے موقع پر آپ نے سینکڑوں کارکنوں کو سبز وردیاں پہنا کر اپنے خرچ پر لاہور کے منٹو پارک میں پہنچایا جہاں حصول پاکستان کی قرارداد پیش ہوئی۔ اس تاریخی اجتماع میں آپ کے دو بیٹے یعقوب اور ریاض نے قرارداد پاکستان پیش ہونے کے دن سٹیج پر قائد اعظم کے دائیں بائیں ننگی تلواریں اٹھائے ہوئے قائد اعظم کے محافظ کے فرائض ادا کرتے ہوئے سرحد کی نمائندگی کرتے ہوئے "ملت کا پاسباں ہے محمد علی جناح" کے نغمے الاپے۔

۱۹۳۷ء میں سرحد اسمبلی کے پہلے جنرل انتخابات کے موقع پر آپ سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ صاحبزادہ عبدالقیوم کے بعد اسلامیہ کالج کے عرصے تک آپ آنریری سیکرٹری اور ٹرسٹی رہے۔ ان کے زمانے میں انگریزوں نے بڑی کوشش کی کہ وہ اسلامیہ کالج کے آئین کو اپنی مرضی کے مطابق بنا کر اس پہ پورا کنٹرول حاصل کر سکیں۔ مگر آپ نے نہایت بہادری کے ساتھ انگریزوں کا مقابلہ کیا اور انہیں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ کننگھم نے آپ کو رام کرنے کے لئے نوابی کا لالچ دیا مگر آپ نے قومی مفاد کے معاملے میں ہر لالچ کو ٹھکرایا۔ آپ قیام پاکستان کے بعد ۲۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو فوت ہوئے۔

مہر چند کھنہ

رائے بہادر مہر چند کھنہ سرحد کے بنکار اور زمیندار ہونے کے علاوہ ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کے سب سے کم عمر وزیر تھے۔ وزارت کے منصب پر فائز ہوتے وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ آپ نے ایڈورڈز مشن کالج پشاور سے بی اے کی ڈگری حاصل کی ۱۹۳۷ کے انتخابات میں آپ اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے سرحد کی ہندو سکھ نیشنلسٹ پارٹی کی طرف سے آپکو سرحد کی پہلی کابینہ میں وزیر نامزد کیا گیا اس سے پہلے وہ مسلسل پندرہ سال تک صوبہ سرحد میں نمایاں شخصیت کے حامل تھے۔ کیونکہ آپ نے اپنے آپ کو میونسپل اور کنٹونمنٹ کے معاملات کی بہتری کیلئے وقف کر دیا تھا آپ ہندو قوم کے مفادات کے تحفظ کیلئے مختلف انجمنوں کے ممبر بھی رہے آپ پنجاب نیشنل بنک کے ڈائریکٹر تھے مگر اس دوران ان کی زیادہ توجہ آل انڈیا کنٹونمنٹ ایسوسی ایشن کی طرف تھی آپ ہندو سبھا پشاور کے صوبائی صدر تھے اور راجہ سر نریندرا ناتھ کی صدارت میں پشاور میں منعقد ہونے والے ہندو مہاسبھا کی صوبائی کانفرنس کی استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین تھے۔ آپنے ہندو قوم کی خدمت کرنے کے لئے متعدد سرکاری کمیٹیوں میں کام کیا جن میں ریگولیشن انکوائری کمیٹی اور رائے دہندگی کمیٹی اور لوتھیان اور سینڈ انکوائری کمیٹیاں شامل تھیں۔

۱۹۳۳ء میں آپ صوبہ سرحد کی اقلیتوں کی نمائندگی کرتے ہوئے اور ہندو مہاسبھا وفد کے ایک رکن کی حیثیت سے جائنٹ سیلکٹ کمیٹی کے سامنے شہادت دینے کی غرض سے انگلینڈ گئے۔ آپکی مقبولیت شخصی دلکشی اور بے انتہا خوبیوں کی وجہ سے آپ نے کئی مخلص دوست پیدا کر لئے تھے جن میں ہندو سکھ اور مسلمان سب ہی شامل تھے۔ آپکے مضبوط کردار اور حکام میں اثر و رسوخ نے آپ کو ہندو طبقے کا قیمتی سرمایہ بنادیا تھا سرحد کی پہلی قانون ساز کونسل میں آپنے پشاور شہر کی نمائندگی اور اپنے آپکو ہندو مفادات

کا پرزور حامی ثابت کیا۔ اس کے بعد آپ ۱۹۳۷ء کے جنرل انتخابات میں پشاور چھاؤنی کے حلقے کی نمائندگی کرنے کے لئے ہندو سکھ نیشنلسٹ ممبر کی حیثیت سے منتخب ہوئے اگر سر صاحبزادہ عبدالقیوم مسلمان قوم کی خیرخواہی کے لئے پیش پیش تھے تو سر عدین مہرچند کھنہ ہندو اور سکھ قوم کی بہتری کے لئے کوشاں تھے آپ اور سر صاحبزادہ ایک دوسرے کو نہایت اچھی طرح جانتے تھے کیونکہ دونوں کسی زمانے میں قومی حریف تھے اور بعد میں ساتھی بن گئے تھے۔ اس باہمی اتحاد کی وجہ یہ تھی کہ دونوں کو ایک دوسرے کی کردار کی مضبوطی اور قوم پرستی کا علم اور احساس تھا۔ یہ دونوں اپنی اپنی قوم کے لئے شانہ بشانہ جدوجہد کر رہے تھے مگر ان کے اتحاد سے سرحد اسمبلی کے کانگرسی اراکین خوش نہیں تھے کیونکہ ان کے خیال میں ان دونوں قوم پرستوں کا اتحاد صوبہ سرحد میں کانگرس کے مفاد کے لئے نقصان دہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس مصنوعی اتحاد کو کانگرس نے اسمبلی کے پہلے ہی اجلاس میں ستمبر کے مہینے میں ایبٹ آباد کے مقام پر پارہ پارہ کر کے سر صاحبزادہ کی وزارت کو ختم کر دیا۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں آپ دوبارہ سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ مارچ ۱۹۴۶ء میں جب ڈاکٹر خان صاحب نے سرحد میں تیسری بار کانگرس وزارت بنائی تو اس میں آپ کو وزیر خزانہ بنایا گیا۔ ۲۲ اگست ۱۹۴۷ء تک آپ وزیر خزانہ رہے اس وزارت کے دوران سرحد میں تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کے سلسلے میں سرحد میں مسلم لیگ کے راستے میں آپ فولادی دیوار بنے رہے۔ آپ نے آخر وقت تک یہ کوشش کی کہ سرحد پاکستان کا حصہ نہ بننے پائے۔

لالہ بھنجو رام گاندھی

لالہ بھنجو رام گاندھی ڈیرہ اسمٰعیل خان کے رہنے والے تھے۔ گاندھی جی کے خاص چیلے اور

انتہائی عقیدت مند تھے۔ وہ اپنی وضع قطع بھی گاندھی جی کی طرح بنانے میں خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ سرحد کے ہندو اخبار فرنٹیئر ایڈووکیٹ اور ڈیرہ اسمٰعیل خان کے ایک ہندو اخبار سرحد سماچار نے سرحد کے جن دو اصحاب کو گاندھی کے خاص پرچارکوں کی حیثیت سے گاندھی کے خطابات دیئے ان میں ایک لالہ بھنجو رام تھے جو آخر تک سرحدی گاندھی ۲ کے نام سے مشہور رہے لالہ بھنجو رام خالص ہندو ذہنیت ہندو وازم اور ہندو راج کے مفاد کے لئے کوشاں رہے سرحد کی مسلمان قوم کے مفاد کے خلاف انتہائی خفیہ طور پر سرگرم عمل رہے۔ آپ بی اے ایل ایل بی تھے۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان میں پریکٹس کرتے تھے۔ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ کانگرس پارٹی اور گاندھی جی کو ان پر کافی اعتماد تھا۔ جب ہزارہ کی ڈیموکریٹک پارٹی اور کانگرس کے تعاون سے سر صاحبزادہ کی وزارت کا خاتمہ اور سرحد میں پہلی کانگرس وزارت کی تشکیل ہوئی تو لالہ بھنجو رام گاندھی کو وزیر خزانہ لیا گیا۔ سر صاحبزادہ وزارت کے وزیر خزانہ اگرچہ بجٹ پیش کر چکے تھے مگر لالہ بھنجو رام گاندھی نے وزارت خزانہ کا قلمدان سنبھالتے ہی سر صاحبزادہ وزارت کے پیش کئے ہوئے بجٹ میں ہندو ذہنیت کے مطابق فوری ترمیم کر کے بجٹ کو نئے سرے سے اسمبلی میں پیش کیا بجٹ میں لالہ نے یہ ترمیم کی کہ اسلامیہ کالج کی امداد میں کمی کی گئی اسلامیہ کالج کی زرعی کلاسوں کے اجراء میں مشکلات پیدا کر دی گئیں۔ اور سرحد کے اسلامیہ سکولوں کے لئے سر صاحبزادہ کی وزارت نے بجٹ میں جو رقم مخصوص کی تھی اس امداد کو ختم کر دیا گیا۔ لالہ بھنجو رام نے یہ تمام کام کانگرس ہائی کمان کے اشارے پر کیا۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے اس کثیر آبادی والے صوبے میں سرکاری روپیہ مسلمانوں کے تعلیمی اداروں پر نہ خرچ کیا جائے اور مسلمانوں کے یہ تعلیمی ادارے پسماندگی اور مالی مشکلات میں مبتلا ہو کر خود بخود ختم ہو جائیں اس کے برعکس لالہ بھنجو رام نے سرحد کے ۵ فیصدی ہندوؤں کو خوش رکھنے اور انہیں تعلیمی سہولیات فراہم کرنے کے لئے ترمیم شدہ بجٹ میں کافی رقم مخصوص کی گئی۔ اسی طرح لالہ بھنجو رام

گاندھی نے سرحد کے وزیر خزانہ ہونے کی حیثیت سے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ سرحد کے مسلمانوں کو ترقی کی منزل سے دور تر رکھا جائے اور صنعتی زرعی اور تعلیمی لحاظ سے مسلمان قوم کو پسماندہ رکھا جائے مسلمان قوم کے مقابلے میں لالہ بھنجو رام نے سرحد کے وزیر خزانہ کی حیثیت سے سرحد کے ہندؤں کو صنعتی تعلیمی اور تجارتی لحاظ سے کافی سہولیات بہم پہنچائیں۔ ۱۹۳۹ء میں جب سرحد کی کانگرسی وزارت مستعفی ہوئی تو لالہ جی نے بھی کانگرس وزارت کے ممبران کے ساتھ ساتھ وزارت خزانہ سے استعفیٰ دیا پھر جب سردار اورنگزیب کی وزارت کے خاتمے کے بعد سرحد میں دوسری بار کانگرسی وزارت بنی تو اس دوسری کانگرس وزارت میں بھی سرحد کی وزارت خزانہ کا قلمدان لالہ بھنجو رام کے حوالے کیا گیا۔

۱۹۴۶ء میں لالہ بھنجو رام ڈیرہ اسمٰعیل خان سے دوبارہ سرحد اسمبلی کے رکن منتخب ہوتے مگر اس بار انہیں کابینہ میں نہیں لیا گیا بلکہ ان کی جگہ رائے بہادر مہر چند کھنہ کو کابینہ میں لیا گیا۔

قاضی عطاء اللہ

آپ پشاور کے مشہور قاضی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ پشاور کی لنڈی قاضیان کے رہنے والے تھے۔ انتہائی قوم پرست اور انگریز دشمن تھے۔ تحریک آزادی میں انھوں نے کبھی بھی قید و بند کی مصیبتوں کی پرواہ نہیں کی۔

آپ کا تعلق پشاور کے ایک علمی اور مذہبی گھرانے سے تھا مگر جب آپ صوبہ سرحد کے وزیر تعلیم مقرر ہوتے تو آپ نے کانگرس کے ایماء پر سرحد کے اسلامی سکولوں کے نصاب سے مفتی ہند مولانا کفایت اللہ دہلوی اور انجمن حمایت اسلام لاہور کی شائع شدہ اسلامی تعلیمی کتابوں کو سرحد کے تعلیمی نصاب سے خارج کر دیا۔ یہ واقعہ سرحدی عوام کے لئے

انتہائی دلخراش واقعہ تھا کیونکہ سرحد کے پچانوے فی صدی مسلمانوں کی آبادی والے صوبے سے مسلمان بچوں کو اسلامی تعلیم سے محروم کرنے سے سرحد کا ہر مسلمان رنجیدہ تھا مگر یہ سب کچھ قاضی صاحب نے سرحدی ہندوؤں کی خوشنودی اور کانگرس کی خوشی کیلئے کیا تھا کیونکہ کانگرس ہر اس پودے کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکنا چاہتی تھی جو سر صاحبزادہ نے سرحد میں لگایا تھا۔ چونکہ سر صاحبزادہ نے ہی اپنی وزارت کے دوران سرحد کے سکولوں میں اسلامی نصاب رائج کیا تھا اس لئے کانگرس اور ہندو اس نصاب کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

قاضی صاحب کی وزارت تعلیم کے دوران اسلامیہ کالج کی امدادی رقم میں تخفیف کی گئی۔ زرعی کلاسوں کے اجراء میں رکاوٹ پیدا کی گئی بلکہ سرحد اسمبلی میں جب سر صاحبزادہ اور دوسرے ممبروں نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو قاضی صاحب نے فرمایا کہ جو لوگ اپنے بچوں کو زرعی تعلیم دلانا چاہیں وہ اپنے بچوں کو لائلپور کے زرعی کالج میں داخلے کیلئے بھیج دیں۔ سرحد کے تمام اسلامیہ سکولوں کو سر صاحبزادہ کے زمانے سے جو امدادی رقم مل رہی تھی اس میں بھی قاضی صاحب نے تخفیف کر دی بلکہ بعض سکولوں کی امدادی رقم بھی بند کر دی گئی مسلمان تعلیمی اداروں کی جگہ ہندو اور سکھ تعلیمی اداروں کے لئے زیادہ سے زیادہ رقم مخصوص کی گئی ان کے زمانہ وزارت میں محکمہ تعلیم میں مسلمانوں کی جگہ ہندو اور سکھوں کو اعلیٰ عہدوں پر متعین کرنے کے لئے ترجیح دی جاتی تھی۔

آپ نے ۱۹۱۶ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے وکالت کی ڈگری لی اور مردان میں آ کر وکالت کرتے رہے۔ علی گڑھ میں زمانہ طالب علمی کے دوران آپ نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۲۰ء میں سرحد میں تحریک ہجرت اور ۱۹۲۱ء میں تحریک خلافت میں اہم حصہ لیا۔ انتہائی قوم پرست اور انگریز دشمن تھے۔ انہوں نے تحریک آزادی میں ہر قسم کی سختی اور مصیبت کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ خان عبدالغفار خان ان کی بہت ہی قدر کرتے تھے۔

خان عبدالغفار خان کو سیاسی میدان میں لانے والوں میں بیرسٹر میاں احمد شاہ، خادم محمد اکبر قاضی عطاء اللہ اور ثمین جان خان تھے۔ قاضی عطاء اللہ نے انجمن اصلاح افاغنہ، یوتھ لیگ، خدائی خدمتگار اور کانگرس کی تحریکوں میں اہم حصّہ لیا۔ ۱۹۳۷ء میں سرحد میں جب پہلی بار عام انتخابات ہوئے تو قاضی صاحب سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۷ء میں سرحد کی کانگرس کابینہ میں آپ کو وزارت تعلیم کا قلمدان سونپا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ حکومت کی تمام پالیسیاں دراصل قاضی صاحب ہی وضع کرتے تھے۔

۱۹۴۲ء میں سرحد میں تحریک سول نافرمانی میں حصّہ لینے کے جرم میں آپ کو تین سال کے لئے نظربند کیا گیا۔ ۱۹۴۵ء میں جب کانگرس کی دوسری بار وزارت بنی تو اس میں آپکو دوبارہ وزیر تعلیم لیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد آپ کو باچا خان اور دوسرے سرخپوش لیڈروں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا۔ جیل میں آپ کی صحت دن بدن خراب ہوتی گئی آخر ۷ فروری ۱۹۵۲ء کو آپ میو ہسپتال لاہور میں فوت ہوئے۔

قاضی صاحب ایک اچھے ادیب اور بلند پایہ مقرر تھے آپ نے پشتو زبان میں پٹھانوں کی تاریخ دو جلدوں میں مرتب کی۔ جو آپکی زندگی میں ہی طبع ہو چکی تھی۔ آپ کے بلند پایہ مضامین پشاور سے شائع ہونے والے رسالہ پختون میں شائع ہوتے رہے۔ آپکا قومی کارنامہ یہ ہے۔ کہ آپ نے اپنے زمانہ وزارت میں سرحد کے سکولوں میں پشتو کو لازمی مضمون قرار دیا۔

عباس خان

آپ ضلع ہزارہ کی تحصیل مانسہرہ کے ایک گاؤں سم الہی منگ کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں اپنے حلقے سے سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ آل انڈیا کانگرس

نے جب سر صاحبزادہ وزارت کے خلاف سیاسی سودے بازی کی تو ہزارہ کی ڈیموکریٹک پارٹی کو اپنا آلہ کار بنایا۔ ڈیموکریٹک پارٹی میں خان محمد سرور خان تارخیلی۔ راجہ عبدالرحمن نگری ٹوٹیال محمد عباس خان سمیع الٰہی ہنگ اور خان محمد عطائی خان تھے۔

سر صاحبزادہ کی وزارت کے خلاف گٹھ جوڑ کے لئے راجندر پرشاد وغیرہ چوٹی کے لیڈر اس دن ایبٹ آباد میں پہنچے ہوئے تھے۔ جس دن سر صاحبزادہ کی وزارت کے خلاف کانگرس کے ایماء پر عدم اعتماد کی تحریک پیش ہونا تھی۔ کانگرس نے ڈیموکریٹک پارٹی کے ممبروں کو وزارت و امارت غرض یہ کہ ہر دنیاوی لالچ کے جال میں پھانس لیا تھا۔ ۳ ستمبر ۱۹۳۷ء کو محسن سرحد کے خلاف کانگرس نے جب عدم اعتماد کی تحریک پیش کی تو محمد عباس خان نے بھی محسن سرحد کی وزارت کے خلاف ترنگے جھنڈے کے حامیوں کے حق میں ووٹ دیا۔ تحریک عدم اعتماد کی کامیابی کے بعد بابو راجندر پرشاد نے کانگرس کی طرف سے سینکڑوں روپے مسرت پارٹیوں کے لئے دیئے چنانچہ اسی دن شام کو ایبٹ آباد میں کانگرسی روپے سے مسرت پارٹیاں منعقد ہوئیں۔ کانگرسی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تھی اور ڈیموکریٹک پارٹی کے ارکان کو کانگرس سے تعاون کا بھاری انعام مل چکا تھا۔ چنانچہ جب کانگرس وزارت بنی تو محمد عباس خان کو وزیر جنگلات کا عہدہ دیا گیا۔ ۱۹۳۹ء میں جب سرحد کی کانگرس وزارت آل انڈیا کانگرس کے ایماء پر مستعفی ہوئی تو محمد عباس خان نے بھی وزارت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ ۱۲ مارچ ۱۹۴۵ء کو اورنگ زیب وزارت کے بعد جب سرحد میں دوسری بار کانگرسی وزارت بنی تو محمد عباس خان کو دوبارہ وزیر لیا گیا۔ ۱۹۴۵ء میں جب پاکستان کے نقشے کا خاکہ ہندوستان کے نقشے پر ابھر رہا تھا تو محمد عباس خان نے کروٹ لیتے ہوئے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی چنانچہ فروری ۱۹۴۶ء میں جب سرحد میں دوسری بار جنرل انتخابات ہوئے تو محمد عباس خان مسلم لیگ کے ٹکٹ پر اپنے حلقے سے دوسری بار پھر سرحد

اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد کانگرس وزارت جب برطرف کر دی گئی اور
خان عبدالقیوم خان سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے تو محمد عباس خان کو وزیر لیا گیا مگر عذرداری
کے فیصلے کے مطابق انہیں اسمبلی کی ممبری سے ہاتھ دھونا پڑے۔

سردار عبدالرّب نشتر

آپ ۱۳ جون ۱۸۹۹ء کو پشاور کے محلہ کاکڑاں میں پیدا ہوئے۔ آپ پٹھانوں کے کاکڑ
قبیلے سے تعلق رکھتے تھے آپکے والد خان عبدالحنان خان ریلوے کے بہت بڑے کنٹریکٹر
تھے۔ آپ نے ایڈورڈز کالج پشاور سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۲۳ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی
سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۵ء میں آپ نے علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایل ایل بی۔
کی ڈگری لی۔ اور وکالت کرنے لگے۔ دوران تعلیم ہی آپ نے خلافت تحریک میں سرگرمی
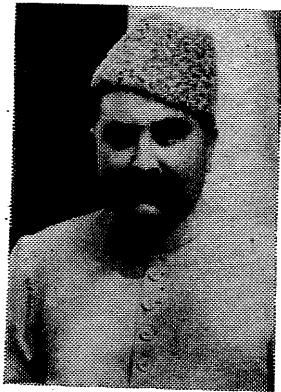
سے حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ ۱۹۲۷ء میں آپ نے سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کے سلسلے
میں اہم کردار ادا کیا۔ پشاور میں تحریک خلافت کے خاتمے کے بعد آپ نے تحریک آزادی میں

حصہ لینے کے لئے کانگریس تحریک میں شمولیت کی۔ ۱۹۲۹ء میں آپ پشاور میونسپل کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں آپکو تحریک آزادی میں حصہ لینے کی وجہ سے گرفتار کرکے جیل میں بند کردیا گیا۔ ۱۹۳۱ء میں آپ نے کانگریس کو مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی حقوق کی دشمن تحریک سمجھ کر اس سے مستعفی ہوگئے۔ ۱۹۳۲ء میں جب بلدیہ پشاور کے دوبارہ انتخابات ہوئے تو آپ دوبارہ ممبر منتخب ہوئے تو آپکو بلدیہ کا متفقہ طور پر سینئر نائب صدر بھی منتخب کیا گیا۔

۱۹۳۶ء میں آپکو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا ممبر چنا گیا۔ ۱۹۳۸ء میں آپ نے پشاور میونسپل کمیٹی کی ممبری سے استعفےٰ دیا۔ ۱۹۳۷ء میں آپ صوبہ سرحد کی لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔

۱۹۳۰ء میں بحیثیت شعلہ بیان مقرر سردار نشتر نے شہرت حاصل کرنی شروع کردی تھی۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کے خیالات نے ان پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ اس لئے فکر ونظر کی سمت انقلابی ہوگئی صوبہ سرحد واپس آئے تو تحریک خلافت کے جوشیلے کارکن بن گئے کانگریس نے برطانیہ کے خلاف ایجی ٹیشن شروع کیا تو سردار نشتر نے والہانہ طور پر اس تحریک کو اپنے عزم و ولولہ سے آگے بڑھایا۔ ۳۶-۱۹۳۵ء میں پشاور میونسپل کمیٹی کے سینئر وائس پریذیڈنٹ منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں عوام نے انھیں ووٹوں کی بھاری اکثریت سے صوبہ سرحد کی لیجسلیٹو اسمبلی کا ممبر چنا۔ سرحد کانگریس سردار نشتر کی جدائی کے غم میں نڈھال تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سرحد میں پہلی کانگریس وزارت کی تشکیل کے موقع پر سردار نشتر مرحوم کو وزارت پیش کی گئی لیکن سردار نشتر نے اس پیش کش کو قومی نقطہ نگاہ سے ٹھکرا دیا۔

۱۹۳۸ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں آل انڈیا مسلم لیگ کے پٹنہ اجلاس میں شرکت کی دعوت دی۔ اس دعوت پر وہ پٹنہ تشریف لے گئے اور اس کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ

سے ان کا وہ سیاسی رشتہ قائم ہوا، جو آخر دم تک منقطع نہیں ہو سکا مسلم لیگ کے سب اراکین ان کا احترام کرتے تھے اور ہر قیمتی مشورے میں انہیں شامل کیا جاتا تھا۔

۱۹۴۳ء میں جب سردار اورنگ زیب خان نے صوبہ سرحد میں مسلم لیگ وزارت قائم کی تو سردار نشتر صوبہ سرحد کے وزیر مالیات مقرر ہوئے یہ وہ زمانہ تھا کہ انڈین نیشنل کانگریس مسلمان کارکنوں اور لیڈروں کو جداگانہ قومی نظریہ سے برگشتہ کرنے کے لئے بڑے بڑے مفادات کا سبز باغ دکھا رہی تھی سردار نشتر بہر حال اپنے نصب العین کو کسی دباؤ اور ذاتی مفاد کے لئے ترک کر دینے والے موقع پرستوں میں شامل نہ تھے نہ ہی قومی خدمت اور انفرادی اغراز و منفعت پر انھوں نے کبھی یکجا کیا۔ اگر ان کو اصولوں اور نظریات کے امتحان کا کوئی نازک مرحلہ پیش آیا تو وہ کمال فراست اور چابک دستی سے اس گرداب سے بچ کر نکل گئے اپنے انتقال سے چند سال قبل انھوں نے کراچی میں محمد علی بوگرہ وزارت کے ایک اہم رکن کو ان کی لائی ہوئی اس پیش کش کے جواب میں کہ "امریکہ، روس، برطانیہ جہاں کی سفارت چاہیئے پسند کر لیں" سردار نشتر مرحوم نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"شکریہ! نہ میں وزارت کا بھوکا ہوں، نہ سفارت کا عیش و تنعم کی زندگی میں نے کبھی بسر نہیں کی لہٰذا ان دونوں چیزوں سے محرومی میرے لئے ذرا بھی تکلیف دہ نہیں ہو سکتی" پھر سردار ملت نے بہ انداز تاسف مزید فرمایا، نہ جانے لوگ ہر شخص کو بکاؤ مال کیوں سمجھ لیتے ہیں۔

قائد اعظم محمد علی جناح انتہائی نازک مرحلوں اور دشوار مواقع پر سردار نشتر مرحوم پر مکمل اعتماد کرتے رہے۔ ۱۹۴۲ء میں سردار نشتر آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے باقاعدہ رکن منتخب ہوئے اور جب قیام پاکستان سے قبل ہندوستان میں عبوری حکومت بنانے کا سوال سامنے آیا تو آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے قائد اعظم محمد علی جناح نے ہندوستان کے وائسرائے کو مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو کابینہ کے ممبروں کی جو فہرست پیش کی اس میں سردار عبدالرب نشتر

کا بھی نام مسلم لیگ کی طرف سے پیش کیا گیا۔

قائداعظم نے ہندوستان کی عبوری حکومت میں سردار نشتر کو مسلمانوں کے پانچ نمائندوں میں خود شامل فرمایا۔ دس کروڑ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت سے مسلم لیگ کی جانب سے کسی شخص کی نامزدگی یقیناً کوئی معمولی اعتماد کی بات نہ تھی۔ قائداعظم نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ انھوں نے مورخہ ۲۵ ۔ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو ہندوستان کے وائسرائے کو دوسرے خط میں واضح طور پر تحریر فرمایا۔

"مجھے آپ کا خط مورخہ ۲۵ ۔ اکتوبر جس میں آپ نے محکموں کی بابت اپنے فیصلے سے مطلع کیا ہے۔ شام کے ساڑھے پانچ بجے ملا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اسے مناسب اور مساوی تقسیم قرار نہیں دے سکتا۔ مگر ہم نے تمام حالات پر بحث کر لی ہے اور چونکہ آپ اپنا آخری فیصلہ کر چکے ہیں اس لئے اس معاملے میں مزید نہیں جانا چاہیئے میں آپ کو مسلم لیگ کے نمائندوں کے نام تحریر کر رہا ہوں۔ ان ناموں سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ محکموں کی تقسیم کس طرح ہونی چاہیئے۔

مالیات = مسٹر لیاقت علی خان، تجارت = مسٹر آئی آئی چندریگر۔ ڈاک و تار سردار عبدالرب نشتر۔ صحت عامہ = مسٹر غضنفر علی خان۔ قانون سازی = مسٹر جوگندر ناتھ منڈل

قائداعظم کے یہ ذاتی طور پر لکھے ہوئے خطوط صاف طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ سردار عبدالرب نشتر اور انکے دیگر ساتھیوں کو متحدہ ہندوستان کی مرکزی وزارت میں رہ کر بھاری ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا پوری طرح اہل سمجھا گیا تھا۔ اور آل انڈیا مسلم لیگ نے بڑی تعداد میں دوسری اعلیٰ تعلیم یافتہ شخصیتوں کی موجودگی کے باوجود مندرجہ بالا افراد کے انتخاب میں کوئی پس و پیش روا نہیں رکھی۔ ۱۹۴۶ء میں جب برطانیہ کانگریس اور مسلم لیگ کے اعلیٰ نمائندوں کی ایک کانفرنس شملہ میں ہوئی تو سردار نشتر اس میں بھی مسلم لیگ کے وفد کے ایک رکن تھے حالانکہ مرکزی وزارت کی طرح اس معاملہ میں بھی قائداعظم محمد علی

جناح لارڈ ویول برطانوی وفد اور کانگریسی راہنماؤں کے مابین خاصی بحث اور مراسلت ہو چکی تھی خصوصاً دونوں سیاسی تنظیموں نے اس نکتہ پر بہت زور دیا تھا کہ ان کی طرف سے مذاکرات میں حصہ لینے والے افراد کون ہوں اور کون نہ ہوں؟ ظاہر ہے کہ ذاتی حیثیت اور قابلیت کے ساتھ ساتھ اس موقع پر یہ ضرورت بھی خارج از بحث نہ تھی کہ وفد کے تمام ارکان اپنے موقف پر سختی سے ڈٹے رہیں اور اپنے طے شدہ مقاصد گفتگو کی بہترین طریقہ پر ترجمان کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں پاکستان جن طویل مذاکرات، مباحثوں اور فارمولوں کے نتیجہ میں آگے چل کر معرض وجود میں آیا سردار نشتر مرحوم کی شخصیت ان میں ہر مقام اور موقع پر شریک اور موجود رہی، اس لئے انھیں معماران پاکستان میں شامل ہونے کا فخر بجا طور پر حاصل رہا۔ اور اس قومی فخر میں پوری قوم ہمیشہ شریک رہی ہے۔

قیام پاکستان کے بعد سردار عبدالرب نشتر بھی دوسرے ممتاز رہنماؤں کی طرح مرکزی حکومت میں شامل کئے گئے۔ پہلی بار وہ نوابزادہ لیاقت علی خان کی وزارت میں بطور وزیر مواصلات مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء تک شریک رہے اور انھوں نے اپنے فرائض منصبی کے ساتھ ساتھ ہندوستان سے خانماں برباد ہو کر آنے والے لاکھوں مہاجرین کی بحالی اور مسلم لیگ کی ازسر نو تنظیم کے کاموں میں گہری اور عملی دلچسپی برقرار رکھی دوسری مرتبہ انھیں خواجہ ناظم الدین نے اپنی کابینہ میں وزیر صنعت کی حیثیت سے شامل کیا۔ اس عہدے پر وہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء سے لیکر مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء تک برقرار رہے اور انھوں نے اپنے فرائض ذاتی مفادات، احباب نوازی، اقربا پروری اور موقع پرستی سے بلند و بالا رہتے ہوئے اس طرح ادا کئے کہ آج بھی پاکستان کی تاریخ قوم کے اس مخلص راہنما پر فخر کر سکتی ہے۔

سردار عبدالرب نشتر نے اپنی عدل گستری، غریب امیر طبقوں سے یکساں رواداری، شرافت اور سچے ہمدردانہ جذبات سے کام لیکر مغربی پنجاب کی گورنری کے زمانے میں بھی شاندار قومی خدمات

انجام دیں اور پنجاب میں سیاسی خلفشار بعض راہنمایان پنجاب کے اختلاف اور وزارتی بحران نے عوام میں جو مایوسی پیدا کر رکھی تھی۔ اسے ختم کر کے قومی اتحاد کو استوار کیا اور عوام میں عزم و ولولہ کی نئی توانائی کی لہر دوڑا دی مغربی پنجاب کے باشندے گورنر نشتر کی حیثیت سے تاریخ پنجاب میں آب زر سے لکھا ہوا ان کا نام کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے وہ پاکستان کو مسلمانان برصغیر کی کئی صدیوں کی صبر آزما جدوجہد اور کوشش کا ثمر سمجھتے تھے اور صرف عوام کو اس کا جائز اور صحیح وارث قرار دیتے تھے۔

سردار عبدالرب نشتر مرحوم کی زندگی میں پے در پے ایسے ناخوشگوار واقعات رونما ہوئے جنہوں نے سردار ملت کو پاکستان کے مستقبل کی جانب سے فکرمند اور مضطرب کر دیا تھا۔ مثلاً نوابزادہ لیاقت علی خان کی شہادت کا المیہ خواجہ ناظم الدین کی غیر آئینی برطرفی، دستور ساز اسمبلی کا غیر قانونی طور پر خاتمہ، سیاسی مقاصد اور عہدوں کیلئے لیڈروں کی رسہ کشی اور دشمنوں میں جگ ہنسائی، اقرباپروری اور علاقائی عصبیت کے خیالات کی نشو و نما۔ سردار نشتر ان سرگرمیوں کو تاریخ کے عظیم ورثے کے لئے گویا پاکستان جیسی نوخیز مسلم مملکت کے لئے انتہائی خطرناک سمجھتے تھے۔ ایک ایسا دور آیا کہ وہ سرکاری فرائض اور ذمہ داریوں سے دست کش ہو گئے اور اختیارات نہ ہونے کے باوجود قومی سطح پر اور قومی میدان میں مخلص کارکنوں کی ڈھارس کا سبب بنے انہوں نے اس بات کی بھی تمنا نہ کی کہ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا انہیں رکن نامزد کیا جائے۔ البتہ جب مسلم لیگ کا شیرازہ بالکل ہی منتشر ہونے لگا اور اسے خانہ ساز تنظیم اور اقتدار کی لونڈی بنانے کی کوشش طشت از بام ہو گئی۔ تو انہوں نے ۱۹۵۳ء میں جناب محمد علی بوگرہ کی تشکیل شدہ ورکنگ کمیٹی میں بحیثیت رکن شامل رہنا منظور کر لیا۔ اس مجلس عاملہ میں ان کے علاوہ خواجہ حبیب اللہ بیگم شاہنواز، مسٹر یوسف ہارون اور مسٹر اے کے بروہی بھی شامل تھے آخر کار ایک ایسا وقت بھی آیا کہ قوم کے وسیع تر اتحاد کی خاطر انہیں

مسلم لیگ کا پرچم لیکر خود سڑکوں پر نکلنا پڑا۔
چونکہ انہیں یہ صورت حال ہرگز گوارا نہیں تھی کہ لیڈر اپنے صحیح مقاصد سے پہلو تہی کریں اور عوام اپنی خوشحالی و ترقی کی راہ سے ہٹ جائیں۔ سردار نشتر کی سوچ عوامی طرز کی تھی اور اپنی فطری سادگی اور رواداری کے اعتبار سے وہ ایک مکمل عوامی رہنما تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ۱۵ فروری ۱۹۴۹ء کو کراچی میں پاکستان فیڈریشن آف لیبر کی سہ روزہ کانفرنس میں مختلف صوبوں کی ٹریڈ یونینوں کے دو نمائندوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔
"پاکستان غریبوں کی بہتری کے لئے بنا ہے یہ امیروں کا ملک نہیں ہے"
پاکستان کا یہ عظیم فرزند ۱۴ فروری ۱۹۵۸ء کو اس جہان فانی سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ اور کراچی میں قائد اعظم کے تاریخی مقبرے کے ساتھ محو آرام ہیں۔

خان ثمین جان خان

آپ ۱۸۹۳ء میں پشاور کی تحصیل نوشہرہ کے ایک گاؤں محب بانڈہ میں ایک متوسط زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپکے والد کا نام حاجی عبدالخالق تھا جو نہایت ہی دیندار اور شریف انسان تھے۔
ثمین جان نے ابتدائی تعلیم اکبر پورہ پرائمری سکول میں حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے پشاور کے مشن ہائی سکول اور لاہور کے اسلامیہ ہائی سکول اور میانوالی کے ہائی سکولوں میں تعلیم حاصل کی کرنے کے بعد میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ میٹرک کے بعد مالی حالت اتنی اچھی نہ تھی کہ مزید تعلیم حاصل کر سکیں۔ آپکو تعلیم کا بہت شوق تھا اس شوق کو دیکھ کر آپ کے چچا نے زمین کی پیداوار کا ایک حصہ آپکی تعلیم کیلئے وقف کر دیا۔

چنانچہ آپ کو لاہور کے اسلامیہ کالج میں داخل کر دیا گیا جہاں سے آپ نے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ بی اے کرنے کے بعد آپ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخل ہو گئے جہاں سے آپ نے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ تعلیم کے دوران ہی آپ بنگال کی خفیہ تنظیم کے ساتھ منسلک ہو گئے تھے اس خفیہ تنظیم کا مقصد انگریزوں کو ملک سے نکال کر آزادی حاصل کرنا تھا یہ ایک قسم کی مجاہدانہ تنظیم تھی جس میں ہندو مسلم سکھ اور دوسرے ہندوستانی شامل تھے اس تنظیم میں عورتیں بھی شامل تھیں انگریزوں کو یہ شبہ ہو گیا تھا کہ آپ بنگال کی خفیہ تنظیم کے ساتھ منسلک ہیں چنانچہ آپ پر کڑی نگرانی شروع کر دی گئی، جب آپ نے بی اے کا امتحان پاس کیا تو کمشنر پشاور نے آپکو مجسٹریٹی کے عہدے کی پیش کش کی مگر آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں انگریز کی نوکری کسی حالت میں بھی نہ کروں گا۔

علی برادران سے آپ بہت ہی مانوس اور متاثر تھے۔ آپ نے اپنے بیٹوں کا نام شوکت علی اور محمد علی رکھا۔ محمد علی ابتدائی عمر میں فوت ہو گیا تھا اس کے بعد ایک اور بیٹا جب پیدا ہوا تو اس کا نام بھی محمد علی رکھا مگر ماں نے اس خیال سے کہ مرے ہوئے بچے کا نام نہ رکھا جائے اس بیٹے کا نام احمد جان رکھا۔ مگر آپ اسے ہمیشہ محمد علی کے نام سے پکارتے تھے۔

علی گڑھ سے وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد پشاور میں آکر وکالت شروع کر دی اس دوران خلافت کی تحریک پشاور میں شروع ہوئی۔ آپ سرحد خلافت کمیٹی کے صدر مقرر ہوئے اور سرحد کے تمام علاقوں میں خلافت کمیٹی کی شاخیں قائم کیں اور ترکی کی سلطنت کے تحفظ میں لڑنے والے ترک مجاہدین کے لئے ہزاروں روپیہ چندہ جمع کر کے مرکزی خلافت کمیٹی کے ذریعے ترکی بھجوایا۔ تحریک آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینے کے ساتھ ساتھ آپ ایک بہترین سپورٹسمین تھے۔ ریسلنگ میں آپ نے ہمیشہ پشاور کی نمائندگی کی۔ اسی طرح فٹبال میں اور آل انڈیا تیراکی کے مقابلوں میں انعامات اور تعریفی سرٹیفکیٹ حاصل کئے، بہترین قسم کے بانسری نواز تھے۔ تعلیم کے دوران زمیندار اخبار کی نمائندگی بھی کرتے رہے۔

خلافت کی تحریک کے بعد آپ سرخ پوش تحریک میں شامل ہو گئے۔ مگر جب سرخپوش تحریک کانگرس میں مدغم ہو گئی تو آپنے سرخپوش تحریک سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ کچھ عرصہ آپ کانگرس میں بھی شامل رہے۔ اس دوران آپ کئی بار جیلوں میں گئے اور قید و بند کی صعوبتیں سہیں۔ ۱۹۳۷ء کے سرحد کے پہلے انتخابات میں آپ کانگرس کے ٹکٹ پہ اسمبلی میں ممبر منتخب ہوئے مگر پارٹی لیڈر کے ساتھ اصولی طور پر کچھ اختلافات پیدا ہو گئے جس کی وجہ سے آپنے کانگرس سے بھی علیحدگی اختیار کر لی۔ ۱۹۴۳ء میں جب سرحد میں مسلم لیگ وزارت بنی تو آپ کو وزیر تعلیم لیا گیا۔ مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد آپنے صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی تنظیم میں انتھک جدوجہد کی۔ جگہ جگہ جلسے کئے۔ سرحد کے مسلمانوں کو ہمیشہ نصیحت کی کہ ہندوستان کے کسی بھی صوبے میں مسلمان کانگرس کے ہاتھوں میں کھلونا نہیں بنے ہوئے ہیں لہذا سرحد کی نوے فیصدی مسلمان آبادی کا کانگرس کے ہاتھ میں کھلونا بن جانا ملت سے انتہائی غداری ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو بار بار نصیحت کی کہ کانگرس مسلمانوں کو ساتھ ملا کر آزادی حاصل کرنا چاہتی ہے مگر آزادی کے بعد وہ مسلمانوں کے ساتھ اقلیت کا سلوک کریگی۔ اس قسم کی آزادی سے یہی مطلب ہے کہ مسلمان انگریز کی غلامی سے نکل کر ہندو کا غلام بن جائے گا

ابتدا میں جب افغان جرگے کے نام سے سرخ پوش تحریک انگریزوں کے خلاف شروع ہوئی تو آپ اس میں شامل ہو گئے۔ آپ ہر وقت یہ سوچتے رہتے تھے کہ برصغیر میں مسلمان اقلیت میں ہیں اس لئے جمہوری حکومت میں انگریزوں کے چلے جانے کے بعد مسلمان قوم کا انجام کیا ہو گا چنانچہ سرخپوش تحریک کانگرس میں مدغم ہونے لگی تو آپنے اس کی سخت مخالفت کی اور سرخ پوشوں لیڈروں کو کہا کہ ہمیں ہندوؤں کے ساتھ مدغم نہیں ہونا چاہیئے بلکہ سرخ پوش تحریک الگ ہستی کی صورت میں کانگرس کے ساتھ انگریزوں کی غلامی سے ملک کو نجات دلانے کے لئے صرف تعاون کرے نہ کہ وہ کانگرس جماعت کا ایک حصہ بن جائے۔

۱۹۳۲ء میں جب لنڈن میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس منعقد ہوئی اور سرحد کی نمائندگی سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے کی تو اس راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے موقع پر کانگرس نے پورے زور شور کے ساتھ بلوچستان اور صوبہ سرحد کو اصلاحات دینے کی مخالفت کی۔ سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے جب کانگرس کی مخالفت کے باوجود سرحد کو آئینی اصلاحات دینے پر اصرار کیا تو آپ نے پشاور سے سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان کو سرحد کی مکمل نمائندگی کرنے پہ مبارک باد کا تار بھیجا اور لکھا کہ کانگرس ہمارے صوبے کے ساتھ دھوکا کر رہی ہے آپ نے جس طریقے سے کانگرس کے عزائم کو خاک میں ملانے کی کوشش کی ہے۔ اس پہ سرحد کے عوام کی طرف سے مبارکباد قبول فرمائیں۔ اسی قسم کے واقعات نے آپکے خیالات میں کانگرس کے خلاف بدظنی پیدا کر دی۔ چنانچہ کانگرسی عزائم کو دیکھتے ہوئے آپ نے سرخپوش تحریک میں رہ کر یہ کوشش شروع کر دی سرخپوش تحریک کو کانگرس کے اثر سے نجات دلائی جائے مگر سرخپوش تحریک کے دوسرے لیڈر کانگرس سے علیحدگی اختیار کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۳۲ء میں اتمانزئی میں انہی واقعات نے یہ رخ بدلا کہ سرخ پوشوں نے آپکو کانگرس سے خارج کر دیا جس رات آپکو کانگرس سے نکالا گیا اسی رات آپ کو گھر پہ سے انگریزوں کیخلاف بغاوت پھیلانے کے الزام میں گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا گیا آپ پہ مختلف الزامات کے تحت مقدمے چلائے گئے جس کے نتیجے میں آپکو تین سال قید بامشقت کی سزا ہوئی آپ نے یہ سزا ہری پور جیل میں گذاری۔ تین سال کے بعد جب آپ کو رہا کیا گیا تو آپ اور خان غلام محمد خان لوند خوڑ نے مل کر سرخپوش تحریک کے اندر رہ کر خان عبدالغفار خان کے خلاف ایک محاذ بنایا اور یہ کوشش شروع کر دی کہ کسی طرح خان عبدالغفار خان اور سرخپوش لیڈر کانگرس کے اثر سے نکل جائیں۔

۱۹۳۷ء میں جب سرحد اسمبلی کے پہلے الیکشن ہوئے تو آپ نوشہرہ سے اسمبلی کے ممبر

منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۹ء تک آپ اگرچہ کانگرس میں رہے مگر درپردہ ان کی یہ کوشش رہی کہ کانگرس میں رہ کر مسلمان کے مفاد کو کوئی فائدہ پہنچایا جائے اور مسلمان قوم کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔

۱۹۳۹ء میں جب آل انڈیا اوقاف کمیٹی کے ممبروں کا انتخاب ہونے لگا اس وقت سرحد کانگرس کے پارٹی لیڈر ڈاکٹر خان صاحب تھے اور وہی یہاں کے وزیر اعلیٰ انہی دنوں مہاتما گاندھی بھی پشاور آئے ہوتے تھے۔ مہاتما گاندھی اسی بات پر زور دے رہے تھے کہ اوقاف کے لئے جو نمائندہ ہو سرحد کے ممبر اسی کو ووٹ دیں جسے کانگرس نامزد کرے چنانچہ کانگرس نے ایک آدمی کو نامزد بھی کر دیا تھا اس کانگرس کے نامزد ممبر کے مقابلے میں ہزارے کے ایک سید کھڑے ہوتے آپنے باوجود کانگرس پارٹی کی ہدایت کے ہزارے کے اسی سید کو ووٹ دیا ووٹ دینے سے پہلے کانگرس کے پارٹی لیڈر نے آپکو یہ ہدایت کی کہ آپ یہ ووٹ کانگرس پارٹی کو دے دیں تاکہ وہ حسب منشاء اپنے نامزد ممبر کو دے۔ آپنے کھلم کھلا مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ میں کبھی بھی اس ضمن میں اس آدمی کو ووٹ نہیں دے سکتا جو واردھا کے اشارے پر ناچتا ہو۔ کیونکہ یہ ایک مذہبی معاملہ ہے اور اس میں ہم اس آدمی کو ووٹ دیں گے جو خدا اور رسول کے نزدیک مسلمان ہو اور واردھا کے اثر سے محفوظ ہو۔ اس بات پر کانگرس پارٹی نے آپ کو کانگرس سے نکال دیا اور تمام صوبے میں آپکے جنازے نکالے گئے۔ اور ماتم کیے گئے کہ یمین جان سیاسی طور پر مردہ ہو چکا ہے۔

۱۹۳۹ء میں مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلے میں جب مولانا شوکت علی نے سرحد کا دورہ کیا تو وہ مردان میں بھی گئے۔ مولانا مردان کے مختلف علاقوں کا دورہ کرتے ہوئے مردان کے خانم اللہ خان کے ہاں ٹھہرے وہاں آپنے ان سے ملاقات کی۔ مولانا شوکت علی نے آپکو کہا کہ مسلمانوں کی متحدہ جماعت مسلم لیگ میں داخل ہو کر مسلمانوں کے حقوق کے لئے جد وجہد

کریں آپ چونکہ کانگریس کی تمام عیاریوں کو اس میں رہ کر دیکھ چکے تھے لہٰذا آپ نے مسلم لیگ کی تنظیم میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ جب ۱۹۴۰ء میں لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی اور آپ نے جب اخبار میں اس قرارداد کے متعلق پوری تفصیل پڑھی تو آپ نے اپنے بیٹے شوکت علی کو کہا کہ بیٹا روشنی آ گئی ہے اندھیرا دور ہونے والا ہے" آپ نے قائداعظم کو مردان سے ایک تار دیتے ہوئے لکھا۔

"میں تاحیات آپ کے ساتھ ہوں"

چنانچہ ۱۹۴۰ء سے قیام پاکستان تک آپ نے حصول پاکستان کے لئے انتھک جدوجہد کی اور اپنی زندگی مکمل طور پر اسی جدوجہد کیلئے وقف کر دی تھی آپ نے حصول پاکستان کی تحریک میں صوبے بھر کے دورے کئے اور ہر ضلع، ہر قصبہ اور ہر تحصیل میں جا کر مسلم لیگ کو منظم کیا اور کانگریس اور سرخپوش تحریک کا مقابلہ کیا۔

۱۹۴۶ء کے صوبائی الیکشن میں مسلم لیگ ہائی کمان نے آپکی خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا کہ آپ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر اسمبلی کے لئے امیدوار کھڑے ہو جائیں مگر انہوں نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ یہ پاکستان کا ووٹ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ہار جائیں اگر میں کسی سیٹ کے لئے کھڑا ہو گیا تو ساری توجہ صرف میری اپنی کامیابی پر ہو گی لہٰذا میں یہ نہیں چاہتا کہ اپنی توجہ صرف ایک طرف مبذول کر کے پورے صوبے کے ووٹوں کی طرف توجہ نہ دے سکوں چنانچہ ۱۹۴۶ء میں الیکشن ہوئے تو آپ نے پورے صوبے میں کوشش کر کے مسلم لیگی امیدواروں کو کامیاب کرانے کی جدوجہد کی۔ آپکے مسلم لیگ میں آجانے کی وجہ سے آپکے سینکڑوں ساتھی جو عرصے سے سرخپوش اور کانگرس تحریک سے وابستہ تھے وہ بھی مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ آپ نے حصول پاکستان کے لئے سرخپوش اور کانگرس تحریک کی پرزور مخالفت کی باوجود اس کے سرخپوش رضاکار اور لیڈر اور کانگرسی لیڈر اور رضاکار آپ کی جدوجہد آزادی کے کارناموں کو خراج تحسین

پیش کرنے کے لئے ہر سال آپکا یوم وفات مناتے ہیں۔

آپ انتہائی راست گو اور مستقل مزاج اور صداقت پسند مجاہد تھے یہی وجہ ہے
ہے کہ جب آپ نے کانگرس اور سرخ پوش تحریک کو مسلمانوں کیلئے موزوں نہ سمجھا تو
ان دونوں کو راہ راست پہ لانے کی کوشش کرتے رہے اور جب آپ کامیاب نہ ہو سکے
تو سرخپوش اور کانگرس تحریک کو چھوڑ دیا پھر آپ قیام پاکستان تک مسلم لیگ کی تنظیم میں
مصروف رہے اور حصول پاکستان کے لئے جدو جہد کرتے رہے اور جب پاکستان بن چکا
اور مسلم لیگ مخصوص گروہ کے ہاتھوں اقتدار کی لونڈی بن گئی تو آپ ان لیڈروں کے
مخالف ہو گئے جو مسلم لیگ کی تنظیم کے سہارے اپنا اقتدار برقرار رکھنا چاہتے تھے چنانچہ
اس وقت جب آپ نے یہ حالت دیکھی تو مفاد عامہ کے پیش نظر اور تعمیر پاکستان کے
حقیقی جذبے کے تحت جمہوریت کے نظریے کو مد نظر رکھ کر عوامی لیگ میں شامل
ہو گئے اور تقریباً ایک عرصے تک صوبہ سرحد میں عوامی لیگ کے صدر رہے جب قیام پاکستان
کے بعد صوبہ سرحد کی اسمبلی کا پہلا انتخاب ہوا تو باوجود انتہائی مخالفت کے آپ کامیاب
ہوئے اور اپوزیشن پارٹی کے لیڈر منتخب ہوئے۔

جب یونٹ کا ریزولیوشن صوبائی اسمبلی میں پیش ہوا تو آپ نے کھلم کھلا اس
کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ یہ سراسر قرارداد پاکستان لاہور سے غداری ہے۔ اسمبلی
میں بھرپور مخالفت کے باوجود جب ریزولیوشن پاس ہو گیا تو آپ نے یونٹ کی
مخالفت میں انٹی یونٹ فرنٹ پارٹی قائم کی اور پھر صوبے کے مفاد کو مدنظر رکھتے
ہوئے ہر اس تحریک کے ساتھ تعاون کا ہاتھ بڑھایا جو یونٹ کے مخالف تھی۔ آپ
مرتے دم تک عوامی لیگ کو ہر پارٹی سے الگ رکھنے کی کوشش کرتے رہے اور اس میں آپ
کامیاب بھی رہے مگر آپکے مرنے کے بعد پیر صاحب مانکی شریف نے جو ان کے نزدیکی دوستوں
میں سے تھے نے سیاست چھوڑ دی اور عوامی لیگ کے دوسرے ممبروں نے سرخ پوشوں کے

ساتھ مل کر نیشنل عوامی پارٹی کی بنیاد رکھی۔

آپ ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۵ء کے آخر تک صوبائی وزیر تعلیم رہے۔ ریفرنڈم کے دوران آپ نے صوبائی مسلم لیگ کی صدارت کے فرائض سرانجام دیئے۔ ۱۹۵۲ء میں آپ صوبائی اسمبلی کے دوبارہ ممبر منتخب ہوئے اور ۱۷ ستمبر ۱۹۵۶ء کو فوت ہوئے۔

آپ اصولوں کے پابند تھے۔ ایک دفعہ جو ارادہ کر لیتے اس پہ کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن جدوجہد کرتے تھے۔ سیاسی زندگی میں آپ نے نہ تو کبھی کسی عہدے کی خواہش کی اور نہ ہی کبھی لالچ نے آپکے دل میں ڈیرہ ڈالا۔ آپ باوجود اس کے کہ چوٹی کے وکیل تھے، کافی مقدمات آپکے پاس آتے تھے مگر آپ نے اپنی آمدنی کا اکثر حصہ قومی کاموں پہ خرچ کیا۔ وزیر بھی رہے تو اپنی تنخواہ کا اکثر حصہ مسلم لیگ کی تنظیم پر خرچ کیا۔ کانگرس نے بڑے بڑے لوگوں کے ضمیروں کو خرید لیا تھا مگر آپ کے ضمیر کو کانگرس نہ خرید سکی۔ ایک دفعہ گاندھی جی کا بیٹا آپکے گھر آیا۔ آپ کچہری گئے ہوئے تھے۔ آپکے بیٹے شوکت نے گاندھی جی کے بیٹے کو نہایت عزت کے ساتھ مہمان خانے میں بٹھایا آؤ بھگت کی اور رسم و رواج کے مطابق خاطر مدارات کی۔ جب آپ کچہری سے آئے تو گاندھی کے بیٹے نے آپکو گاندھی جی کا پیغام دیا جس میں گاندھی جی نے آپ سے کہا تھا کہ آپ اپنے بیٹے اور بیٹی کو میرے پاس بھجوا دیں تاکہ ان کی تعلیم کا بندوبست کانگرس خود کرے گی۔ آپ نے گاندھی جی کے بیٹے کو کہا گاندھی جی کو کہو کہ ثمین جان کے بدن میں ابھی خون ہے وہ اپنی اولاد کو تعلیم دلا سکتا ہے وہ اپنی اولاد کو کانگرس کا محتاج نہیں بنا سکتا۔ آپکے انکار کرنے پہ سرحد کے ایک سرخ پوش لیڈر کی بیٹی اور بیٹے کو اپنے پاس بلا کر انہیں کانگرس کے خرچ پر تعلیم دلائی۔

بہار کے ہندو مسلم فسادات کے دنوں میں آپ نے اپنے بیٹے شوکت علی کو

اور اپنے کئی رشتہ داروں کو بہار بھیجا تاکہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کرسکیں۔

تحریک آزادی کے دوران آپ نے ۱۹۳۲ء میں تین سال اور چار ماہ قید سخت کاٹی۔ اس کے بعد مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی کے دوران آپ کو مردان سے گرفتار کیا گیا۔ ۳۰ جون ۱۹۴۷ء تک پشاور جیل سے رہا ہوئے۔ آپ صوبہ سرحد کے واحد وزیر تھے جن کی نہ تو موٹر تھی اور نہ کوئی بنگلہ تھا۔ جب آپ فوت ہوئے تب بھی آپکی یہی حالت تھی۔

راجہ عبدالرحمٰن خان

راجہ عبدالرحمٰن خان ضلع ہزارہ کے رہنے والے تھے آپ ۱۸۹۰ء میں بمقام نگری ڈڈھیال (ہزارہ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مسجد میں حاصل کی۔ اس کے بعد ہری پور اور ایبٹ آباد کے سکولوں میں تعلیم پائی۔

حصول تعلیم کے بعد آپ محکمہ پولیس میں بھرتی ہوئے اور اپنی قابلیت اور استعداد سے ترقی کرتے ہوئے ڈی ایس پی کے اعلیٰ عہدہ تک جا پہنچے۔ آپ دوران ملازمت بہت ہی قابل سمجھدار اور لائق افسر سمجھے جاتے رہے ۔ ۱۹۳۰ء میں آپ نے پنشن لی اور اپنی زمینداری میں مشغول ہو گئے۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے نفاذ پر جب ۱۹۳۷ء میں سرحد لیجسلیٹو اسمبلی کے انتخابات کا موقع آیا تو آپ بھی میدان مقابلہ میں اترے اور سرحد لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔

سرحد اسمبلی میں آپ نواب سر صاحبزادہ کی پارٹی میں ابتدا سے آخر تک شامل رہے اور ان کی وفات پر آپ نے سردار اورنگزیب خان کی قیادت تسلیم کر لی۔

مسلم لیگ وزارت کے قیام کے سلسلہ میں آپ سردار اورنگزیب خان کے ہمنوا رہے اور ۲۵ مئی کو مسلم لیگ وزارت میں آپکو وزیر اطلاعات مقرر کردیا گیا۔

راجہ عبدالرحمٰن خان پرانی وضع کے بزرگ تھے صوم وصلوٰۃ کے پابند اور اسلامی مسائل ودینیات سے خاص شغف رکھتے تھے اپنے علاقہ کے بڑے زمیندار و رئیس تھے۔ انتہائی ملنسار اور خوش خلق تھے اور ہر ملنے والے کو آپ سے مل کر خوشی حاصل ہوتی رہی۔

یحییٰ جان

آپ پشاور کے مشہور ٹھیکیدار حاجی غلام صمدانی کے صاحبزادے ہیں۔ حاجی غلام صمدانی پشاور کی مشہور شخصیت ہیں جنہوں نے تحریک خلافت اور تحریک ہجرت میں بڑھ چڑھ کر مالی اعانت کی۔ اسلامیہ کالج پشاور کے قیام کے سلسلے میں حاجی صاحب نے سر صاحبزادہ کے ساتھ ہر قسم کا مالی تعاون کیا۔ حاجی صاحب نے تحریک آزادی کی ہر سیاسی جماعت کی مالی مدد کی جوان کے زمانے میں سرحد میں شروع کی گئی آپکے ایک بیٹے غازی عبدالرحمان ڈاکٹر انصاری کے طبی وفد میں شامل ہو کر ترکی گئے اور ترکی کے کئی محاذوں پہ عیسائیوں کے ساتھ بہادری اور جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کر کے مصطفےٰ کمال پاشا سے زبردست خراج تحسین حاصل کیا، غازی عبدالرحمٰن جدید ترکیہ کی طرف سے افغانستان اور جرمنی میں سفیر بھی رہے۔

یحییٰ جان نے ۱۹۲۲ء میں مشن ہائی سکول پشاور سے میٹرک پاس کیا اور ایڈورڈز کالج پشاور سے ایف اے کرنے کے بعد تعلیم کی تکمیل کے لئے علیگڑھ چلے گئے جہاں سے آپ نے ۱۹۲۷ء میں فلسفہ میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ ایم اے کرنے کے بعد آپ علیگڑھ میں ہی فلسفہ میں ریسرچ کا کام کر رہے تھے کہ ۱۹۲۵ء میں سر صاحبزادہ کے کہنے پہ پشاور چلے آئے سر صاحبزادہ نے انہیں اسلامیہ ہائی سکول پشاور کا ہیڈ ماسٹر مقرر کیا۔ ۱۹۴۲ء میں جب سرحد میں انگریزوں

کے خلاف "ہندوستان سے نکل جاؤ" کی تحریک شروع ہوئی تو آپ نے اس تحریک میں نہ صرف خود حصّہ لیا بلکہ اسلامیہ ہائی سکول پشاور کے طلبا کو بھی اس تحریک میں حصہ لینے پر اکسایا سیاست میں کھل کر حصہ لینے کے لئے آپ نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ ۱۹۴۴ء میں آپ دوبارہ اسلامیہ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے اور دسمبر ۱۹۴۵ء تک آپ اسی عہدے پر رہے۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں آپ نے کانگرس کے ٹکٹ پر سرحد اسمبلی کے انتخاب میں حصّہ لیا اور کامیاب ہوئے۔ مارچ ۱۹۴۶ء میں جب سرحد میں کانگرس وزارت بنی تو آپ کو وزیر تعلیم بنایا گیا۔ سرحد کے وزیر تعلیم کی حیثیت سے آپ نے سرحد کے تمام سکولوں کو صوبائی سطح پر سرکاری تحویل میں لینے کے احکامات نافذ کئے میونسپل کمیٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے تحت جو تعلیمی ادارے چلائے جا رہے تھے انہیں محکمہ تعلیم سرحد کے ماتحت کیا۔

سرحد کے تمام سکولوں کو اینگلو ورنیکلر سکول کا درجہ دیا۔ قیام پاکستان سے پہلے آپ نے سرحد میں یونیورسٹی کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے اور سرحد کے عوام کے دیرینہ مطالبے کو پورا کرنے کے لئے ۱۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو سرحد اسمبلی میں پشاور یونیورسٹی کے قیام کے لئے ایک بل پیش کیا۔ یہ بل اتفاق رائے سے سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کیا گیا۔ مرکزی حکومت سے رابطہ قائم کیا گیا کہ سرحد میں یونیورسٹی کے قیام کے لئے مالی امداد دی جائے۔ ۱۹ مارچ ۱۹۴۷ء کو گورنمنٹ آف انڈیا کے تعلیمی مشیر سر جان سارجنٹ نے حکومت سرحد کو جواب دیا کہ ہندوستان کی مرکزی حکومت کی یونیورسٹی گرانٹ کمیٹی سرحد میں یونیورسٹی کے قیام کے لئے ممکن مالی امداد دینے پر آمادہ ہے۔ ۲۲ اگست ۱۹۴۷ء تک آپ سرحد کی کانگرس وزارت میں وزیر تعلیم رہے۔

سردار اجیت سنگھ

سردار اجیت سنگھ کوہاٹ کے مشہور رئیس و بیرسٹر سردار گوپال سنگھ کے بیٹے تھے

آپ ۱۹ مئی ۱۹۰۵ء کو کوہاٹ میں پیدا ہوئے اور وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور پھر ڈی۔ اے۔ وی کالج راولپنڈی سے میٹریکولیشن کا امتحان پاس کیا۔

راولپنڈی سے آپ لاہور تشریف لے گئے اور فورمین کرسچین کالج سے آپ نے بی اے اور پھر ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی سے ایل ایل بی کی سند بھی حاصل کی۔

ایم اے، ایل ایل بی کر لینے کے بعد آپ واپس کوہاٹ سے آئے اور نومبر ۱۹۳۰ء میں کوہاٹ میں وکالت شروع کی، ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۶ء تک پورے چھ سال آپ کانگرس کے ابتدائی رکن رہے۔ اور عملاً کانگرس کے لئے کام کرتے رہے۔ جب ۱۹۳۷ء میں سرحد لیجسلیٹو اسمبلی کے انتخابات شروع ہوئے تو آپ بنوں اور کوہاٹ کے سکھوں کے حلقہ کی طرف سے لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔

سرحد لیجسلیٹو اسمبلی میں رائے بہادر مہرچند کھنہ کی صدارت میں ہندو سکھ پارلیمانی پارٹی بنائی گئی تو سردار اجیت سنگھ کو سیکرٹری مقرر کیا گیا اس پارٹی کے نمائندہ کی حیثیت سے رائے بہادر مہرچند کھنہ کو نواب سر صاحبزادہ نے اپنی وزارت میں شامل کیا۔

نواب سر صاحبزادہ کی وفات پر پارٹی کی قیادت سردار محمد اورنگ زیب خان کے ہاتھ لگی اور جب سردار محمد اورنگ زیب خان نے وزارت بنانے کی سعی کی اور سردار اجیت سنگھ نے اس میں شمولیت پہ آمادگی کا اظہار کیا تو رائے بہادر مہرچند کھنہ تلملا اٹھے اور مختلف طور طریقوں سے سردار اجیت سنگھ پر اثر ڈالا جاتا رہا۔ کہ وہ اس وزارت میں شمولیت نہ کریں۔

سردار اجیت سنگھ جانتے تھے کہ اس سے قبل جب صاحبزادہ کی وزارت میں رائے بہادر مہرچند کھنہ ہندو سکھ پارٹی کی امداد سے وزارت میں شمولیت کر چکے ہیں، تو اب اگر اس پارٹی سے تعاون کیا جائے تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ چنانچہ

آپ نے سردار اورنگزیب خان سے تعاون کا فیصلہ کیا جس پر سکھ قوم نے معقول اعلان کیا، کہ دس سال تک سکھ سرحد اسمبلی میں ہندوؤں کا ساتھ دیتے رہے، اب کم از کم پانچ سال کیلئے ہندوؤں کو سکھوں کا ساتھ دینا چاہیئے، لیکن ہندو ان کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ تھے کیونکہ وزارت جس پر ہندو دائمی قبضہ رکھنا چاہتے تھے ان کے ہاتھ سے نکل کر سکھوں کو مل گئی تھی۔

سردار اجیت سنگھ کو تمام سکھ قوم کی حمایت حاصل تھی اور سکھ جانتے تھے کہ دو بہادر اقوام کا سمجھوتہ یا اتحاد ایسا اتحاد ہے کہ جس پر سکھ اور مسلمان جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔

سردار اجیت سنگھ خوش پوش نوجوان اور بہت ہی ملنسار تھے۔ ۲۵ مئی ۱۹۴۳ء کو انہوں نے وزارت محکمہ تعمیرات کا چارج لے لیا اور سردار اورنگزیب کی وزارت کے خاتمے تک وہ مسلم لیگی وزارت میں وزیر رہے۔

ملک الرحمٰن کیانی

آپ کا خاندان امیر تیمور شاہ کے زمانے میں سیستان سے آکر پشاور میں چارسدہ کے قریب آباد ہوا۔ آپکے جد امجد سکندر خان ۱۸۲۸ء میں سلطان یار محمد کی طرف سے مجاہدین کے ساتھ زیدہ کے مقام پر لڑتے ہوئے مارے گئے، سکندر خان کے مرنے کے بعد انکے بیٹے غلام حیدر خان کوہاٹ چلے گئے اور وہاں سردار سلطان محمد کے ہاں ملازم ہو گئے، یہی غلام حیدر خان کیانی صاحب کے دادا تھے۔ غلام حیدر خان نے سلطان محمد خان کی ملازمت میں اعلیٰ کارکردگی اور بہادری کے جوہر دکھائے جس کے صلے میں سلطان محمد خان نے کافی جاگیر انعام میں دی جس کا لگان غلام حیدر خان وصول کرتے تھے سکھوں کی دوسری لڑائی میں جب سلطان محمد خان کو شکست ہوئی تو غلام حیدر خان

بھی سلطان محمد خان کے ساتھ کابل چلے گئے انگریزوں نے جب سرحد پہ قبضہ کیا تو غلام حیدر خان دوبارہ کوہاٹ چلے آئے۔ انگریز حاکم کپٹن کاک نے آپ کو شاہ پور کا علاقہ اجارے پر دے دیا اور وہیں رہنے سہنے لگے۔ غلام حیدر خان کے دو بیٹے تھے جن کے نام شیر محمد خان اور ملک جان خان تھے۔ افغانستان اور انگریزوں کی لڑائی کے دوران ان دونوں نے کرم کے علاقے میں انگریزوں کی حمایت میں مجاہدین افغانستان کے ساتھ مقابلہ کیا جس کے صلے میں انگریزوں نے انہیں کافی زمین اجارے کے طور پہ دی جس کی سالانہ آمدنی ۵ ہزار روپے تھی۔ غلام حیدر خان کے فوت ہو جانے کے بعد یہ اجارہ ان کے بیٹے شیر محمد خان کے پاس رہا۔ شیر محمد خان کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے عبداللہ خان متعلقہ گاؤں کے اجارے سے دستبردار ہو گئے چنانچہ یہ اجارہ ملک الرحمٰن کیانی کے والد عبدالصمد خان کو دیدیا گیا

ملک الرحمٰن کیانی اسی شاہ پور گاؤں میں سنہ ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے گورنمنٹ ہائی

سکول کوہاٹ سے میٹرک کیا پھر اسلامیہ کالج پشاور اور ایڈورڈز کالج پشاور میں تعلیم
حاصل کی سنہ ۱۹۲۰ء میں آپ نے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ بی اے کے بعد آپ سٹیفن کالج
دہلی چلے گئے جہاں سے آپ نے ۱۹۲۹ء میں ایم اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد پہلے
دہلی کے لا کالج میں داخل ہوتے پھر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں چلے گئے۔ تعلیم کے دوران
ہی آپکو صوبہ سرحد کی فرنچائز کمیٹی کا ممبر منتخب کیا گیا اور اس کے بعد انہیں ۱۹۳۲ء
میں صوبہ سرحد کی آئینی کونسل کا ممبر نامزد کیا گیا۔ ۱۹۳۷ء میں جب صوبہ سرحد کی
اسمبلی کے پہلے انتخابات ہوئے تو آپ سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ۱۹۴۶ء
میں صوبہ سرحد کے دوسری بار انتخابات ہوئے تو اس دفعہ بھی آپ کو صوبہ
سرحد اسمبلی کا ممبر منتخب کیا گیا۔ سرحد اسمبلی میں ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۸ء تک نیشنلسٹ
پارلیمانی پارٹی کے ممبر اور سیکرٹری رہے۔ ۱۹۳۸ء میں آپ مسلم لیگ میں شامل
ہوئے۔ ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۵ء تک آپ سرحد کی مسلم لیگی وزارت میں وزیر
اطلاعات کے پارلیمانی سیکرٹری رہے۔ اسی دوران آپ سرحد کی صوبائی مسلم لیگ
کے ممبر اور آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے رکن نامزد ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں آپ کوہاٹ
ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کی ایکشن کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں آپ نے
انگریزوں کا دیا ہوا خطاب "خان صاحب" واپس کیا۔ یہ خطاب آپکو سرحد فرنچائز
کمیٹی میں عمدہ کارکردگی کی بناء پر دیا گیا تھا۔ مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی کے
دوران آپکو کوہاٹ بنوں اور ڈیرہ اسمٰعیل خان کی وار کونسل کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا تھا۔

۱۹۴۷ء میں آپکو حصول پاکستان کی جدوجہد میں ایک جلوس کی قیادت کرتے
ہوئے گرفتار کر لیا گیا۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء تک آپ جیل میں رہے۔

۱۹۴۸ء میں جب آل پاکستان مسلم لیگ کی تنظیم کی گئی تو آپکو کوہاٹ ڈسٹرکٹ
مسلم لیگ کا صدر منتخب کیا گیا۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۱ء تک آپ سرحد کے وزیر اعظم

کے پارلیمانی سیکرٹری رہے اپریل ۱۹۵۱ء میں آپ کو صوبائی مسلم لیگ کا جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا اسی دوران آپ کو موتمر عالم اسلامی کی سرحد شاخ کا جنرل سیکرٹری اور آل پاکستان مسلم لیگ کونسل کا ممبر منتخب کیا گیا۔ ۱۹۵۱ء میں جب سرحد اسمبلی کے انتخابات ہوئے تو آپ بلامقابلہ ممبر منتخب ہوئے آپ ۱۷ دسمبر ۱۹۵۱ء سے ۲۲ اپریل ۱۹۵۳ء تک سرحد کی کابینہ میں وزیر صحت، ۲۲ اپریل ۱۹۵۳ء سے ۲۳ نومبر ۱۹۵۳ء تک وزیر خزانہ اور ۲۴ نومبر ۱۹۵۳ء سے ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء تک وزیر تعمیرات رہے، ۱۹۵۲ء میں آپکو مسلم لیگ کے مرکزی پارلیمانی بورڈ کا ممبر منتخب کیا گیا۔ ۱۹۵۵ء میں مرکزی آئین ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے، ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء سے ۱۱ ستمبر ۱۹۵۶ء تک آپ مرکز میں وزیر مواصلات رہے۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء تک آپ نیشنل اسمبلی کے ممبر رہے آپ اردو، فارسی، پشتو اور انگریزی پر کافی عبور رکھتے ہیں۔

میاں جعفر شاہ

آپ ۱۹۰۳ء میں سرحد کے مشہور کاکا خیل خاندان میں پیدا ہوئے آپ میاں رحیم شاہ کے بیٹے ہیں جنہوں نے اسلامیہ کالج پشاور کے قیام کیلئے کثیر مالی امداد کی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم حاجی صاحب ترنگزئی کے قائم کئے ہوئے سکول سے حاصل کی بعد میں آپ اسلامیہ کالجیٹ پشاور میں داخل ہوئے، طالب علمی کے زمانے سے ہی ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد کا آغاز کیا، اس مقصد کے لئے آپ خلافت، خدائی خدمتگار، سرخپوش اور کانگرس تحریکوں سے منسلک رہے۔ سرحد میں جب تحریک ہجرت کا آغاز ہوا تو آپکو سرحد کی ہجرت کمیٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس طرح آپ سرحد خلافت کمیٹی اور سرحد کانگرس کمیٹی کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ کر ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ آپ نے سرحد کو اصلاحات دلانے

کی جدوجہد میں سر صاحبزادہ کے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا۔ ۱۹۳۷ء میں آپ کانگرس کے ٹکٹ پر اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اور کافی عرصے تک سرحد کی دوسری کانگرسی وزارت کے دوران چیف پارلیمانی سیکرٹری رہے۔ ۱۹۴۶ء میں دوبارہ کانگرس کے ٹکٹ پر سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ پاکستان کے قیام کے بعد مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور
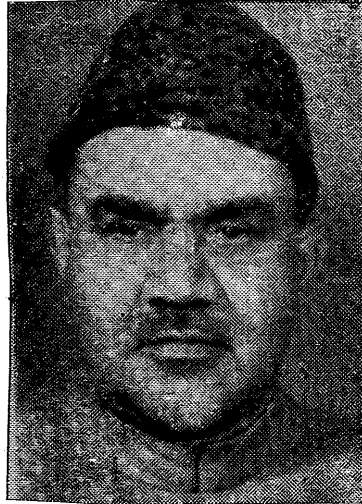
خان عبدالقیوم خان کی کابینہ میں ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۱ء تک وزیر تعلیم رہے۔ نومبر ۱۹۴۹ء میں آپ نے انجمن اقوام متحدہ میں خوراک اور زراعت کے عالمی اجلاس میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ جون ۱۹۵۵ء میں آپ پاکستان کی مرکزی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے بعد بعد میں آپ کو مرکزی کابینہ میں لیا گیا

محمد فرید خان

آپ ۱۹۰۳ء میں ضلع ہزارہ کے لوئر تناول کے مقام پر پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے

گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد آپ ۱۹۱۸ء میں اسلامیہ کالجیٹ سکول میں داخل ہوتے جہاں سے آپ ۱۹۲۲ء میں میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد اسلامیہ کالج پشاور میں داخل ہوئے مگر صحت کی خرابی کی بنا پر اپنی تعلیم کو جاری نہ رکھ سکے اور گھر جا کر اپنی جائیداد کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ ۱۹۲۹ء میں آپ محکمہ پولیس میں ملازم ہو گئے اور سات سال تک محکمہ پولیس سے منسلک رہے۔ ۱۹۳۶ء میں اپنے والد کے فوت ہو جانے کے بعد پولیس کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور اپنی جاگیر کی نگرانی کرنے لگے۔ ۱۹۴۵ء میں آپ نے مسلم لیگ پارٹی میں شمولیت اختیار کر کے سیاسی زندگی کا آغاز کیا اور دہلی کے مشہور مسلم لیگی اجلاس میں سرحد کے ڈیلی گیٹ کی حیثیت سے شامل ہوئے، آپ قائد اعظم کی خصوصی دعوت پر اس اجلاس میں شریک ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں آپ نے لوئر تناول کے حلقے سے سرحد اسمبلی کے لئے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر انتخاب میں حصہ لیا اور کامیاب ہوئے، ۱۹۴۷ء میں جب سرحد میں مسلم لیگ نے تحریک سول نافرمانی کا آغاز کیا تو آپ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور اسی تحریک کے سلسلے میں آپ کو گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا گیا۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو آپ جیل سے رہا ہوئے قیام پاکستان کے بعد آپ کو ہری پور میونسپل کمیٹی کا ناظم مقرر کیا گیا بعد میں خان محمد عباس خان کی جگہ سرحد کی کابینہ میں وزیر لئے گئے۔ ۱۹۵۱ء کے جنرل الیکشن میں دوبارہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہو کر سرحد اسمبلی میں آئے اور سرحد اسمبلی میں ڈپٹی سپیکر منتخب کئے گئے۔ ۱۹۵۳ء میں آپ کو سرحد کابینہ میں وزیر بلدیات لیا گیا۔

جلال بابا

ہزارہ کی اس نامور انتہائی سادہ مزاج اور غریب پرور شخصیت کا اصلی نام جلال الدین تھا۔ آپکی تعلیم اگرچہ مڈل تک ہی تھی مگر ذاتی ہمت سیاسی بصیرت قومی خدمت اور تحریک پاکستان میں انتھک جدوجہد نے آپکو اہم مقام دیا۔ آپ ۱۹۰۳ء میں ایبٹ آباد میں

پیدا ہوئے۔ ٹیکسی ڈرائیور کی حیثیت سے آپ نے عملی زندگی کا آغاز کیا اور پھر سیاسی سمجھ بوجھ اور فراست اور تدبر سے حکومت پاکستان کے اہم عہدوں پر فائز رہے ہزارہ میں مسلم لیگ کے ابتدائی بانیوں میں سے تھے۔ ۱۹۳۷ء میں آپ نے ہزارہ مسلم لیگ کی تنظیم کا آغاز کیا آپ کی کوششوں سے ہزارہ کے ہر گاؤں اور تحصیل میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم ہوئیں مسلم لیگ کی تنظیم جلسے جلوسوں اور تقریبات پر

جتنا روپیہ خرچ ہوتا تھا وہ اپنی جیب سے خرچ کرتے تھے۔ اس سلسلے میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ آپ نے کبھی بھی مسلم لیگ کے فنڈ سے کوئی رقم وصول نہیں کی۔ انہی جذبات کے صلے میں ۱۹۳۷ء میں آپکو ہزارہ مسلم لیگ کا صدر منتخب کیا گیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے کونسلر بھی منتخب ہوئے۔ تقریباً چودہ سال تک آپ ہزارہ مسلم لیگ کے صدر رہے یہ آپ ہی قیادت کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں صرف عبدالقیوم سواتی کے علاوہ ہزارہ کے تمام کامیاب ممبر مسلم لیگی تھے۔ برطانوی حکومت نے انسانی خدمات

کے صلے میں آپکو خان بہادری کا خطاب دیا تھا مگر جونہی قائد اعظم نے برطانوی خطابات واپس کرنے کا حکم دیا تو آپ نے یہ خطاب واپس کیا۔ یہ بات خاص کر قابل ذکر ہے کہ جلال بابا ہی وہ شخصیت تھے جنہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں برطانوی خطابات واپس کرنے کی قرارداد پیش کی تھی جسے قائد اعظم نے بہت ہی سراہا تھا ۱۹۴۷ء میں آپکو مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی کے دوران گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا گیا۔ قیام پاکستان کے اعلان کے ساتھ آپ جیل سے رہا ہوئے۔

قیام پاکستان کے بعد آپ نے کشمیر کے جہاد میں مالی اور جانی جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ہزارے کے ہزاروں نوجوانوں نے آپ کی قیادت میں کشمیر کے جہاد میں حصہ لیتے ہوئے کشمیر کی آزادی کے لئے شاندار کارنامے سرانجام دیئے۔ مہاجرین کی آباد کاری میں آپ نے دن رات مفت خدمات سرانجام دیں۔ ہزاروں روپیہ مہاجرین میں تقسیم کر کے انہیں دوبارہ آباد ہونے میں مدد دی۔ ہزارہ میں انجمن مہاجرین کے کافی عرصہ تک صدر رہے۔

قیام پاکستان سے پہلے ۱۹۲۳ء میں ایبٹ آباد میونسپل کمیٹی کا آپکو ممبر نامزد کیا گیا۔ باوجود اس کے کہ آپ نامزد ممبر تھے مگر آپ نے ایبٹ آباد کے شہریوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے ہر ممکن جدوجہد کی۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۲ء تک آپ انجمن اسلامیہ ایبٹ آباد کے صدر رہے۔ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۴۹ء تک آپ ایبٹ آباد کی غیر مسلم جائیداد کے اسسٹنٹ کسٹوڈین رہے۔ ۱۹۵۰ء میں آپکو ایبٹ آباد کی میونسپل کمیٹی کا ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا گیا۔ ۱۹۴۶ء میں آپ سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۵۱ء میں دوسری بار سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ خان عبدالقیوم خان نے ۱۹۵۱ء میں جب سرحد میں دوسری بار کابینہ بنائی تو اس میں آپ کو وزیر بلدیات اور وزیر محنت لیا گیا ۱۹۵۳ء میں آپ کو پاکستان کی مرکزی وزارت میں لیا گیا۔ جنوری ۱۹۵۸ء میں آپ کو

وزیر داخلہ حکومت پاکستان بنایا گیا۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء لگنے کے بعد وزارت سے فارغ کر دیئے گئے۔
ایبٹ آباد کی کئی ادبی اور سوشل تنظیموں کی آپ سرپرستی کی ہے نہایت سادہ لباس پہنتے اور سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ آپ نے تحریک پاکستان کے دنوں میں مسلم لیگ کی تنظیم اصلاح معاشرہ اور جہاد کشمیر پر کئی پمفلٹ اور کتابچے بھی خود لکھ کر شائع کر کے تقسیم کئے۔ آپ ایک بہترین کھلاڑی بھی ہیں ٹینس کے بہترین کھلاڑی ہیں، ہزارہ فرنٹیئر سپورٹس کلب کے تقریباً بارہ سال تک صدر رہے ہے، تقریر و تحریر میں خداداد صلاحیتوں کے مالک ہیں نہایت باوقار اور پر رعب شخصیت کے مالک ہیں۔

سالار محمد ایوب خان (مردان)

آپ ۱۹۰۷ء میں مردان میں پیدا ہوئے۔ آپ مردان کی نواب فیملی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے والدان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے ۱۹۳۷ء میں مردان میں مسلم لیگ کے قیام کے لئے جدوجہد کی آپ کے والد کی کوششوں سے ۱۹۳۷ء میں مردان میں مسلم لیگ کی ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس کے تمام اخراجات آپکے والد فتح محمد خان نے کئے، مردان میں سرخ پوشوں کا بہت زور تھا مگر آپکے والد نے اس اثر کو کم کرنے کے لئے حتی الامکان کوشش کی۔ مردان کی دوسری مشہور مسلم لیگی کانفرنس آپکے چچا خان سرفراز خان کی کوششوں سے منعقد ہوئی۔ ۱۹۴۵ء میں قائداعظم جب مردان تشریف لائے تو سالار محمد ایوب خان نے اپنے اپنے خرچ پر سپیشل گاڑیوں میں دور دراز کے مسلم لیگیوں کو مردان پہنچایا۔ ہزاروں مسلم لیگی رضا کاروں کو اپنے خرچ سے وردیاں بنا کر دیں خود بھی سبز وردی زیب تن کر لی اور کافی عرصے تک ہر وقت اسی سبز وردی میں ملبوس

رہتے تھے۔ ۱۹۴۵ء میں آپ کو سرحد مسلم لیگ نیشنل گارڈ کا صوبائی سالار مقرر کیا گیا اور
قیام پاکستان کے وقت تک آپ نے سالاری کے فرائض نہایت احسن طریقے سے سرانجام
دیئے آپ کی کوششوں سے صوبے میں نیشنل گارڈ کی باقاعدہ تنظیم ہوئی اور ہزاروں
رضاکاروں کو آپ نے فوجی تربیت دیکر حصول پاکستان کا جانباز سپاہی بنایا۔ ۱۹۴۴ء
میں آپ مردان سٹی مسلم لیگ کے صدر بنے آپ نے سرحد مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے رضاکاروں میں
نئی روح پھونک کر ایک مضبوط سبز پوش فوج تیار کر دی تھی سرحد میں مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی
کی کامیابی کیلئے آپ نے انتھک جدوجہد کی ریفرنڈم کے دنوں میں آپ نے تمام صوبے میں جا کر کام کیا قیام پاکستان
کے بعد آپ ۱۹۵۱ء میں مسلم لیگی ٹکٹ پر سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوتے اور آپکو صوبائی کابینہ میں وزیر مال لیا گیا۔

مرزا شمس الحق

آپ چارسدہ کے رہنے والے ہیں۔ خان عبدالقیوم خان کے پرائیویٹ سیکرٹری
تھے ۱۹۵۱ء کے انتخابات میں سرحد کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں جب خان عبدالقیوم

خان مرکزی کابینہ میں وزیر مواصلات بنائے گئے تو ان کی جگہ سردار عبدالرشید سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے۔ سردار رشید نے کابینہ میں مرزا شمس الحق کو وزیر صحت لیا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انہیں کابینہ سے الگ کر دیا گیا۔ مرزا شمس الحق خان عبدالقیوم خان کے انتہائی مخلص وفادار دوست فرض شناس ساتھی اور با اعتماد سیکرٹری ہیں انتہائی مخلص اور با اخلاق شخصیت کے مالک ہیں ملنساری کا جذبہ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے "تکبر" اور غرور سے دور رہتے ہیں ہر ملنے والے سے خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں، ۷ار دسمبر ۱۹۵۱ء سے ۲۲ر اپریل ۱۹۵۳ء تک آپ وزیر اعلیٰ سرحد خان عبدالقیوم خان کے پارلیمانی سیکرٹری بھی رہے۔

سید معصوم شاہ

آپ کوہاٹ کی تحصیل ٹکر درہ کے رہنے والے ہیں۔ آپ کے والد سیدان شاہ کوہاٹ کی اہم شخصیتوں میں سے تھے۔ آپ نے اسلامیہ کالج پشاور سے ۱۹۳۳ء میں بی۔ اے کیا۔ لاء کالج لاہور سے ۱۹۳۵ء میں وکالت کی ڈگری لی۔ اور وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۱۹۵۱ء میں کوہاٹ سے آزاد ٹکٹ پر سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ سردار بہادر خان کی کابینہ میں آپ کو وزیر ترقیات بنایا گیا۔ وحدت مغربی پاکستان کے بعد آپ نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور وکالت کے پیشے سے ہی منسلک رہے۔

اربابؔ نور محمد خان

آپ ۱۲ فروری ۱۹۲۴ء کو پشاور کے ایک گاؤں لنڈی میں پیدا ہوئے۔ والد کی وفات کے بعد تعلیم کا سلسلہ منقطع کر دیا جس کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم نہ حاصل کر سکے۔ ۱۹۴۳ء میں آپ نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۷ء تک آپ انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ممبر اور سرحد کی صوبائی مسلم لیگ کے خزانچی رہے۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۱ء تک آپ ضلع پشاور مسلم لیگ کے صدر رہے آپ صوبہ سرحد کے بہت بڑے جاگیرداروں میں سے تھے۔ ریفرنڈم کے دنوں میں آپ نے مسلم لیگ کو ۲۴۰۰۰ ہزار روپے دیئے۔ تاکہ اس رقم سے ریفرنڈم کے دنوں میں عوام کو پولنگ سٹیشنوں تک لانے میں آسانی پیدا ہو سکے۔ تحریک پاکستان کے دنوں میں مسلم لیگ نے جب سرحد میں سول نافرمانی کی تحریک کا آغاز کیا۔ تو آپ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اسی ضمن میں آپ جیل بھی گئے۔ ۱۹۵۱ء میں آپ کو پشاور ڈسٹرکٹ بورڈ کا ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا گیا۔

سردار عبدالرشید کی کابینہ میں آپ وزیر اعلیٰ کے پارلیمانی سیکرٹری رہے سردار بہادر خان کی کابینہ میں آپ وزیر تعلیم رہے۔

غلام فاروق خان

آپ نیپ کے ٹکٹ پر پشاور سے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے
سرحد میں نیپ اور جمعیت کی وزارت کے دوران آپ سرحد کے وزیر خزانہ
رہے۔
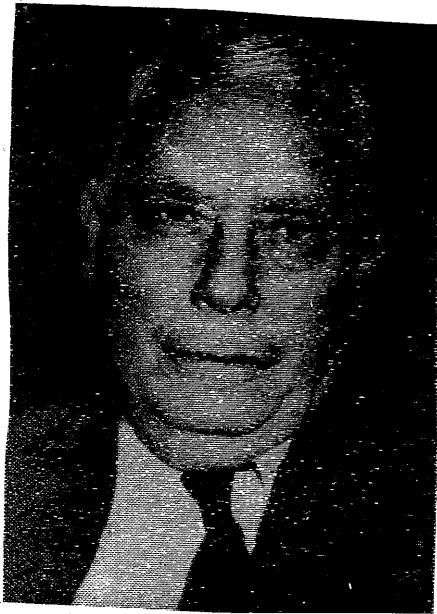
محمد افضل خان

آپ ۱۹۲۸ء سوات میں پیدا ہوئے والد کا نام محمد حبیب خان ہے۔ آپ نے ودودیہ ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ گریجویشن اسلامیہ کالج پشاور سے کیا، ۱۹۵۰ء میں لاہور کے گورنمنٹ کالج سے آپ نے ایم اے پولیٹیکل سائنس میں ایم اے کیا۔ ۱۹۵۴ء میں لا کالج پشاور سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد پشاور میں وکالت کرتے رہے۔ سیاست سے گہرا شغف رکھتے ہیں آپکی سیاسی زندگی کا آغاز سکول کے زمانے سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ جب کہ آپ سوات کے عوام کو جمہوری حق دلانے کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ حکمران سوات نے آپ کے خاندان کو جلاوطن کر دیا تھا چنانچہ آپ کا خاندان دیر چلا گیا۔ ریاست سوات کے حکمران نے سیاسی اختلافات کی بناء پر آپ کے خاندان کو جلاوطنی کی سزا دی تھی آپ ۱۱½ سال بعد واپس سوات آئے۔ اس دوران والد وفات پا چکے تھے۔ ۱۹۴۹ء میں آپکو دوبارہ جلاوطن کیا گیا۔ ۱۹۵۴ء میں واپس سوات گئے۔ اسی سال آپ نے ایل ایل بی کا امتحان لاء کالج پشاور سے دیا۔ جب ریاستی نظام ختم ہوا اور ریاست سوات کی حیثیت ختم کر دی گئی تو آپ نیپ میں شامل ہو گئے۔ نیپ میں صوبائی پارٹی کے صدر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ مجلس عاملہ کے ممبر بھی رہے۔ ۱۹۷۰ء میں آپ نے پہلی مرتبہ اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لیا آپ کا حلقہ انتخاب سوات ۳ کا لام تھا۔ نیپ اور جمعیت کی مخلوط حکومت کے دوران آپ وزیر اطلاعات و زراعت و بلدیات بنے۔ آپ مکمل جمہوریت اور سوشلزم کے حامی ہیں آپ ایک بہترین مقرر ہیں۔ ریاست سوات کے حکمرانوں کے جبر و تشدد نے آپکے ذہن میں یہ تاثر کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے کہ سماجی انصاف سوشلزم کے اصولوں کو اپنانے کے بغیر ناممکن ہے۔

مولانا عبدالباقی

آپ سوات کے ایک گاؤں چلاس کے رہنے والے ہیں۔ آپکے والد مولوی کریم داد سوات میں سوگاڑ و ملا کے نام سے مشہور تھے سوات میں انہیں مذہبی رہنما کی حیثیت حاصل تھی آپ کا خاندان درس و تدریس کے ذریعے اسلامی علوم کی ترویج میں سوات میں خاصی شہرت کا مالک ہے۔

مولانا عبدالباقی ۱۹۳۹ء میں چلاس میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی ابتدائی تعلیم کے بعد آپنے سوات اور راولپنڈی کے مدرسہ تعلیم القرآن میں عربی تعلیم حاصل کی ان اسلامی مدرسوں سے آپنے صرف نحو، تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۱ء میں آپ سوات کے اسلامی دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوئے، عربی تعلیم کی فراغت کے بعد آپ نے سوات کی مقامی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۶۹ء میں آپ بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات میں آپ اپنے علاقے چلاس سے بلا مقابلہ بنیادی جمہوریتوں کے ممبر منتخب ہونے کے بعد یونین کونسل کے چیرمین بنے۔ ڈسٹرکٹ کونسل کے بھی ممبر رہے۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں آپنے آزاد امیدوار کی حیثیت سے الیکشن میں حصہ لیا۔ اور کامیاب ہوئے، انتخابات کے بعد جب سرحد میں نیپ اور جمعیت کی وزارت قائم ہونے لگی تو آپ جمعیت العلمائے اسلام ہزاروی گروپ میں شامل ہوگئے چنانچہ آپ مفتی محمود صاحب کی کابینہ میں وزیر اوقاف اور امداد باہمی کے وزیر لئے گئے۔ جب مفتی صاحب کی کابینہ مستعفی ہوئی تو آپ بھی مستعفی ہوگئے۔ آپکے محبوب مشغلے اسلامی کتابوں کا مطالعہ، شکار کھیلنا، عوام کی اخلاقی اصلاح اور وعظ و تبلیغ ہیں۔ الیکشن میں حصہ لینے سے پہلے آپ چلاس کے اسلامی مدرسے میں دینیات کے مدرس تھے، مئی ۱۹۷۵ء میں سرحد میں بننے والی کابینہ میں دوبارہ شامل کئے گئے۔

امیرزادہ خان

آپ ۱۹۷۰ء میں سرحد کے صوبائی انتخابات میں بھاری اکثریت سے سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ آپ کے مقابلے میں پیپلز پارٹی کے عبدالاکبر خان، کونسل مسلم لیگ کے عبدالقادر خان۔ آزاد امیدواروں میں عبدالقادر خان۔ اور عبدالملک خان، قیوم مسلم لیگ کے غلام سرور خان، اور جمعیت العلمائے اسلام کے حاجی صفدر علی خان تھے۔ امیرزادہ سب امیدواروں کو شکست دے کر سرحد اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ نیپ اور جمعیت کی جب سرحد میں وزارت بنی تو آپ کو وزیر تعلیم کا عہدہ سپرد کیا گیا۔ آپ نے وزارت تعلیم کا قلمدان سنبھالنے کے بعد سرحد میں تعلیمی نظام میں انقلاب لانے کی طرف توجہ دینا شروع کی۔ مگر نیپ اور جمعیت کی وزارت کے خاتمے کے ساتھ ہی آپ کے منصوبے بھی نامکمل رہ گئے۔
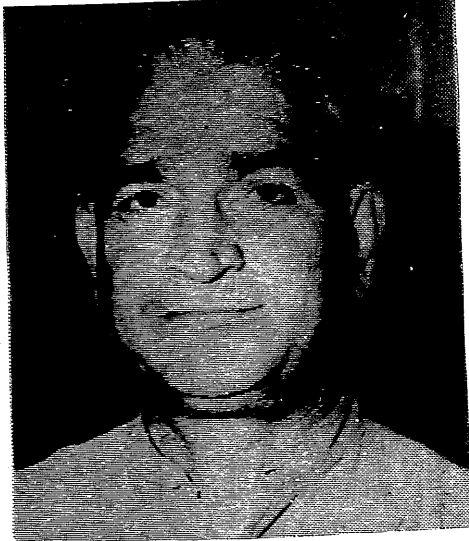
حاجی عبدالمستعان

آپ ضلع مردان کے ایک گاؤں جھنڈا میں پیدا ہوئے۔ بچپن کا زمانہ تحصیل صوابی کے گاؤں نواں کلی میں گذارا۔ یہ گاؤں تحریک پاکستان کے دنوں میں مردان مسلم لیگ کا گڑھ تھا اسی گاؤں کے مسلم لیگی لیڈر بخت جمال خان صوبائی مسلم لیگ کے صدر تھے حاجی عبدالمستعان کو نواں کلی میں خان بخت جمال خان، خان روشن خان اور چند دوسرے مسلم لیگی لیڈروں اور ورکروں کے ساتھ مل کر تحریک پاکستان میں کام کرنے کا موقع ملا۔ سرحد میں کانگرسی وزارت کے دوران مسلم لیگ کا پرچار کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ حاجی صاحب نے کانگرس وزارت کی پرواہ کئے بغیر مسلم لیگ کے کارکنوں کے ساتھ مل کر اپنے علاقے اور ارد گرد کے گاؤں میں مسلم لیگ کے منشور اور مطالبہ پاکستان سے لوگوں کو روشناس کرانے میں انتھک محنت کی۔ نواں کلی میں جب مسلم لیگ نیشنل گارڈ کا قیام عمل میں آیا تو آپ نے ایک رضاکار کی حیثیت سے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

جن دنوں سرحد میں کانگرس کا طوطی بول رہا تھا ان دنوں جھنڈا گاؤں میں مسلم لیگ کا پروپیگنڈا اور پرچار کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ حاجی عبدالمستعان نے اپنے گاؤں میں مسلم نیشنل گارڈ کو منظم کیا اور کئی کانگرسیوں کو مسلم لیگی بنانے میں کامیابی حاصل کی۔ تحریک پاکستان کے دنوں میں آپ اپنے علاقے میں مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے اہم رکن تھے، ۱۹۴۵ء میں جب قائداعظم پشاور کے دورے پر آئے تو آپ اپنے حلقے سے مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے ایک چاک وچوبند دستے میں رضاکار کی حیثیت سے پشاور پہنچے۔ قائداعظم جب انہی دنوں مردان گئے تو آپکے رضاکار دستے نے قائداعظم کی حفاظت اور مردان میں جلسے کو کامیاب بنانے میں اہم خدمات سرانجام دیں۔

۱۹۴۷ء میں جب مردان میں ضمنی انتخابات ہوئے تو آپ نیشنل گارڈ کے رضاکار دستے میں کئی دنوں تک مسلم لیگی امیدوار کے لئے مردان میں کام کرتے رہے اس ضمنی انتخابات کے دن آپ اور آپ کے نیشنل گارڈ کے دستے نے مسلم لیگی امیدوار کی حمایت میں انتھک جدوجہد کی۔

۱۹۴۶ء میں جب بہار کے مسلمانوں کو ہندوؤں نے قتل کرنا شروع کیا تو آپ سرحد کے طبی وفد میں شامل ہو کر بہار پہنچے اور ڈھائی ماہ تک بہار میں رہ کر بہار کے مظلوم مسلمانوں کو ہندوؤں کے ظلم سے نجات دلانے کے لئے کوشش کرتے رہے۔ آپ نے مظلوم بہاری خواتین یتیم بچوں اور بیواؤں کو ہندو غنڈوں کے ظلم سے بچا کر بردوان مغربی بنگال اور دوسرے محفوظ کیمپوں میں پہنچایا سینکڑوں لاوارث مسلمان لاشوں کو گڑھے کھود کر دفن کیا، اور گلیوں میں۔ کنوؤں میں گل سڑ رہی تھیں مسلسل ڈھائی ماہ تک آپ دن رات بہار کے مظلومین کی مدد کرتے رہے۔

۱۹۴۷ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کی ہائی کمان کی ہدایت کے تحت جب سرحد میں تحریک سول نافرمانی کا آغاز ہوا تو آپ نے مردان اور مردان کے تحصیلوں میں جگہ جگہ جا کر لوگوں کو تحریک سول نافرمانی کے اغراض و مقاصد بتائے اور لوگوں کو آمادہ کیا کہ وہ

اس تحریک کو کامیاب کریں۔ اس تحریک سول نافرمانی کے دنوں میں میجر خورشید انور سرحد کی کمان کر رہے تھے۔ حاجی عبدالمستعان نے میجر خورشید انور کے ہر حکم پہ لبیک کہا اور اپنے علاقے کے لوگوں کو تقریروں اور بحث مباحثوں، جرگوں اور جلسوں کے ذریعے اس بات پہ آمادہ کیا کہ وہ قومی مفاد کی خاطر مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پہ جمع ہو جائیں تاکہ پاکستان قائم ہو سکے اور مسلمان قوم ہندوؤں کے اثر سے نجات پا سکے آپ میجر خورشید انور کے انقلابی گروپ کے ایک اہم رکن تھے۔ اس انقلابی گروپ نے تحریک سول نافرمانی کو کامیاب بنانے کے لئے بےمثال کارنامے سرانجام دیئے۔ مردان اور اس کے گردونواح میں اس تحریک کو کامیاب بنانے میں آپ نے اہم کردار ادا کیا۔

پاکستان کے قیام کے وقت انگریزوں اور ہندوؤں کی سازش کی وجہ سے سرحد کے ۹۲ فی صدی مسلمان اکثریت والے صوبے میں ریفرنڈم کرایا گیا۔ اس خطرناک سازش کو ناکام بنانے کے لئے قائد اعظم نے ریفرنڈم کے لئے نگران کمیٹی بنائی جس کے سرپرست قائد اعظم خود تھے اور پیر مانکی اس کمیٹی کے ممبروں میں سے ایک اہم ممبر تھے۔ اس نگران کمیٹی کے ماتحت سرحد کے ہر ضلع میں ایک ایک سب کمیٹی بنائی گئی۔ مردان کے لئے جو سب کمیٹی بنائی گئی اس کے ممبروں میں خان بخت جمال خان، روشن خان اور دیگر مسلم لیگی لیڈر تھے۔ حاجی عبدالمستعان نے ریفرنڈم کے دنوں میں دن رات ایک کئے۔ آپ نے مردان، صوابی، لونکلی، یار حسین، رستم، لوند خوڑ اور دوسرے کئی گاؤں میں جا کر لوگوں کو انگریزوں اور ہندوؤں کی خطرناک سازش سے آگاہ کیا کرتے ہوئے انہیں خبردار کیا کہ اگر انہوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ نہ دیا تو وہ ساری عمر کے لئے ہندوؤں کے رحم و کرم پہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ریفرنڈم کے دن غریب دیہاتی باشندوں کو اپنے خرچ سے بسوں اور ویگنوں میں سوار کرا کر مردان کے رائے دہی کے مرکزوں تک پہنچایا۔

قیام پاکستان کے ساتھ ہی جب مہاجرین کے لٹے ہوئے قافلے سرحد پہنچے تو آپ نے

مہاجر کیمپوں میں جا کر تباہ حال اور پریشان مہاجرین کی ہر ممکن خدمت کی۔ جب ہندو اور سکھ پاکستان چھوڑ کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوتے تو آپ نے اپنے حلقے کے نیشنل گارڈ کے دستے میں شامل ہو کر ہندؤں اور سکھوں کے چھوڑے ہوئے مکانوں اور اثاثوں کی حفاظت کی تاکہ سماج دشمن عناصر لوٹ مار نہ کرنے پائیں۔ اس سلسلے میں یہ بات خاص کر قابل ذکر ہے کہ آپ نے لاکھوں روپے کا سامان اور وہ قیمتی اثاثہ جو ہندو اور سکھ چھوڑ گئے تھے ملکی امانت کے طور پر اس سامان کی حفاظت کی۔

قیام پاکستان کے بعد بھارت نے توسیع پسندی کے مذموم ارادوں کے تحت جب کشمیر پر فوج کشی کی اور کشمیر کے حریت پسندوں نے جب ڈوگرہ مہاراجہ اور بھارت کی فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے آزادی کی جنگ شروع کی تو آپ نے اپنے گاؤں اور ارد گرد کے دیہات سے نوجوانوں کا ایک مسلح فوجی دستہ تیار کر کے اپنے خرچ پر جہاد کشمیر میں حصہ لینے کے لئے کشمیر کے محاذ پر بھیجا اور تقریباً ڈیڑھ ماہ تک کشمیر کے مختلف محاذوں پر ڈوگرہ فوج کے ساتھ مقابلے کیلئے علاقے سے لوگوں کو بھیجتے رہے۔ اس جدوجہد کے دوران آپ ایک طرف تو بھارت اور ڈوگرہ فوج کے مقابلے کیلئے لوگوں کو بھیج رہے تھے اور دوسری طرف کشمیر کے علاقے سے پاکستان میں داخل ہونے والے بے شمار کشمیری مہاجرین کی مدد بھی کرتے رہے۔

۱۹۴۸-۴۹ میں آپ نے کراچی میں روشن خان اور بخت جمال خان کے ساتھ مل کر تمباکو کی تجارت شروع کی۔ کراچی میں قیام کے دوران جب کراچی میں رہنے والے پٹھانوں کو آپس کے اختلافات مٹا کر یکجہتی اور اتحاد کے ساتھ رہنے اور ان کی معاشرتی اصلاح کے لئے پختون انجمن کا قیام عمل میں آیا تو آپ نے اس انجمن کے ممبر کی حیثیت سے اہم خدمات سرانجام دیں۔ اس انجمن میں کام کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے کراچی مسلم لیگ کے ممبر کی حیثیت سے پاکستان مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلے میں کافی کام کیا۔ آپ کا تجارتی کاروبار ڈھاکہ میں بھی تھا۔ مشرقی پاکستان کے جدا ہو جانے کی وجہ سے آپ کو لاکھوں روپے کا نقصان

ہوا اگرچہ آپکا تجارتی کاروبار کراچی میں ہے مگر آپ کا زیادہ تر وقت سرحد میں ہی گزرتا ہے۔ صوابی میں کالج کے قیام کے سلسلے میں گرانقدر مالی امداد بھی دی۔ مردان کے کئی مستحق اداروں کی آپ مالی سرپرستی کر رہے ہیں۔

بنیادی جمہوریتوں کے نظام کے تحت آپنے ۱۹۵۹ء میں بی ڈی کے انتخابات میں حصہ لیا۔ اس انتخاب میں آپ اپنے حلقے سے بی ڈی ممبر منتخب ہوئے ۱۹۶۵ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کے امیدوار کھڑے ہوتے مگر ناکام ہوئے۔ یہ خاص بات ہے کہ آپ نے مسلم لیگ کا دامن آج تک نہیں چھوڑا۔ آپ فرماتے ہیں کہ وہ سیاسی جماعت جس کے ذریعے یہ پاکستان قائم ہوا۔ اس کا دامن کیسے چھوڑا جا سکتا ہے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں آپ نے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر سرحد اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لیا اور کامیاب ہوتے سرحد میں نیپ اور جمعیت کی وزارت کے استعفے کے بعد جب سرحد میں متحدہ محاذ مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کی حکومت بنی تو آپ کو ایکسائز اور ٹیکسیشن کا وزیر بنایا گیا

محمد ہارون بادشاہ

آپ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۵ء کو ہزارہ کی تحصیل مانسہرہ میں پیدا ہوئے۔ آپکے والد کا نام حاجی محمد اکبر خان ہے آپ نے ابتدائی تعلیم مانسہرہ ضلع ہزارہ میں حاصل کی آپکے ماموں چونکہ سرینگر میں رینج آفیسر تھے۔ اس لئے آپ اپنے ماموں کے پاس سرینگر چلے گئے تھے اور ۱۹۳۵ء میں میٹرک کا امتحان سرینگر سے ہی پاس کیا آپ خانخیل قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں آپکا خاندان زراعت پیشہ ہے۔

آپکے چچا مقرب خان اور والد حاجی محمد اکبر خان نے تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ چار بھائی تھے۔ محمد ہمایون خان، محمد یونس خان، محمد حنیف خان اور محمد ہارون
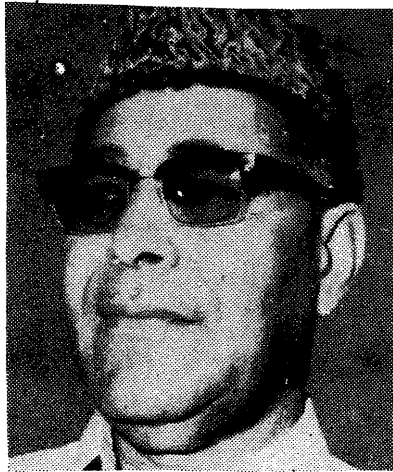
بادشاہ۔ ان میں سے محمد ہمایون اور محمد یونس فوت ہو چکے ہیں آپکے بڑے بھائی محمد حنیف خان نے تحریک پاکستان کی جدوجہد میں حصہ لیا ۔ ۱۹۶۲ء کے الیکشن میں مغربی پاکستان اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور چیف پارلیمانی سیکرٹری کے عہدے پر فائز رہے آپکے چچازاد بھائی محمد عباس خان ہزارہ کی مشہور ڈیموکریٹک پارٹی کے ممبر تھے ۱۹۴۶ء میں صوبہ سرحد میں جب ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت بنی تو اس میں وزیر مال تھے

محمد ہارون بادشاہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کافی عرصہ تک جنگلات کی ٹھیکیداری کا کام کرتے رہے ۔ مگر جونہی انہوں نے سیاست میں قدم رکھا تو اپنی ساری توجہ سیاست کی طرف مبذول کر دی اس سیاسی جدوجہد میں آپ نے بہت سی مالی قربانیاں بھی دیں آپکی سیاسی زندگی کا آغاز اگرچہ مسلم لیگ سے ہوتا ہے مگر قیام پاکستان کے بعد جب مسلم لیگ اپنے اصولوں سے منحرف ہو گئی تو جہاں اور بہت سے مخلص لیڈروں نے مسلم لیگ کو چھوڑا وہیں آپ بھی پیر صاحب مانکی شریف کی قیادت میں جناح عوامی لیگ میں شامل ہو گئے۔ جب پنجاب کی جناح عوامی لیگ کو شہید سہروردی کی بنائی ہوئی

عوامی لیگ میں ضم کیا گیا تو آپ کو مغربی پاکستان عوامی لیگ کا نائب صدر مقرر کیا گیا۔
۱۹۵۹ء میں سابق صدر ایوب خان نے جب کنونشن لیگ کی بنیاد ڈالی تو آپ اور آپ کا تمام گھرانہ کنونشن لیگ میں شامل ہو گیا۔ کنونشن لیگ میں آپ ضلع ہزارہ کے صدر تھے ۱۹۶۲ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کے انتخاب میں آپ اور آپکے بھائی نے حصہ لیا جس میں آپ تین ووٹوں سے شکست کھا گئے مگر آپ کے بھائی حنیف خان کامیاب ہو گئے مغربی پاکستان اسمبلی میں کافی عرصہ تک چیف پارلیمانی سیکرٹری رہے۔ قیام پاکستان کے بعد مسلم لیگ کئی دھڑوں میں بٹ گئی تھی۔ خصوصاً جب سابق صدر ایوب خان نے مسلم لیگ کو کنونشن کا نام دیکر اپنے اقتدار کا ذریعہ بنایا تو مسلم لیگ کی رہی سہی طاقت بھی ختم ہو گئی تھی کئی پرانے مسلم لیگیوں نے مسلم لیگ کو زندہ کرنے کی کوشش کی چنانچہ اسی کشمکش میں کنونشن مسلم لیگ کے مقابلے میں دو جماعتیں مسلم لیگ کے نام سے معرض وجود میں آئیں ایک کونسل مسلم لیگ اور دوسری قائد اعظم مسلم لیگ کونسل مسلم لیگ کی باگ ڈور ممتاز محمد خان دولتانہ کے ہاتھ میں تھی اور قائد اعظم مسلم لیگ کی خان عبدالقیوم خان کے ہاتھ میں۔ پرانے مسلم لیگیوں نے بہت کوشش کی کہ تینوں مسلم لیگوں کو متحد کیا جا سکے مگر ممتاز محمد خان دولتانہ اور قیوم خان نے اس اتحاد کو گوارا نہ کیا۔ البتہ قیوم خان نے اتنا کیا کہ "قائد اعظم" کا لفظ ہٹا کر بعد میں قیوم مسلم لیگ کے نام سے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ محمد ہارون بادشاہ بھی قیوم خان کے گروپ کے ساتھ شامل ہو گئے اور ہزارے میں قیوم لیگ کو مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔
۱۹۷۰ء کے انتخابات میں آپ پی ایف ۲۱ ہزارہ ۴ کے حلقے سے سرحد اسمبلی کے امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوئے آپ کے مقابلے میں آزاد امیدواروں میں عبدالستار خان، عالم زیب ظفر، دلاور خان، محمد ایوب خان اور محمد صادق خان اور ان کے علاوہ جمعیت العلمائے اسلام کے حاجی عبدالمنان، نیپ کے جہانداد

خان جماعت اسلامی کے طہماسب خان، کونسل لیگ کے میاں فتح محمد اور پیپلز پارٹی
کے محمد مظفر خان تھے۔ آپ ان سب کے مقابلے میں نو ہزار آٹھ سو سات ووٹ لیکر
کامیاب ہوئے۔ آپکے تمام حریفوں کی ضمانتیں ضبط ہو گئیں۔ جب سرحد میں نیپ اور
جمیعت کی حکومت کے بعد متحدہ محاذ، پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ کی حکومت قائم ہوئی
تو آپکو وزیر زراعت کی حیثیت سے لیا گیا۔

"آپ کہتے ہیں کہ میں نے الیکشن محض ممبری حاصل کرنے یا کسی عہدے
کے حصول کے لئے نہیں بلکہ اس لئے لڑا ہے تاکہ علاقے کے لوگوں سے ربط قائم رکھ سکوں
اور ان کے مسائل معلوم کر کے ان کی مشکلات دور کر سکوں" آپ کو غریبوں سے بہت ہمدردی
ہے اور ملک میں مساویانہ طور پر سماجی نظام کے زبردست حامی ہیں

راجہ جارج سکندر زمان خان

آپ ۱۹۳۵ء میں ضلع ہزارہ کے مشہور گاؤں خان پور میں پیدا ہوئے پریذنٹیشن سکول راولپنڈی
اور برن ہائی سکول ایبٹ آباد اور علیگڑھ سے تعلیم حاصل کی۔ ایف ایس سی میں تعلیم کا سلسلہ چھوڑ دیا
راجہ صاحب کا خاندان صوبہ سرحد کا وہ مشہور خاندان ہے جس نے سر صاحبزادہ کے ساتھ ہر ممکن
تعاون کیا اور کانگرس کا سرحد میں قدم قدم پر مقابلہ کیا، تحریک پاکستان کے سلسلے میں سرحد میں
اس خاندان کی خدمات تاریخ پاکستان کا ایک سنہرا باب ہے اس خاندان نے مالی لحاظ سے
بھی مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلے میں قائداعظم کا ہاتھ بٹایا۔ قومی اور ملکی معاملے میں اس خاندان
نے ہمیشہ بے مثال کارنامے سرانجام دیئے۔ علی گڑھ تحریک میں اور اسلامیہ کالج پشاور کے
قیام کے سلسلے میں اس خاندان نے بے شمار مالی امداد دی۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس خاندان کے
کسی بھی فرد نے ذاتی اقتدار کی کبھی بھی ہوس نہیں کی اگر اس خاندان کا کوئی فرد سیاسی میدان

میں آیا بھی تو اس کا مطمع نظر سیاسی داؤ پیچ کے ذریعے حصول اقتدار نہیں رہا بلکہ اس کا نصب العین صرف یہی رہا کہ وہ اپنی قوم اور اپنے ملک کی کوئی بہتر خدمت کر سکے۔ آپ کے والد سلطان راجہ حیدر زمان خان نے قائد اعظم کی اپیل کے جواب میں سرکاری خطابات واپس کر دیئے تھے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں آپ کے والد خان پور کے حلقے سے سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ آپکے کے چچا راجہ منوچہر خان سرصاحبزادہ کے انتقال کے بعد ان کی خالی سیٹ سے سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔ اس طرح آپ کے بڑے بھائی راجہ رکن الزمان ۱۹۵۱ء میں سرحد اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔

راجہ جارج سکندر زمان ۵ سال تک ڈسٹرکٹ کونسل ہزارہ کے نائب چیئرمین رہے دس سال تک یونین کونسل خان پور کے چیئرمین اور تحصیل ہری پور کی اصلاحی کمیٹی کے صدر رہے۔ اسمبلی کے ممبر کی حیثیت سے آپ نے خانپور کے لئے کافی مراعات حاصل کیں اور اپنے علاقے کے مسائل کو احسن طریقے سے سلجھایا۔

راجہ جارج سکندر زمان طالب علمی سے ہی مسلم لیگ کمیٹی سے وابستہ ہوئے۔ ہزارہ مسلم

لیگ کے نائب صدر اور سنٹرل مسلم لیگ کمیٹی کے ممبر رہے ہے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں آپ پی ایف ۱۶ خانپور سے اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ نیپ اور جمعیت کی حکومت کے دوران آپ ایوان میں حزب اختلاف کے ڈپٹی لیڈر اور مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے لیڈر منتخب ہوئے جب سرحد میں متحدہ محاذ کی حکومت بنی تو آپ کو وزیر تعلیم لیا گیا۔

آپ پاکستان کی سالمیت بقا تحفظ اور یکجہتی کے لئے انتہائی سرگرم ہیں۔ نظریہ پاکستان اور اسلامی قوانین کے رائج کرنے کے لئے پوری جدوجہد کر رہے ہیں آپ صاف ستھری سیاست پر یقین رکھتے ہیں۔ آپ ان لوگوں میں سے نہیں جو اقتدار کی خاطر اپنی سیاسی وفاداریاں تبدیل کر دیں۔ آپ باوجود اس کے کہ سرحد کے بہت بڑے لینڈ لارڈ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں مگر سماجی انصاف کے زبردست حامی ہیں خاندانی جاہ و حشمت کے باوجود انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے ہیں ہر ایک کے ساتھ گھل مل کر باتیں کرتے ہیں غریبوں کے ہمدرد اور مصیبت زدوں کے سہارا ہیں۔ بار ہویں کابینہ میں بھی آپ کو وزیر تعلیم لیا گیا۔

عبدالصمد خان

آپ ۱۹۳۹ء میں سرحد کے ضلع مردان کے ایک گاؤں طورو میں پیدا ہوئے آپ ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر شیر علی خان کے بیٹے ہیں۔ عبدالصمد خان والد کے ساتھ سرحد کے مختلف مقامات پر رہے۔ اس لئے ان کی تعلیم بھی سرحد کے مختلف سکولوں میں ہوئی ۱۹۵۴ء میں آپ نے میٹرک کا امتحان پاس کیا میٹرک کے بعد ایڈورڈ کالج میں داخلہ لیا مگر بی اے میں تعلیم چھوڑ دی۔ ملک میں جب پیپلز پارٹی کی بنیاد پڑی تو آپ پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے۔ ضلع مردان میں آپ نے پیپلز پارٹی کو مقبول بنانے کے لئے کافی جدوجہد کی۔ ضلع مردان پیپلز پارٹی کے چیئرمین منتخب ہونے کے علاوہ آپ پیپلز پارٹی کی صوبائی کمیٹی کے اور صوبائی پارلیمانی بورڈ کے ممبر بھی رہے۔
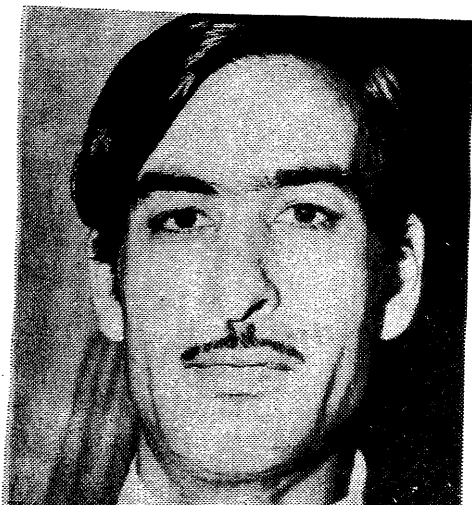
۱۹۷۰ء کے انتخابات میں آپ نے سرحد اسمبلی کے امیدوار کی حیثیت سے الیکشن میں حصہ لیا اور بھاری ووٹوں سے کامیاب ہوئے نیپ اور جمعیت کی حکومت کے مستعفی ہو جانے کے بعد جب سرحد میں متحدہ محاذ کی وزارت بنی تو آپ کو کابینہ میں وزیر محنت و تجارت لیا گیا۔

حاجی محمد رحمان

آپ منگورہ ضلع سوات میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کے بعد پہلے اپنے والد کے ساتھ تجارتی کاروبار کرتے رہے بعد میں ٹرانسپورٹ کا کام شروع کیا منگورہ میں ایک پٹرول پمپ بھی لگایا۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے متحدہ محاذ کی جب حکومت بنی تو آپ کو کابینہ میں وزیر خوراک اور ٹرانسپورٹ بنایا گیا۔

نوابزادہ عظمت علی خان

آپ کوہاٹ کے خان بہادر نواب محبت علی خان کے بیٹے ہیں ۔ ۱۹۳۷ء میں کوہاٹ میں پیدا ہوئے ۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی ۔ آپکے والد نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مالی لحاظ سے سرحد مسلم لیگ کو کافی تقویت پہنچائی ۔

نوابزادہ عظمت علی خان نے بھی والد کے نقش قدم پر مسلم لیگ میں شمولیت کر کے سیاسی زندگی کا آغاز کیا ۔ صدر ایوب نے جب کنونشن مسلم لیگ کی بنیاد رکھی تو آپ بھی کنونشن مسلم لیگ میں شامل ہو گئے ۔ آپ صدر ایوب کی بنائی ہوئی کنونشن مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ۱۹۶۰ کے انتخابات میں قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ۔ ۱۹۶۵ء میں دوبارہ قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ۔ قومی اسمبلی کے ممبر کی حیثیت سے آپ نے کیڈٹ کالج کوہاٹ ۔ تاندہ ڈیم ۔ جامعہ ہائی سکول کوہاٹ ۔ گورنمنٹ ہائی سکول ۴ کوہاٹ ۔ پولی ٹیکنیک سکول کوہاٹ ، کنڈر ڈیم ، شادی خیلی ڈیم اور کوہاٹ کے لئے دوسرے کئی منصوبوں پر عمل درآمد کرانے میں اہم کردار ادا کیا ۔ سنہ ۱۹۷۰ء میں کنونشن مسلم لیگ کے ٹکٹ پر آپ سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ۔ نیپ اور جمعیت کی حکومت کے دوران گورنر سرحد کے مشیر رہے ۔ جب

متحدہ محاذ کی حکومت بنی تو آپ کو جنگلات معدنیات اور ہاؤسنگ کا وزیر بنایا گیا متحدہ محاذ کی کابینہ میں شمولیت کے بعد آپ نے گورنمنٹ گرلز کالج کوہاٹ اور گرلز ہائی سکول نمبر۲ کوہاٹ کے قیام اور منظوری میں اہم دلچسپی لی۔ آپ کے محبوب مشغلے شکار کھیلنا، زمینداری اور زرعی پیداوار میں نت نئے تجربے کرنا ہیں۔

سیّد مزمّل شاہ

آپ سادات کاغان میں سے سیّد قاسم شاہ کے بیٹے ہیں ۱۹۳۲ء میں کاغان میں پیدا ہوئے کاغان کے پرائمری سکول میں تعلیم حاصل کی ۱۹۴۸ء میں مانسہرہ ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا زمانہ طالب علمی میں اپنے تایا سید محمود شاہ کے ساتھ کشمیر کے جہاد میں حصّہ لینے کے لئے گئے پہلے پونچھ کے محاذ پر ڈوگرہ فوج کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے۔ بعد میں اڑی کے پل پر چوکیداری کرتے رہے تاکہ دشمن پل کو نقصان نہ پہنچا سکے آپ
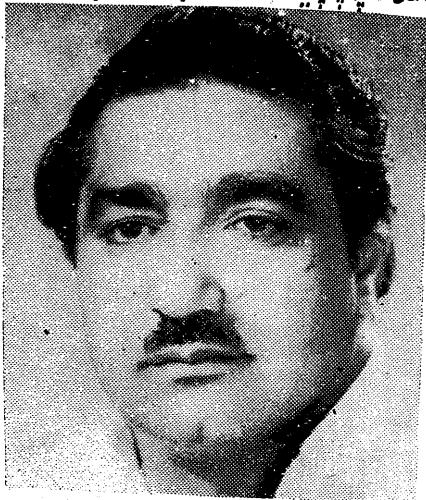
کے والداور خاندان کے تمام افراد نے تحریک آزادی میں اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۵۱ء میں آپکے
تایا سید محمود شاہ نے جب سرحد اسمبلی کے انتخابات میں حصّہ لیا تو آپ نے ان کے حلقے میں سیاسی
کارکن کی حیثیت سے انتخاب کیلئے کام کیا۔ یہیں سے آپکی سیاسی سوجھ بوجھ اور سیاست سے
وابستگی کا آغاز ہوا۔ ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے بعد جب ملک میں بی ڈی نظام کے تحت انتخابات
ہوئے تو آپ کاغان کے حلقہ بٹہ کنڈی سے یونین کونسل کاغان کے بلا مقابلہ ممبر منتخب ہوئے
بعد میں یونین کونسل کاغان کے چیئرمین اور ہزارہ کی ڈویژنل کونسل کے بلا مقابلہ ممبر منتخب
ہوئے ۱۹۶۵ء میں آزاد امیدوار کی حیثیت سے مغربی پاکستان اسمبلی کے انتخابات میں حصّہ لیا مسلم لیگ کے
امیدوار سے تین ووٹ زیادہ لئے مگر چار ووٹ مسترد ہو جانے کی وجہ سے ناکام ہوئے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں سرحد
اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ سرحد میں متحدہ محاذ کی جب حکومت بنی تو آپکو وزیر اطلاعات بنایا گیا۔

حق نواز خان

آپ سرحد میں متحدہ محاذ کی کابینہ میں سب سے کم عمر اور سب سے زیادہ تعلیم یافتہ رکن تھے۔ آپکی تاریخ پیدائش ۱۵ اگست ۱۹۴۵ء ہے آپ کے والد محمد عمر خان تحریک آزادی میں مختلف سیاسی تحریکوں سے وابستہ رہے ہے خلافت کی تحریک میں آپ نے مولانا محمد اسحاق مانسہروی کی قیادت میں ہزارہ میں اہم خدمات انجام دیں،

حق نواز خان ضلع ہزارہ کی تحصیل مانسہرہ کے ایک گاؤں بیچہ کلاں کے رہنے والے ہیں آپکے خاندان کے اکثر افراد نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا آپ کے والد ضلع ہزارہ میں تحریک خلافت کے بانی ارکان میں سے تھے۔ خلافت تحریک کے بعد انہوں نے خاکسار تحریک میں شمولیت کی۔ خاکسار تحریک کا جب مسلم لیگ سے اختلاف پیدا ہوا تو انہوں نے خاکسار تحریک کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور قیام پاکستان تک وہ اپنے علاقے میں تحریک پاکستان میں عملی حصہ لیتے رہے۔

حق نواز خان نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے پرائمری سکول میں حاصل کی۔ اس کے بعد وہ کچھ عرصہ تک مانسہرہ ہائی سکول میں تعلیم حاصل کرتے رہے بعد میں ایبٹ آباد ہائی سکول میں داخل ہوتے اور یہیں سے انہوں نے ۱۹۶۰ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ میٹرک کرنے کے بعد آپ گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد میں داخل ہوتے ۱۹۶۴ء میں آپ نے بی اے کیا۔ ۱۹۶۶ء میں آپ نے خیبر لا کالج سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی قانون کی ڈگری لینے کے بعد آپ نے ایبٹ آباد میں وکالت شروع کی ۱۹۷۰ء میں مانسہرہ اور بٹگرام کے حلقے سے صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لیا اور ووٹوں کی بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ آپ کے مقابلے میں مال و دولت رکھنے والے عمر رسیدہ اور سابقہ سیاسی تجربہ رکھنے والے امیدوار بھی تھے مگر علاقے کے عوام نے آپ کو کثرت رائے سے اس لئے منتخب کیا کیونکہ آپ انتہائی با اخلاق، اسلام پسند اور حلیم الطبع اور ملنسار شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ کے اوصاف حمیدہ ہی دراصل آپ کی

کامیابی کا باعث بنے۔ انتخابات کے بعد جب سرحد میں نیپ اور جمعیت کی حکومت بنی تو آپ کو وزارت صحت اور جیل خانہ جات اور سوشل ویلفیئر کا قلمدان سونپا گیا۔ نیپ اور جمعیت کی وزارت کے مستعفی ہو جانے کے بعد جب سرحد میں متحدہ محاذ کی حکومت قائم ہوئی تو آپ کو قانون، پارلیمانی امور اور وزارت صحت کے محکمے دیئے گئے۔ آپ نے دونوں وزارتوں میں اپنے فرائض انتہائی احسن طریقے سے سرانجام دیئے۔ آپ داؤ پیچ کی سیاست پر یقین نہیں رکھتے۔ آپ ایک بہترین مقرر، بیدار مغز وکیل ہیں اسلامی تاریخ اور اسلامی مطالعہ پر کافی عبور حاصل ہے آپ فرماتے ہیں کہ پاکستان اور پاکستانی عوام کی ترقی اور بہبودی کا راز اس میں ہے کہ پاکستان جن نظریات کے تحت حاصل کیا گیا تھا ان نظریات کو عملی جامہ پہنایا جائے آپ اس پر یقین کامل رکھتے ہیں کہ اگر پاکستانی قوم ان نظریات کو اپنائے جن نظریات کے تحت پاکستان قائم ہوا ہے تو اس صورت میں ہمارے ملک سے سیاسی افراتفری کی فضا کا فوری خاتمہ ہو سکتا ہے۔ قانون کی کتابوں اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ آپ کے بہترین اور پسندیدہ مشاغل ہیں۔ آپ دلکش اور پروقار شخصیت کے مالک ہیں آپ کی گفتگو انتہائی سنجیدہ اور پرمعنی ہوتی ہے۔

قادر نواز خان

آپ ۱۹۲۴ء میں دروش ضلع چترال میں پیدا ہوئے۔ آپ چترال کے حکمران خاندان کٹورہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپکے جداعلیٰ بابا ایوب پانچ سو سال قبل فقیرانہ لباس میں چترال میں آئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ یہی بابا ایوب وہ مشہور بزرگ ہیں جن کی اولاد ایک عرصے تک چترال میں حکمران رہی۔

قادر نواز خان کے عزیز و اقارب ضلع پشاور کی تحصیل نوشہرہ میں رہتے تھے اس لئے قادر نواز خان بھی اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ نوشہرہ میں مقیم رہے اور یہیں
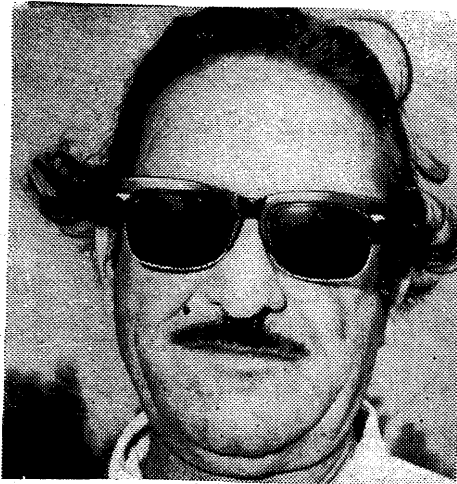
سے آپ نے ایف اے تک تعلیم حاصل کی۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی آپ نے تحریک آزادی میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ آپ نے سیاسی زندگی کی ابتدا خاکسار تحریک میں شامل ہو کر کی۔ خاکسار تحریک میں آپ نوشہرہ تحصیل کے بگلر تھے۔ ۱۹۴۰ء میں جب لاہور میں پاکستان کی قرار داد پاس ہوئی تو اس کے بعد آپ نے تحریک پاکستان میں حسب استطاعت حصہ لیا۔

پاکستان کے قیام کے بعد آپ نے چترالی عوام کو نواب کے اقتدار سے نجات دلانے کیلئے چترال میں مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی آپ ایک عرصے تک چترال مسلم لیگ کے ناظم اعلیٰ اور دوسرے اہم عہدوں پر رہے اس طرح آپ مسلسل ۲۱ سال تک جدوجہد کرتے رہے تاکہ چترال کے عوام موروثی حکمران خاندان کے شکنجے سے نجات حاصل کر کے جمہوری طور طریقوں سے زندگی بسر کر سکیں۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں آپ کو گرفتار کر لیا گیا مگر چترال میں تحریک اتنا زور پکڑ چکی تھی کہ حکمران خاندان کا سارا زور ٹوٹ چکا تھا اب وہ عوام پر اتنا ظلم و تشدد نہیں کر سکتے تھے جو پہلے عوام پر کیا جاتا تھا۔ اس سیاسی تحریک کا یہ نتیجہ

نکلا کہ گورنمنٹ کو چترال عبوری ایکٹ ۱۹۵۳ء نافذ کرنا پڑا جس کی رو سے مہتر چترال کے آمرانہ اختیارات چھین لئے گئے۔ چترال سے جبری بیگار کا خاتمہ تو ہو چکا تھا مگر یہاں کے پولیٹیکل ایجنٹ کو وزیر اعظم کے اختیارات دے دیئے گئے۔ باوجود اس ایکٹ کے نفاذ کے چترالی عوام کی حالت جوں کی توں رہی۔ چترالی عوام کو ان کے بنیادی حقوق دلانے کے لئے قادر نواز خان نے لگاتار جدوجہد جاری رکھی اس جدوجہد کے راستے میں انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں کئی دفعہ گرفتار ہوئے مگر آپ کے عزم میں کوئی لغزش پیدا نہیں ہوئی آپ چترال کے مظلوم عوام کو ظلم کی زنجیروں سے نجات دلانے کے لئے دن رات کوشاں رہے۔ آخر کار ۲۸ جولائی ۱۹۶۵ء کو حکومت پاکستان نے چترالی عوام کے زبردست مطالبے کے پیش نظر ریاست کا وجود ختم کر کے اسے صوبہ سرحد کے ایک ضلع کی حیثیت دی تاکہ چترال کے عوام حکومت پاکستان کی ترقیاتی سکیموں سے فائدہ اٹھا سکیں چترال کی ریاستی حیثیت کے خاتمے پر چترال کے عوام نے اطمینان کا سانس لیا چترال میں کھلم کھلا سیاسی تحریکوں کا آغاز ہوا۔ قادر نواز خان نے آزاد چترال مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں حصہ لیا، اور ووٹوں کی بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ ۱۹۷۱ء میں آپ پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے اور چترال میں پیپلز پارٹی کی تنظیم کے لئے کافی جدوجہد کی۔ متحدہ محاذ کی حکومت میں آپ کو وزیر بلدیات اور سپورٹس لیا گیا۔ آپ نے وزیر بلدیات کی حیثیت سے سرحد کے بلدیاتی علاقوں کی ترقی، بہبودی اور بہتری کے لئے کافی جدوجہد کی۔ کھیلوں سے آپ کو فطری شغف تھا اس لئے وزیر سپورٹس کی حیثیت سے آپ نے سرحد میں کھیلوں کے معیار کو بلند کرنے کی کافی کوشش کی۔ آپ کو فارسی، اردو، پشتو، چترالی، پنجابی اور انگریزی زبانوں پر عبور حاصل ہے۔ تاریخی اور تحقیقاتی مطالعہ اور نقشے جمع کرنا آپ کے پسندیدہ مشاغل ہیں آپ کا نظریہ یہ ہے کہ جب کوئی سیاسی پارٹی برسر اقتدار

آتی ہے تو اس وقت اس کے کردار سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ پارٹی اپنے انتخابی منشور کی کہاں تک پابند ہے۔ اگر کوئی پارٹی برسر اقتدار آنے کے بعد اپنے انتخابی منشور کی خود ہی خلاف ورزی کرے تو عوام فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ اس پارٹی نے محض اقتدار حاصل کرنے اور عوام کو دھوکا دینے کی غرض سے عوامی اصلاح اور عوامی فلاح و بہبود کے بلند بانگ دعوے کئے تھے چنانچہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام اس قسم کی پارٹی کو دوبارہ کبھی بھی برسر اقتدار نہیں آنے دیتے۔ قادر نواز خان انتہائی سادہ مزاج اور درویشانہ طبیعت کے مالک ہیں۔ باوجود وزیر ہونے کے وہ عوام سے دور نہیں رہے۔

ہمایوں سیف اللہ

آپ صوبہ سرحد کے مشہور سیاسی رہنما خان سیف اللہ خان اور مشہور سماجی اور سیاسی خاتون بیگم کلثوم کے صاحبزادے ہیں۔ آپ ۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو پشاور میں پیدا ہوئے آپکے آباؤ اجداد ضلع بنوں کے ایک گاؤں غزنی خیل کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے کینٹ

پبلک سکول اور ایڈورڈز کالج پشاور میں تعلیم حاصل کی ۱۹۶۵ء میں آپ نے پشاور یونیورسٹی سے انجینئرنگ کا امتحان پاس کیا۔ سرحد کو صنعتی لحاظ سے ترقی دینے کے لئے آپ کے خاندان نے بیشتر نجی سرمایہ مختلف صنعتوں میں لگا کر بنوں پشاور اور کوہاٹ میں کئی صنعتی کارخانے لگائے آپ نے بھی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اپنی والدہ سے مل کر کوہاٹ میں ٹیکسٹائل ملز اور بنوں میں فلور ملز قائم کی بنوں فلور ملز میں آپ بطور مینجنگ ڈائریکٹر اور کوہاٹ ٹیکسٹائل ملز میں بطور ریذیڈنٹ ڈائریکٹر کام کرتے رہے آپ کے نانا نے ملکی سیاست میں اہم کردار ادا کیا ہے آپکے والد خان سیف اللہ خان بار ایٹ لا نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے ملکی سیاست میں اہم کردار ادا کیا۔ نیشنل اسمبلی کے ممبر کی حیثیت سے انہوں نے ضلع بنوں کی پسماندگی دور کرنے کے لیے مؤثر نمائندگی کی۔

ہمایوں سیف اللہ نے اپنے خاندان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ۶۸ ۱۹ء میں ملکی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۷۰ء میں سرحد اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا۔ اور پی ایف ۲۹ کے حلقے سے ووٹوں کی بھاری اکثریت سے سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ یہ بات خاص کر قابل ذکر ہے کہ آپکے نانا خان بہادر قلی خان سرحد مسلم لیگ کے بانی کارکنوں اور معاونوں میں سے تھے، آپ کے ماموں خان محمد یوسف خان خٹک تحریک پاکستان میں مسلم لیگ کے اہم عہدوں پر رہ چکے تھے گویا مسلم لیگ سے آپکے گھرانے کو خاص اُنس اور لگاؤ تھا یہی وجہ تھی کہ قیام پاکستان کے بعد صدر ایوب خان کے عہد میں جب مسلم لیگ دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئی تو آپکے خاندان نے سرکاری مسلم لیگ کے مقابلے میں کونسل مسلم لیگ میں رہ کر ملکی سیاست میں حصہ لینے کو ترجیح دی، ہمایوں سیف اللہ نے بھی کونسل مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ہی اپنے حلقے سے کامیابی حاصل کی، نیپ اور جمعیت کی حکومت کے خاتمے کے بعد جب سرحد میں متحدہ محاذ کی حکومت قائم ہوئی تو آپ اس کابینہ میں وزیر تعمیرات کی

حیثیت سے کابینہ میں شامل ہوگئے اس سے پہلے آپ نے اپنے علاقے کے عوام کے مسائل کو حل
کرنے کے لئے کافی تگ و دو کی۔ گورنر راج کے زمانے میں آپ نے خود ہی ایک جامع
سکیم پہاڑ خیل واٹر سپلائی سکیم بنا کر حکومت کو پیش کی۔ اس سکیم سے پہاڑ خیل کے
علاقے کے سات گاؤں کو فائدہ پہنچا۔ اس سکیم پر کل سات لاکھ روپیہ خرچ آیا جس کی
تکمیل کے بعد پورے سات گاؤں کی آبادی کی پانی کی مشکلات کا خاتمہ ہوا۔ آپکی مسلسل
یہی کوشش رہی ہے کہ اپنے علاقے کے لوگوں کو پینے کا پانی مہیا ہوسکے۔ کیونکہ بنوں
کی تحصیل لکی اور غزنی خیل وغیرہ میں لوگوں کو پینے کے پانی کی سخت مشکلات تھیں
لوگ بارش کا پانی جمع کرکے کئی کئی ہفتے تک پیتے تھے زیادہ دیر تک اس پانی کے
رہنے کی وجہ سے اس پانی میں ایک خاص کیڑا پیدا ہوجاتا تھا جو بظاہر دیکھنے میں نظر
نہیں آتا تھا مگر جونہی یہ پانی لوگ پیتے تھے جو یہی کیڑا جو وہاں نارو کے نام سے
مشہور ہے لوگوں کے جسموں کو سوراخ کرتا ہوا باہر نکلتا تھا جس سے لوگ ایک
خطرناک عذاب میں مبتلا تھے سرحد میں کئی حکومتیں بنیں اور ختم ہوئیں مگر کسی نے بھی
خدا کی اس مخلوق کو جو صاف پانی کے قطروں کے لئے ترستی تھی کبھی توجہ نہیں دی۔ ہمایوں
سیف اللہ نے اپنے علاقے کے عوام کی اس عظیم دشواری کو حل کرنے کے لئے تمام
توجہ مرکوز کی اور ان کی زیادہ تر کوشش یہی رہی کہ اپنے علاقے کے عوام کو
پانی میسر آسکے تاکہ ان میں بھی دنیاوی زندگی کا احساس پیدا ہوسکے اور وہ یہ خیال کر
سکیں کہ ہمیں آزادی کے بعد آزادی کا صلہ ملا ہے اسی قومی خدمت کے جذبے کے
تحت ہمایون سیف اللہ نے صحیح معنوں میں اپنے حلقے کے عوام کی ایسی صحیح نمائندگی
کی ہے جو حقیقی معنوں میں کسی حلقے کے نمائندے کو قومی اور وطنی ہمدردی کے جذبے
کے تحت کرنا چاہیئے۔ کابینہ کے وزیر کی حیثیت سے آپ نے سرحد ڈیویلپمنٹ اتھارٹی
کے سامنے مروت ایریا واٹر سپلائی سکیم کا خاکہ پیش کیا تاکہ مروت علاقے کی پچاس

لاکھ آبادی کو پانی مہیا ہو سکے۔ اس سکیم سے ۲۲ گاؤں کو زندگی کی نئی کرن سامنے دکھائی دی۔

وزیر تعمیرات ہونے کی حیثیت سے آپ نے پی ڈبلیو ڈی اور پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کے ٹھیکیداروں اور بدعنوان افسروں کی اصلاح کے لئے کافی جدوجہد کی تاکہ تعمیراتی کاموں پر خرچ ہونے والی قومی دولت کا ضیاع نہ ہو کیونکہ پاکستان کے قیام سے لے کر مسلسل ۲۵ سال تک عام طور پر پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کی اصلاح کی طرف کوئی خیال نہیں کیا گیا تھا جس کی بنا پر اگر کہیں سڑکیں بنتی تھیں تو وہ بھی تجارتی بنیادوں پر بنتی تھیں، سرکاری عمارتیں بنیں تو وہ بھی تجارتی اغراض کے تحت بنیں کوئیں کھودے گئے تو ان کی کھدائی میں بھی سرکاری دولت سمیٹنے کا ہی نظریہ قائم رہا ان نظریات کی بنا پر نہ تو سڑکوں کی تعمیر پر معیاری میٹیریل لگایا گیا اور نہ ہی سرکاری عمارتوں کی تعمیر کے لئے معیاری سامان مہیا کیا جاتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ سڑک دوسرے ہفتے میں بہہ جاتی تھی سرکاری عمارتوں کا بھی یہی حال تھا ہوا کے جھونکوں سے ہی یہ عمارتیں لرز جاتی تھیں جنوبی اضلاع میں سرکاری طور پر جو ٹیوب ویلز کھودے گئے ان کی یہ حالت تھی کہ سرکاری رقم تو ہضم ہو گئی مگر کنوؤں کے صرف نشانات آثار قدیمہ کی طرح بغیر پانی کے باقی رہے۔ ہمایون سیف اللہ خان نے اپنے محکمے کے عملے کو یہ ذہن نشین کرانے کے لئے کہ وہ قوم اور ملک کے خادم ہیں تمام بدعنوان افسروں اور ٹھیکیداروں کے کام کی سختی سے چیکنگ شروع کر دی اگر اس چیکنگ کے باوجود کسی نے اپنی فطرت کو نہ بدلا تو اس کو غداری اور ملکی دولت کو نقصان پہنچانے کے بدلے میں موقوف کر کے باقاعدہ اس کے خلاف تحقیقات کرائی گئی اس جدوجہد کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ میں کافی اصلاح ہو گئی، ٹھیکیداروں کو بھی یہ احساس ہو گیا کہ اب ہم سرکاری رقم کو مال مفت سمجھ کر ہضم نہیں کر سکتے اور بدعنوان افسروں کو بھی یہ نصیحت مل گئی کہ وہ قوم اور

ملک کو کسی طرح نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

ہمایوں سیف اللہ نیک سیرت اور انتہائی خوش خلق ہیں ۱۹۷۲ء میں اپنی والدہ کے ساتھ حج بھی کر چکے ہیں۔ یورپ کی بھی سیاحت کر چکے ہیں، وہ بیرونی ترقی یافتہ ممالک کی قوموں کی حب الوطنی کا کافی مشاہدہ کر چکے ہیں ان کا نظریہ یہ ہے کہ جب تک ہماری قوم میں ملکی محبت کا احساس پیدا نہیں ہوتا اس وقت تک ہمارے ملک کی سیاسی ابتری کی فضا بھی ہموار نہیں ہو سکتی۔ سرحد کی باہویں کابینہ میں آپ کو وزیر صحت لیا گیا۔

محمد اقبال خان جدون

آپ ۱۹۴۱ء میں ضلع ہزارہ کے مقام کیہال میں پیدا ہوئے۔ آپکے والد خان گوہر رحمن خان جدون نے تحریک آزادی میں سرگرم مسلم لیگی کی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ ایبٹ آباد ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد اسلامیہ کالج پشاور
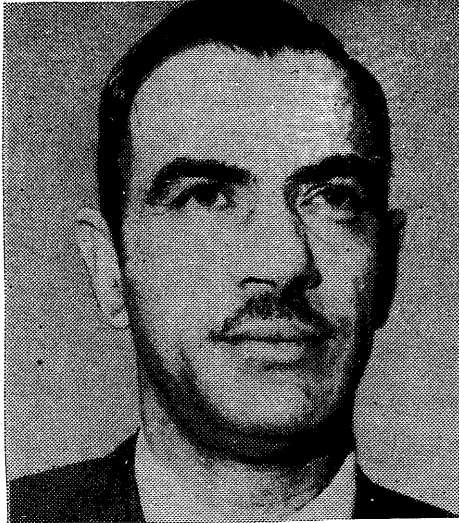
میں داخل ہوئے مگر ایف اے کرنے کے بعد تعلیم چھوڑ دی اور لکڑی کی تجارت شروع کر دی۔ ایوب خان کے دور حکومت میں جب بنیادی جمہوریتوں کا نظام ملک میں نافذ ہوا تو آپ نے اپنے علاقے سے بنیادی جمہوریتوں کے بلا مقابلہ ممبر اور پھر یونین کونسل کے چیئرمین بنے۔ آپ کافی عرصہ تک میونسپل کمیٹی ایبٹ آباد کے چیئرمین رہے۔ ۱۹۶۲ء میں اپنے حلقے سے مغربی پاکستان اسمبلی کے ممبر منتخب ہونے کے بعد جب مغربی پاکستان کی کابینہ بنی تو آپکو کمیونیکیشن اور تعمیرات کا پارلیمانی سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں آپ نے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر سرحد اسمبلی کے امیدوار کی حیثیت سے حصہ لیکر کامیاب ہوئے اسی الیکشن کے دوران آپ مسلم لیگ کی پارلیمانی بورڈ کے ممبر تھے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد آپ سرحد اسمبلی میں مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے لیڈر منتخب ہوئے مگر تھوڑے عرصے کے بعد آپ کے اور پاکستان مسلم لیگ کے صدر کے درمیان بعض بنیادی سیاسی باتوں پر اختلاف رائے پیدا ہوگیا جس کی بنا پر آپ نے اسمبلی میں ہزارہ کے تین ممبران سید مزمل شاہ، سردار گل زمان خان، محمد نواز خان اور سوات کے دو ارکان اسمبلی حاجی محمد رحمن اور رحمن اللہ خان سے مل کر ایک الگ پارلیمانی گروپ بنا لیا۔ اسمبلی میں ایک دوسرا آزاد گروپ تھا جس کی قیادت خان محمد اسلم خان خٹک کر رہے تھے اس گروپ میں چار ارکان اسمبلی تھے۔ اقبال خان جدون، اور خان محمد اسلم خان خٹک کے دونوں گروپ ایک مشترکہ پارلیمانی پارٹی میں مدغم ہو گئے جس کا نام متحدہ محاذ رکھا گیا۔ گروپ کے لیڈر اقبال خان جدون اور اس کے کنوینر خان محمد اسلم خان خٹک تھے اس مشترکہ گروپ کے قیام سے پہلے خان محمد اسلم خان خٹک کا پارلیمانی گروپ نیپ اور جمعیت کا معاون تھا۔ لہذا لامحالہ طور پر ان کے گروپ کو نیپ اور جمعیت کی وزارت کی حمایت کرنا پڑی۔ اس حمایت کی وجہ سے اس گروپ کو وزارت میں بھی حصہ دار بنایا گیا اقبال خان جدون کے گروپ نے چونکہ نیپ اور جمعیت کی حمایت نہ کی لہذا اس گروپ

کا کوئی آدمی مفتی صاحب کی کابینہ میں نہ لیا گیا۔ جب نیپ کے گورنر ارباب سکندر خان خلیل کو ان کے عہدے سے سبکدوش کیا گیا اور ان کی جگہ خان محمد اسلم خان خٹک صوبہ سرحد کے گورنر مقرر ہوئے تو اس موقع پر نیپ اور جمعیت اور متحدہ محاذ کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے جن کی بنا پر یہ گروپ نیپ اور جمعیت سے الگ ہو گیا۔ اس گروپ کی علیحدگی کے تیسرے دن مفتی محمود صاحب کی کابینہ نے استعفیٰ پیش کر دیا۔ مفتی صاحب کی کابینہ کے مستعفی ہو جانے کے بعد سرحد اسمبلی میں تین پارلیمانی گروپ تھے۔ ایک گروپ نیپ اور جمعیت کا تھا۔ دوسرا گروپ قیوم مسلم لیگ کا تھا جس کے صرف پانچ ارکان تھے یہ گروپ پیپلز پارٹی کا معاون تھا جس کے پارلیمانی لیڈر حیات محمد خان شیرپاؤ تھے۔ تیسرا مؤثر گروپ متحدہ محاذ کا تھا جس کے قائد اقبال خان جدون اور کنوینر خان محمد اسلم خان خٹک تھے متحدہ محاذ میں جمعیت کے ایک ممبر حقنواز خان کو اور نیپ کی ممبر بیگم کلثوم سیف اللہ کو اپنے ساتھ ملا کر اسمبلی میں اکثریتی پارٹی بنالی اس اکثریتی پارلیمانی پارٹی نے سردار عنایت اللہ گنڈاپور کو اپنا لیڈر بنا لیا جنہیں گورنر سرحد نے وزارت بنانے کی دعوت دی۔ چنانچہ سردار عنایت اللہ گنڈاپور کی قیادت میں جب سرحد میں وزارت بنی تو اقبال خان جدون کو وزیر خزانہ لیا گیا۔ بعد میں کابینہ میں آپکو وزیر مال لیا گیا۔

حاجی امان اللہ خان

آپ دیر کے رہنے والے ہیں۔ دیر میں مسلم لیگ کو منظم کرنے میں آپ نے انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ پاکستان کی سالمیت، استحکام اور بقا کو جان و مال سے عزیز سمجھتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں آپ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر دیر سے صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے نیپ اور جمعیت کی وزارت کے خاتمے کے بعد جب سرحد میں متحدہ محاذ کی وزارت کا قیام
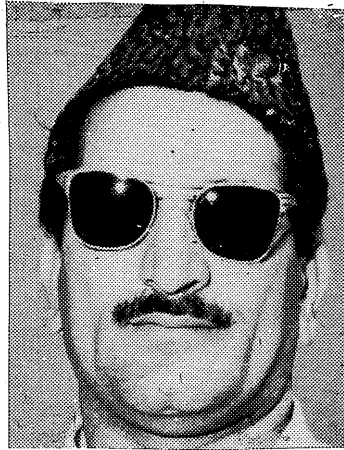
عمل میں آیا تو آپ کو وزارت جیل خانہ جات اور امداد باہمی کا محکمہ دیا گیا۔ آپ نے سرحد
میں امداد باہمی کی تحریک کو نئی بنیادوں پر منظم کرنے کے لئے اہم اقدامات کئے۔
جیل خانوں میں قیدیوں کی اصلاح کے لئے مفید اصلاحات جاری کیں۔

سردار گل زمان خان

آپ تحصیل ایبٹ آباد کے علاقہ نگری بالا کے رہنے والے ہیں۔ آپکے والد سردار میر احمد
خان اپنے علاقے کی مشہور شخصیت کے مالک تھے۔ سردار گلزمان خان ۱۹۳۷ء میں پیدا
ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی رنجگوتر مڈل سکول سے مڈل کا امتحان
پاس کیا۔ ایبٹ آباد کے ہائی سکول سے ۱۹۵۴ء میں میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے
بعد ایبٹ آباد کے کالج میں مزید تعلیم کیلئے داخل ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں ایف اے کا
امتحان پاس کیا اور پھر کاروباری سلسلے کی بنا پر تعلیم کو جاری نہ رکھ سکے۔
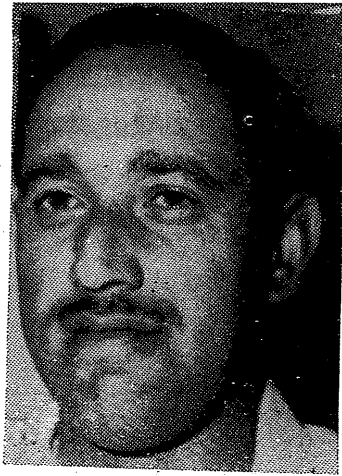
آپ کے والد سردار میر احمد خان نے تحریک آزادی میں اہم حصہ لیا۔ تحریک خلافت اور تحریک ہجرت کے دنوں میں انہوں نے مالی لحاظ سے بھی آزادی کی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۵۹ء میں بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات میں یونین کونسل نگری بالا سے انتخاب میں حصہ لیا۔ جس میں کامیاب ہوئے۔ ۲۰ فروری ۱۹۶۰ء کو یونین کونسل کے چیئرمین کے انتخاب میں حصہ لیا۔ مقابلے میں ولی الرحمان تھے۔ آپ اس انتخاب میں بھی کامیاب ہوئے اور مسلسل تین سال تک یونین کونسل نگری بالا کے چیئرمین رہے۔ ۱۹۶۲ء میں صوبائی انتخابات میں حصہ لیا۔ مقابلے میں عنایت الرحمن عباسی تھے۔ ووٹ برابر تھے مگر ایک ووٹ مسترد ہو جانے کی وجہ سے عنایت الرحمن عباسی کامیاب قرار دیئے گئے۔ مسلسل ۱۴ سال تک سیاسی زندگی سے وابستہ رہ کر اپنے علاقے اور اپنے ملک کی خدمت کی۔

مغربی پاکستان کے اسمبلی کی ممبر کی حیثیت سے آپ نے اپنے حلقہ انتخاب کے تین مڈل سکولوں

کو ہائی کا درجہ دلایا چھ پرائمری سکولوں کو مڈل کا درجہ دلایا۔ تقریباً بیس نئے پرائمری سکولوں کو کھلوا کر علاقے سے ناخواندگی کو دور کرنے کی کوشش کی۔ صحت عامہ کی طرف بھی آپ نے کافی کوشش کی چنانچہ آپ کی کوششوں سے آپ کے علاقے میں چھ ڈسپنسریاں قائم کی گئیں۔

علاقے میں عوام کی آمدورفت میں آسانی کے لئے چار چھوٹی چھوٹی سڑکیں بنوائیں اسی طرح واٹر سپلائی سکیم بھی اپنے علاقے کیلئے جاری کرائی۔ تاکہ بنجر زمینوں سے کافی پیداوار ہو سکے۔

یونین کونسل کے چیئرمین کی حیثیت سے آپنے پرائمری سکولوں کی عمارتیں اپنی مدد آپکے تحت تعمیر کرائیں۔ لوگوں کو اپنی مدد آپکے تحت ترغیب دلاکرانکے کئی مسائل حل کرائے عوام کو عدالتی اخراجات سے نجات دلائی اور سینکڑوں لوگوں کے مقدمات منصفانہ طور پہ خود فیصلے کئے۔

آپ نے مغربی پاکستان کے ممبر کی حیثیت سے اسمبلی میں ایک تحریک پیش کی تھی کہ گلیات کے علاقے کو پسماندہ علاقہ قرار دیکر اس علاقے کو وہی مراعات دیجائیں۔ جو پسماندہ علاقے کو دیجاتی ہیں بدقسمتی سے مارشل لا لگنے کی وجہ سے یہ تحریک کامیاب نہ ہو سکی۔

زراعت کیلئے گورنمنٹ کو تجویز پیش کی تھی کہ گلیات میں آلو کی کاشت کیلئے بہترین بیج مہیا کئے جائیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گلیات میں بہترین بیج مہیا ہوئے اور آلو کی کاشت اور پیداوار میں اضافہ ہوا۔

آپکے تمام خاندان نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور پاکستان کے قیام کے بعد مسلم لیگ کے نصب العین کے تحت اس جماعت سے منسلک رہے۔

ایک پرانے مسلم لیگی کی حیثیت سے آپنے ۱۹۶۵ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر انتخاب

میں حصہ لینے کی کوشش کی مگر مسلم لیگ کی طرف سے ٹکٹ نہ ملنے پر علاقے کے عوام نے
آپ کو مجبور کیا کہ آپ آزادانہ طور پر الیکشن میں حصہ لیں تاکہ آپ اسمبلی میں جاکر علاقے
کی کوئی خدمت سرانجام دے سکیں چنانچہ عوام کے اصرار پر آپ نے انتخاب لڑا
جس میں آپ کامیاب ہوئے مگر اسمبلی میں جاکر آپ مسلم لیگ پارٹی میں شامل ہو گئے
ایوب خان کے زمانے میں کنونشن مسلم لیگ میں رہے پھر قیوم گروپ میں شامل ہو گئے
اس طرح آپ نے مسلم لیگ کا دامن نہ چھوڑا۔ کامیاب ہونے کے بعد نیپ اور جمعیت
نے وزارتی پیش کش مگر آپ نے پارٹی وفاداری کو ترجیح دی اور ذاتی اقتدار سے
کنارہ کشی کی۔

نیپ اور جمعیت کی حکومت کے دوران آپ نے جوا بازی کے انسداد کے
لئے ایک قرارداد پیش کی جو متفقہ طور پر پاس ہوئی اور اس پر عملدرآمد بھی ہوا
آپ کا یہ نظریہ ہے کہ پاکستان جس مقصد کے لئے قائم ہوا تھا اگر قوم نے ان مقاصد
کی تکمیل میں کوتاہی کی تو یہ ملکی تباہی ہو گی۔

نیپ اور جمعیت کی وزارت کے خاتمے کے بعد جب سرحد میں متحدہ محاذ
کی حکومت بنی تو آپ کو بھی مربوط دیہی ترقیاتی پروگرام کا وزیر مقرر کیا گیا۔

کالج اور سکول میں تعلیم کے دوران سے ہی آپ بہترین مقرر تھے۔ سکول ہی کے
زمانے میں بین الصوبائی مباحثوں میں حصہ لے کر انفرادی انعام حاصل کئے اسلامیہ
کالجیٹ میں بھی تقریری مقابلوں میں آپ نے انفرادی انعام حاصل کئے۔ آپ
انتہائی ملنسار اور خلیق النفس ہیں آپ اپنے عہدے کو عوام کی امانت سمجھتے ہوئے
عوام سے انصاف کرنے میں کوئی دریغ نہیں کرتے۔

آپ پانچ بھائی ہیں سردار محمد اسلم خان۔ کیپٹن فضل الرحمان۔ سردار فضل الرازق
اور منور زمان۔ سب بھائی اخلاق حمیدہ کا مکمل نمونہ ہیں۔

سنہ ۱۹۵۶ء میں مغربی پاکستان کابینہ میں سرحدی نمائندگی

وزیر اعلیٰ	ڈاکٹر خان صاحب
وزیر خزانہ	سردار عبدالرشید خان
نائب وزیر صحت	خان نور محمد خان
نائب وزیر خزانہ	خان سخی جان خان

سنہ ۱۹۵۸ء میں مغربی پاکستان کابینہ میں سرحدی نمائندگی

وزیر صحت	خان خداداد خان ہزارہ
وزیر محصولات و آبکاری	ارباب نور محمد خان پشاور
وزیر سپلائی و دیہی ترقی	نوابزادہ محمد امیر خان آف ہوتی
نائب وزیر ترقیات و آبپاشی	خان سخی جان خان
نائب وزیر صحت	بیگم ممتاز جمال
پارلیمانی سیکرٹری	خان صفی اللہ خان
پارلیمانی سیکرٹری	نواب زادہ محمد علی خان خیر الحنیفی
پارلیمانی سیکرٹری	خان ملنگ خان ہزارہ

سنہ ۱۹۶۲ء میں مغربی پاکستان کابینہ میں سرحدی نمائندگی

وزیر مال و بحالیات	خان پیر محمد خان مردان
وزیر تعلیم	بیگم محمودہ سلیم

پارلیمانی سیکرٹری عبداللطیف خان، ارباب محمد افضل خان، ملک خان۔ ملک جہانگیر خان

مغربی پاکستان کابینہ میں سرحد کی نمائندگی

(دسمبر ۱۹۶۵ء کے انتخابات کے بعد)

خان حبیب اللہ خان	وزیر مال و آبکاری
خان محمد علی خان ہوتی	وزیر صحت
مکرم خان	پارلیمانی سیکرٹری برائے صنعت و تجارت
اقبال خان جدون	پارلیمانی سیکرٹری مواصلات و تعمیرات

صوبہ سرحد میں گورنر راج

حیات محمد خان شیرپاؤ کی شہادت کے بعد ۱۰ فروری ۱۹۷۵ء کو وفاقی حکومت نے صوبہ سرحد کے گورنر کو نوے دن کے لئے صوبہ سرحد کی حکومت کے تمام اختیارات اور فرائض سنبھالنے کا حکم دیا گیا اس حکم کے تحت صوبائی وزیر اعلیٰ اور صوبے کے دیگر وزراء فوری طور پر اپنے عہدوں سے سبکدوش ہو گئے

وفاقی حکومت کی طرف سے ایک پریس نوٹ جاری ہوا۔ جس میں کہا گیا کہ صوبہ سرحد کی حکومت کے اختیارات اور فرائض صوبائی گورنر کے حوالے کرنے کا فیصلہ آئین کی دفعہ ۲۳۲ (شق ۱ پیراگراف ج) کے تحت اس بناء پر کیا گیا ہے کہ ایک بیرونی ہمسایہ طاقت صوبے کی روزمرہ زندگی میں خلل پیدا کرنے میں سرگرمی سے مصروف ہے جس کے نتیجے میں پیدا شدہ صورت حال پر قابو پانا صوبائی حکومت کے بس سے باہر ہو گیا تھا۔

وفاقی حکومت نے اعلان کیا کہ یہ اقدام قطعاً عارضی ہے۔ عوام سے یہ اپیل بھی کی گئی کہ وہ صوبے کی انتظامیہ کو اور اس کی پرامن سیاسی ترقی کی بنیادوں کو مستحکم بنانے کیلئے وفاقی حکومت کے عزم اور فیصلے پر عملدرآمد میں اس کے ساتھ تعاون کریں پریس نوٹ میں کہا گیا کہ عوامی حکومت کے تحت جمہوریت کا قافلہ پیچھے نہیں ہٹ سکتا بلکہ وہ کسی قسم کی رکاوٹ

اور روک ٹوک کے بغیر آگے بڑھتا رہے گا۔ پاکستان کے عوام کو اور خاص طور پر صوبہ سرحد کے عوام کو واضح طور پر اس امر کا یقین دلایا گیا کہ یہ قطعاً ایک عارضی اقدام ہے۔ جو ایک ہنگامی ضرورت کا نتیجہ ہے اور یہ کہ صوبے میں سرکاری ادارے معمول کے مطابق بہت جلد پھر سے کام کرنے لگیں گے۔ پریس نوٹ میں کہا گیا کہ موجودہ ہنگامی صورت حال پر جو بلاشک و شبہ بیرونی سازش کا نتیجہ ہے انشاءاللہ قابو پا لیا جائے گا۔ پریس نوٹ میں کہا گیا کہ وفاقی حکومت کا اقدام دراصل جمہوریت کی طاقت اور اس کی قوت فروغ کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کا مظہر ہے کہ جمہوریت تخریبی طاقتوں کے خواہ وہ داخلی ہوں یا بیرونی، ہر چیلنج کا مقابلہ کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔

پریس نوٹ میں کہا گیا تھا۔ کہ گذشتہ کئی مہینوں سے پوری قوم صوبہ سرحد میں امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورت حال کے بارے میں تشویش اور اضطراب محسوس کر رہی تھی کیونکہ صوبے میں دہشت گردی اور تخریب کاری کے واقعات اس کثرت سے ہو رہے تھے کہ روزمرہ کا معمول بنتے جا رہے تھے اور یہ واقعات ایک بیرونی طاقت کی طرف سے پاکستان کے اندرونی معاملات میں کھلم کھلا مداخلت کا نتیجہ تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آزاد اور خودمختار ممالک کے درمیان پرامن بقائے باہمی کے اصولوں کو قطعاً نظر انداز کیا جا رہا تھا چونکہ آئین کی دفعہ ۱۴۸(۳) کے تحت وفاقی حکومت پر بیرونی جارحیت اور اندرونی گڑبڑ سے ہر صوبے کے تحفظ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس لئے حکومت پاکستان نے ان اقدامات کی طرف جو اس امر کا انتظام کرنے کے لئے ضروری تھے کہ صوبہ سرحد کے عوام خوف و خطر اور عدم تحفظ کی فضا میں سانس لینے سے محفوظ رہیں فوری توجہ دی۔

۱۴ مئی ۱۹۷۵ء کو بدھ کے دن بعد از دوپہر گورنمنٹ ہاؤس پشاور کے دربار ہال میں سرحد میں بننے والی بارہویں کابینہ کے وزراء نے حلف وفاداری اٹھایا۔ سرحد پیپلز پارٹی کے صدر مسٹر نصر اللہ خان خٹک ۳ مئی ۱۹۷۵ء کو وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے حلف اٹھا چکے تھے، گورنر سرحد میجر جنرل ریٹائرڈ سید غواث نے وزراء سے حلف لیا کابینہ میں سردار عنایت اللہ خان گنڈاپور

مسٹر اقبال خان جدون مسٹر ہمایون سیف اللہ خان ، راجہ جارج سکندر زمان خان ، عبدالرازق خان اور مولانا عبدالباقی کو شامل کیا گیا ۔ ان وزراء میں سردار عنایت اللہ خان گنڈاپور سرحد کی گیارہویں کابینہ کے وزیر اعلیٰ تھے اقبال خان جدون ، ہمایون سیف اللہ خان اور راجہ سکندر زمان خان اس سے پہلے گنڈاپور کابینہ میں بھی شامل تھے ۔ نئی کابینہ میں لئے جانے والے ایک وزیر مولانا عبدالباقی نیپ اور جمعیت کی کابینہ میں وزیر اوقاف تھے ۔ چھٹے وزیر عبدالرازق خان لئے گئے جو الیکشن ٹربیونل کے فیصلے کی رو سے کاکا عبدالعزیز کی جگہ سرحد اسمبلی کے ممبر قرار دیئے گئے ۔ کابینہ کے ان وزراء میں سے تین وزراء پیپلز پارٹی کے دو قیوم مسلم لیگ کے ایک آزاد اور ایک کا تعلق جمعیت العلمائے اسلام ہزاروی گروپ سے تھا ۔ حلف وفاداری کی تقریب کے بعد وزیر اعلیٰ نصر اللہ خان خٹک نے وزراء کو مندرجہ ذیل محکمے الاٹ کیے ۔

وزیر اعلیٰ سرحد نصر اللہ خان خٹک نے اپنے پاس امور داخلہ ۔ سروسز اور جنرل ایڈمنسٹریشن ۔ منصوبہ بندی ، ترقیات ۔ خزانہ ، اطلاعات اور جنگلات کے محکمے رکھے ۔ سردار عنایت اللہ خان گنڈاپور کو تعمیرات ، قانون ، پارلیمانی امور کے محکمے مسٹر عبدالرازق خان کو صنعت ، خوراک اور بلدیات کے محکمے مسٹر ہمایون سیف اللہ خان کو صحت ، خاندانی منصوبہ بندی ، سماجی بہبود اور سیاحت کے محکمے ، راجہ جارج سکندر زمان خان کو تعلیم اور سپورٹس کے محکمے اقبال خان جدون کو مال ۔ ایکسائز اور ٹیکسیشن کے محکمے مولانا عبدالباقی کو کارپوریشن جیل خانہ جات اور اوقاف کے محکمے دیئے گئے ۔

نصر اللہ خان خٹک نے اپنی کابینہ کی تشکیل میں صوبہ سرحد کی مالی حالت کو خاص طور پر مدنظر رکھا ۔ نیپ اور جمعیت کی وزارت میں وزیر اگرچہ سات تھے

مگر مشیروں کی بھرمار تھی پھر گنڈاپور وزارت میں پندرہ وزیر تھے۔ ان مذکورہ وزارتوں میں صوبہ سرحد کو وزیروں اور مشیروں کے بھاری اخراجات برداشت کرنا پڑے تھے، صوبہ سرحد ایک چھوٹا سا صوبہ ہے جو مالی حالت میں اتنا مضبوط نہیں کہ وہ وزیروں اور مشیروں کے بھاری بھاری اخراجات برداشت کر سکے۔ زیادہ وزیروں کے لئے جدید ترین سٹاف کاریں، آرائش و زیبائش سے مزین بنگلے، دوروں کے لئے ٹی اے ڈی اے وغیرہ کے اخراجات اسی طرح کم کئے جاسکتے تھے کہ وزیر کم ہوں۔ چنانچہ نصر اللہ خان خٹک نے صوبہ سرحد کی مالی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے کم سے کم وزیر لئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس ملک کی سیاست کا انحصار ہوس اقتدار پر ہو اس ملک کی قسمت کا خدا ہی حافظ ہوتا ہے وہی ملک دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا ہے جس ملک کے سیاستدان ملکی اور قومی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دیتے ہیں چین نے قیام پاکستان کے کئی سال بعد آزادی حاصل کی چین کے سیاستدانوں نے ملکی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دی اپنی سیاست کی بنیاد قومی اور ملکی ترقی کے پروگراموں پر رکھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت ہی قلیل عرصے میں چین کا شمار دنیا کی بڑی طاقتوں میں ہونے لگا امریکہ اور یورپ کے کئی ملک جن کی سیاست ذاتی اقتدار کی ہوس سے پاک ہے دن بدن ترقی کرتے چلے جا رہے ہیں۔ بدقسمتی سے پاکستان کے قیام اور قائد اعظم اور شہید ملت لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد پاکستان کی مملکت اقتدار کی ہوس کا شکار رہی جس کی وجہ سے قومی یکجہتی قومی ترقی اور ملکی بہبود اور ملکی ترقی کا فقدان رہا پاکستان کی بڑی اکثریت والی مسلمان قوم بجائے اس کے کہ وہ متحد اور متفق ہو کر قومی سیاست میں حصہ لیتی سیکڑوں دھڑوں میں بٹتی چلی گئی اس

ذاتی ہوس اقتدار نے صوبائی تعصب کو ہوا دی اور اس تعصب کی بنا پر مشرقی پاکستان کا بازو پاکستان سے جدا ہوا۔ زبان کے مسئلے ثقافت اور تہذیب کے مسئلے اور اسی طرح مختلف قومیتوں کے نعرے دراصل اسی ہوس اقتدار کی پیداوار ہیں جس نے پاکستان کی وحدت، قومیت، تہذیب و تمدن زبان اور ثقافت کو بری طرح متاثر کر رکھا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستانی قوم احساس ملت اور حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہو کر اس قسم کی ہوس رکھنے والوں کو سیاسی میدان میں کامیاب ہی نہ ہونے دے تاکہ یہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہی نہ ہو سکیں۔ جمہوریت کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ کسی اسمبلی کا ہر کامیاب ممبر اقتدار کی ہوس رکھتے ہوئے وزیر بننے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے اور اگر اسے وزارت نہ ملے تو پھر بننے والی وزارت کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دے۔ جمہوری تقاضا تو یہ ہے کہ ایک حلقے کے عوام جب کسی پر اعتماد کر کے اسے اسمبلی میں بھیجتے ہیں تو اس ممبر کا فرض ہے کہ وہ اسمبلی میں جاکر اپنے حلقے کے عوام کی نمائندگی کرے۔ ملک کے لئے بہترین قسم کے قانون کے نفاذ کے لئے اپنا کردار ادا کرے۔ اپنے حلقے کے عوام کی تکالیف کو دور کرانے میں جدوجہد کرے اور قومی اور ملکی مفاد کے لئے اپنے تمام ذاتی مفادات کو قربان کرتے ہوئے ملک اور قوم کی ترقی اور سربلندی کے لئے جدوجہد کرے۔

نصراللہ خان خٹک کی قیادت میں بننے والی وزارت میں کئی ممبروں نے یہ امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں کہ ان کی کابینہ میں شمولیت کا امکان اس لئے لازمی ہے کہ ان کے بغیر سرحد میں مستحکم وزارت نہ بن سکے گی۔ مگر نصراللہ خان خٹک کی مختصر کابینہ کے اعلان کے بعد وہ خاموش ہو گئے۔ اگر اس بار بھی کابینہ

میں وزیروں کی تعداد زیادہ ہوتی تو عوام اس رجحان کے خلاف شدید رد عمل کا اظہار کرتے۔ کیونکہ عوام کے دلوں میں اب احساس پیدا ہو چکا ہے کہ بعض سیاستدان محض اپنے اقتدار کی خاطر لوگوں کو بے وقوف بنا کر انہیں سنہرے خواب دکھاتے ہیں اور جب وہ کرسی اقتدار پر قابض ہو جاتے ہیں تو پھر عوامی مشکلات اور عوامی مصائب کو دیکھ کر مسکراتے اور قہقہے لگانے کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اب عوام یہ سمجھ چکے ہیں کہ ہماری قومی سیاست کا رجحان صرف یہ ہونا چاہیئے کہ ملک ترقی کی منزلیں طے کرے۔ اور پاکستانی قوم اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کر سکے اور پاکستان جس مقصد کے تحت قائم ہوا ہے اس مقصد کو حاصل کیا جا سکے۔ کابینہ میں لئے جانے والے وزراء میں مولانا عبدالباقی۔ ہمایون سیف اللہ خان، اقبال خان جدون راجہ جاروح سکندر زمان کا تعارف گذشتہ اوراق میں دیا جا چکا ہے اس حصے میں صرف وزیراعلےٰ نصر اللہ خان خٹک اور عبدالرازق خان کا تعارف دیا جا رہا ہے۔

نصراللہ خان خٹک

آپ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو صوبہ سرحد کی عصیل نوشہرہ کے ایک تاریخی گاؤں مانکی شریف میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم مانکی شریف میں حاصل کی کچھ عرصہ نوشہرہ میں زیر تعلیم رہنے کے بعد ایچی سن کالج لاہور میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۷ء میں سنیئر کیمبرج کا امتحان پاس کیا۔ آپکے والد خان میر اسلم خان خٹک صوبہ سرحد میں مسلم لیگ

کے بانی اراکین میں سے تھے جو صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی تنظیم اور قیام پاکستان کی جدوجہد میں میر اسلم خان خٹک نے نمایاں کارنامے سرانجام دیئے۔ قائد اعظم جب ۱۹۴۷ء میں سرحد میں مسلم لیگ کی تنظیم اور تحریک پاکستان کی جدوجہد کے سلسلے میں سرحد کے دورے پر آئے تو میر اسلم خان خٹک نے اسی ہزار روپے کی تھیلی قائد اعظم کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا۔

"قیام پاکستان کی جدوجہد اور سرحد میں مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے میری یہ مالی امداد

قبول فرمایئے۔" قائد اعظم نے یہ تھیلی وصول کرتے ہوئے کہا " آپ جیسے قومی احساس رکھنے والے لوگوں کی موجودگی میں ہندو اپنے ارادوں میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ انشاء اللہ پاکستان کی منزل قریب ہے اور ہم اپنی منزل ضرور حاصل کر کے ہی رہیں گے۔" سرحد میں کانگرس وزارت کے ظلم و تشدد کے خلاف جب مسلم لیگ نے سول نافرمانی کا آغاز کیا تو میر اسلم خان خٹک نے نوشہرہ اور قرب وجوار کے دیہات میں اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے کافی جدوجہد کی۔ ۱۹۴۶ء میں سرحد اسمبلی کے انتخابات میں میر اسلم خان خٹک کانگرسی امیدوار میاں جعفر شاہ کے مقابلے میں حصہ لیا۔ چونکہ برسر اقتدار پارٹی کانگرس کی تھی اس لئے کانگرسی امیدوار کے مقابلے میں آپ کو ناکام ہونا پڑا۔

قیام پاکستان کے وقت سرحد میں کانگرس نے جب ریفرنڈم کا ڈھونگ رچایا تو میر اسلم خان خٹک نے حضرت پیر صاحب مانکی شریف کی قیادت میں دن رات کام کیا لوگوں کو پولنگ سٹیشنوں پر لانے کا اپنے خرچ پر انتظام کیا۔ اسی طرح بھارت سے لٹے پٹے بے یار و مددگار مہاجروں کے قافلے جب سرحد پہنچے تو میر اسلم خان خٹک نے ان بے بس مہاجرین کی ہر قسم مالی مدد کی تاکہ بھارت سے آنے والے لوگ دوبارہ اپنے پاؤں پہ کھڑا ہو کر آرام اور سکھ کی زندگی بسر کر سکیں۔ قیام پاکستان کے ساتھ جب بھارت نے کشمیر پہ غاصبانہ قبضہ کیا اور کشمیری باشندوں نے آزادی کی جدوجہد کا آغاز کرتے ہوئے پاکستانی مسلمانوں سے اخلاقی مدد کی درخواست کی تو میر اسلم خان خٹک نے اپنے خرچ پر ہزاروں رضاکار کشمیر کے محاذ پر بھیجے ان رضاکاروں کے خرچ اخراجات خوراک اور اسلحہ کا انتظام بھی انھوں نے خود کیا۔ ان مجاہدین رضاکاروں کشمیر کے مختلف محاذوں پہ پہنچانے کے لئے ٹرانسپورٹ کا بھی خود ہی انتظام کیا۔ اس طرح اس گھرانے کی بسیں اور ٹرک مجاہد رضاکاروں کو کشمیر کے محاذوں پر پہنچانے

میں مصروف رہے۔ قیام پاکستان کے بعد تعمیر پاکستان اور تحفظ پاکستان کے سلسلے میں
اس گھرانے کی خدمات ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہیں۔ جب بھی ملک پر کوئی مصیبت
آئی اور وطن اور قوم کو مالی امداد کی ضرورت پیش آئی تو اس گھرانے نے وطن
اور قوم کی خوشی کو اپنی خوشی اور قوم اور وطن کے غم کو اپنا غم سمجھ کر ہر قسم کی قربانی
دینے سے کبھی بھی دریغ نہیں کیا۔ یہ بات خاص کر قابل ذکر ہے کہ اس گھرانے نے
تحریک پاکستان اور پھر تعمیر پاکستان میں بے لوث خدمات سرانجام دی ہیں۔
لاکھوں روپے کی مالی قربانیوں کے باوجود اس خاندان نے ان قربانیوں کے
عوض حکومت سے کسی صلے کی نہ تو امید رکھی اور نہ ہی کسی صلے کے لئے جدوجہد کی
جیسا کہ کئی لوگ جب کسی سیاسی پارٹی میں کام کرتے ہیں اور جب وہ پارٹی برسراقتدار
آجاتی ہے تو پھر وہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ پارٹی میں کارکردگی کی بنا پر انہیں
کوئی نہ کوئی عہدہ ملے یا کوئی منفعت حاصل ہو اور اگر بعض دفعہ برسراقتدار
پارٹی کے لئے اس آدمی کی خواہش کی تکمیل ناممکن ہو تو پھر وہ آدمی یا کارکن پارٹی
کے خلاف بغاوت پر کمر باندھ لیتا ہے اور پھر اسی پارٹی کے لیڈروں کے خلاف
زہر افشانی شروع کر دیتا ہے جیسا کہ ۴۵ سال تک ہمارے ملک میں ہوتا رہا
ہے یا آج کل بھی بعض دفعہ ایسے لوگ سیاسی پردے پر نمودار ہو جاتے ہیں
قیام پاکستان کے دنوں میں نصر اللہ خان خٹک لاہور کے ایچی سن کالج میں
زیر تعلیم تھے۔ لاہور کے طلباء نے یونینسٹ وزارت کے خلاف جدوجہد
شروع کر رکھی تھی اس میں نصر اللہ خان خٹک صوبہ سرحد کی نمائندگی کر رہے
تھے۔ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ایک ممبر کی حیثیت سے آپ تحریک پاکستان
کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے والے طلباء کی صف اول میں شامل تھے پاکستانی

کے قیام کے اعلان کے وقت آپ لاہور میں ہی تھے۔ جب بھارت سے
مہاجرین کے قافلے لاہور پہنچنا شروع ہوئے تو آپ نے اپنے آرام و آسائش
نیند خوراک اور تعلیم کو خیر باد کہہ کر دن رات مہاجر کیمپوں میں مہاجرین کی
خدمت شروع کی۔ آپ نے خالصہ کالج، والٹن کیمپ اور کنال پارک کے مہاجر کیمپوں میں دن
رات کام کیا۔ آپ ہر ایک کیمپ میں جاتے۔ بیمار مہاجرین کی عیادت کرتے انہیں
دوا کی ضرورت ہوتی تو دوا لاکر دیتے، مرہم پٹی کی ضرورت ہوتی تو خود
مرہم پٹی کرتے۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو ان کا غم بھلانے کے لئے قسم
قسم کے کھلونے خرید کر لاکر دیتے اور اپنی جیب سے نقد روپے انہیں دیتے
تاکہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ مہاجر کیمپوں میں بعض ایسے لوگ
تھے جن کے لواحقین بھارت میں رہ گئے تھے یا ان کے متعلق انہیں کوئی
معلومات نہ تھیں ایسے مہاجر اپنے لواحقین کو خط لکھوانا چاہتے تو آپ بڑی
خوشی سے ان کے پاس بیٹھ کر انہیں خط لکھ کر دیتے۔ لاہور کے والٹن کیمپ
میں آپ نے کئی دن اور راتیں مہاجروں کی خدمت میں گزاریں۔ مہاجر کیمپوں
میں پانی کے نل کم تھے، مہاجروں کی تعداد زیادہ تھی اس لئے بعض دفعہ نل سے پانی
لینے کے لئے گھنٹوں لائن میں کھڑا ہو کر انتظار کرنا پڑتا تھا۔ بوڑھی عورتیں، بوڑھے
مرد اور بیمار لوگ جو کافی دیر تک پانی لینے کے لئے لائن میں کھڑے نہیں ہو سکتے
تھے ان کے لئے آپ خود لائن میں کھڑے ہو جاتے اور اپنی باری کا انتظار کرتے
گھر سے تعلیمی اخراجات کے لئے جو رقم پاس تھی وہ بھی بے کس مہاجرین کی مدد میں
خرچ کی بلکہ مزید روپیہ گھر سے منگا کر مہاجرین کی ہر ممکن مدد کی۔ ان دکھی انسانوں
کی خدمت اور مدد کے لمحات کو وہ اپنی زندگی کا بیش قیمت سرمایہ سمجھتے ہیں
مہاجر کیمپوں میں خدمات کے بعد کشمیر کے جہاد میں عملی حصہ لیتے ہوئے بارہ مولا

کے محاذ پر پہنچے ۔ آپکے والد نے سپلائی کا کام آپکے ذمے کر دیا تھا آپکے بڑے بھائی کشمیر کی جنگ آزادی میں عملی حصہ لیتے ہوئے زخمی ہوئے۔ ۱۹۵۹ء میں نصراللہ خان خٹک بی ڈی نظام کے تحت اپنے حلقے سے بلامقابلہ یونین کونسل مانکی شریف کے ممبر منتخب ہوئے پھر اسی یونین کونسل کے بلامقابلہ چیئرمین منتخب ہوئے۔

صدر ایوب خان نے جب مارشل لاء کے خاتمے کے بعد مسلم لیگ کے دامن کو تھام کر ملک پر اپنے اقتدار کو مستحکم کرنا چاہا تو کنونشن مسلم لیگ کی داغ بیل پڑی۔ ایوب خان اس مسلم لیگ کے صدر منتخب کئے گئے۔ یہ سرکاری مسلم لیگ تھی جس کے متعلق عام سیاسی خیالات یہ تھے کہ ہر وہ سیاستدان جو اقتدار کی ہوس رکھتا ہے وہ اس مسلم لیگ کے دروازے کے ذریعے اپنی منزل کو پانے میں کامیاب ہو سکتا ہے لہذا بعض سیاسی لیڈروں نے جن کی سیاست کا نصب العین کسی وزارت میں حصہ دار بننا یا حکومت سے کوئی مفاد حاصل کرنا تھا وہ اس مسلم لیگ کے پرچم کے سائے میں آ گئے اور بعض محض اس لئے اس میں شامل رہ کر آمریت کی دیواروں کو توڑنے کا موقع مل سکے۔ بہر حال حکومتی پارٹی کا مقابلہ آسان کام نہ تھا۔ ۱۹۶۲ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کے انتخابات میں نوشہرہ کے حلقے سے آزاد امیدوار کی حیثیت سے حصہ لیا اور کامیاب ہوئے۔ اسمبلی کے ممبر کی حیثیت سے آپ نے اپنے حلقے کے عوام کے مسائل حکومت کے سامنے پیش کئے اور ان کو حل کرانے کے لئے پوری تندہی سے کوشش کی۔ آپ کی ان کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ نوشہرہ کے لئے کئی ترقیاتی سکیمیں منظور ہوئیں۔ تعلیمی میدان میں آپ نے نوشہرہ کالج کے قیام اور اسے ڈگری کالج بنانے کے لئے اہم کردار ادا کیا۔ نوشہرہ میں کشتیوں کے پل کی جگہ پختہ پل کی تعمیر کی منظوری

دلائی، نوشہرہ میں اکثر زمین آبپاشی کے بہتر ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے بنجر پڑی ہوئی تھیں۔ آپ نے کئی ٹیوب ویلوں کی منظوری دلوائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان ٹیوب ویلوں کی منظوری مل جانے کی وجہ سے زرعی لحاظ سے نوشہرہ نے ترقی کی منزل میں قدم رکھا۔ نوشہرہ سے مانکی شریف اور نوشہرہ سے زیارت کا کا صاحب کی سڑکیں کچی تھیں۔ انہیں پختہ کرانے کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے

۱۹۶۵ء میں قومی اسمبلی کے انتخابات میں آپ نے علاقے کے عوام کی زبردست خواہش کی بنا پر آزادانہ امیدوار کی حیثیت سے حصہ لیا۔ آپ کا مقابلہ میاں جمال شاہ سے تھا جو برسر اقتدار کنونشن مسلم لیگ پارٹی کے امیدوار تھے الیکشن میں پہلے دن کے نتائج کے مطابق دونوں میں چند ووٹوں کا فرق تھا اور یہ فرق بوگس ووٹوں کا تھا جن کے ساتھ روپے پیسے کے لوٹ اور دوسرے غیر قانونی نشانات تھے۔ جو حکومتی پارٹی کے امیدوار کی وجہ سے مسترد نہ کئے گئے پریزائیڈنگ آفیسر کی ناجائز حمایت کے سلسلے میں آپ نے الیکشن پٹیشن کی جس کے نتیجے میں میاں جمال شاہ نے حکومتی پارٹی کے تعاون سے اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کی، اپیل کے فیصلے کی رو سے میاں جمال شاہ کو کامیاب قرار دیا گیا۔ اپیلوں کا یہ سلسلہ سپریم کورٹ تک جا پہنچا۔ سپریم کورٹ نے میاں جمال شاہ کے خلاف فیصلہ دیتے ہوئے آپ کے حق میں ووٹ دیا۔

ایوب خان کی حکومت کے خلاف پہلے مادر ملت میدان میں نکلیں وہ کامیاب نہ ہو سکیں کیونکہ ہمارے ملک کے چند علماء نے یہ فتویٰ جاری کر کے عام تشہیر کر دی تھی کہ عورت کو صدارتی انتخاب میں ووٹ دینا جائز نہیں مادر ملت کی ناکامی کے بعد عوام انتہائی مایوس ہو چکے تھے وہ کسی رہنما کی تلاش میں تھے۔ اچانک پاکستان کی افق سیاست پر ذوالفقار علی بھٹو نمودار ہوئے۔

ذوالفقار علی بھٹو ایوب خان کی وزارت میں ایندھن اور قدرتی وسائل کے وزیر
اور پھر وزیر خارجہ بھی رہ چکے تھے۔ جب مادر ملت نے ایوب خان کی اکثریت
کے خلاف ایوب خان کے مقابلے میں صدارتی انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا
تو اس وقت ذوالفقار علی بھٹو ایوب خان کی کابینہ میں وزیر خارجہ تھے اور انہوں
نے بھی صدارتی انتخابات میں حصہ لینے کے لئے اپنے کاغذات نامزدگی
داخل کرائے تھے جو بعد میں انہوں نے صدر ایوب کے حق میں واپس لے لئے تھے
۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد تاشقند میں جب پاک و ہند کے درمیان
معاہدہ ہوا تو اس معاہدے کی کچھ شرائط سے ذوالفقار علی بھٹو متفق نہ
تھے اس اختلاف نے آخر کار یہ صورت اختیار کر لی کہ انہوں نے کابینہ
سے استعفیٰ دے دیا اور پھر ملکی سیاست میں حصہ لینے کے لئے سرگرمی
سے کام شروع کر دیا۔ انہوں نے پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد ڈالی اور ایوب
خان کے خلاف ایک منظم تحریک کا آغاز کیا تاکہ ملک میں جمہوریت کا دور
دورہ ہو اور لوگ آمریت سے نجات حاصل کر سکیں۔ ملک غلام مصطفیٰ کھر کے
بعد خان نصراللہ خان خٹک دوسرے ایم این اے تھے جنہوں نے ایوب
خان کی آمریت کے خلاف اور ملک میں جمہوریت کے لئے جدوجہد کی۔
اس لحاظ سے آپ ان لوگوں میں شامل ہیں جنہوں نے باہمی صلاح مشورے
کے ساتھ ذوالفقار علی بھٹو کی پوری تائید کی کہ پیپلز پارٹی کے پرچم کے سائے
میں عوام کو اکٹھا کر کے عوامی طاقت کے ذریعے ملک میں جمہوریت کا آغاز
کیا جائے۔ اس لحاظ سے آپ پیپلز پارٹی کے بانی اراکین میں سے ہیں۔ مالی
لحاظ سے بھی آپ نے ابتدائی دنوں میں پیپلز پارٹی کو کافی مالی تقویت
بہم پہنچائی۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں آپ نے نوشہرہ سے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا۔ مگر ناکام ہوئے۔ اس کے تھوڑے عرصے کے بعد پشاور کے ضمنی انتخابات میں آپ کو مسلم لیگ کے امیدوار یوسف خٹک کے مقابلے میں پیپلز پارٹی کا ٹکٹ دیا گیا اس میں بھی آپ کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ اس بار ایک خاص سیاسی پارٹی نے شہری اور غیر شہری کا امتیاز پیدا کرنے کے لئے پروپیگنڈا کیا جس کی وجہ سے آپ کامیاب نہ ہو سکے انتخابات میں ناکامی سے آپ دل برداشتہ نہ ہوئے بلکہ پوری لگن کے ساتھ پیپلز پارٹی کے صوبائی صدر حیات محمد خان شیر پاؤ کی قیادت میں سرحد میں پیپلز پارٹی کی تنظیم کے لئے کام کرتے رہے۔

مئی ۱۹۷۲ء میں آپ کو تیونس میں پاکستان کا سفیر مقرر کیا گیا۔

حیات محمد خان شیر پاؤ کی شہادت کے بعد پیپلز پارٹی کے چیئرمین اور پاکستان کے وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے آپ کو تیونس سے واپس بلا کر حیات محمد خان شیر پاؤ کی جگہ ۲۳ فروری ۱۹۷۵ء کو صوبہ سرحد پیپلز پارٹی کا صدر مقرر کیا۔ مارچ ۱۹۷۵ء میں حیات خان شیر پاؤ شہید کی خالی ہونے والی صوبائی نشست کا ضمنی انتخاب ہوا اس حلقے کے لئے پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نے آپ کو اپنا مشترکہ امیدوار کھڑا کیا۔ آپکے مقابلے میں صرف ایک امیدوار میجر صادق قریشی تھے۔ اپوزیشن جماعتوں کی انتخابی ہمدردیاں میجر صادق قریشی کے ساتھ تھیں۔ ۶ اپریل ۱۹۷۵ء کو انتخاب ہوا۔ جس میں بھاری اکثریت سے آپ سرحد اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۲۵ اپریل ۱۹۷۵ء کو سرحد کی صوبائی اسمبلی میں مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کے پارلیمانی اجلاس میں آپکو مشترکہ طور پر پارلیمانی قائد منتخب کیا گیا۔ ۲ مئی ۱۹۷۵ء کو سرحد اسمبلی کے اجلاس

میں بلامقابلہ قائدایوان منتخب ہوئے۔ ۳ مئی ۱۹۷۵ء کو گورنمنٹ ہاؤس پشاور
میں نصراللہ خان خٹک نے سرحد کے وزیراعلیٰ کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔
اس حلف اٹھانے کے ساتھ ہی وفاقی حکومت نے راولپنڈی سے ایک سرکاری
اعلان جاری کیا کہ وفاقی حکومت نے ۱۷ فروری ۱۹۷۵ء کو آئین کے آرٹیکل
نمبر ۲۳۲ کی دفعہ ۲ پیرگراف سی کے تحت صوبہ سرحد کے گورنر کو ۹۰ دن
کے لئے صوبہ سرحد کے تمام اختیارات اور امور سنبھالنے کی جو ہدایت کی تھی
اس حکم کو واپس لیا جاتا ہے کیونکہ اس حکم کے واپس لئے جانے سے مراد یہ ہوئی
کہ صوبائی اسمبلی بحال کردی گئی ہے۔ نوے دن کے ختم ہونے سے پہلے ہی
صوبہ سرحد میں جمہوری عمل مکمل طور پر بحال کردیا گیا"۔

صوبہ سرحد میں گورنری راج کے نفاذ کے بعد گورنر کے تین مشیر مقرر کئے
گئے تھے تاکہ صوبائی نظم ونسق کے ڈھانچے میں کسی قسم کا خلا نہ پیدا ہو۔ ان مشیرں
میں پشاور کے مشہور مسلم لیگی لیڈر خان فدا محمد خان ایڈوکیٹ، مردان کے جی ایم
خان اور کوہاٹ کے سید افتخار گیلانی تھے۔ وفاقی حکومت کے مذکورہ اعلان
کے ساتھ ہی مشیروں کو بھی سبکدوش کردیا گیا۔

نصراللہ خان خٹک پرانے سیاستدان ہیں۔ انھوں نے ایوب خان کے
دورحکومت میں حکومتی پارٹی کے مقابلے میں کامیاب ہوکر اپنے علاقے
کے عوام کی کافی خدمت کی۔ قدرت نے آپ کو انتظامی صلاحیتوں اور کارکردگی
کے اوصاف سے خوب نوازا ہے اس کے ساتھ ساتھ آپ میں خلوص کا جذبہ
بھی کارفرما ہے ان تمام اوصاف کی وجہ سے آپ جہاں بھی اور جس میدان میں
رہیں کامیابی آپ کے قدم چومتی ہے۔ تیونس میں آپ سفیر بن کر گئے تو آپ
نے وہاں جاکر اپنے قیام کے دوران پہلی دفعہ تیونس کے صنعتی میلے میں پاکستانی

صنعت کاروں کو شریک کرا کر پاکستانی مصنوعات سے تیونس کے عوام کو روشناس کرایا۔ اسی طرح آپ کے جانے کے بعد تیونس اور پاکستان کے درمیانی خیر سگالی وفود کے تبادلے ہوئے جن سے ان دونوں ممالک کے درمیان رشتۂ اخوت کی مضبوطی کا مزید ذریعہ پیدا ہوا۔ اسی طرح تیونس کے لئے تقریباً ایک سو پاکستانی ٹیچروں اور تقریباً چھ ڈاکٹروں کی منظوری لی۔ تیونس عوام کو پاکستان سے روشناس کرانے کے لئے آپ نے سفارتی سطح پر کافی کوشش کی تنظیمی لحاظ سے آپ نے صوبہ سرحد میں پیپلز پارٹی کی صدارت کا عہدہ سنبھالتے ہی پیپلز پارٹی کی تنظیم میں اہم انقلابی اقدامات کئے جن کی وجہ سے سرحد میں پارٹی کا مستقبل انتہائی درخشاں ہو گیا ہے۔ پارٹی کے کارکنوں کی حوصلہ افزائی سے پارٹی مضبوط ہوتی ہے اور دوسرے لوگ اس پارٹی میں جوق در جوق کھچے چلے آتے ہیں۔ اس اصول کی بنا پر آپ نے پیپلز پارٹی کے کارکنوں کی حوصلہ افزائی کے لئے انہیں مختلف انتظامی عہدوں پر مقرر کیا آپ کے اس اقدام سے پارٹی کے کارکنوں کے حوصلے بلند ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصے میں سرحد کے ہزاروں افراد پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے جن میں ایسے افراد بھی شامل ہیں جو سرحد کی سیاست میں اہم مقام بھی رکھتے تھے۔ آپ کے وزیر اعلیٰ ہوتے ہی سرحد میں خوف و دہشت کی فضا کا خاتمہ ہو گیا دھماکوں میں شدید کمی پیدا ہو گئی ہے امن و امان کی بگڑی ہوئی صورت حال کو آپ نے فوراً کنٹرول کر کے اپنی اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کا ثبوت فراہم کیا۔

عبدالرزاق خان

آپ ۲۶ر جنوری ۱۹۲۶ء کو ضلع مردان کی تحصیل صوابی کے ایک گاؤں تور ڈھیر میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شمروز خان ہے۔ کالج میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ آزادی کی تڑپ نے تعلیم کو مکمل نہ ہونے دیا۔ تحریک پاکستان کے سلسلے میں مولانا شوکت علی، مولوی عبدالحامد بدایونی اور مولانا ظفر علی خان نے
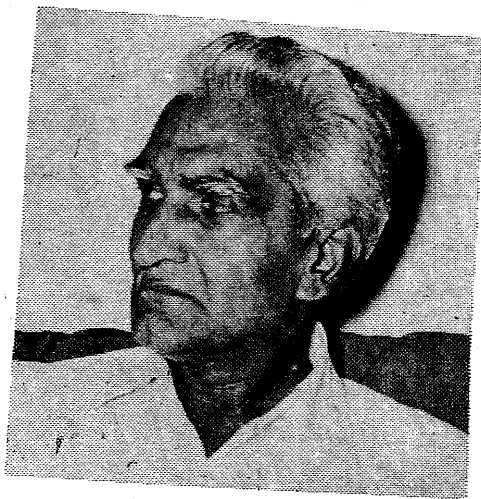
صوابی میں جلسے کئے، جلوس کئے اور تقریریں کیں۔ ان زعماء کی تقریروں سے

متاثر ہو کر آپ ۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے، آزادی کے حصول
تک آپ نے مسلم لیگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ صوابی کا علاقہ مولانا شاہ محمد
مولانا عصمت اللہ صحبت کاکا بخت جمال خان اور روشن خان اور آپ کی
کوششوں سے صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کا ایک گڑھ بن چکا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں
جب قائد اعظم کی ہدایت پر مسلم لیگ نے سرحد میں تحریک سول نافرمانی
کا آغاز کیا تو آپ نے بھی اپنے قائد کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے تحریک
میں زور شور سے حصہ لیا نتیجے میں آپ گرفتار ہو کر جیل گئے، جب کانگرس
کی سازش سے سرحد میں ریفرنڈم کا ڈھونگ رچایا گیا تو آپ نے مردان
میں ریفرنڈم کے دنوں میں صوابی اور مردان کے کتنی گاؤں میں گھر گھر
جا کر لوگوں کو یہ پیغام دیا کہ وہ پاکستان کے حق میں ووٹ دے کر اپنا
قومی فریضہ پورا کریں۔ قیام پاکستان کے بعد جب بھارت سے لٹے ہوئے
مہاجرین کے قافلے پاکستان پہنچنا شروع ہوئے تو آپ نے ان بے بس
مہاجرین کی خدمت اور آبادکاری کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ سرحد
کے کئی مہاجر کیمپوں میں جا کر آپ نے بے لوث خدمات سرانجام دیں۔ آپ کو
مسلم لیگ سے خاص انس ہے، مگر ایک بات انتہائی قابل رشک ہے۔
کہ آپ نے ایک مخلص مسلم لیگی کی حیثیت سے بے لوث خدمات سرانجام دی ہیں،
آپ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو مسلم لیگ میں وقتی طور پر خدمات سرانجام
دینے کے بعد ان خدمات کے صلے میں پرمٹ اور جائیدادوں کی ناجائز الاٹمنٹ
کے حصول کے لئے کوشاں تھے۔ اس بے داغ سیاسی ماضی کی وجہ سے ۱۹۷۰ء
کے انتخابات میں آپکو علاقے کے عوام نے سرحد اسمبلی کے لئے اپنا نمائندہ منتخب
کرانے کی کوشش کی تاکہ وہ علاقے کی خدمت کر سکیں، ضلع مردان میں جہاں

کی آبادکاری کے لئے آپ نے انتھک کوشش کی۔ آپ نے مردان مسلم لیگ کے صدر اور صوبہ سرحد مسلم لیگ کے جائنٹ سیکرٹری کے فرائض بھی سرانجام دیئے آپ کا نظریہ یہ ہے کہ پاکستان کا قیام مسلم لیگ کے نصب العین کا نتیجہ ہے اور مسلم لیگ ہی پاکستان کے بقا استحکام اور ترقی میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے صوابی کے انتخابی حلقے سے کاکا عبدالعزیز ضمنی انتخاب میں کامیاب ہوئے تھے مگر ۱۷ اکتوبر ۷۴ ۱۹ء کے الیکشن ٹریبونل کے فیصلے کے مطابق آپ کو ۳۵ ووٹوں کی اکثریت سے کامیاب قرار دیا گیا۔ چنانچہ ٹریبونل کے اس فیصلے کے بعد جب سرحد میں گورنری راج کے بعد نصراللہ خان خٹک کی قیادت میں کابینہ بنی تو آپ کو کابینہ میں لیا گیا آپ کو خوراک، زراعت، صنعت اور بلدیات کے محکمے دیئے گئے۔ وزارت کا قلمدان سنبھالنے کے بعد آپ نے عوام کو یہ کہا کہ صوبہ سرحد ایک پسماندہ صوبہ ہے، مرکزی حکومت اس صوبے کو ترقی دینے کی بھرپور کوشش کر رہی ہے، ترقیاتی منصوبوں کے لئے مرکزی حکومت کافی بجٹ بھی فراہم کر رہی ہے اس لئے جب تک میرے پاس صنعت کا محکمہ ہے میں اس وقت تک یہی کوشش کروں گا کہ سرحد میں ہر چھوٹی اور بڑی صنعت کی سرپرستی کی جائے گی ہر صنعت کار کو سرکاری مراعات اور سہولیات بہم پہنچائی جائیں گی تاکہ صنعت کاروں کی حوصلہ افزائی ہو اور یہ صوبہ صنعتی لحاظ سے شاندار ترقی کر سکے۔ صنعت کے علاوہ دوسرے محکموں کے انچارج ہونے کی حیثیت سے بھی پوری پوری کوشش کی جائے گی کہ سرحد کے عوام کو میں ان متعلقہ محکموں کے ذریعے ہر ممکن فائدہ پہنچا سکوں۔ آپ ۱۹۶۰ء میں بنیادی جمہوریتوں کے نظام کے تحت مغربی پاکستان اسمبلی کے بھی ممبر منتخب ہو کر اپنے علاقے کی اہم خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔

کھڑے ہوئے } خان بہادر سلطان محمد خان، مولوی نور بخش، ارباب محمد شریف خان، مسٹر سکندر خان، خان ملک الرحمن خان، خان بہادر محمد زمان خان، خان صاحب سلطان حسن علی خان، خان محمد عباس علی خان، خان محمد ایوب خان

صفِ اوّل } خان بہادر تاج محمد خان، خان عبدالغفار خان، ارباب عبدالرحمن خان۔

کھڑے ہوئے } عطاء اللہ جان اسسٹنٹ سیکرٹری، لالہ لدھا رام، خان عبدالمجید خان، رائے صاحب مہر چند کھنہ، مسٹر پیر بخش، خان حبیب اللہ خان، مسٹر عبدالقیوم خان، خان غلام حسن خان، خان صاحب قاضی میر احمد، نوابزادہ اللہ نواز خان

صفِ ثانی } بابا نرنجن سنگھ بیدی، کرنل سی آئی برائرلے، مسٹر لے، ڈی ایف ڈنڈس، شیخ عبدالحمید خان (سیکرٹری)

بیٹھے ہوئے } خان بہادر غلام حیدر خان، رائے بہادر کرم چند، مسٹر جے ایس تھامس، خان بہادر نوابزادہ محمد خان، آنریبل خان بہادر نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان وزیر بیرسٹر، آنریبل خان بہادر عبدالغفور خان پریذیڈنٹ لیجسلیٹو کونسل، آنریبل مسٹر جی کننگھم ممبر ایگزیکٹو کونسل، خان بہادر عبدالرحیم خان، ملک خدا بخش خان، مسٹر جے سیکرٹری۔ خان بہادر نواب حمید اللہ خان۔